اللہ رب العالمین عزوجل کی بارگاہ میں مقربین خدا انبیاء کرام علیہم السلام
اور اولیاء عظام رحمۃ اللہ علیہم کے توسل کے بارے میں تحقیقی وعلمی کتاب
حقیقتِ توسّل
از قلم
الشیخ عیسیٰ بن عبداللہ بن مانع الحمیری
مترجم
مناظر اسلام حضرت العلام
مفتی محمد عباس رضوی صاحب مدظلہ العالی
مفتی احناف متحدہ عرب امارات
تخریج وحاشیہ
ڈاکٹر قاری محمد ارشد مسعود چشتی رضوی
پروگریسو بکس

اللہ رب العالمین عزوجل کی بارگاہ میں مقربین خدا انبیاء کرام علیہم السلام
اور اولیاء عظام رحمۃ اللہ علیہم کے توسل کے بارے میں تحقیقی و علمی کتاب

حقیقتِ توسّل

ازقلم

الشیخ عیسیٰ بن عبداللہ بن مانع الحمیری

مترجم

مناظر اسلام حضرت العلام
مفتی محمد عباس رضوی صاحب مدظلہ العالی
مفتی احناف متحدہ عرب امارات

تخریج وحاشیہ

ڈاکٹر قاری محمد ارشد مسعود چشتی رضوی

پروگریسو بکس لاہور

یوسف مارکیٹ ○ غزنی سٹریٹ
اردو بازار ○ لاہور
فون 042-37124354 فیکس 042-37352795

باراول	.... اگست 2017
پرنٹرز	.... آصف صدیق، پرنٹرز
سرورق	.... النافع گرافکس
تعداد	.... 600/-
ناشر	.... چوہدری غلام رسول۔ میاں جواد رسول میاں شہزاد رسول
قیمت	.... =/ روپے

ملنے کے پتے

ملت پبلی کیشنز
فیصل مسجد اسلام آباد Ph: 051-2254111
E-mail: millat_publication@yahoo.com

اسلام بک ڈپو
۱۲۔ گنج بخش روڈ لاہور فون 042-37112941 0323-8836776

شوروم ملت پبلی کیشنز دوکان نمبر 5- مکہ سنٹر نیو اردو بازار لاہور 0321-4146464
Ph: 042-37239201 Fax: 042-37239200

پروگریسو بکس
یوسف مارکیٹ ○ غزنی سٹریٹ
اُردو بازار ○ لاہور
فون 042-37124354 فیکس 042-37352795

فہرست

الباب الاول

حقیقۃ التوسل

اس میں کئی فصلیں ہیں

پہلی فصل:

توسل کی لغوی اور اصطلاحی تعریف

توسل کے لغوی معنی:

التقرب، يقال: توسل إليه بوسيلة، إذا تقرب إليه بعمل، وتوسل إليه بكذا، تقرب إليه بحرمة آصرة تعطفه عليه.

قرب کے ہیں کہا جاتا ہے کہ اس کی طرف وسیلہ کے ساتھ توسل کیا، جب اس کی طرف عمل کے ساتھ قرب حاصل ہو جائے، اور اس کی طرف فلاں چیز سے تقرب حاصل کیا، اس کی طرف قرب حاصل کیا، قرب کی وجہ وحرمت سے وہ اس پر مہربانی کرتا ہے۔

امام جوہری نے کہا:

الوسيلة ما يتقرب به إلى الغير.

وسیلہ اس کو کہا جاتا ہے جس کے ساتھ غیر کا تقرب حاصل کیا جائے۔

اور امام ابن اثیر نے کہا:

هى فى الاصل ما يتوصل به الى الشيء و يتقرب به ۔ والوسيلة: هى التي يتوصل بها الى تحصيل مقصود، قال الله تعالى: ﴿يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ﴾ [1]

---

[1] سورة المائدہ:۳۵۔

ووسل فلان الی ربه وسیلة، وتوسل الیه بوسیلة، أی تقرب الیه بعمل: الراغب الی الله.[1]

اصل میں وسیلہ اس چیز کو کہا جاتا ہے جس کے ساتھ کسی شئے تک پہنچا جائے اور اس کا قرب حاصل کیا جائے اور وسیلہ کہ جس کے ساتھ مقصود کو حاصل کیا جائے اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اس کی طرف وسیلہ ڈھونڈو اور فلاں نے اپنے رب کی طرف وسیلہ پکڑا اور اس کی طرف وسیلہ حاصل کیا یعنی اس کا قرب عمل سے حاصل کیا اور واسل راغب الی اللہ کو کہتے ہیں۔

اور امام راغب اصفہانی نے کہا کہ

الوسیلة: التوصل الی الشيء برغبة، وهي أخص من الوصلية، لتضمنها المعنی الرغبة قال تعالیٰ: ﴿وَابْتَغُوْۤا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ﴾[2]

وسیلہ کسی شئے کی طرف رغبت کے ساتھ پہنچنے کو کہا جاتا ہے اور یہ وصیلہ سے اخص ہے کیونکہ یہ رغبت کے معنی کے ساتھ ملا ہوا ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا، اور اس کی طرف وسیلہ ڈھونڈو۔

قلت: وفی المختار الصحاح ۲۰۰ "الوسیلة ما یتقرب به الی الغیر" وسیلہ اس کو کہا جاتا ہے جس کے ساتھ غیر کا تقرب حاصل کیا جائے۔ النھایة فی غریب الحدیث میں ۵/ ۱۸۴ پر ہے "ھی فی الاصل ما یتوصل به الی الشيء و یتقرب به۔ وجمعها وسائل یقال وسل الیه، وسیلة وتوسل، والمراد به فی الحدیث القرب من الله۔" (ارشد مسعود عفی عنہ)

---

[1] دیکھئے مادہ: وسل لسان العرب ۱۱/۷۲۳ و تاج العروس ۸/۱۵۴ والصحاح للجوھری ۵/۱۸۴۱ و تفسیر ابن کثیر مندرجہ بالا آیت کے تحت۔

[2] مفردات الفاظ القرآن ص ۸۷۱۔

اور ابن سیدہ نے ''المخصص ''میں فرمایا:

قال صاحب العین : الوسیلة ما تقربت به، وقد توسلت به الیه، و منه توسل الی الله تعالیٰ بعمل : تقرب ، و قال: متت بالشيء أمت متا : توسلت ۔ والمتات مامتت به، وقد متته : طلبت الیه المتات۔[1]

صاحب العین نے فرمایا وسیلہ وہ ہے کہ جس کے ساتھ تقرب حاصل کیا جائے اور تحقیق میں نے اس کی طرف وسیلہ پکڑا اور اسی سے ہے کہ اللہ کی طرف عمل کے ساتھ توسل کرنا یعنی تقرب حاصل کرنا اور کہا متت بالشئ میں نے شئ کے ساتھ وسیلہ پکڑا اور وسیلہ اس رسی کو کہتے ہیں جس سے پانی حاصل کیا جائے میں نے وسیلہ کے ساتھ اس کو طلب کیا۔

و منه قوله:

أمت بقربی الزینبین کلیهما
الیک و قربی خالد وسعید

میں زینبین کے اس قرب کے ساتھ آپ کی طرف وسیلہ پکڑتا ہوں کہ جو مجھے ان دونوں کے ساتھ ہے اور خالد وسعید کے ساتھ جو مجھے قرب ہے۔

اور امام حکیم ترمذی نے فرمایا کہ:

الوسیلة والوصیلة بمعنی واحد ، الا أن الوصیلة أن یوصل الشيء بالشیئ، فلما صار الأمر الی ذکر الله عزوجل أخرجوہ مخرج القربة، فقیل :وسیلة بدل بالسین صادا۔[2]

---

[1] الریاضة وأدب النفس للحکیم ترمذی ص۶۶۔

[2] المخصص لابن سیدہ ۳/۲۲۴۔

وسیلہ اور وصیلہ کا ایک ہی معنیٰ ہے مگر وصیلہ ایک شئے کے ساتھ دوسری شئے تک پہنچنا ہے پس جب معاملہ اللہ تعالیٰ کے ذکر تک پہنچتا ہے تو علماء اس کو قربت کے قائم مقام سمجھتے ہیں اور کہا گیا ہے کہ وسیلہ میں صاد کی جگہ سین بدل دیا گیا ہے۔

توسل کی اصطلاحی تعریف

دعا کی قبولیت کے لیے

کسی شئے کو وسیلہ پکڑنا جس کی اللہ تعالیٰ کے نزدیک قدر و منزلت ہو جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء اور صفات مبارکہ کے ساتھ توسل کرنا اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان کو وسیلہ بنانا اور اعمال صالحہ کو وسیلہ پکڑنا اور حضرات انبیائے کرام علیہم السلام و اولیائے عظام کی ذوات اور ان کی دعاؤں سے وسیلہ پکڑنا پس ہر اس شئے سے وسیلہ پکڑنا کہ جس کی اللہ تعالیٰ کے نزدیک قدر و منزلت ہو جائز اور حسن ہے وہ ذوات ہوں یا عمل صالح۔

اس کا خلاصہ یہ ہے کہ وسیلہ یہ ہے کہ منزل تک پہنچنے کا راستہ یا یہ کہ ایک ایسا مخزن ہے کہ جو کئی مشروع معانی کے لیے وضع کیا گیا ہے یا یہ محسوس نفیس معانی کے ساتھ جڑا ہوا ہے یا مخصوص مطلب کے لیے مشروع راستہ ہے۔

امام ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا کہ:

الوسيلة هي ما يتقرب به الى الكبير، يقال: توسلت أي: تقربت، وتطلق على المنزلة العلية، ووقع ذلك فى حديث عبد الله بن عمرو عند مسلم بلفظ (فانها منزلة لا تنبغي الا لعبد من

عباد الله)[1] الحدیث ونحوه للبزار عن ابی هریرة ، ویمکن ردها الی الاول ،بأن الواصل قریب من الله ، فتکون کالقربة التی یتوسل بها۔[2]

وسیلہ اس کو کہتے ہیں کہ جس کے ساتھ کسی بڑے تک پہنچا جائے اور اس کا تقرب حاصل کیا جائے کہا گیا ہے کہ توسلت یعنی تقربت میں نے اس کا وسیلہ پکڑا یعنی اس کا قرب پایا اور بلند مقام پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کی حدیث جو کہ مسلم شریف میں واقع ہوئی ہے جس کے الفاظ اس طرح ہیں وہ ایک جگہ و مقام ہے جو صرف اللہ تعالیٰ کے بندوں میں سے ایک بندہ (خاص) کے لئے ہے اور اسی طرح بزار میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے اور ممکن ہے کہ اس کو پہلی حدیث کی طرف لوٹایا جائے چونکہ واصل اللہ کے قریب ہوتا ہے پس قربت کی طرح وہ ہوگا کہ جس کے ساتھ توسل کیا جائے۔

توسل کی شرعی حیثیت

شریعت میں توسل یہ ہے کہ نیکی کرنے والا شخص اپنے اعمال کی قبولیت سے بے خبر ہوتا ہے لہذا وہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے اپنے اعمال کی مقبولیت کے لیے ذوات موصولہ کے ساتھ التماس کرتا ہے۔

---

[1] مسلم کی جس حدیث کا عبارت میں ذکر ہوا ہے وہ مسلم برقم ۳۸۴،و ترمذی ۵/۵۸۶،و نسائی برقم ۶۷۸،و احمد ۲/۱۶۸ وغیرھم میں ہے۔وأخرجه ابو عوانة فی مسنده ۱/۳۸۱ ۹۴۳ وابن حبان فی الصحیح ۴/۵۸۸-۵۸۹-۵۹۰ ۱۶۹۰-۱۶۹۱-۱۶۹۲ ،وابن خزیمة فی الصحیح ۱/۲۱۸ (۲۱۸) ،والنسائی فی السنن الکبری ۱/۵۱۰ (۱۶۴۲) و ۱۶/۱ (۹۸۷۳) وفی عمل الیوم واللیلة ۱۵۸۔

[2] فتح الباری ۲/۹۵۔

اب جب ہم توسل کی تعریف سے فارغ ہو گئے تو اب ضروری ہے کہ ہم وسیلہ کے معانی اوراس کی انواع جو کہ قرآن کریم اور سنت مطہرہ میں ہیں ان پر بھی آگاہی حاصل کریں۔

اور اس کا معنی یہ ہے کہ توسل کرنے والا نیک عمل کرتا ہے اور اس کی عند اللہ قبولیت سے بے خبر ہوتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے امید کرتے ہوئے اس کی قبولیت کی دعا کرتا ہے یا اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مزید تواضع اور انکساری کرتا ہے اور مقرب ذوات کے ساتھ اعمال کی قبولیت کے لیے التماس کرتا ہے اور وہ ذوات مقدسہ حضرات انبیاء کرام و مرسلین علیہم السلام اور حضرات اولیاء کرام ہیں جیسا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کیا جب انہوں نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے توسل کیا ان کے اس قرب کی وجہ سے کہ جو ان کو طاہر الانفاس سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہے اور ان کے بڑھاپے اور نبی اکرم کی بارگاہ میں ان کی قدرومنزلت ہے اور اس کے ساتھ ساتھ حضرت بلال بن الحارث رضی اللہ عنہ کے توسل کرنے سے کہ جس کا تحقق ثابت ہے تو اس میں خشیت کا اظہار متعدد صورتوں میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت محقق ہو جائے اور اس بات کا خلاصہ یہ ہے کہ واسطہ اور وسیلہ کا ایک ہی معنی ہے یعنی ان دونوں میں خصوص و عموم پایا جاتا ہے یہ دونوں مضمون میں متفق ہیں اور وہ ہے قربت اور نوعیت میں مختلف ہیں واسطہ کی حقیقت ذاتی ہے کہ اس میں قرب ذوات کے ذریعے سے پایہ تکمیل کو پہنچتا ہے اور یہ دنیوی اور اخروی حوائج کی وجہ سے ہوتا ہے اور اس میں نیک و بد داخل ہیں جبکہ وسیلہ کی حقیقت معنوی ہے یہ صادقین کا صادقین کے ساتھ اور فاجرین کا فاجرین کے ساتھ ہوتا ہے۔

دوسری فصل:

توسل کا مفہوم

اس موضوع میں داخل ہونے سے پہلے پڑھنے والے کے لئے خالق کے حق میں مشیت کے معنی اور مخلوق کے حق میں مشیت کے معنی پر آگاہی ضروری ہے۔

تو اہلسنت و جماعت کا اس پر اجماع ہے اور ان کے عقائد میں داخل ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے مشیت کا اثبات کرتے ہیں اور اسی طرح مخلوق کے لیے بھی مشیت ہے لیکن مخلوق کی مشیت اللہ عزوجل کی مشیت کے تابع ہے اور اس کی مشیت اللہ تعالیٰ کی مشیت کے بغیر مکمل نہیں ہوتی، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ:

﴿وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ﴾ [التکویر: 30]

''اور تم کیا چاہو مگر یہ کہ چاہے اللہ۔''

حضرت امام عبدالرحمن جامی نے فرمایا کہ:

مشیت ذات الٰہی کی شئے کی حقیقت اور نفس کی طرف توجہ کا نام ہے وہ شیء کا نام ہو یا صفت یا ذات۔

اور ارادہ کی تعریف حضرت جرجانی نے یوں فرمائی ہے:

ممکن کی دونوں طرفوں میں سے دونوں جائزوں میں سے ایک کی تخصیص کے ساتھ ذات الٰہیہ کا تعلق۔ یعنی اس کے وجود اور عدم میں بخلاف مشیت کے کیونکہ اس کا متعلق نفس ماہیت ہے دونوں جانب میں سے کسی ایک جانب کی ترجیح کے بغیر۔۔۔۔۔۔

پس اس طرح پر جب ذات الٰہیہ ارادہ صفت کی طرف توجہ فرمائے گی۔ اور ممکن کی دونوں میں سے ایک طرف کے ساتھ اس تعلق کا تقاضہ کرے گا جیسا کہ اس کا مقتضی ہے۔ تو بعید نہیں کہ اس توجہ کو مشیت ارادہ کہا جائے۔ پس یہ وہ ہے جس کو ہم نے پہلے ذکر کیا ہے کہ مشیت کو ارادہ پر تقدم ذاتی حاصل ہے اور ارادہ کے متعلق میں اختلاف کا امکان ہے تا کہ مشیت میں تو یہی ان دونوں میں فرق ہے۔ اور ان کے اتحاد کی صورت یہ ہے کہ ان دونوں کی الوہیت غیبیہ ذاتیہ کی طرف نسبت ہے تو ان دونوں کا عین یکساں ہے۔ [1]

تو اس بنا پر کہ جو دونوں اماموں (جامی اور جرجانی) نے بیان فرمایا حاصل یہ ہوا کہ

مشیت عام ہے اور ارادہ خاص ہے:

پس مخلوق کی مشیت ارادہ ہے اور حق تعالیٰ کا ارادہ مشیت ہے اور اس بات کو علامہ محدث عبداللہ بن ابی جمرہ نے (بهجة النفوس ۱/۳۴) میں اور بھی واضح کر دیا ہے آپ فرماتے ہیں:

اور قرآن میں تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ رَمَىٰ﴾ [الأنفال: 17]

اور اے محبوب ﷺ وہ خاک جو تم نے پھینکی تم نے نہ پھینکی تھی بلکہ اللہ نے پھینکی۔

اور فرمایا کہ

﴿أَفَرَءَيْتُم مَّا تَحْرُثُونَ ءَأَنتُمْ تَزْرَعُونَهُۥٓ أَمْ نَحْنُ الزَّٰرِعُونَ﴾ [الواقعة: 63-64]

---

[1] کشاف اصطلاحات الفنون جلد ۲/۷۳۰-۷۳۱، و التعریفات ۲۱۶ و کتاب المسامرة ۱۴۲۔

''تو بھلا بتاؤ تو جو بوتے ہو کیا تم اس کی کھیتی بناتے ہو یا ہم بنانے والے ہیں۔''

تو یہاں اللہ تعالیٰ نے بندہ کے لیے فعل ثابت کیا اور اپنے لیے بھی فعل ثابت فرمایا۔

تو اس میں فعل عبد کیا ہے وہ نبی اکرم ﷺ کا کنکریوں کی مٹھی بھر کر اس کو پھینکنا تھا یہ فی الحقیقت بشر کی طرف سے فعل محسوس ہے جو نظر آ رہا تھا۔

اور اس میں فعل رب کیا ہے تو اس میں یہ کافروں کی آنکھوں تک ان کنکریوں کو پہنچانا تھا یہ بشر کا فعل نہ تھا تو ان کنکریوں کو تمام دشمنوں کی آنکھوں تک پہنچایا لہذا ان کو شکست ہوگئی تو یہ بطریق نقل اور مشاہدہ تھا اور بطریق عقل و نظر تو انسان اپنے آپ میں فرحت نہیں پاتا جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو قدرت اس کی مدد کرتی ہے اس خوشی کو اس کی مشیت تک پہنچانے کی اور اس کی امید کی کامیابی کی۔ پس جب وہ ارادہ کرے کسی کام کا اور اس کے نفاذ میں قدرت اس کی مدد نہ کرے تو وہ اپنی مشیت کے عدم نفاذ پر غمگین ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے بندہ کے لیے مشیت اور اسباب کا مسببات کیساتھ رابطہ نہیں بنایا ہے اور بعض اشیاء میں عوائد کا رابطہ پیدا کیا ہے تو وہ اس کی حکمت کا اثر ہے اور اللہ تعالیٰ کی حکمت وصف ہے جو کہ قائم بذاتہ ہے۔

پس توسل وہ لہجہ ہے کہ جس سے مدد لیتے ہوئے اہل حق اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عاجزی و انکساری کرتے ہوئے مشکل کے حل یا نعمت کے حصول کے لیے پیش ہوتے ہیں۔

کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی فطرت کی طرف لوٹتا ہے کہ جس پر انسان چل رہا ہے جس کے ساتھ ہر بچہ علی وجہ البسیط بولتا ہے اپنی والدہ سے پناہ اور مدد طلب کرتے ہوئے کہ جب بھی اس کو کوئی حاجت ہوتی ہے تو کسی طلب کی تحقیق کی احتیاج ہوتی ہے تو وہ سوائے اپنی ماں کے کسی کو نہیں جانتا اور ہر وقت اسی کو پکارتا ہے تو تیرا کیا خیال ہے کہ بچہ شرک پر پیدا ہوا ہے؟

حالانکہ نبی کریم ﷺ نے تو ہمیں بتایا ہے کہ ہر پیدا ہونے والا بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے اور فطرت خالص ایمان اور توحید ہے۔

پھر یہ فطرت صرف بچہ پر ہی موقوف نہیں ہے بلکہ بڑوں پر بھی جاری ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی زبان پر اس کو اس وقت جاری فرمایا تھا جس وقت کہ ان سے لغزش ہوئی تھی تو وہ اپنے رب کے حضور سید الکونین ﷺ کے وسیلہ سے حاضر ہوئے تھے اور اسی طرح ہم قیامت کے دن پھر دیکھیں گے کہ جب پوری مخلوق اللہ تعالیٰ کے غضب کے وقت انبیاء کرام علیہم السلام کی بارگاہ میں حاضر ہو کر ان کا توسل اور وسیلہ پکڑے گی تا کہ رب راضی ہو جائے، اور ہر نبی فرمائے گا کہ کسی اور کے پاس جاؤ۔ نفسی نفسی۔ حتی کہ وہ حضرت عیسی علیہ السلام کے پاس جائیں گے تو وہ فرمائیں گے کہ حضرت محمد ﷺ کی بارگاہ میں جاؤ اور گویا کہ اللہ تعالیٰ ہمیں ہمارے دین میں وسیلے کا اقرار واضح طور پر دکھاتا ہے

کہ ادنی بندے اعلی کا وسیلہ ڈھونڈیں اور گویا کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے مقربین کی ارواح میں ان کے علو مرتبہ کے مطابق نعمت رکھی ہے۔

اگر بندہ ادنیٰ کا ملتجی نہ ہوا تو اعلی تک نہیں پہنچ سکتا اور عظیم دروازے تک پہنچنے کی جسارت نہیں کر سکتا حتی کہ وہ پہلے دروازوں سے گزرے کیونکہ یہ ارباب فضیلت کی منازل کو ظاہر کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی وہ نعمت جو اس میں جاری وساری ہے اس کا شکر ادا کرنا ہے اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہمیں حقائق دکھلاتا ہے کہ جو مقامات اور رتبے والے ہیں اور وہ قضائے حاجات میں فعال ہیں

مگر یہ عظیم میدان محشر (قضائے حاجات) کے لئے عمل پیرا ہونے کا تقاضا نہیں کرتا بلکہ جس ہستی کو یہ (شفاعت کبری) کا مقام رفیع دیا گیا ہے اس کی احتیاج کو ظاہر کرتا ہے پس ہر نبی اپنی بارگاہ سے دوسرے کے پاس بھیج دے گا حتی کہ میدان محشر والے صاحب مقام محمود ﷺ کی بارگاہ اقدس میں پہنچیں گے اسی لئے ہم دیکھتے ہیں کہ آپ ﷺ کے بعد

دوسرے وسیلوں کو بروئے کار لایا جائے گا پس ہر نبی شفاعت عظمیٰ کے بعد شفاعت فرمائے گا جو اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے مقدر فرمائی ہے۔ حتی کہ بات یہاں تک پہنچے گی کہ نیک آدمی بھی اپنے گھر والوں کی شفاعت کرے گا جیسا کہ احادیث صحیحہ ثابتہ میں آیا ہے۔

آپ ﷺ نے فرمایا:

يدخل الجنة بشفاعة رجل من امتي اكثر من عدد مضر و يشفع الرجل في اهل بيته و يشفع على قدر علمه۔

میری امت کے ایک آدمی کی شفاعت سے قبیلہ مضر کے عدد سے زیادہ لوگ جنت میں داخل ہونگے اور آدمی اپنے گھر والوں کی شفاعت کرے گا اور ہر شخص اپنے عمل کے مطابق شفاعت کرے گا۔ [1]

اور اس سے ظاہر ہوا کہ ان وسائط کا حکم دنیا میں بدرجہ اولی جاری ہوگا۔ جب کہ یہ دنیا سے شدید ترین دن کے وقت ثابت ہیں اور وہ رب تعالیٰ کے غضب کا دن ہوگا اور اسی دن اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق پر بہت بڑی تجلی فرمائے گا۔

اور اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ جتنے وسائل زیادہ ہوں گے اتنی ہی قبولیت کی امید زیادہ ہوگی اور منزل و مقصود تک پہنچنے میں زیادہ تواضع اور خضوع کے قریب ہوگا کیونکہ یہ ذات سے تجرد کا پتہ دیتا ہے اور اپنی قدرت سے براءت کا اظہار ہے۔ جیسا کہ فرمان رسول ﷺ ہے:

"لاحول ولا قوة الا بالله"

تو اس میں اپنے حول اور قوت سے برات ہے حقیقت میں اس کی نفی نہیں لیکن اس میں اثبات و تاکید ہے کہ جو حول اور قوت آپ ﷺ میں ہے وہ اللہ تعالیٰ کی طاقت اور قوت سے مستعمد ہے، پس آپ ﷺ مدد مانگنے والے ہیں اور اللہ تعالیٰ مدد فرمانے والا ہے۔

---

① طبرانی کبیر ۸/۲۷۵ برقم ۸۰۵۹، رجاله رجال الصحيح، والهيثمي في مجمع الزوائد ۱۰/۳۸۲۔

اور آپ ﷺ سوال کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ عطا فرماتا ہے پس قوت و طاقت اللہ تعالیٰ کے پاس ہے اور اس کے حقائق اپنی مخلوق پر اس کی ظرف و طاقت کے مطابق جس پر چاہتا ہے عطا فرماتا ہے، یہ اس قاعدہ کے تحت داخل ہے کہ اسباب تو اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق میں بالاطلاق ظاہر کر دیے اور برکت ان میں سے بعض میں بالخصوص ظاہر فرمائی۔

لہٰذا فرشتے نبی اور ولی میں اپنی طاقت نہیں ہوتی مگر جو کچھ بھی ہوتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی ہی طاقت ہوتی ہے اور قدرت و فضل اسی کی قدرت و فضل سے ہوتا ہے۔ جیسا کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ:

نفر من قدر الله الى قدر الله [1]

''ہم اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے اسی کی تقدیر کی طرف ہی بھاگتے ہیں۔''

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے اس فرمان کا مطلب یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی قدرت و طاقت سے اسی کی قدرت و طاقت کی طرف فرار ہوتے ہیں۔

پس جب بندہ اپنی قدرت و طاقت سے بری ہو کر اللہ تعالیٰ کے مقبولین کی قدرت و طاقت کی طرف آتا ہے تو اس میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔ کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کے لشکروں میں سے لشکر ہے اور مخلوق کی طرف وہ اسکے فرستادہ ہیں پس جب نبی امین جو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مقبول ہیں اپنی قدرت سے برات کا اظہار کر کے اللہ تعالیٰ کی قدرت کی طرف متوجہ ہوتے ہیں حالانکہ وہ وسیلہ عظمیٰ ہیں تو ہر مسلمان کے لیئے (خواہ وہ کتنے ہی مقامات تقویٰ تک رسائی حاصل کر چکا ہو) یہی زیادہ مناسب ہے کہ وہ اپنی قدرت و طاقت کی طرف متوجہ ہو۔

پس نبی و رسول اور بندہ صالح اللہ کے حضور اس نعمت کو پیش کرتے ہیں جو ان پر ہوتی ہے کیونکہ جو کچھ طاقت و قدرت ان کے پاس ہوتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے

---

[1] جزء من حديث طويل اخرجه البخارى ۵/۵۷۲۹،و مسلم ۴/۲۲۱۹، و ابن حبان ۷/۲۱۹، و مالک فى الموطا ۲/۸۹۵، وغيرهم۔

ہوتی ہے لہذا اس جگہ کسی کے لیے قدرت نہیں مگر اللہ کے لیے اور ساری کی ساری طاقت وقدرت اللہ تعالیٰ کے لیے ہی ہے پس اللہ تعالیٰ ان کو اس نعمت کی طرف لوٹاتا ہے کہ جو ان پر پوری کی جاتی ہے ان کے اخلاق میں متمثل کی جاتی ہے جو کہ انکی ذاتوں کی حکایت کرتی ہے اور وہ عالم اسباب میں نظر آتی ہے پس وہاں ذوات واعمال صالحہ اور دعا کے ساتھ توسل جائز ہے۔

اور وہ کہ جس کو تمام انبیاء کرام نے ثابت کیا ہے ہر نبی نے اپنے بعد آنے والے نبی کے سپرد کیا ہے اور اگر وسیلہ باطل ہوتا تو حضرت آدم علیہ السلام مخلوق کو اللہ تعالیٰ کی طرف بھیجتے نہ کہ اپنے بعد آنے والے انبیاء کی طرف لیکن حضرت آدم اور انبیاء کرام علیہم السلام یہ چاہتے ہیں کہ مخلوق پہچانی جائے کہ سابق ولاحق کے وسائل پکڑنا یہ اہل ایمان واہل تقوی کا کام ہے اور اللہ تعالیٰ کی نعمت کے اعتراف کے اعظم مظاہر میں سے ایک مظہر ہے حتی کہ وہ رحمتوں اور نعمتوں کے گڑھ میں پہنچ جائیں گے اور وہ ہمارے آقا ومولی حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

حضرت محی الدین شیخ اکبر ابن اعربی قدس سرہ فتوحات مکیہ میں فرماتے ہیں:

"اے پر جوش ولی اللہ تعالیٰ توفیق اور اپنی رحمت کا تجھے مستحق بنایا اور تیری چشم فہم کو وسیع کر دے اس چیز کو جان لے کہ جس کی حقیقت مقید ہو اس کا کسی بھی درجہ سے مطلق ہونا صحیح نہیں جب تک کہ اس کی عینیت قائم ہے کیونکہ اس کے لیے مقید ہونا ہی صفت نفیسہ ہے اور جس کی صفت مطلق ہونا ہے وہ کسی وقت بھی تقید قبول نہیں کرتا کیونکہ اس کی صفت نفیسہ ہی یہ ہے کہ وہ مطلق رہے لیکن مقید کی قوت یہ نہیں کہ وہ اطلاق کو قبول کرے کیونکہ اس صفت میں عجز ہے اور اگر اس کی بقاعین کے لئے حفظ الٰہی بھی ساتھ شامل ہو جائے تو اس کو فقر لازم ہے اور مطلق کے لیے کہ وہ اپنی ذات کو اگر چاہے تو مقید کرے اور اگر چاہے تو مقید نہ کرے کیونکہ اس کے مطلق ہونے کی صفت

اس کی مشیت کا مطلق ہونا ہے اور اسی لیے حق تعالیٰ نے اپنے ذمہ کرم پر لیا
اور اپنے بندہ کے عہد کے تحت داخل ہوا اور وجوب میں فرمایا کہ:

﴿كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ﴾ [الأنعام: 54]

''تمہارے رب نے اپنے ذمہ کرم پر رحمت لازم کرلی ہے۔''

یعنی واجب کیا۔ اس نے خود ہی اپنے نفس پر (رحمت کو) واجب کیا نہ کہ اس پر کسی غیر نے اسے واجب کیا کہ اس طرح وہ مقید بغیرہ ہو جائے اور اپنے بندوں کے لئے اس نے اُپنے آپ کو مقید کیا تو یہ بندوں پر اس کی محض رحمت ہے اور اس کا لطف خفی ہے۔

اور وعدے کے بارے میں فرمایا کہ:

﴿وَاَوْفُوْا بِعَهْدِيْٓ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ﴾ [البقرة: 40]

''تم میرا وعدہ پورا کرو میں تمھارا عہد پورا کروں گا۔''

پس ان کو مکلف بنایا اور اپنے آپ کو مکلف بنایا تا کہ ان کے نزدیک اس کے فرمان کا صدق ظاہر ہوں اور اس کو ذکر اس لیے کیا کہ ان کے لیے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی محبت ظاہر ہو لیکن یہ تمام یعنی بندوں کے لیے اسکا تقید میں داخل ہونا اس لحاظ سے ہے کہ وہ الہ ہے نہ کہ ذات کے لحاظ سے کیونکہ اس کی ذات تمام جہان سے بے پرواہ اور غنی ہے اور وہ بادشاہ ہے جو کہ ملک سے غنی ہے کہ اگر ملک نہ ہو تو وہ بادشاہ نہیں ہوگا پس مرتبہ تقید صفاتی ہوگا نہ کہ حق کی ذات کے لیے وہ جلالت والا اور بلند ہے۔

پس مخلوق اپنے مخلوق ہونے میں خالق کا تقاضا کرتی ہے اسی طرح خالق اپنے خالق ہونے میں مخلوق کا تقاضا کرتا ہے کیا تو نہیں دیکھتا کہ جب عالم من نفسہ عدم تھا تو (اس کو عدم ہونے میں) نہ خالق کی طلب تھی نہ معدوم کرنے والے کی وہ تو کچھ بھی نہیں تھا اس کو صرف مخلوق ہونے میں خالق کی طلب ہوئی اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ کو مقید بنا لیا کیونکہ اس نے وفائے عہد کو اپنے اوپر لازم قرار دے دیا۔ اور جب مخلوق اس مقام پر

پہنچتی ہے تو وہ اسباب سے عشق کرتی ہے اور طبعاً اس کا میل اس طرف ہو جاتا ہے کیونکہ وہ سبب سے موجود ہے (یعنی سبب موثر ہے) اور وہ اللہ تعالیٰ ہے لہذا اس لیے بھی اللہ تعالیٰ نے عالم میں اسباب کو رکھا کیونکہ حق سبحانہ وتعالیٰ جانتا ہے کہ خالق کا نام وجود اور تقدیر صحیح نہیں مگر مخلوق کے ساتھ اور اسی طرح ہر اسم الہی کون کو چاہتا ہے مثلاً، غفور، مالک، شکور، اور رحیم وغیرہ ذلک من الاسماء پس یہاں اسباب کو وضع کیا اور عالم ایک دوسرے کے ساتھ مربوط کر کے ظاہر کیا پس ڈالی نہیں ہوتی مگر فصل اور زمین اور بارش کے سبب اور بارش کے طلب کرنے کا حکم دیا گیا جب وہ رک جائے تاکہ بندوں کے قلوب میں اسباب کا وجود ثابت ہو جائے لہذا اس نے اپنے بندہ کو اسباب سے خارج ہونے کا مکلف نہیں بنایا کیونکہ تو اس کی حقیقت کے متقاضی نہیں ہے اور اس کے سبب کے بغیر سبب معین فرمایا تو اس کو فرمایا کہ میں تیرا سبب ہوں مجھ پر اعتماد اور توکل کر جیسا کہ وارد ہے:

﴿وَ عَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْۤا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ﴾ [المائدة:23]

''اور اللہ ہی پر بھروسہ کرو اگر تمہیں ایمان ہے۔''

پس آدمی وہ ہے جو اسباب کو ثابت کرے اور اگر اس کی نفی کی تو اس نے اللہ کو نہیں پہچانا اور نہ ہی اپنے آپ کو، اور حضرت یحیٰ بن معاذ الرازی کا فرمان ہے:

مَنْ عرف نفسه فقد عرف ربه [1]

''جس نے اپنے آپ کو پہچانا پس اس نے اپنے رب کو پہچانا۔''

اور یہ نہیں کہا کہ اس نے ذات رب کو پہچانا۔ کیونکہ رب کی ذات کے لیے کے لیے علی الاطلاق غنی ہے اور مقید مطلق کی معرفت کہاں حاصل کر سکتا ہے؟

---

[1] بعض اس کو حدیث رسول ﷺ سمجھتے ہیں لیکن یہ مرفوعاً نبی اکرم ﷺ سے ثابت نہیں، بلکہ یہ حضرت یحیٰ بن معاذ الرازی کا قول ہے۔ جیسا کہ کشف الخفاء میں عجلونی نے ذکر کیا کہ: ابو المظفر بن السمعانی نے ''القواطع'' میں کہا کہ وہ اس کو مرفوعاً نہیں پہچانتے۔ لیکن یہ یحیٰ بن معاذ الرازی سے حکایت کی گئی ہے ان کے قول سے۔ کشف الخفاء ۲/۳۴۳۔ ارشد مسعود عفی عنہ۔

اور رب بلاشک مربوب کو چاہتا ہے اور اس میں تقید کی بو آتی ہے اسی کے سبب مخلوق نے رب کو پہچانا۔ اور اسی لیے اس کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ جانے کہ اللہ کے سوا کوئی الہ نہیں ہے یعنی اس حثیت سے کہ وہ الہ ہے کیونکہ الہ، مالوہ (عبادت گزار) کو چاہتا ہے اور ذات حق اضافت سے پاک ہے لہذا وہ مقید نہیں ہو سکتا۔

پس اسباب کا اثبات، اسباب کو ثابت کرنے والے کیلئے اپنے رب کی معرفت پر بہت بڑی دلیل ہے اور جس نے اسباب کو اٹھا دیا تو اس نے اس کو اٹھا دیا کہ جس کا اٹھانا جائز نہیں ہے اور اسی لیے اس کو چاہیے کہ وہ سبب اول پر ٹھہرے اور وہ وہ ذات ہے کہ جس نے ان اسباب کو پیدا فرمایا اور ان کو نصب فرمایا اور جس کی طرف ہم نے اشارہ کیا تو جو اس کو نہیں جانتا تو ادب الہی کے ساتھ اپنے رب کی معرفت کے طریق کو کیسے جان سکتا ہے۔

کیونکہ اسباب کو ختم کرنا اللہ تعالیٰ کے ساتھ سئ ادب ہے اور جس نے اسکی ولاء کو معزول کیا تو وہ سوء ادب کا مرتکب ہوا اور اس نے اس ولی کی معزولیت میں جھوٹ بولا تو اس جاہل کو دیکھیے کہ جس نے اسباب کا انکار کیا اور اس کے ترک کا کہا اور جس نے اس کو ترک کر دیا جس کو حق نے بیان کر دیا تو وہ جھگڑالو ہے بندہ نہیں ہے اور جاہل ہے عالم نہیں اور میں تجھے نصیحت کرتا ہوں کہ تم غافل جاہلوں سے نہ ہو جانا اور میں ابھی دکھاتا ہوں کہ ترک اسباب میں تو خود ہی اپنی تکذیب کرے گا اور میں تجھے تیری بات کے وقت دیکھوں گا کہ جو مجھ سے ترک اسباب میں کرتا ہے اور اس کو پھینکتا ہے اور اس سے عدم التفات برتتا ہے اور اس کے استعمال کے ترک کا قول کرتا ہے تجھے پیاس لگے تو تو مجھ سے کلام ترک کر کے پانی کی طرف جائے گا اور اس سے پیے گا پیاس کی تکلیف کو ونع کرنے کے لیے اور ایسے ہی بھوک کے وقت تو روٹی کھائے گا بڑی بات تو یہی ہے کہ تو ہاتھ سے روٹی نہ تناول کرے حتی کہ وہ خود تیرے منہ میں رکھی جائے تو جب تو اس کو اپنے منہ میں پائیگا تو تو اس کے لقمے کو نگل جائیگا تو تو اپنے نفس کو جھٹلانے میں میرے سامنے کتنی جلدی کرتا ہے اور اسی طرح جب تو ارادہ کرتا ہے کہ تو دیکھے تو تو آنکھوں کو کھولنے پر اکتفا کرتا

ہے تو کیا ان کو بے سبب کھولے گا؟

جب تو اپنے دوست کی زیارت کا ارادہ کرے تو تو اس کی طرف کوشش کرے گا اور تیری سعی اس تک پہنچنے کا سبب بن گئی تو کیسے اسباب کے ساتھ اسباب کی نفی کرتا ہے کیا تو اپنے نفس کے لیے اس جہالت پر راضی ہے؟

پس عالم اور ادب الہی وہی کرتا ہے جو اللہ کی ثابت کردہ چیز کو ثابت کرتا ہے اور اس جگہ کرتا ہے کہ جہاں اللہ نے ثابت کی ہے اور اسی وجہ پر کرتا ہے کہ جس پر اللہ نے اس کو ثابت کیا ہے اور جو اس چیز کی نفی کرتا ہے جس کی اللہ تعالیٰ نے نفی کی ہے اور اس جگہ اور اس وجہ پر کہ جس پر اللہ نے اس کی نفی کی ہے

پھر تو اپنے نفس کو جھٹلائے گا اگر تو اپنے رب کی عبادت میں مخلص ہے کیا تیری عبادت تیری سعادت کا سبب نہیں ہے اور تو اسباب کو ترک کرنے کا کہتا ہے تو تو عمل کو ترک کیوں نہیں کر دیتا؟

میں نے کسی نبی اور رسول اور ولی اور مومن اور نہ کافر اور شقی اور نہ سعید کو دیکھا کہ ان میں سے کسی ایک نے بھی اسباب کو مطلقاً ترک کیا ہو۔ سب سے قریب تو سانس لینا ہے اے اسباب کے تارک تو سانس لینا ترک کر دے کیونکہ سانس لینا کیونکہ سانس لینا تیری حیات کا سبب ہے پس سانس نہ لے یہاں تک کہ تو مر جائے اور تو خودکشی کرنے والوں میں سے ہو جائے اور تجھ پر جنت حرام ہو جائے پس اگر تو یہ سب کرتا ہے تو تو سبب کے حکم کے تحت ہے پس تیرا سانس روکنا تیری موت کا سبب ہے اور اس صورت میں تیری موت تیری بدبختی کا سبب ہو گی پس تو سبب سے کہاں بھاگے گا۔

اے عاقل! میں تجھ پر کیا گمان رکھوں اگر تیرا خیال ہے کہ جو اللہ نے نصب فرمایا اور اس کو قائم فرمایا ظاہر اور اور نظر آتا ہے تو اس کو اٹھا دے گا اور جو تو اہل اللہ کا کلام سنتا ہے وہ تجھ سے رخصت ہو جائے گا کیونکہ وہ حضرات اس چیز کا ارادہ نہیں کرتے جو تیرے

وہم میں ہے بلکہ اسباب کو ترک کر کے تو نے ان کے ارادہ سے جہالت کا ثبوت دیا جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے اسباب کو وضع کرنے کے ارادہ سے تو نے جہالت کی۔

میں تجھے حق کی بات بتاتا ہوں اور وہ طریقہ تیرے لیے ظاہر کرتا ہوں کہ جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے وضع فرمایا ہے اور اس پر ان کو چلنے کا حکم فرمایا ہے تو تو بھی اس پر چل اور قصد سبیل اللہ تعالیٰ پر ہے اگر وہ چاہے تو سب کو ہدایت فرمائے۔ [1]

کتاب کے موضوع کے شروع کرنے سے پہلے میں پسند کرتا ہوں کہ محترم قاری کو اس کلام سے واقف کردوں جو کہ امام المسلمین، حجۃ اللہ علی العالمنین المحدث الفقیہ المؤرخ الناقد شیخ الاسلام و المسلمین تقی الدین السبکی رحمۃ اللہ نے اپنی کتاب "شفاء السقام" میں فرمایا ہے آپ فرماتے ہیں۔

"تجھے علم ہونا چاہیے کہ توسل اور استغاثہ اور شفاعت طلب کرنا نبی اکرم ﷺ سے رب کی بارگاہ میں یہ جائز اور مستحسن ہے اور اس کا جواز اور مستحسن ہونا ہر دیندار کے نزدیک امور معلومہ میں سے اور انبیاء و مرسلین کے فعل سے معروف ہے اور اسلاف صالحین و علما اور مسلمان عوام کی سیرت سے مشہور ہے، اور اھل ادیان میں سے کسی دین والے سے بھی اس کا انکار ثابت نہیں اور نہ ہی کسی زمانے میں اس کی مخالفت سنی گئی ہے۔"

حتی کہ ابن تیمیہ آیا تو اس نے اس میں ایسا کلام کیا کہ جس نے بہت سارے ضعیف الاعتقاد لوگوں کو ملبس میں ڈال دیا اور وہ بدعت جاری کی کہ اس سے پہلے کسی زمانے میں یہ جاری نہ تھی۔۔۔۔۔۔اور تیرے لیے یہی کافی ہے کہ ابن تیمیہ سے پہلے استعانت اور توسل کا کوئی بھی عالم منکر نہیں تھا پس وہ اہل اسلام کے درمیان مثلہ ہو گیا۔

---

[1] فتوحات المکیۃ 3/72-73۔

اور میں کہتا ہوں کہ نبی اکرم ﷺ کے ساتھ توسل کرنا ہر حال میں جائز ہے پیدائش سے پہلے بھی اور پیدائش کے بعد بھی اور آپ ﷺ کی ظاہری حیات کے وقت دنیا میں اور آپ کے انتقال کے بعد برزخ میں بھی اور قیامت کے دن کی مشکلات میں بھی۔ اور اس کی تین حالتیں ہیں۔

نوع اول:

توسل اس معنی میں کہ اللہ تعالیٰ سے آپ ﷺ کے وسیلہ سے یا آپ ﷺ کے صدقے یا آپ ﷺ کی برکت سے دینی حاجت طلب کی جائے تو یہ مندرجہ بالا تینوں زمانوں میں جائز ہے اس میں ہر ایک کے لیے صحیح حدیث وارد ہوئی ہے۔

پہلی حالت: آپ ﷺ کی پیدائش سے پہلے آپ ﷺ سے توسل کرنا:

تو اس پر انبیاء سابقین علیھم السلام کے آثار دلالت کرتے ہیں ۔۔۔۔ آپ نے فرمایا: اگر تو کہے کہ جو کسی شخص کے ساتھ شفاعت چاہے وہ ہے کہ جو کسی کو لایا تاکہ اس کی شفاعت کرے تو یہ کیسے صحیح ہوگا کہ کہا جائے ''وہ اس کے ساتھ شفاعت پکڑتا ہے۔

تو میں کہوں گا کہ کلام عبارت میں نہیں بلکہ بات معنی کی ہے۔۔۔۔ اور حدیث غار کہ جس میں اعمال صالحہ سے توسل کیا گیا احادیث صحیحہ میں سے ہے تو ان اعمال میں جس سے سوال کیا گیا تو وہ اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک لہ ہے اور جس کے ساتھ سوال کیا گیا وہ اعمال مختلف ہیں تو اس سے شرک لازم نہیں آتا اور نہ ہی غیر اللہ سے سوال ہوتا ہے اسی طرح نبی اکرم ﷺ کے ساتھ سوال کرنے میں سوال نبی اکرم ﷺ سے نہیں بلکہ آپ ﷺ کے وسیلہ سے اللہ تعالیٰ سے ہے۔

اور جب اعمال کے ساتھ سوال کرنا جائز ہے حالانکہ یہ مخلوق ہیں تو نبی اکرم ﷺ کے ساتھ سوال کرنا بدرجہ اولی جائز ہے اور ان میں فرق نہیں سنا جائے گا بے شک اعمال تو جزا کا تقاضا کرتے ہیں کیونکہ دعا کی قبولیت جزا کی بنیاد پر نہ تھی ورنہ عمل پر جزا تو اس عمل کو ذکر

کیے بغیر بھی حاصل ہو جاتی، قبولیت تو دعا کی بنیاد پر تھی جو کہ اعمال کے ساتھ کی گئی اور یہ کوئی ایسا معاملہ نہیں کہ جس میں شریعتیں مختلف ہیں حتی کہ یہ کہا جائے کہ یہ واقعہ تو ہم سے پہلی شریعت کا ہے کیونکہ اگر یہ ایسا معاملہ ہوتا جو توحید میں خلل انداز ہوتا تو یہ کسی ملت میں بھی جائز نہ ہوتا کیونکہ تمام کی تمام شریعتیں توحید پر متفق ہیں تو میں نہیں جانتا کہ اس کے ساتھ دعا مانگنے میں کون سی چیز مانع ہے کیونکہ یہ لفظ تو اس کا تقاضا کرتے ہیں کہ جس کے وسیلہ سے دعا کی جا رہی ہے اس کی اللہ کے نزدیک قدر و منزلت ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ نبی اکرم ﷺ کی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں بڑی عزت ہے اور جس نے اس کا انکار کیا اس نے کفر کیا۔

پس جس نے کہا میں نبی اکرم ﷺ کے وسیلے سے دعا کرتا ہوں تو اس کے جواز میں کوئی شک نہیں اور ایسے ہی کسی نے کہا ''بحق محمد'' اور یہاں حق سے مراد رتبہ اور مقام ہے اور وہ حق کہ اللہ تعالیٰ نے اس پر اپنے فضل سے بنایا ہے جیسا کہ صحیح حدیث میں مروی ہے:

ماحق العباد علی اللہ [1]

جو بندوں کا اللہ پر حق ہے۔

اور حق سے مراد واجب نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ پر کچھ بھی واجب نہیں ہے۔

دوسری حالت: آپ ﷺ کی ولادت سے لے کر آپ ﷺ کی ظاہری حیات تک آپ ﷺ سے توسل کرنا:

جیسا کہ نابینا صحابی رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ جس کو امام ترمذی نے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔

---

[1] یہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک طویل روایت کا حصہ ہے جس کو امام بخاری و مسلم رحمہما اللہ نے اپنی اپنی صحیح میں روایت کیا ہے: أخرجه البخاري في الصحيح (٢٨٥٦۔ ٢٥٥٩)، و مسلم في الصحيح ٧٦ (٤٩) فی الایمان، واحمد في مسنده ٥/٢٢٨، وابو عوانة في مسنده ١/٢٧، وابن حبان في الصحيح ٢/٨٢۔ والترمذي في الجامع (٢٦٤٣) والبغوي في شرح السنة ١/٩٣ باب من مات لا يشرك بالله شيئا، بلفظ: "ما حق الناس علی اللہ"۔ ارشد مسعود عفی عنہ۔

تیسری حالت: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے توسل کرنا

جیسا کہ امام طبرانی نے ''المعجم الکبیر'' میں حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ کے ترجمہ میں روایت کی اور یہ واقعہ مشہور ومعروف ہے اس شخص کے بارے کہ جو حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی بارگاہ میں رسائی چاہتا تھا امام تقی الدین السبکی رحمہ اللہ نے مزید فرمایا:

نوع ثانی:

توسل بمعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے طلب دعا کرنا۔اس میں کئی احوال ہیں۔

پہلی حالت: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں:

اور یہ متواتر ہے اور اس پر احادیث بے شمار ہیں کہ جن کا حصر نا ممکن ہے۔ تحقیق مسلمان آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوتے اور اپنے مصائب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مدد طلب کرتے جیسا کہ صحیحین میں ہے۔

اور شاید حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے توسل دو امروں میں ہے

پہلا: کہ آپ رضی اللہ عنہ دعا فرمائیں جیسا کہ آپ رضی اللہ عنہ کی دعا کے بارے حکایت کی گئی ہے۔

دوسرا: کہ جو بھی بارش طلب کرتا ہے اور بارش کے ساتھ نفع حاصل کرتا ہے وہ بارش کا محتاج ہوتا ہے بخلاف نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس حالت میں کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے غنی ہیں۔

تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ میں یہ دونوں چیزیں جمع ہوگئیں حاجت بھی اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قربت بھی اور آپ رضی اللہ عنہ کا بڑھاپا اور اللہ تعالیٰ بوڑھے کے بڑھاپے سے حیا فرماتا ہے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا کے ساتھ کیسا ہوگا؟

اور مضطر کی وہ دعا بھی قبول فرماتا ہے لہذا اس لیے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے سفید بالوں سے توسل کیا۔

اور اگر مخالف کہے کہ: میں توسل اور تشفع کی ان اقسام کو منع نہیں کرتا جو تم نے بیان کی ہیں احادیث اور دلیلوں سے، میں التجا اور استغاثہ کے اطلاق کو منع کرتا ہوں کیونکہ ان میں ابہام پایا جاتا ہے کہ جس کے ساتھ توجہ اور استغاثہ پکڑا جا رہا ہے تو وہ اس سے افضل ہے کہ جس کی بارگاہ میں توجہ اور مدد اس کے ساتھ مانگی جا رہی ہے۔

ہم کہتے ہیں: کہ نہ تو مسلمان اس کا عقیدہ رکھتا ہے اور نہ ہی تجوہ اور استغاثہ کا لفظ اس پر دلالت کرتا ہے، کیونکہ تجوہ جاہ اور وجاہت سے ہے اور اس کا معنی علو قدر و منزلت ہے اور عزت اور قدر والے سے توسل کیا جاتا ہے اس کی بارگاہ میں کہ جو اس سے وجاہت کے لحاظ سے افضل و اعلی ہو۔

اور استغاثہ مدد طلب کرنے کو کہتے ہیں اور مدد طلب کرنے والا جس سے مدد مانگ رہا ہے اس سے طلب کرتا ہے کہ اس کو کسی دوسرے سے مدد لے دے اگرچہ وہ اس سے اعلی ہی کیوں نہ ہو یعنی نبی اکرم ﷺ سے اللہ تعالیٰ کی مدد طلب کرتا ہے۔

پس توسل، تشفع و تجوہ اور استغاثہ کا مفہوم و معنی مسلمانوں کے قلوب میں اس کے سوا اور کچھ بھی نہیں ہے اور کوئی بھی مسلمان اس کے سوا کچھ بھی قصد نہیں کرتا۔

پس جس کا سینہ اس کو سمجھنے سے قاصر ہے اور اس کے لیے اس کا انشراح صدر نہیں ہوا تو وہ اپنے آپ پر ملامت کرے، ہم اللہ تعالیٰ سے عافیت طلب کرتے ہیں پس جب اس کا معنی صحیح ہے تو پھر اس کو توسل کہیں یا تشفع اور تجوہ یا استغاثہ کہیں جائز ہے اور اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ لفظ استغاثہ مستغاث منہ پر مدد کا استدعا کرتا ہے تو بندہ اپنے نفس، اس کی خواہشات، شیطان اور وہ چیزیں جو اس کا تعلق اللہ تعالیٰ سے کاٹنے والی ہیں ان کے خلاف اللہ تعالیٰ سے نبی ﷺ اور آپ ﷺ کے علاوہ دوسرے انبیاء و صالحین کے ذریعے مدد مانگتا ہے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ان کے ساتھ توسل کرتے ہوئے تاکہ وہ اس کی مدد کرے ان چیزوں کے خلاف جن سے بچنے کے لئے اس نے مدد طلب کی یعنی نفس وغیرہ، تو حقیقت میں مستغاث بہ اللہ تعالیٰ ہے اور نبی اکرم ﷺ اس کے مستغیث کے درمیان واسطہ ہیں۔

دوسری حالت:

آپ ﷺ کے انتقال کے بعد آپ ﷺ سے شفاعت طلب کرنی قیامت کی ہولناکیوں میں تو اس پر اجماع ہے اور متواتر احادیث اس پر دلالت کرتی ہیں۔

تیسری حالت:

برزخ کی مدت میں آپ ﷺ سے توسل واستغاثہ کرنا۔

تو اس میں حضرت امام سبکی رحمہ اللہ نے حدیث مالک الدار پیش کی ہے کہ جس میں ہے حضرت بلال بن حارث مزنی رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کی قبر مبارک پر حاضر ہوئے اور عرض کی: یارسول اللہ ﷺ اپنی امت کے لیے بارش مانگیے وہ ہلاک ہو چلے: تو رسول اللہ ﷺ ان کی خواب میں تشریف لائے اور فرمایا کہ، عمر رضی اللہ عنہ کے پاس جاؤ اور ان کو میری طرف سے سلام کہو اور ان کو خبر دو کہ وہ بارش دیے جائیں گے اور ان کو کہو کہ اے عمر رضی اللہ عنہ نرمی کرو نرمی کرو، تو وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور آپ رضی اللہ عنہ کو خبر دی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ رو پڑے اور کہا اے میرے رب! میں کوتاہی نہیں کرتا سوائے اس کے جس سے میں عاجز ہوں، اور اس حدیث سے استدلال اس طرح ہے کہ اس میں نبی اکرم ﷺ سے آپ ﷺ کے انتقال کے بعد بارش طلب کی گئی برزخ کی زندگی کی حالت میں اور اس سے کوئی (امر) مانع بھی نہیں کہ آپ ﷺ سے بارش کی دعا کروائی جائے جیسا کہ دنیاوی زندگی میں آپ ﷺ سے سوال کیا جاتا تھا۔

تیسری نوع:

کہ اپنا مقصود آپ ﷺ سے مانگا جائے اس معنی میں کہ آپ ﷺ اس میں تسبب پر قادر ہیں کہ اس کے سوال کو رب کی بارگاہ میں فرمائیں اور اس کی شفاعت فرمائیں تو معنوی طور پر یہ دوسری قسم کی طرف ہی لوٹتی ہے اگرچہ عبارات مختلف ہی اور اس میں ہے

کہنے والے کا نبی اکرم ﷺ کیلیے عرض کرنا:

اسئلک مرافقتک فی الجنة۔ [1]

میں آپ ﷺ سے جنت میں آپ ﷺ کی ہمسائیگی مانگتا ہوں۔

تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ کثرت سجود کے ساتھ میری مدد کر۔

اور اس میں بھی آثار بہت زیادہ ہیں اور لوگ اپنے سوال سے سوائے اس کے اور کچھ بھی قصد نہیں کرتے مگر یہ کہ نبی اکرم ﷺ سبب اور شافع ہیں اور اسی طرح نبی اکرم ﷺ کا جواب جب کہ وہ حسب سوال وارد ہو۔

جیسا کہ امام بیہقی رحمہ اللہ کی دلائل نبوت میں روایت ہے کہ جس کی سند حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ کی طرف جاتی ہے اس میں ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ:

شکوت الی النبی ﷺ سوء حفظي للقرآن فقال: ذاک شیطان یقال له: خنزب، ادن منی یا عثمان، ثم وضع یده علی صدری فوجدت بردها بین کتفي، وقال: اخرج یا شیطان من صدر عثمان، قال: فما سمعت بعد ذلک شیئا الا حفظته۔ [2]

---

[1] یہ حضرت ربیعہ بن کعب اسلمی رضی اللہ عنہ کی حدیث کا ایک حصہ ہے اور اس کو امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے۔ ص ۲۴۵ (۴۸۹) فی الصلاة باب فضل السجود والحث علیه۔ اور کئی محدثین نے اس کو مختلف الفاظ کے ساتھ اپنی اپنی کتب میں روایت کیا مثلا: ابو داؤد في السنن ۲۰۸ (۱۳۲۰)، والنسائي في السنن ۱۷۵ (۱۱۴۰) وفیالکبری ۱/۲۲۵ (۷۲۴)، والبیهقي في السنن الکبری ۲/۴۸۶، وابن أبي عاصم فیالآحاد والمثانی ۴/۳۵۲ (۲۳۸۷)، وأبو نعیم في الحلیة الاولیاء ۲/۳۲، والطبرانی في الکبیر ۵/۵۶، وغیرھم۔ ارشد مسعود عفی عنہ۔

[2] رواه البیهقی فی الدلائل النبوة ۵/۳۰۷، والطبرانی فی الکبیر ۹/۴۷، و مجمع الزوائد للهیثمی ۹/۳۔ اور دلائل النبوة بیہقی میں حسن کے طریق سے روایت کی۔ اور ابن ماجہ نے بسند حسن روایت کی۔ حدثنا محمد بن بشار، حدثنا محمد بن عبد الله الانصاری حدثنی عیینة بن عبد الرحمن حدثنی أبی عن عثمان بن أبي العاص۔

میں نے نبی اکرم ﷺ سے حفظ قرآن سے اپنے سوء حفظ کی شکایت کی تو آپ ﷺ نے فرمایا یہ شیطان ہے کہ جس کو خنزب کہا جاتا اے عثمان میرے قریب آ پھر آپ ﷺ نے اپنا ہاتھ مبارک میرے سینہ پر رکھا جس کی ٹھنڈک میں نے اپنے کندھوں کے درمیان میں محسوس کی اور آپ ﷺ نے فرمایا کہ اے شیطان عثمان کے سینہ سے نکل جا آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس کے بعد میں جو بھی سنتا ہوں وہ مجھے یاد ہو جاتا ہے۔

غور کیجئے! نبی اکرم ﷺ نے شیطان کے خروج کا حکم اس علم کی بنیاد پر دیا کہ یہ خروج اللہ تعالیٰ کے حکم، اس کے پیدا کرنے اور اس کو آسان کرنے سے واقع ہوگا اور یہاں خلق افعال کی طرف نبی اکرم ﷺ کی نسبت اور افعال میں مستقل ہونا مراد نہیں اور کوئی اور اسی سے ملتے جلتے الفاظ کے ساتھ روایت کی، اور کشناوی محقق کا اس کو حاکم کی طرف منسوب کرنا صحیح نہیں، کیونکہ حاکم کے الفاظ صحیح مسلم میں مروی ہیں، باب التعوذ من الشیطان فی الصلاۃ ۷ /۴۴۶ اور صحیح یہی ہے جس کو بیان کر دیا گیا ہے۔

مسلمان اس کا قصد نہیں کرتا تو کلام کو اس طرف پھیرنا اور اس کو منع کرنا دین میں تلبس اور موحد عوام کو تشویش میں مبتلا کرنا ہے، جب یہ تمام انواع و احوال نبی اکرم ﷺ سے طلب کے ہم نے لکھ دیے اور اس کا معنی بھی واضح اور ظاہر ہو گیا تو اب تجھ پر توسل، تشفع، استغاثہ اور توجہ کہنے میں کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ ان تمام کے معنی ایک جیسے ہیں۔

تشفع: تو وفد بنی فزارہ کا نبی اکرم ﷺ کے لیے کہنا:

تشفع لنا الی ربک: ہمارے لیے اپنے رب سے سفارش فرمادیں۔

اور حدیث نابینا صحابی رضی اللہ عنہ کی بھی یہی چاہتی ہے اور توسل بھی اسی معنی میں ہے اور توجہ اور سوال حضرت نابینا صحابی رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے اور تجوہ بھی توجہ کے معنی میں ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حق میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَكَانَ عِندَ اللَّهِ وَجِيهًا﴾ [الأحزاب: 69]

اور موسی اللہ کے یہاں آبرو والا ہے

اور حضرت عیسی علیہ السلام کے بارے میں فرمایا:

﴿وَجِيهًا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ﴾ [آل عمران: 45]

رودار ہوگا دنیا اور آخرت میں۔

مفسرین نے فرمایا کہ:

وجیها: یعنی وجاہت والا اور اس کے پاس قدر و منزلت والا۔

اور امام جوہری نے فعل "وجہ" میں کہا کہ جب وہ وجاہت اور قدر و منزلت والا اس کے پاس ہوگیا، اور یہ بھی جوہری نے فعل جوہ میں کہا، الجاہ: قدرت کے معنی میں آتا ہے، یعنی قدر و منزلت والا اور فلاں وجاہت والا ہے، "یعنی أو جهته و وجهته أنا" یعنی میں نے اس کو وجاہت والا بنا دیا۔

اور ابن فارس نے کہا کہ فلان وجیه: وجاہت والا جب یہ ظاہر ہوگیا پس تجوہ کا معنی اس کی قدر و منزلت کے ساتھ توجہ کرنا اور وہ اس کی قدر و منزلت اللہ تعالیٰ کے ہاں۔

اور "استغاثہ" مدد کا طلب کرنا ہوتا ہے اور کبھی خالق سے غوث طلب کیا جاتا ہے اور وہ اللہ وحدہ لاشریک ہے جیسا کہ اس کا فرمان ہے:

﴿إِذْ تَسْتَغِيثُونَ رَبَّكُمْ﴾ [الأنفال: 9]

"جب تم اپنے رب سے فریاد کرتے تھے۔"

اور کبھی اس سے کہ جس کی طرف سبیل کسب اسناد صحیح ہو۔

اور یہی استغاثہ کی وہ قسم ہے کہ جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کی جاتی ہے اور ان دونوں قسموں میں کبھی فعل بنفسہ متعدی ہوتا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿إِذْ تَسْتَغِيثُونَ رَبَّكُمْ﴾ [الأنفال: 9]

"جب تم اپنے رب سے فریاد کرتے تھے۔"

اور:

﴿فَاسْتَغَاثَهُ الَّذِيْ مِنْ شِيْعَتِهٖ﴾ [القصص: 10]

''تو وہ جو اس کے گروہ سے تھا اس سے موسیٰ سے مدد مانگی۔''

اور کبھی حرف ''جر'' کے ساتھ متعدی ہوتا ہے جیسا کہ نحویوں کے کلام میں مستغاث بہ کا ذکر ہے۔

اور سیبویہ کی کتاب میں ہے، فاستغاث بهم ليشتر واله كليبا۔ تو یہ صحیح ہے کہ کہا جائے: ''استغثت النبی ﷺ اور استغیث بالنبی ﷺ'' یعنی میں نے نبی اکرم ﷺ سے مدد چاہی یا نبی اکرم ﷺ کے صدقہ مانگی دونوں صحیح ہیں ان دونوں کا ایک معنی ہے اور وہ ان سے دعا کے ساتھ طلب غوث کرنا ہے اور سابقہ دونوں نوعیں بھی اسی طرح ہیں توسل میں کوئی فرق نہیں یعنی حالت حیات و حالت وفات میں۔

اور کہنا استغثت الله اور استغیث بالله، یعنی اس سے طلب خلق غوث کرنا ہے پس اللہ تعالیٰ مستغاث ہے اور خلقا اور ایجادا ہے اور نبی اکرم ﷺ مستغاث ہیں اور ان سے مدد طلب کرنا تسبباً اور کسباً ہے اور اس معنی میں کوئی فرق نہیں کہ فعل متعدی بنفسہ کو استعمال کیا جائے یا فعل لازم کو یا متعدی بالباء کو۔

اور کبھی نبی اکرم ﷺ سے استغاثہ کرنا ایک اور وجہ پر ہوتا ہے وہ یہ کہ کہا جائے کہ ''استغیثت الله بالنبی ﷺ'' یعنی میں اللہ تعالیٰ سے نبی اکرم ﷺ کے صدقے مدد طلب کرتا ہوں جیسے کہتے ہیں ''سألت الله بالنبی ﷺ'' میں اللہ سے نبی اکرم ﷺ کے صدقے مانگتا ہوں تو اس طرح یہ توسل نوع اول کی طرف لوٹتی ہے اور یہ آپ ﷺ کی ولادت سے پہلے ولادت کے بعد صحیح ہے اور کبھی مفعول حذف ہوتا ہے

اور کہا جاتا ہے ''استغثت بالنبی ﷺ'' اس کا یہی معنی ہے تو لفظ استغاثہ نبی اکرم ﷺ کے ساتھ استعمال کرنے کے دو معنی ہیں:

① یہ کہ وہ مستغاث ہوں۔

② یہ کہ وہ مستغاث بہ ہوں

اور اس میں با استعانت کی ہے۔

پس استغاثہ اور توسل کے اطلاق کا جواز ظاہر ہو گیا اور اس امر میں کوئی شک نہیں ہے کیونکہ لغت میں استغاثہ، طلب غوث کو کہا جاتا ہے اور یہ لغۃ اور شرعا دونوں طریقوں پر اس لیے جائز ہے کہ جو اس پر قادر ہو کسی لفظ سے بھی اس کو تعبیر کیا جائے۔

جیسا کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ نے کیا تھا۔ أب مدد کر اگر تیرے پاس مدد ہے تو۔

اور المعجم الکبیر للطبرانی کی روایت بظاہر اس کے خلاف ہے۔

حدثنا أحمد بن حماد بن زغبة المصری حدثنا سعید بن عفیر حدثنا ابن لهیعة، عن الحارث ابن یزید، عن علی بن رباح، عن عبادة قال: قال أبو بکر رضی اللہ عنہ: قوموا نستغیث برسول الله صلی اللہ علیہ وسلم من هذا المنافق، فقال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم: انه لا یستغاث بی، انما یستغاث بالله عز وجل۔ [1]

بسند مذکور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کھڑے ہو جاؤ ہم اس منافق کے خلاف نبی اکرم و سے استغاثہ کرتے ہیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مجھ سے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ سے استغاثہ کرو

قلت: ابن سعد نے بھی طبقات میں اس سیاق کے بغیر اس کو روایت کیا ہے۔ دیکھئے ۱/۳۸۷۔ لیکن اس میں بھی ابن لهیعہ راوی موجود ہے اور وہاں بھی سماع کی صراحت نہیں ہے۔

ابن لهیعہ کی معنعن روایت کے بارے میں غیر مقلدین کا محقق علی زئی لکھتا ہے:

---

[1] قال الهیثمی فی مجمع الزوائد (۱۰/۱۵۹): رواه الطبرانی و رجاله رجال الصحیح غیر ابن لهیعة و هو حسن الحدیث، و قد رواه احمد بغیر هذا السیاق۔

''ابن لھیعہ مدلس ہیں۔ (دیکھئے طبقات المدلسین ۵/۱۴۰، الفتح المبین ص ۷۷)
اور یہ روایت عن سے ہے۔ یہ بات عام طالب علموں کو بھی معلوم ہے کہ مدلس کی عن والی روایت ضعیف ہوتی ہے۔

دوم: ابن لھیعہ آخری عمر میں اختلاط کا شکار ہو گئے تھے۔ وہ صرف اس وقت حسن الحدیث ہیں جب سماع کی تصریح کریں اور ان کی بیان کردہ روایت ان کے اختلاط سے پہلے کی ہو۔ درج ذیل راویوں نے ان کے اختلاط سے پہلے سنا تھا: [1]

یہاں پر غیر مقلد کا سعید بن کثیر بن عفیر کی پچر لگانا ہمیں سمجھ نہیں آیا کہ جو آدمی آئمہ فن کی کتب سے نقل کئے جانے والے اقوال کو بغیر سند ہونے کی وجہ سے مردود و باطل لکھنے میں ذرا توقف نہیں کرتا خود باقی کے بارے میں تو حوالے نقل کر گیا لیکن یہاں کوئی حوالہ بھی نہیں۔ اور خود اپنی ہی تکذیب بھی کر دی کہ خود لکھا کہ'' ان راویوں کے علاوہ کسی اور راوی کا ابن لہیعہ سے قبل از اختلاط سماع ثابت نہیں ہے'' جب خود لکھ دیا کہ ان چودہ کے علاوہ نہیں تو پھر اپنی ہی تکذیب کرتے ہوئے پندرھویں کو شامل کر لیا۔

بہر حال۔ مندرجہ بالا روایت پھر بھی ضعیف ہے کیونکہ اس میں ابن لہیعہ نے عن سے روایت کی ہے۔ اور غیر مقلد کی عبارت کی تحت یہ ضعیف ہوگی۔ [ارشد مسعود عفی عنہ]

---

[1] عبد اللہ بن المبارک (۲) عبد اللہ بن وہب (۳) عبد اللہ بن یزید المقرئ [تہذیب التہذیب ۵/۳۳۰] (۴) عبد اللہ بن مسلمہ القعنبی [میزان الاعتدال ۲/۲۸۲] (۵) یحیی بن اسحاق السیلحینی [تہذیب التہذیب ۲/۴۲۰] (۶) ولید بن مزید [المعجم الصغیر للطبرانی ۱/۲۳۱] (۷) عبد الرحمن بن مہدی [لسان المیزان ۱۱، ۱/۱۰] (۸) اسحاق بن عیسی [میزان الاعتدال ۲/۴۷۷] (۹) سفیان ثوری (۱۰) شعبہ (۱۱) اوزاعی (۱۲) عمرو بن الحارث المصری [ذیل الکوکب النیرات ص ۴۸۳] (۱۳) لیث بن سعد [فتح الباری ۴/۳۴۵ تحت ح ۲۱۲۷] (۱۴) بشر بن بکر [الضعفاء للعقیلی ۲/۲۹۴] ہمارے علم کے مطابق ان چودہ راویوں کے علاوہ کسی اور راوی کا ابن لہیعہ سے قبل از اختلاط سماع ثابت نہیں ہے جن میں سعید بن کثیر بن عفیر بھی ہیں لہذا یہ روایت ابن لہیعہ کے اختلاط کی وجہ سے ضعیف ہے۔ (الحدیث شمارہ ۲۷، اگست ۲۰۰۶ء صفحہ ۱۷)

اس حدیث میں عبداللہ بن لھیعہ راوی ہے اور اس میں کلام مشہور ہے اور پھر یہاں اس نے سماع کی صراحت بھی نہیں کی اگر یہ حدیث صحیح بھی ہو تو اس کے کئی معنی ہونگے۔

① نبی اکرم ﷺ بحکم الٰہی منافقین پر مسلمانوں کے احکام جاری فرماتے تھے۔ تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی شاید نبی اکرم ﷺ سے اس منافق کے قتل کی اجازت لینا چاہتے تھے تو آپ ﷺ نے یہ جواب مرحمت فرمایا، کیونکہ یہ کام احکام شریعہ میں سے ہے کہ جس کے بارے ابھی وحی نازل نہیں ہوئی تھی لہذا اس کو اللہ تعالیٰ کے وعدہ کے سپرد فرما دیا، اور نبی اکرم ﷺ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مخلوق کو سب سے زیادہ پہچانتے ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ سے احکام میں سے کسی حکم کے تبدل و تغیر کے بارے سوال نہیں کرتے اور وہی کام کرتے ہیں کہ جس کا آپ ﷺ حکم دیا گیا ہے لہذا یہ فرمانا:: لایستغاث بی: یہ عام مخصص ہے یعنی اس بارے میں مجھ سے استغاثہ نہ کرو کیونکہ یہ ان امور میں سے ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے مختص فرمایا ہے اور اس میں شک نہیں کہ سوال کا ادب یہی ہے کہ مسئول عنہ کے لیے وہ ممکن ہو پس جیسے ہم اللہ تعالیٰ سے سوال نہیں کر سکتے مگر جو اس کی ممکن القدرت ہو اسی طرح ہم رسول اللہ ﷺ سے بھی وہ سوال نہیں کر سکتے جو آپ ﷺ کے لیے ممکن القدرت نہ ہو۔

② یا پھر یہ آپ ﷺ کا فرمان اس قبیل سے ہے، جیسا کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

ما أنا حملتكم و لكن الله حملكم:[1]

میں تم کو سوار نہیں کرتا بلکہ اللہ تعالیٰ تم کو سوار کرتا ہے یعنی اگر چہ تم مجھ سے استغاثہ پیش کر رہے ہو حقیقت میں تم اللہ تعالیٰ سے ہی استغاثہ پیش کر رہے ہو۔ اور احادیث میں اسی

---

[1] یہ ایک طویل حدیث کا حصہ ہے جس کو امام بخاری اور مسلم نے اپنی اپنی صحیح میں روایت کیا ہے۔ صحیح مسلم ۷/۳ (۱۶۴۹) فی الأيمان باب ندب من حلف يمينا ۔۔۔ صحیح بخاری (۶۶۲۳) نسائی (۳۷۷۰) وغیرہ۔

طرح کے کئی واقعات ہیں کہ جن میں اس حقیقت الامر کو بیان فرمایا گیا ہے اور اسی قرآن مجید میں مکتسب کی طرف فعل کی اضافت کی گئی ہے

جیسا کہ آپ ﷺ کا فرمانا:

لن یدخل أحدا منکم الجنة عمله [1]

تم میں سے کوئی بھی اپنے عمل کے سبب جنت میں داخل نہیں ہوسکتا۔

ساتھ اللہ تعالیٰ کا فرمان:

﴿ادْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴾[النحل: 32]

جنت میں جاؤ بدلہ اپنے کئے کا۔

اور نبی اکرم ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

لأن یھدي اللہ بک رجلا واحدا۔ [2]

اگر تمھاری وجہ سے اللہ تعالیٰ کسی شخص کو ہدایت دے دے۔

تو اس میں ہدایت کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی گئی ہے۔ جبکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا﴾[السجدة:24]

”اور ہم نے ان میں سے کچھ امام بنائے کہ ہمارے حکم سے بتاتے۔“

اور اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب نبی اکرم ﷺ کے لیے فرمایا کہ:

﴿وَاِنَّكَ لَتَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ﴾[الشوری:52]

---

[1] صحیح مسلم ۱۲۷۴ (۲۸۱۶) فی صفات المنافقین و احکامھم باب لن یدخل احد الجنة بعملہ، بل برحمة اللہ تعالی۔

[2] یہ ایک طویل روایت کا حصہ ہے جس کو امام بخاری اور مسلم نے اپنی اپنی صحیح میں روایت کیا ہے۔ بخاری ۲۹۴۲۔۳۰۰۹۔۳۷۰۱، مسلم ۱۱۱۳ (۲۴۰۶) فی فضائل الصحابہ باب من فضائل علی بن ابی طالب ۔واحمد في مسنده ۵/۳۳۳۔والرویاني في مسنده ۲/۱۹۳۔ و ابن حبان في الصحیح ۱۵/۳۷۸۔ والنسائي في السنن الکبری ۵/۴۶۔ ۱۱۰۔وغیرہم۔

''اور بے شک تم ضرور سیدھی راہ بتاتے ہو۔''

اور اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان کہ

﴿اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ﴾ [القصص:56]

''بے شک یہ نہیں کہ تم جسے اپنی طرف سے چاہو ہدایت کردو۔''

تو احسن طریقہ یہ ہے کہ اس سے مراد تسلی ہو یعنی اس میں رسول اللہ ﷺ کے دل کیلیے آپ ﷺ کے چچا ابو طالب کے اسلام نہ لانے سے دل کو تسلی دینا مراد ہو گویا کہ کہا یہ جا رہا ہے کہ آپ ﷺ نے اس کو پورا فرما دیا جو آپ ﷺ پر تھا اور ہدایت کو پیدا کرنا آپ ﷺ کے ذمہ نہیں ہے کیونکہ وہ آپ ﷺ کی طرف سے نہیں ہے لہذا آپ ﷺ کا دل اس طرف نہ جائے [1]

اور بالجملہ لفظ استغاثہ کا اطلاق ہر اس پر ہو سکتا ہے جس سے مدد مل سکتی ہے چاہے خلق، ایجاد، تسبب، کسب کے طور پر، لہذا یہ امر معلوم ہے اور اس میں کوئی شک نہیں نہ، لغۃ، اور نہ، شرعا، اور سوال اور استغاثہ میں کوئی فرق نہیں ہے پس حدیث مذکور کی تاویل متعین ہو گئی۔

اور کہا گیا ہے، بخاری میں حدیث ''شفاعة يوم القيامة'' ہے:

فبيناهم كذلك استغاثوا بآدم ثم بموسى ثم بمحمد ﷺ۔۔۔ [2]

پس اس وقت تمام لوگ حضرت آدم علیہ السلام سے پھر حضرت موسی علیہ السلام پھر حضرت محمد ﷺ سے استغاثہ کریں گے۔

اس میں لفظ استغاثہ کے استعمال پر حجت و دلیل ہے لیکن اس کی حاجت نہیں کیونکہ استغاثہ اور سوال کے ایک ہی معنی ہیں چاہے اس کو اس لفظ سے تعبیر کیا جائے چاہے کسی اور لفظ سے

---

[1] تنبیہ: میں کہتا ہوں کہ ہدایت کی دو اقسام ہیں: ۱: ہدایت توفیق: ۲: ہدایت ارشاد: پس ہدایت توفیق تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور اس قول مبارک اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ أَحْبَبْتَ بے شک یہ نہیں کہ تم جسے اپنی طرف سے چاہو ہدایت کردو۔ (سورۃ القصص ۵۶)

[2] اخرجه البخاري ۱/۱۹۹۔

اوراس میں نزاع ضروریات میں نزاع ہے اوراس کا جواز شرعا معلوم ہے اور اس لفظ کو تخصیص کے ساتھ بحث بنانے کی کوئی وجہ نہیں ہے اور نبی اکرم ﷺ سے سوال کرنے کا انکار ان احادیث وآثار کے خلاف ہے کہ جن کو ہم نے بیان کردیا ہے اور جس کو بیان نہیں کیا اس کی طرف اشارہ کردیا ہے۔ مختصرا[1]

میں یہی مراد ہے اور ہدایت ارشاد تو یہ بشر کی طرف سے ہے اور اللہ تعالیٰ کے اس قول وَاِنَّکَ لَتَهْدِیْ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ (سورۃ الشوری ۵۲) اور بے شک تم ضرور سیدھی راہ بتاتے ہو۔

میں یہی ہدایت مراد ہے۔

یہ اور اس کے ساتھ وسیلہ تو ہماری زندگی اور عبادت کے ساتھ جزو لاینفک ہے فرائض اور سنن وسائل مشروعہ ہیں ان کی غایت طہارت ظاہر و باطن ہے اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑے ہونے اور حق تعالیٰ کی تجلیات دلوں پر ڈالنے کے لیے طہارت ضروری ہے پس وضو وسیلہ اور شرط ہے نماز کی صحت کے لیے بغیر وضو نماز درست نہیں جیسا کہ بغیر طہارت نماز صحیح نہیں ہے۔

پس وضو جب وسیلہ ہے اور واجب اس کے بغیر مکمل نہیں ہوتا اور جس کے بغیر واجب مکمل نہ ہو وہ بھی واجب ہوتا ہے یعنی واجب کا مقدمہ بھی واجب ہے پس طہارت متحقق نہیں ہوتی مگر پانی کے ساتھ یا اس کی غیر موجودگی یا عذر کی صورت میں تیمم کے ساتھ پس پانی اس کا وسیلہ ہے کہ اس سے مستغنی نہیں ہوا جاسکتا۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ﴾ [الأنبيآء: 30]

اور ہم نے ہر جاندار چیز پانی سے بنائی۔

---

[1] شفاء السقام ۱۶۰۔۱۷۸۔

پس جب درخت کی جڑوں کو پانی پہنچتا ہے تو اس کو زندہ کر دیتا ہے لہذا وہ اس کے لیے وسیلہ ہے اور اس کا کرنا واجب ہے اگر آدمی اس کو ترک کر دے ہلاک ہو جائے اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اس کے حق میں فرمایا:

﴿وَ تَرَى الْاَرْضَ هَامِدَةً فَاِذَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَآءَ اهْتَزَّتْ وَ رَبَتْ وَ اَنْبَتَتْ مِنْ كُلِّ زَوْجٍ بَهِيْجٍ﴾[الحج:5]

''اور تو زمین کو دیکھے مرجھائی ہوئی پھر جب ہم نے اس پر پانی اتارا تروتازہ ہوئی اور اُبھر آئی اور ہر رونق دار جوڑا اُگالائی''۔

پس وسیلہ زمین سے ملا تو اس سے حیات اکتساب ہوئی اور زمین سے جڑی بوٹیاں نکل آئیں ہر قسم کی تروتازہ اور سرسبز اور زندہ اس کا وسیلہ بارش بنی کہ جس نے زمین کو زندہ کیا لیکن حق سبحانہ وتعالیٰ نے جڑی بوٹیاں اگانے کی نسبت زمین کی طرف کر دی اور یہ اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا اکرم ہے تو کیا یہ بعید ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ قدرت ابداء واخفاء کی نسبت مخلوق کی طرف کر دے اور یہ اللہ تعالیٰ کا مخلوق پر بڑا افضل ہے۔

حالانکہ تمام کا تمام حکم اللہ وحدہ لاشریک کے لیے ہی ہے اور وہی ہے جو حقیقتاً زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے۔

اور یہی حال پانی کا ہے جب وہ اعضاء کو مس کرتا ہے تو اعضاء میں خلیات ہیں ان کو آپس میں ملاتا ہے اور پھر ان کو روحانی تطہیر پر اُبھارتا ہے اور وہ نماز ہے پس انسان اس کے ساتھ بلند مقامات کی طرف ترقی کرتا ہے اور یہی حال زکاۃ، روزے اور حج میں ہے یہ تمام تطہیر اور ایمانی ترقی کے وسیلے ہیں ان کے ساتھ بندہ متحقق ہوتا ہے یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے فضل واحسان ہے اور اس سے ہمارے لیے اتصال کی صورت سکون اور وصال ثابت ہوتی ہے پس معانی کے وسائل مبانی پر اور مبانی کے وسائل معانی کے ساتھ ہیں جیسا کہ مقرر ہے۔

پس اگر تو چاہے تو کہہ اقول کی صحت افعال پر موقوف ہے اور افعال کی صحت اقوال

پر قائم ہے پس شہادتین کا نطق نماز، روزے، حج، زکاۃ اور نماز سے افعال کی تحقیق پر موقوف ہے اور نماز، زکاۃ، حج، صوم تمام کے تمام جنتوں کے اعتراف و اذعان کے اعتقاد پر قائم ہیں پھر افعال کے ساتھ تجسید اتصال کی صورت کے اکتمال کے لیے ہیں۔

پس جب شہادتین ان دونوں کے افعال کا وسیلہ ہیں اور ان کا افعال ان دونوں کے اعتقاد اور نطق کا وسیلہ ہے اور عبادات میں طہارت کی نیت، وضو، غسل، نماز، زکاۃ، روزے، حج ہیں تو یہ نیت پر موقوف ہے اور نیت دل کے ارادے کا نام ہے جو کہ غیب ہے اس کی جزا متحقق نہیں ہوتی۔

مگر ظاہرہ افعال سے یعنی ان کے بجالانے کے بغیر متحقق نہیں ہوتی پس جب ان کا بجالانا اس کا وسیلہ ہے اور وہ اس کے انفعال کا وسیلہ ہے پس وضو اور غسل فعل محسوس ہے تو وہ اپنی ذات کے معنی تک پہنچانے والا ہے جو کہ غیبی اور قلبی ہے یعنی فعل ذاتی جسم و روح کی ذات کے لیے متحقق ہوتا ہے معانی کو متحقق نہیں ہوتا یعنی جو نیت کو متحقق نہیں ہوتا کیونکہ نیت عالم شہادت میں جب تک اس پر عمل نہ کیا جائے غیر منفعل ہوتی ہے۔

پس افعال ایسے وسائل تک پہچانے والے ہیں جو کہ نفع اور فائدے کی طرف منتقل ہوتے ہیں روح کی طہارت کی نیت کے ساتھ ملانا بدن کی طہارت کے طریقے سے،

پس مکلف جب شریعت کے احکام پر بغیر استفسار کے عمل کرتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے حکم کو حکم غیبی پر بنا بنا تا ہے اس کی تفسیر کو نہیں جانتا مگر اپنے بدن کی طہارت سمجھتے ہوئے عمل کرتا ہے اور نہیں جانتا کہ غسل میں کیا ہے لیکن اس فعل کے سبب اللہ تعالی اس کی روح کو طہارت عطا فرماتا ہے۔

اور اسی طرح دعا میں ہاتھ اٹھانے کا حکم کہ وہ ایسے امر معنوی کے تفاول کے لیے ہے کہ جس کو انسان دیکھتا نہیں ہے پس یہ امر معنوی کی قبولیت کی امید کے لیے مشغول رکھنے کا وسیلہ ہے۔

اور ایسے مظاہر مشروع ہوتے ہیں مسلمان کے لیے مسلمان کے قیام کرنے اور بھائی

کے لیے بھائی کا احترام کرنے اور اہل علم حضرات اور والدین کی تعظیم وتوقیر کرتے وقت اور نبی اکرم ﷺ کے میلاد کے وقت قیام کرنے اور صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرنے اور بیت اللہ شریف کے طواف کرتے وقت اور یہ تمام اعمال غیبی چھپے ہوئے مطالب کے حصول کے لیے وسیلے ہیں جو کہ محسوس مظاہر میں روشن ہوتے ہیں اور مشعر ہوتے ہیں اس کے دل میں راحت اور طمانیت اور سکون پیدا کرتے ہیں پس سکینہ وسائل کے میراث میں سے ہے اسی لیے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

ما اجتمع قوم فی بیت من بیوت اللہ یقرئوون کتاب اللہ ویتدار سونہ بینھم الا نزلت علیھم السکینۃ وغشیتھم الرحمۃ و حفتھم الملائکۃ وذکرھم اللہ فی من عندہ۔[1]

جو قوم بھی اللہ کے گھروں میں سے کسی گھر میں اکٹھی ہو کر قرآن پڑھتی اور پڑھاتی ہے تو ان پر سکینہ نازل ہوتا ہے اور ان کو رحمت ڈھانپ لیتی ہے اور فرشتے ان پر سایہ کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کو ان سے بہتر یعنی فرشتوں میں یاد کرتا ہے۔

پس رحمت تو روح مصطفی ﷺ اور اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ نبیوں اور صدیقوں کی روحیں ہیں جو جلب سکینہ کرتی ہیں یعنی سکینہ کا وارث بناتی ہیں پس سکینہ وسیلہ کا نتیجہ ہے۔

---

[1] اخرجه مسلم (۲۶۹۹) فی الذکر، وابو داؤد فی السنن ۲/۲۶۸ (۱۴۵۰)، وابن ماجه فی السنن ۲۲۷۔

تیسری فصل:

توسل کی اقسام

نمبر ①

اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات سے توسل

جیسا کہ توسل کرنے والا کہتا ہے، اے اللہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کیونکہ تو اللہ ہے تیرے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے تو ایک ہے لاشریک ہے کہ تو مجھے رزق عطا فرما تو مجھے فلاں چیز عطا فرما۔

سنت مبارکہ میں بہت ساری احادیث سے ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات کے ساتھ توسل کیا کرتے تھے اور صحابہ کرام علیہم الرضوان کو بھی اس کا حکم فرمایا کرتے تھے ان میں سے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

كان النبى ﷺ اذا كربه أمر قال :يا حي يا قيوم ، برحمتك أستغيث۔[1]

جب کبھی نبی آکرم ﷺ پر کوئی مشکل کام درپیش ہوتا تو آپ ﷺ یا حي، یا قیوم برحمتک استغیث کہا کرتے تھے۔

اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

---

[1] رواه الترمذي في الجامع ۵/۵۳۹۔

ما أصاب أحدا قط هم ولا حزن فقال اللهم انی عبدک، ابن عبدک، ابن امتک، ناصیتي بیدک، ماض في حکمک، عدل في قضائوک، أسألک بکل اسم هو لک، سمیت به نفسک، أو أنزلته في کتابک، أو علمته أحدا من خلقک أو استأثرت به في علم الغیب عندک، أن تجعل القرآن ربیع قلبي، ونور صدري، وجلاء حزني، وذهاب همي، الا أذهب الله همه وحزنه، وأبدله مکان همه فرجا۔[1]

جس کسی کو بھی کوئی رنج والم پہنچے تو وہ یہ کہے یعنی یوں دعا کرے: اے اللہ میں تیرا بندہ تیرے بندے کا بیٹا تیری بندی کا بیٹا۔ میری پیشانی تیرے قبضہ قدرت میں ہے جو ہوا تیرے حکم سے ہوا ہے تیری قضا میں میرے لیے عدل ہے میں تیرے ہر اسم حسنی کے صدقے تجھ سے سوال کرتا ہوں جسے تو نے اپنی ذات کے لیے پسند کیا یا تو نے اپنی کتاب میں نازل فرمایا یا اپنی مخلوق میں سے کسی کو سکھلایا یا تیرے پاس غیب میں چھپا ہوا ہے کہ تو قران کو میرے دل کی بہار اور میرے دل کا نور بنا دے اور غم کی جلا بنا دے اور میرا غم دور فرما تو اللہ تعالیٰ اس کا غم والم دور فرما کر اس کے بدلے کشادگی عطا فرمادے گا۔

قلت: وأخرجه ابن حبان فی الصحیح ۳/۲۵۳ (۹۷۲) ومحمد بن فضیل فی کتاب الدعاء ۲۰۔۲۱ (۶) والحارث بن ابی اسامة فی مسنده کما فی زوائده ۲۵۱ وفی نسخة ۲/۹۵۷ (۱۰۵۷)، وابن ابی شیبة ۶/۴۰، وفی مسنده ۱/۲۲۳، والطبرانی فی الکبیر

---

[1] مسند احمد ۱/۴۵۲، ۳۹۱ و مستدرک ۱/۵۰۹ اور حاکم نے اس کی تصحیح فرمائی ہے۔

١٠/١٦٩ (١٠٣٥٢)، والبزار فی مسنده ٥/٣٦٣ (١٩٩٤) وابو یعلی فی مسنده ٩/١٩٩ (٥٢٩٧) والقزوینی فی التدوین ٢/٣٤٨، والشجری فی امالیه ١/٢٣٢-٢٣٣، وابن ابی الدنیا فی الفرج بعد الشدة ٤٩، وعبد الغنی المقدسی فی الترغیب فی الدعاء ٢٦٢ (١٣٦)، واحمد بن منیع فی مسنده کما فی اتحاف الخیرة المهرة ٦/٤٧٨۔

توسل کی اس قسم کی مشروعیت میں کسی ایک مسلمان کا بھی اختلاف نہیں ہے۔ بعض نے اس روایت میں کلام کیا ہے۔لیکن میں کہتا ہوں کہ یہ روایت صحیح ہے امام حاکم نے عبد الرحمن بن عبد اللہ بن مسعود کے اپنے باپ سے سماع کی بات کی ہے تو وہ ثابت ہے۔جیسا کہ حافظ العلائی نے جامع التحصیل ٢٧٢ میں ذکر کیا ہے اور امام ذھبی نے ابوسلمہ میں کلام کیا ہے کہ ''لا یدری من ھو، ولیس له روایة فی الکتب الستة۔لیکن وہ بھی ثقہ ہے یہ موسی الجھنی ہے جو کہ صحیح مسلم کے رجال میں سے ہے۔اور اس کا متابع عبد الرحمن بن اسحاق ہے اور اس کا شاہد بھی ہے جس کو امام ابن السنی نے عمل الیوم واللیلة (٣٤١) میں روایت کیا ہے۔(ارشد مسعود عفی عنہ۔)

نمبر ٢

اعمال صالحہ کے ساتھ اللہ تبارک وتعالیٰ کی بارگاہ میں توسل پیش کرنا۔

اور یہ اس طرح ہے کہ انسان اپنی زندگی میں اللہ تعالیٰ کے لیے نیک عمل بجالائے اور اس عمل کے ساتھ اس کے سامنے توسل کرتا ہوا کہے:

''اللهم انی اسألک بحبک، أو باخلاصي فی طاعتک أن تعطیني کذا۔

"اے اللہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اپنی محبت جو تیرے ساتھ ہے یا تیری طاعت میں جو میرا اخلاص ہے اس کے ساتھ مجھے فلاں چیز عطا فرما دے۔"

اور اس طرح کا توسل اصحاب غار کے قصہ میں ہے کہ ایک بہت بڑا پتھر گر پڑا تھا اور اس نے ان کا راستہ روک دیا تھا تو انہوں نے سوائے خدا کی طرف توجہ کے کوئی چیز نہ پائی تو انہوں نے اپنے نیک اعمال کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں توسل کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو اس مصیبت سے رہائی دلائی۔

جیسا کہ امام بخاری، امام مسلم نے روایت کیا، اور امام حمیدی نے سالم عن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ روایت کی۔ انہوں نے کہا کہ میں نے سنا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

انطلق ثلاثة نفر ممن كان قبلكم حتى آواهم المبيت الى غار فدخلو ه ،فانحدرت صخرة من الجبل فسدت عليهم الغار، فقالوا :انه لا ينجيكم من هذه الصخرة الاأن تدعوا الله بصالح أعمالكم، قال رجل منهم :اللهم كان لي أبوان شيخان كبيران، و كنت ل اأغبق (أقدم شرب العشي) قبلهما أهلا و لا مالا ، فنأى بي طلب شجر يوما فلم أرح (أرجع) عليهما حتى ناما، فحلبت لهما غبوقهما فوجدتهما نائمين ، فكرهت أن أغبق قبلهما أهلا أو مالا ،فلبثت و القدح على يدي أنتظر استيقاظهما حتى برق الفجر،زاد بعض الرواة : والصبية يتضاغون عند قدمي ، فاستيقظا، فشربا غبوقهما اللهم ان كنت فعلت ذلک ابتغاء وجهک ففرج عنا ما نحن فيه من هذ ه الصخرة ، فانفرجت شيئا لا يستطيعون الخروج قال النبى ﷺ :وقال الآخر: اللهم كانت لي ابنة عم كانت أحب الناس الي، فأردتها عن نفسها فامتنعت مني ، حتى ألمت بها سنة من السنين ، فجاء

تني فأعطيتها عشرين و مائة دينار على أن تخلي بيني و بين نفسها، ففعلت ، حتى اذا قدرت عليها قالت: لا أحل لک أن تفض الخاتم الا بحقه ، فتحرجت. من الوقوع عليها، فانصرفت عنها وهي أحب الناس الي، وتركت الذهب الذي أعطيتها۔ اللهم ان كنت فعلت ذلک ابتغاء وجهک فافرج عنا ما نحن فيه،فانفرجت الصخرة، غير أنهم لا يستطيعون الخروج منها۔ قا ل النبی ﷺ : وقال الثالث: اللهم اني استأجرت أجراء فأعطيتهم أجرهم ، غير رجل واحد ترک الذي له و ذهب، فثمرت أجره حتى كثرت منه الأموال، فجاء ني بعد حين فقال: يا عبد الله أد الي أجري، فقلت له: كل ما ترى من أجرک من الابل و البقر و الغنم و الرقيق، فقال: يا عبد الله لا تستهزیءبي، فقلت: اني لا أستهزیءبک، فأخذه كله فاستاقه فلم يترک منه شيئا۔ اللهم فان كنت فعلت ذلک ابتغاء وجهک فافرج عنا ما نحن فيه،فانفرجت الصخرة، فخرجوا يمشون۔ [1]

تم سے پہلی امتوں میں سے تین شخص سفر کو نکلے کہ ایک شام وہ ایک غار میں رات گذارنے کے لیے داخل ہوئے تو پہاڑ سے ایک بہت بڑا پتھر گرا اور اس نے غار کا منہ بند کر دیا تو انہوں نے کہا اس سے نجات تبھی مل سکتی ہے کہ تم اللہ تعالیٰ سے اپنی کسی نیکی کے سبب دعا کرو، ان میں سے ایک شخص نے کہا، اے اللہ میرے والدین دونوں بوڑھے تھے اور میں شام کو ان کو کھانا

[1] الجمع بين الصحيحين ۲/۱۵۵ برقم ۱۲۶۱ والفظ له والبخاری فی الاجارة برقم ۲۲۷۱ و مسلم فی الذکر و الدعاء ۲۷۴۳۔

کھلانے سے پہلے اپنے بیوی بچوں کو کھانا نہیں کھلاتا تھا تو ایک دن میں لکڑیاں اکٹھی کرتے کرتے لیٹ ہو گیا یہاں تک کہ وہ سو گئے میں نے ان دونوں کے لیے دودھ کے پیالے بھرے اور ان کے پاس گیا تو وہ سو چکے تھے تو مجھے یہ اچھا نہ لگا کہ ان سے پہلے میں اپنے دیگر اہل و عیال کو کھانا کھلاؤں تو میں ان کے سرہانے پیالے لیے کھڑا رہا حتی کہ فجر ہو گئی اور چھوٹے بچے رو رو کر میرے قدموں میں گر رہے تھے پس صبح کو وہ بیدار ہوئے تو میں نے ان کو دودھ پلایا۔ اے اللہ اگر میں نے یہ سارا عمل تیری رضا چاہنے کو کیا ہے تو ہمیں اس پتھر سے نجات دے تو پتھر تھوڑا سا ہٹا لیکن اتنا نہیں کہ وہ اس میں سے نکل جائیں۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ پھر دوسرا بولا اور عرض کی اے اللہ میری ایک چچا زاد تھی کہ جس کو میں بڑا چاہتا تھا میں اس کو پھسلانا چاہتا تھا لیکن وہ اپنے آپ کو مجھ سے بچاتی تھی حتی کہ کچھ مدت کے بعد اسے کوئی تکلیف میرے پاس لے آئی میں نے اس کو ایک سو بیس دینار اس شرط پر دیے کہ وہ اپنا آپ میرے حوالے کر دے اس نے ایسا ہی کیا تو جب میں اس پر قادر تھا اس نے کہا تجھے یہ حلال نہیں کہ تو اس مہر کو بغیر حق کے توڑے تو میں اس پر واقع ہونے سے رک گیا اور پلٹ آیا حالانکہ وہ مجھے ساری دنیا سے پیاری لگتی تھی اور میں نے جو سونا اسے دیا تھا وہ اسی کے پاس رہنے دیا اے اللہ یہ کام میں نے تیری رضا چاہنے کے لیے کیا تھا اس عمل کے سبب ہمیں یہاں سے نجات دے تو وہ پتھر تھوڑا سا اور ہٹا لیکن اتنا نہیں کہ وہ گذر سکیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: پھر تیسرے نے کہا، اے اللہ میں مزدوروں سے کام لیتا تھا اور ان کو اس کی مزدوری عطا کر دیتا تھا سوائے ایک شخص کے کہ وہ اپنی اجرت چھوڑ کر چلا گیا تو میں نے اس کی اجرت سے تجارت کی حتی کہ اس کا مال کثیر ہو گیا تو ایک مدت کے بعد وہ آیا اور کہا اے

اللہ کے بندے میری اجرت مجھے دے میں نے اس کو کہا یہ تمام گائے، بکریاں، اونٹ، اور غلام سب تیری اجرت ہیں تو اس نے کہا اے اللہ کے بندے میرے ساتھ مذاق نہ کر میں نے اس کو کہا، میں تیرے ساتھ مذاق نہیں کر رہا تو اس نے وہ تمام مال لیا اور چلا گیا اور کچھ بھی نہ چھوڑا اے اللہ اگر میں نے یہ سب کچھ تیری رضا کے لیے کیا ہے تو تو ہم کو یہاں سے نجات دلا، تو پتھر دور ہٹ گیا اور تینوں چلتے ہوئے وہاں سے نکل گئے۔

نمبر ③

کسی نیک آدمی کی دعا سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں توسل کرنا۔

یعنی کسی نیک آدمی کے پاس آدمی جائے اور اس سے عرض کرے کہ وہ اس کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا کرے کہ اس کی حاجت روا ہو جائے جیسا کہ صحیح مسلم میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آپ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا:

ان خير التابعين رجل يقال له: أويس، وله والدة، وكان به بياض، فمروه فليستغفر لكم - وفي رواية له : ـــفمن لقيه منكم فليستغفر لكم۔ [1]

بے شک تابعین میں سے افضل آدمی وہ ہے جس کا نام اویس ہے اس کی والدہ ہے اس کو برص کا نشان ہے پس اس کے پاس جانا اور اپنے لیے اس سے دعا کروانا۔ اور ایک روایت میں ہے کہ تم میں سے جس کسی کی ملاقات اس سے ہو تو اپنے لیے دعا کروانا

حضرت امام نووی رحمہ اللہ نے اس حدیث کی شرح میں فرمایا کہ:

---

[1] مسلم برقم ۲۵۴۲، وفي نسخة جلد ۲ صفحه ۳۱۱، کراچی

اس حدیث میں نیک لوگوں سے دعا منگوانی اور استغفار کروانے کا استحباب ثابت ہوتا ہے اگرچہ طالب دعا افضل ہی کیوں نہ ہے۔ [1]

امام ترمذی اور ابو داؤد وغیرھما رحمھما اللہ نے روایت کی کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عمرہ کی اجازت طلب کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت مرحمت فرماتے ہوئے فرمایا کہ: لا تنسنا یا أخي من دعائک۔ [2] اے بھائی ہمیں اپنی دعاؤں میں بھول نہ جانا۔

اور جیسا کہ تواتر کے ساتھ ثابت ہے کہ بہت سارے صحابہ کرام علیھم الرضوان کو جب بھی کوئی مشکل درپیش ہوتی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے بعد تو وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں پیش ہوتے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے استشفاع کرتے اللہ کی بارگاہ میں اپنی اس مشکل کے حل کے لیے تو اللہ جل مجدہ الکریم ان کی اس مشکل کو حل فرما دیتا اور تکلیف دور فرما دیتا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کی بدولت اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کی فضیلت کی وجہ سے ان کی مصیبت ٹال دیتا۔ ان میں سے وہ روایت کہ جس کو حضرت امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے آپ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں عرض کیا:

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اني أسمع منک حدیثا کثیر أنساہ، قال ابسط رداءک، فبسطتہ: فغرف بیدہ ثم قال: ضمہ، فضممتہ، فما نسیت شیئا بعدہ۔ [3]

---

[1] شرح مسلم للنووی ۱۶/۹۵ وفي نسخة جلد ۲ صفحہ ۳۱۱ کراچی۔

[2] ابو داؤد فی السنن (۱۴۹۳)، و الترمذی فی الجامع (۳۵۶۲)، و قال حدیث حسن صحیح۔

[3] بخاری برقم ۱۱۹ بخاری جلد ۱ صفحہ ۲۲ کراچی: اس میں ''ضمہ'' کی جگہ ''ضم'' ہے اور ''بعدہ'' کی جگہ ''بعد''۔

یارسول اللہ ﷺ میں آپ ﷺ سے بہت ساری احادیث سنتا ہوں لیکن بھول جاتا ہوں آپ ﷺ نے فرمایا کہ چادر بچھاؤ میں نے بچھائی تو آپ ﷺ نے اپنی لپ بھر کر اس میں انڈیلی اور فرمایا اس کو سینہ سے لگالو میں نے لگالیا اس کے بعد میں کچھ بھی نہیں بھولا۔

اور وہ جو امام بخاری اور امام مسلم رحمھما اللہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ، ایک آدمی جمعہ کے دن حاضر بارگاہ ہوا اور رسول اللہ ﷺ کھڑے خطبہ ارشاد فرمارہے تھے وہ شخص منبر شریف کے قریب پہنچا اور رسول اللہ ﷺ کے سامنے کھڑے ہو کر عرض کرنے لگا:

یا رسول اللہ ﷺ هلکت المواشي (وفي نسخة الاموال)، وانقطعت السبل، فادع اللہ (ان) یغیثنا، قال: فرفع رسول اللہ ﷺ یدیه فقال اللهم اسقنا، اللهم اسقنا، اللهم اسقنا---الی آخر الحدیث۔ ①

یارسول اللہ ﷺ مویشی ہلاک ہو گئے، راستے ویران ہو گئے، اللہ تعالیٰ سے ہمارے لیے بارش طلب فرمائے، آپ ﷺ نے ہاتھ اٹھائے اور کہا، اے اللہ ہمیں بارش عطا فرما، اے اللہ ہمیں بارش عطا فرما، اے اللہ ہمیں بارش عطا فرما----الی آخر

نمبر ④

نبی اکرم ﷺ یا اولیاء میں سے کسی کو کہ جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائی ہے کی ذات سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں توسل کرنا۔

---

① بخاری (۱۰۱۳)، وفي نسخة ۱ /۱۳۷ کراچی، لفظله ،و مسلم ۸۹۷؛ وفي نسخة ۱/۲۹۳ کراچی۔

اور یہ قسم مسلمانوں میں محل نزاع ہے اور اس اختلاف کی ابتداء آٹھویں صدی ھجری میں ہوئی اور پھر یہ اس وقت کے مسلمان علماء کی کوششوں اور دلیل و برھان کے ساتھ اس کے منکرین پر حجت قائم کرنے کی وجہ سے یہ فتنہ زائل ہو گیا۔

لیکن ہم نے دیکھا کہ ہمارے دور میں اب پھر یہ ظاہر ہو رہا ہے اور اب اس دور میں اس کے ظہور کا سبب مسلمانوں کا کمزور ہونا ہے۔

جیسا کہ حضرت امام محمد زاہد الکوثری نے فرمایا ہے

''اور اگر ان کے ہم عصر علماء ان کے در پے نہ ہوئے جیسا کہ ان کے اسلاف ان کے در پے ہوئے تھے تو یہ پہلے کی طرح بڑھ جائے گا۔''

اور پھر مسئلہ توسل ایسا مسئلہ بھی نہیں کہ اس پر شقاق اور نزاع جنگ و جدال کا بازار گرم کیا جائے کیونکہ اولیاء میں سے کسی ولی یا رسول اللہ ﷺ کے اہل بیت کے صدقے سے سوال کرنا انصاف سے دیکھا جائے تو کوئی دو شخص بھی اس کے جواز میں مختلف رائے نہیں رکھ سکتے، کیونکہ توسل بالذات دلائل کے ساتھ مبرہن ہے کیونکہ ذات معنی کی اصل ہے اور معنی کی صحت ذات کی صحت اور اس کا فساد ذات کا فساد ہے۔ کیونکہ سب سے پہلے جس نے واسطے اور وسیلے کا حکم فرمایا وہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہے اور پہلا واسطہ حضرت آدم علیہ السلام ہیں اور سب سے پہلا وسیلہ پر معترض شیطان ہے، اعاذنا اللہ منہ۔

اور سب سے پہلے وسیلے کو ماننے والے فرشتے ہیں علیہم السلام، اور اگر لوگ اس مسئلہ میں انصاف فرمائیں تو کبھی بھی افتراق و انتشار اور شقاق میں نہ پڑیں۔

ہم انشاء اللہ اس کے بعد اس کے دلائل ذکر کریں گے۔

اور یہاں توسل کی ایک اور قسم ہے کہ متوسل آپ ﷺ کی ظاہری زندگی اور بعد از انتقال اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں بجاہ النبی ﷺ کہے تو حضرات علمائے کرام نے اس کو مقرر فرمایا ہے۔

''اور حضرت امام آلوسی نے کیا خوب ظاہر فرمایا ہے، فرماتے ہیں کہ:

''اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں نبی اکرم ﷺ کی قدر و منزلت کا وسیلہ ڈالنے یعنی ''بجاہ النبی ﷺ'' کہنے میں کوئی حرج دکھائی نہیں دینا چاہیے۔ آپ ﷺ کی ظاہری حیات میں ہو یا بعد از انتقال ہو۔''

یہاں ''جاہ'' کا معنی اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے ایک صفت کی طرف راجح ہے۔ مثلاً اس سے محبت تامہ مراد لی جائے کہ جو نا قابل رد قبولیت کا تقاضا کرتی ہے۔ لہذا سوال کرنے والے کے اس قول کا معنی یہ ہوگا: الھي أتوسل بجاہ نبیک ﷺ أن تقضي لي حاجتي، الھي اجعل محبتک له وسیلة في قضاء حاجتي۔ اے اللہ میں تیرے نبی ﷺ کے جاہ کو تیری بارگاہ میں وسیلہ بناتا ہوں کہ تو میرے لیے میری حاجت پوری فرما، اے اللہ جو تجھے اپنے نبی ﷺ سے محبت ہے اس کو میری حصول مراد میں وسیلہ قبول فرما،

اور اس قول اور تیرے قول میں کوئی فرق نہیں کہ

الھي أتوسل برحمتک أن تفعل کذا، اذا معناہ أیضا الھي اجعل رحمتک وسیلة في فعل کذا،

اے اللہ میں تیری بارگاہ میں تیری ہی رحمت کا وسیلہ پیش کرتا ہوں کہ تو یہ کام کر دے، اے اللہ میرے اس کام میں اپنی رحمت کا وسیلہ قبول فرما۔

بلکہ میں تو اس میں بھی حرج نہیں پاتا کہ اللہ تعالیٰ کو نبی اکرم ﷺ کی جاہ کی قسم دے کر عرض کی جائے۔

اس معنی میں اور حرمت میں کلام ہے جیسا کہ جاہ میں ------ پھر آپ نے فرمایا

یہاں دو امر ہیں:

(۱) بے شک غیر نبی (ولی) کی جاہ سے بھی سوال کرنے میں بھی کوئی حرج نہیں جبکہ جس کو وسیلہ بنایا جا رہا ہے اس کا اللہ تعالیٰ کے ہاں جاہ و مرتبہ معلوم ہو اور اس کے نیک ہونے اور ولی ہونے کا یقین ہو۔

(۲) تو جس کے بارے یہ یقین نہ ہو تو اس سے توسل کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ پر ضمنی طور پر حکم ہے کہ جس کی جاہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے نزدیک کا علم ہی نہیں ہے اور یہ اللہ تعالیٰ پر عظیم جرأت ہے۔ (امام آلوسی کا کلام ختم ہوا)[1]

اور اسی کو پسند فرمایا اور اس کی تحسین فرمائی۔ فضیلۃ الشیخ محمد تاج الدین (المدرس بمشیخۃ علماء الاسکندریۃ) نے آپ فرماتے ہیں:

اس سے اس شخص کا قول ساقط ہو جاتا ہے جو کہتا ہے کہ اگر میت کے ساتھ توسل کرنا جائز ہوتا تو ان دو معنوں میں ہوتا تو بعض اسلاف سے بھی منقول ہوتا حتی کہ یہ کسی ایک سے بھی منقول نہیں ہے حالانکہ وہ اچھائی پر ابھارنے میں ساری دنیا سے زیادہ حریص ہیں حالانکہ دعا میں اسرار مسنون ہیں اور دعا کو تو آپ آدمی سنتا ہے دوسرا نہیں۔

اور اسلاف کی شان یہ ہے کہ وہ سنت پر عامل تھے تو ان میں سے کسی سے منقول نہ ہونا اس کے ناجائز ہونے کو مستلزم نہیں ہے اور نہ ہی یہ عدم جواز پر دلیل ہے اور اجماع کفایہ کے عدم جواز پر بھی، دونوں دلیلوں۔ دلیل قول اور دلیل فعل جو کہ حکم کے لیے اثبات کرتی ہوں نہیں ہے۔

---

[1] روح المعانی ۱۲۸/۶۔

چوتھی فصل:

حکمِ توسل اور اس کا عقیدہ کے ساتھ تعلق

کئی لوگ پوچھیں گے کہ تو نے اس مسئلہ میں بحث کو کیوں اختیار کیا ہے۔ جب کہ امت اس وقت بہت سارے دیگر مسائل سے دو چار ہے کیا یہ بہتر نہیں تھا کہ ان میں سے کسی پر بحث کی جاتی اس حالت میں اس میں غور و فکر ترک کر دینا چاہیے اور اس کے دیگر اہم موضوعات اور بڑے واقعات میں اسے کسی ایک کو اختیار کرنا چاہیے کہ جن میں آجکل امت مبتلا ہے؟

تو اس سوال کا جواب میں اللہ تعالیٰ کی توفیق سے اس طرح دیتا ہوں کہ میں اس موضوع پر لکھا کہ جس کو میں نے محسوس کیا کہ دلوں کو جمع کرنا اور عقیدہ کی تصحیح اور تمام مومنین کی بھلائی کا خواہشمند ہونا ایسے ارکان ہیں جن کو اس فرسودہ بحث نے ہلا کر رکھ دیا ہے اور علم کی وسعتوں کے باوجود یہ معاملہ یہاں تک جا پہنچا ہے کہ یہ تمام اسلامی روابط اور عقائد و فقہی اصولوں کے لئے تباہ کن ثابت ہوا ہے اور مسلمانوں کے درمیان مضبوط ترین تعلق کی دیوار کو گرا رہا ہے وہ تعلق جو ایمان، محبت اور بھائی چارہ کے سلسلہ میں پایا جاتا ہے را سلام کے سائے میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی رضا کی خاطر باہمی دوستیوں کے سلسلہ میں پایا جاتا ہے اور یہ سب کچھ نشریات اور چھوٹے چھوٹے کتابچوں کے ذریعے ہو رہا ہے جو ادھر ادھر پھیلائے جا رہے ہیں اور کرائے پر لکھنے والوں اور مشکوک آراء کے حامل افراد کے قلم سے لکھوائے جا رہے ہیں اور ان کتابوں میں سے علی ابولوز کی کتاب ''التوسل حکمہ واُقسامہ'' ہے جس کے بارے میں مجھے پچھلے دنوں پتہ چلا یہ کتاب ابن تیمیہ اور اس کے

ہمنوالوگوں کے افکار کی ترویج سے عبارت ہے۔

اور یہ کتاب کئی اہم نقاط پر مشتمل ہے:

① ایسے قواعد وضع کیے اور مفاہیم اخذ کیے ہیں کہ وہ امت کے اسلاف و اخلاف میں سے کسی سے بھی مروی و منقول نہیں ہیں اور اس مصنف نے امام المجسمہ احمد بن تیمیہ الحرانی کی اقتداء میں ایک بدعت شنیعہ کی ابتداء کی ہے کیونکہ اس نے وسیلہ کو حقیقی شریعت اعتبار کیا ہے اور اسی طرح سبب اور واسطہ کو بھی حقیقت شرعیہ اعتبار کیا ان اصولیین کی پیروی کرتے ہوئے جنہوں نے نماز، روزہ، زکوۃ اور حج پر حقیقت شرعیہ کا اطلاق کیا اور یہ بات ان کے نزدیک علمی طریقے سے ثابت ہے کہ انہوں نے ان امور پر حقیقت شرعیہ کا اطلاق کیا ہے اور یہ مخذول اس بات کو بھول گیا کہ علماء اصول نے جو کچھ کیا ہے وہ بطریق خواہش نہیں کیا بلکہ مسمی کے معنی کے ظہور کے لئے علمی تحقیق و تجربہ کے طریقے سے کیا ہے اور ظہور بھی ایسا کہ جس نے غور وفکر کرنے والے کے لئے ادنیٰ شک کی گنجائش نہ چھوڑی کہ شریعت اپنے اس معنی کو پیدا کرتی ہے اور اہل عقل سے اپنے اسی مسمی کا تقاضا کرتی ہے چنانچہ انہوں نے اس پر حقیقت شرعیہ کے نام کا اطلاق کر دیا۔

جیسا کہ لغویین کے نزدیک حقیقت لغویہ اور حقیقت مجازیہ کا حال ہے اور اس فن والوں میں سے کسی ایک سے بھی منقول نہیں ہے کہ اس نے توسل، سبب اور استغاثہ پر حقیقت شرعیہ کا اطلاق کیا ہو، سوائے ابن تیمیہ کے لہذا یہ وہ پہلا شخص ہے جس نے اس بدعت کا آغاز کیا ہے اور دھوکہ دینے کی ناکام کوشش کی ہے اور اس علم کے جاننے والوں کے اجماع کی مخالفت کی ہے اور اسی طرح اس نے اخبار اضافیہ کے مسئلہ میں بھی کیا ہے اور ان کے ساتھ وہی معاملہ کیا ہے جو کہ صفاتِ معنویہ کے ساتھ کیا جاتا ہے جیسا کہ قرون فاضلہ کے امور عقدیہ میں تخصص رکھنے والے علماء سے ثابت ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی صفت کرم، علم اور دوسری صفات معنویہ کے بارے میں وضاحت کرتے ہوئے کہا "تعلیق

بجلالہ'' (یعنی صفات ایسی ہیں جیسے اس کی جلالت کے لائق ہیں) علماء کے قول کے اطلاق میں ابن تیمیہ نے دھوکہ سے کام لیا اور اس کا اطلاق اخبار اضافیہ (النعوت) پر کر دیا اور کہا (ید تلیق بجلالہ) یعنی اس کا ہاتھ ہے جیسا اس کی جلالت کے لائق ہے (وجہ یلیق بجلالہ) اس کا چہرہ ہے جیسے اس کی جلالت کے لائق ہے۔

جیسا کہ اس کا کہنا، ید جو کہ اس کی شان جلالت کے لائق ہے اور ''رجل'' جو کہ اس کی شان جلالت کے لائق ہے۔ تو یہ ایسا دھوکہ ہے اور بدعت ہے اور نئے قواعد کی تقعید ہے شیطان کے پھوکنے اور خواہش کے قائم کرنے کی وجہ سے یہ علم مکمل نہیں ہوگا بلکہ اختلاف و شقاق کا سبب بنے گا جس کی بنیاد ابن تیمیہ نے رکھی اور اس کے ہمنوا لوگ آج تک اپنی فکر اور غلط طریقے کو جاری رکھے ہوئے ہیں۔

② اور دوسرے نمبر پر اس کتاب کی بڑی خوبی یہ ہے کہ نصوص کے نقل کرنے میں خیانت علمی اسے کام لیا گیا ہے، اور مراجع صحیح نہیں ہیں اور کسی جگہ سے نقل کیے تو اپنے خواہش نفس کے مطابق تحریف کر کے نقل کیے ہیں۔

③ اور تیسری بات یہ کہ اس کتاب میں حضرت آدم علیہ السلام سے لیکر آج تک کی بڑی بڑی قابل عزت شخصیات کی تکفیر کی گئی ہے۔

④ اور چوتھا یہ کہ اس میں وسائل مشروعہ اور غیر مشروعہ کو ملا کر گڈ مڈ کر دیا گیا ہے اور یہ باور کروانے کی کوشش کی گئی ہے کہ اولیاء رحمن اور اولیاء شیطان برابر ہیں (معاذ اللہ) اور اس کتاب کا بہترین رد جو ہمیں کفایت کرتا ہے وہ ''الرد المزلزل علی منکر یا التوسل'' ہے اس مصنف نے نہلے پہ دہلا مارا ہے، اللہ تعالیٰ اس کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

اور اس مقام پر میں نے ضرورت محسوس کی کہ ان فروعی مسائل کہ جو آجکل امت محمدیہ علی صاحبھا الصلاۃ والسلام میں در آئے ہیں کو واضع کروں کہ جن کی وجہ سے لوگوں پر کفر و شرک اور گمراہی و بدعت کے فتوے لگائے جا رہے ہیں اور مسلمانوں کی صفوں کو

چاک کیا جارہا ہے کہ جس کی وجہ سے حسد و کینہ اور دشمنی پیدا ہو رہی ہے تو ضروری ہے کہ
ان فروعات پر بحث کی جائے کہ جو فروعات کے سوا کچھ بھی نہیں ہیں لیکن میں صرف
امت کے لیے مسئلہ توسل کو واضح کرنا چاہتا ہوں کہ اس میں کیا اختلاف ہے اور اس کی
جزئیات کیا ہیں کہ محبت کو یہ قضیہ فاسد نہ کرے اور یہ دائرہ اعتقاد میں داخل نہیں کیا جائے
گا بلکہ یہ دیگر فقہی مسائل کی طرح ہے کہ جن پر فقہاء کرام کا اختلاف چلا آرہا ہے۔ اور آج
ہر مسلمان پر واجب ہے کہ وہ مسلمانوں کے دلوں میں الفت اور محبت پیدا کرنے کی کوشش
کرے وہ محبت کہ جس پر اسلاف صالحین مجتمع تھے کہ جو نبی کریم ﷺ کی ہدایت پر چلے
اور اس کو مثال اور راہنما بنایا جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾

[الأحزاب:21]

''بے شک تمہیں رسول اللہ کی پیروی بہتر ہے۔''

اور امت مرحومہ نبی اکرم ﷺ کے ساتھ فائدہ اٹھاتی ہے کیونکہ آپ ﷺ کی
سیرت طیبہ پاکیزگی اور آپ ﷺ کے خلق میں مثال اعلی ہے، اور ہمارے لیے محبت و
الفت اور اخوت نمونہ ہے لہذا اہم پر واجب ہے کہ اسے آپس میں اپنائیں۔

لیکن افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ بہت سارے لوگ اس مبارک سیرت کی طرف
رجوع نہیں کرتے کہ اس کو مینارہ نور تصور کریں اور وہ ان کے لیے ان کے راستوں کو منور
فرمادے اور ان کے قدموں کو ثابت رکھے اور راستوں سے بھٹکنے سے محفوظ رکھے وہ ایسے
افکار کو اپنا لیتے ہیں جن کو وہ پسند کرتے ہیں اور ان کو اپنا عقیدہ بنا لیتے ہیں پھر اس کے بعد
سیرت مبارکہ نصوص شرعیہ اور عظیم مبادی کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

تاکہ اپنے خود ساختہ افکار کی تائید حاصل کرسکیں اور نصوص کی تفسیر و تشریح اپنے افکار
کے مطابق کرتے ہیں اور اسی مسئلہ کو قبول کرتے ہیں کہ جو ان کے نظریات کے مطابق ہوتا
ہے اے مسلمان بھائی توسل کی حقیقت میں بحث فتنہ کو جگانا اور پیدا کرنا نہیں بلکہ فتنہ کو رد

کرنا ہے اور اس کی آگ کو بجھانا ہے اور حق تک وصول اور امور کو ان کے نصاب کی طرف موڑنا ہے اور مقدس اسلامی مفاہیم کی تصحیح کرنا ہے۔ حتی کہ عقلیں گمراہی، انحراف اور ٹیڑھا پن سے بچ جائیں اور اس کے ساتھ ساتھ ہم پر یہ ضروری ہے کہ ہم اپنے کلام میں موضوع پر رہیں اپنی ابحاث میں انصاف سے کام لیں اپنی تقاریر میں اعتدال پر قائم رہیں بالخصوص کہ جب ہم ایسا کلام سنیں کہ جو مسلمانوں کے اس اجماع کے مخالف ہو جو کہ قرون اولی سے لیکر عصر حاضر تک ہے اہل سنت و جماعت کا ہے، اور اسی عقیدہ کو ہم نے پہچانا اور وراثت میں پایا اور اسی طریقہ پر زندہ ہیں اور ہماری علمی بنیادیں اور مدارس اور علماء اسی پر قائم ہیں جیسا کہ الازھر شریف اور شام کے مدارس وحجاز و یمن اور احساء اور خلیج اور مغرب اور ھند کے مدارس۔

یہ اور اس سے پہلے کہ اس میدان میں ہم کودیں اور اس بحث میں غور وخوض کریں میں پڑھنے والے کے لیے توسل کے بارے میں اپنا عقیدہ واضح کرنا چاہوں گا۔

جیسا کہ مجھ سے پہلے علماء کرام نے اپنی اپنی تصانیف مین اپنے عقائد بیان فرمائے ہیں تا کہ پڑھنے والے کے لیے یہ واضح ہو جائے اور وہ اس کی اقتدا کر سکے۔

تو میں کہتا ہوں کہ اس باب مین میرا عقیدہ وہی ہے جو کہ اہل سنت و جماعت کا عقیدہ ہے انہوں نے فرمایا کہ

① اللہ تعالیٰ ہر شی کا خالق ہے اور ہر شیء اسی کے قبضہ قدرت میں ہے وہ ہر کام کی تدبیر فرماتا ہے اس کے سوا کوئی خالق ہے اور نہ ہی موجود و مدبر ہے، اور نبی اور ولی سے کسبا اور تسببا مدد مانگی جاتی ہے۔

② اللہ تعالیٰ سے ہمیں ہر شی سے زیادہ محبت ہے اور نبی اکرم ﷺ ہمیں اپنی جان اپنے اہل وعیال اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب اور پیارے ہیں۔

③ سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی حقیقی طور پر مدد کرنے والا نہیں اور ہر مدد اسی کی طرف سے ہے اگر چہ وہ اسے کبھی اپنی طرف سے اپنی مخلوق کے ہاتھ پر جاری کر دیتا ہے تو وہ

صرف سبیل الکسب ہے اس کے سوا کچھ نہیں۔

صاحب ''الخریدۃ'' نے فرمایا کہ

والفعل والتأ ثیر لیس الا للواحد القهار جل و علا

اور فعل اور تاثیر نہیں ہے مگر اللہ واحد قہار جلا وعلا کی طرف سے

ومن يقل بالطبع أو بالعله فذاک كفر عند أهل الله

اور جو بالطبع یا بالعلت کہتا ہے (یعنی فعل اپنے آپ یا کسی علت کے سبب پیدا ہوتا ہے) تو یہ مسلمانوں کے نزدیک کفر ہے۔

ومن يقل بالقوة المودعة فذاک بدعي فلا تلتفت [1]

اور جو بالقوہ مودعہ کا قائل ہو تو وہ بدعتی ہے اس کی طرف التفات نہیں کرنا چاہیے۔

۴) جب ہم دعا میں کہتے ہیں بحق نبیک، یا بجاہ نبیک، یا بجاہ ولیک۔ تو ہم اس سے قسم کا قصد نہیں کرتے بلکہ ہمارا ارادہ تو اللہ تعالیٰ کے تقرب کا ہوتا ہے کہ وہ ہماری دعا کو اس احسان کے اثر سے قبول فرمائے اور اس عزت کے سبب کہ جو اس نبی یا ولی کی اس کی بارگاہ میں ہے اس کے طفیل قبول فرمائے۔

۵) حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اور اولیاء کرام رحمہم اللہ اللہ کے حکم و اذن سے ہی شفاعت فرماتے ہیں۔

﴿مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗۤ اِلَّا بِاِذْنِهٖ﴾ [البقرة: 255]

''جو اس کے یہاں سفارش کرے بے اس کے حکم کے''۔

۶) بے شک جس نے توسل کے جواز میں زندہ اور مردہ کا فرق کیا اور میت کے عجز کی وجہ سے توسل سے منع کیا اور زندہ کی قدرت ایجاداً مانی نا کہ کسباً اور سبب

[1] شرح القصیدۃ البہیۃ للامام احمد بن محمد الدردیر المالکی ۴۷۔

کے طور پر تو وہ گمراہ ہو گیا اور بہک گیا، کیونکہ اس نے قدرت اور خلق کی نسبت حقیقی طور پر غیر اللہ کی طرف کر دی اور یہ عقیدہ اسلام کے بالکل خلاف اور منافی ہے زندہ کی قدرت بھی اللہ تعالیٰ کے اذن سے ہے اور اسی طرح میت کی قدرت بھی اللہ تعالیٰ کے اذن سے ہے جیسا کہ کتاب وسنت نے اس کا بیان فرمایا ہے اور ابھی عنقریب اس کی تفصیل بھی بیان ہوگی (ان شاء اللہ)

حضرت شیخ عبدالجواد الدومی نے فرمایا کہ:

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حضرات انبیاء کرام علیھم السلام اور اولیاء عظام کا وسیلہ پکڑنا شرک نہیں ہے اور نہ ہی یہ حرام ہے اور نہ ہی یہ نئی پیدا کردہ بدعت ہے جیسا کہ مخالفین کا دعوی ہے بلکہ یہ تو محبوب ومندوب ہے شرعی طور پر اس میں کوئی قباحت نہیں ہے، اس میں مخالفین کی مخالفت کرنا اور اس سلکسلہ میں ان کا کئی قسم کی باتیں کرنا، یعنی کبھی اس کو حرام کہا اور اس کے قائل کو مطلقا کافر کہا چاہے توسل کرنے والا نبی سے توسل کرے یا ولی اللہ سے زندہ سے کرے یا میت سے اور کبھی نبی اکرم ﷺ سے توسل کو جائز کہا اور ولی سے منع کر دیا یا کبھی زندہ سے جائز اور میت سے ناجائز قرار دے دیا، یہ ان کی عقل کی حیرت اور تکفیر کے فاسد ہونے کی واضح دلیل ہے ورنہ اس فرق کی کیا ضرورت تھی کہ نبی اور ولی زندہ اور وفات شدہ میں کیا جائے جبکہ ہمارا یہ اعتقاد ہے کہ فعل صرف اللہ وحدہ لاشریک لہ کے لیے ہی ہے اور اس میں اس کا کوئی شریک نہیں ہے، اور بے شک اللہ تعالیٰ ہی کون ومکان میں منع وعطاء میں متصرف حقیقی ہے اور اس کی مخلوق فرشتے حضرات انبیاء کرام، اولیائے عظام، وغیرھم یہ سب وسائط اور فقط اسباب ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے ہاتھوں پر خیر اور اس کی ضد ظاہر فرماتا ہے نہ تو وہ ان کی طرف سے ایجاد ہے اور نہ ہی ان کے لیے اس میں تاثیر مطلق ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے فرمان

میں اس کی طرف اشارہ فرمایا ہے:

ان هذا الخير خزائن ، و لتلك الخزائن مفاتيح ، فطوبى لعبد جعله الله مفتاحا للخير مغلاقا للشر۔ وويل لعبد جعله الله تعالیٰ مفتاحا للشر مغلاقا للخير۔[1]

بے شک یہ خیر کے خزانے ہیں اوران خزانوں کی چابیاں ہیں پس خوشخبری ہو ایسے شخص کے لیے جو خیر کو کھولنے والا ہے، اور شر کو بند کرنے والا ہے اور بربادی ہو ایسی شخص پر جو برائی کو کھولنے والا اور بھلائی کو بند کرنے والا ہے

کیا کوئی یہ تصور کرسکتا ہے کہ زندہ بھلائی کا لانے والا اور برائی اور تکلیف کو بذات خود ذاتی طور پر دور کرنے والا ہے اس کے لیے جو اس سے توسل کررہا ہے۔ یہانتک کہ وہ وفات پا جائے اور اب وہ اس پر قادر نہیں رہا اور ممکن نہیں رہا کہ اب اس سے توسل کیا جاسکے اور اس سے توسل عبث اور قبیح ہوجائے یا شرک صریح ہوجائے؟ اللہ تعالیٰ کی قسم ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا، اور پھر ہمارا عقیدہ ہے کہ انبیاء کرام اور اولیاء عظام اپنی قبور میں زندہ ہیں[2] اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ان کی قدر و منزلت میں کوئی فرق و تبدیلی نہیں آئی بلکہ وفات کے بعد وہ اللہ تعالیٰ کے قرب میں اور بھی مقرب ہوگئے ہیں اور ان کی عزت اس کے نزدیک اور بھی بڑھ جاتی ہے کیونکہ دنیا میں ان کی ارواح تدبیر بدن اور عوائق بشریہ وغیرہ میں مشغول رہتی ہیں اور جب وہ وفات پاتے ہیں تو ان سے یہ عوائق ختم ہوجاتے ہیں اور ان کی

---

[1] ابن ماجه ۱/۲۳۸ واللفظ له ، و الطبرانی فی الکبیر برقم ۵۹۵۶ و ابو یعلی فی مسنده برقم ۷۵۲۶ ،والرویانی فی مسنده ۲/۲۱۰ و ابن ابی عاصم فی السنة ۱/۱۲۶ ،وابو نعیم فی الحلیة ۸/۳۲۹ ،وابن عدی فی الکامل ۴/۲۷۳ ،وفی نسخة ۴/۱۵۸۴ ،وأخرجه ابن ابی عاصم فی السنة، من طریق آخر عن انس بن مالک ۱/۱۲۷۔۱۲۸۔

[2] نوٹ: حیات انبیاء کرام علیھم السلام کے موضوع کے لیے "امام بیہقی کی کتاب حیاۃ الانبیاء" کی مثالی شرح از قلم محدث کبیر حضرت علامہ مولانا محمد عباس رضوی مدظلہ العالی، کا مطالعہ ضرور فرمائیں، ناشر: مکتبۃ المدینۃ المنورۃ حافظ آباد۔

ارواح صرف حق تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو جاتی ہیں اور اس سے انوار قدسیہ کا اقتباس کرتی ہیں اور اس کے نور اور سلطان سے قوی ہو جاتی ہیں اور اس کے نور کی شعاعیں ان کی طرف متوجہ ہوتی ہیں جو ان سے پناہ پکڑتے ہیں حاجات میں اور ارباب ارادت پر وہ شعائیں منعکس ہوتی ہیں۔

اور نبی اکرم ﷺ نے ہمیں خبر دے دی ہے کہ ان کی حیات و وفات ہمارے لیے ان سے شفاعت کے فائدے حاصل کرنے میں برابر ہے۔

جیسا کہ آپ ﷺ نے صحیح حدیث مبارکہ میں فرمایا ہے:

حياتي خير لكم، تحدثون ويحدث لكم، فاذا مت كانت وفاتي خيرا لكم تعرض علي أعمالكم، فان رأيت خيرا حمدت الله، وان رأيت شرا استغفرت لكم۔[1]

میری زندگی تمھارے لیے بہتر ہے کہ تم مجھ سے باتیں کرتے ہو اور میں تم سے جب میں انتقال فرما جاؤں گا تو میری وفات تمہارے لئے بہتر ہے۔ تمھارے اعمال مجھ پر پیش کیے جائیں گے اگر میں نے ان کو اچھا پایا تو اللہ تعالیٰ کی حمد کرونگا اور اگر برا پایا تو تمھارے لیے استغفار کرونگا۔

اے اللہ ہماری طرف سے آپ ﷺ کو بہترین جزا عطا فرما اس سے کہ جو کسی بھی نبی کو اس کی امت کی طرف سے جزا عطا فرمائی ہے۔

اور پھر فرمایا:

---

[1] رواه البزار فی مسنده ۱/۳۹۷ (۸۴۵)، وقال الحافظ العراقی فی طرح التثریب ۳/۲۹۷ اسناده جيد وقال الهيثمی فی مجمع الزوائد ۹/۲۴: رواه البزار، ورجاله رجال الصحيح۔ و صححه السيوطی فی الخصائص ۲/۴۹۱، و اخرجه القاضی اسماعيل بن اسحاق فی فضل الصلاة علی النبی ۱۴۵ (۲۵، ۲۶) و ابن عدی فی الكامل ۳/۹۴۵ و ابن سعد فی الطبقات ۲/۱۹۴ والديلمی فی فردوس الاخبار ۲/۳۱۹ و الحكيم الترمذی فی نوادر الاصول ص ۴۰۹ والحارث فی مسنده (بغية الباحث) ۲۵۸ (۹۵۷)۔

اور حقیقت میں توسل اسباب عادیہ میں سے ایک سبب ہونے سے خارج نہیں کہ جن کو اللہ تعالیٰ نے مسببات کے لیے مقتضی بنایا ہے اور ان دونوں کے درمیان مقارنت رکھی ہے اس کے ساتھ ساتھ کہ تاثیر حقیقی صرف اللہ وحدہ لاشریک لہ کے لیے ہی ہے، پس توسل کا حکم بھی دیگر اسباب عادیہ کی طرح ہی ہوگا کہ جن میں افراط و مغالطات مضمر ہے جیسا کہ بعض جہال کی طرف سے واقع ہوتا ہے اور تفریط ہے جیسا کہ بعض اہل قسوہ و جفا کی طرف سے واقع ہوتا ہے جو کہ اولیاء کرام کے منکر ہیں حالانکہ ان کی کرامات مشاہدہ اور آنکھوں کے سامنے واقع ہوتی ہیں۔ یہ نہ تو محال ہے اور نہ ہی بعید ہے کہ اللہ تعالیٰ حاجات مین سے کسی حاجت کی قضا کو اپنے نیک بندوں میں سے کسی ایک کے توسل سے معلق کر دے جیسا کہ بیماری سے شفاء وسعتِ رزق وغیرہ اس حالت میں یہ ممکن نہیں کہ مطلوب یعنی شفاء وغیرہ توسل کے طریقے کے بغیر حاصل ہو۔ اس لیے نہیں کہ توسل موثر بذاتہ ہے نہ اس لیے کہ نبی یا ولی شفا کا خالق یا بنانے والا ہے بلکہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے علم قدیم میں اس اس شفا کو توسل مذکور کے ساتھ متعلق فرما دیا گیا ہے۔ (انتھی کلامہ)[1]

میں کہتا ہوں کہ اسباب کا تعلق مسببات کے ساتھ ہوگا اور مسببات کے تحقق کے لیے اسباب وسائل ہوتے ہیں۔

کیا توسل پر کفر و ایمان مترتب ہوگا؟

بعض لوگوں کا اعتقاد ہے کہ مسئلہ توسل عقیدہ کی مباحث میں سے ہے اور اس کے قول یعنی جواز پر تکفیر یا تبدیع (بدعتی ہونا) تفسیق و تضلیل مرتب ہوتی ہے (یعنی اس کا قائل یا منکر کافر یا بدعتی یا فاسق یا گمراہ ہوگا) لیکن جب ہم اس قضیہ کو بنظر انصاف دیکھتے

[1] من نفحات الدومي للشيخ عبد الجواد محمد الدومي ص ۳۳۴-۳۳۵-و ۳۳۷۔

ہیں تو ہمیں علم ہوتا ہے کہ مسئلہ توسل عقیدہ کا مسئلہ نہیں ہے بلکہ اس کا حکم جواز اور مندوب کے درمیان گھومتا ہے اس کا حکم ویسا نہیں جیسا کہ ان لوگوں نے گمان کیا بلکہ یہ فقہ کے موضوعات میں سے ہے اور فقہی مسائل ومباحث کو عقیدہ کی بحث میں لانا بہت بڑی غلطی ہے اور حقائق تبدیل کرنا اور امور کو ان کی وجوہ سے پھیرنا ہے اصل یہ ہے کہ ہر بحث کو اس کی صحیح جگہ پر رکھنا اور اسی کے لائق فن میں گفتگو کرنا ہے۔ معلوم ہونا چاہیے کہ تمام فقہاء نے باوجود فقہی مذاہب کے اختلاف کے توسل کو ''صلاۃ الاستسقاء'' کے باب یا زیارت روضہ رسول ﷺ کے ضمن میں بیان فرمایا ہے۔ [1]

اور جو اس کا مخالف ہے وہ ہمیں ایک ایسی کتاب کا نام بتادے کہ جس میں مسئلہ توسل کو مسائل اعتقادیہ میں بیان کیا گیا ہو۔ ایسی کوئی کتاب نہیں پائی جاتی مگر ہمارے بعض معاصرین کہ جو قم لیکر کتابیں لکھ رہے ہیں ان کے رسائل میں ایسا پایا جاتا ہے۔

ہم ان سے مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ آئمہ اربعہ کے مذاہب کی کتب کی طرف رجوع کریں۔ انہوں نے فقہی مسئلہ کو اعتقاد میں بیان کرنے کو خطاء فاحش قرار دیا ہے۔ ابن تیمیہ نے مسئلہ توسل میں فقہاء کی مختلف آراء ذکر کرنے کے بعد کہا:

کسی ایک شخص نے بھی یہ نہیں کہا کہ جس نے پہلا قول کیا (یعنی توسل کے جواز کا قول) تو اس نے کفر کیا اور اس کی تکفیر کی کوئی وجہ بھی نہیں ہے کیونکہ یہ مسئلہ خفیفہ ہے اس کے دلائل جلیہ ظاہر یہ نہیں ہیں اور کفر اس مسئلہ کے انکار پر ہوتا ہے کہ جو ضروریات دین میں سے ہو، احکام متواترہ اور جن پر اجماع ہو چکا ہے ان کے انکار پر کفر لاگو ہوتا ہے اسی طرح۔ بلکہ ایسے مسائل میں تکفیر کرنے والا خود بہت بڑی سزا اور عقوبت کا مستحق ہوتا ہے اور اس کی مثالیں دین پر افترا باندھنے والوں کی سی ہے۔

---

[1] مثال کے طور پر المجموع للنووی جلد ۸ صفحہ ۲۷۴ و اعانۃ الطالبین جلد ۲ صفحہ ۳۱۵ و المغنی لابن قدامۃ جلد ۳ صفحہ ۵۸۸ و الشرح الکبیر لابن قدامۃ جلد ۱ صفحہ ۴۹۴-۴۹۵ و الانصاف جلد ۲ صفحہ ۴۵۶ و الاختیار جلد ۱ صفحہ ۱۷۴ و الفتح القدیر جلد ۲ صفحہ ۳۳۷ و مراقی الفلاح بحاشیۃ الطحطاوی ص ۴۰۷ و الفتاوی الھندیۃ جلد ۱ صفحہ ۲۶۶۔

بالخصوص حضور اکرم ﷺ کا فرمان مبارک بھی ہے:

من قال لاخیه: کافر، فقد باء بها احدهما۔[1][2]

''جس کسی نے اپنے بھائی کو کافر کہا تو یہ ان دونوں میں سے کسی ایک پر صادق آئے گا۔''

اور ابن حبان و بزار اور ابویعلی نے سند جید کے ساتھ روایت کی اور اس کا شاہد حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے ہے جس کو امام طبرانی نے المعجم الکبیر اور مسند الشامیین میں روایت کیا۔

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آپ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

قال رسول الله ﷺ ان مما أتخوف علیکم رجلا قرأ القرآن حتی اذا رئیت علیه بهجته و کان رداء اللاسلام غیره الله الی ما شاء انسلخ منه و نبذه وراء ظهره و خرج علی جاره بالسیف و رماه بالشرک، قلت یا رسول الله ﷺ: ایهما اولی بالشرک الرامي أم الرامي؟ قال: بل الرامي----الحدیث۔[3]

---

[1] مجموع الفتاوی لابن تیمیه ۱/۱۰۶۔

[2] الحدیث اخرجه البخاری (۶۱۰۴) و مسلم ۶۰۔

[3] اخرجه ابن حبان فی صحیحه ۱/۲۸۲ (۸۱)، والبزار فی مسنده ۷/۲۲۰ (۲۷۹۳)، وکذا فی کشف الاستار ۱/۹۹ (۱۸۴) و الطحاوی فی مشکل الآثار ۲/۳۲۴ (۸۶۵)، وذکره ابن کثیر فی تفسیره ۲/۲۶۶، وعزاه الی ابو یعلی و الفسوی فی کتاب المعرفة والتاریخ ۲/۳۵۸۔ وقال البزار: لا نعلمه یروی الا عن حذیفة، واسناده حسن--وقد نسبه الهیثمی فی مجمع ۱/۱۸۷۔۱۸۸ الی البزار، وقال: اسناده حسن۔ وقال ابن کثیر: هذا اسناد جید-----والتیمی فی کتاب الحجة فی بیان المحجة ۲/۴۲۲۔۴۲۳ (۴۳۷۔۴۳۸)، وابن عساکر فی تبیین کذب المفتری ص ۴۰۳، والطبرانی فی الکبیر ۲۰/۸۸ (۱۶۹)، وفی مسند الشامیین ۲/۲۵۴ (۱۲۹۱)، وابن ابی عاصم فی السنة ۱/۲۴۔ وقد نسبه الهیثمی فی مجمع ۵/۲۲۸۔۲۲۹ الی الطبرانی فی الکبیر والصغیر---، عن معاذ بن جبل۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے تم پر اس شخص سے خوف ہے جو قرآن پڑھے گا حتی کہ قرآن کی رونق اس پر ظاہر ہوگی اور اسلام اس کا اوڑھنا بچھونا ہوگا پھر اللہ اس کو جس طرف چاہے گا پھیر دے گا اور وہ دین سے نکل کر ہر چیز کو پس پشت ڈال دے گا اور اپنے ہمسائے پر تلوار لیکر نکلے گا اور اس پر شرک کی تہمت لگائے گا۔ میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ ان دونوں میں مشرک کون ہوگا تہمت لگانے والا یا جس پر تہمت لگائی جائے گی تو آپ ﷺ نے فرمایا بلکہ تہمت لگانے والا ہی مشرک ہوگا۔

شیخ حسن بن غنام الاحسائی جو کہ شیخ محمد بن عبد الوھاب نجدی کے اصحاب میں سے ہے نے ابن عبد الوھاب نجدی کے افکار کی تشریح کرتے ہوئے اپنی کتاب ''روضۃ الافکار والافھام لمرتاد حال الامام'' میں کہا ہے کہ

''یہ مسئلہ یعنی توسل مسائل فقہ میں سے ہے۔ پھر کہتا ہے کہ مسائل اجتہادیہ کا انکار نہیں کرنا چاہیے۔''[1]

اس سے یہ عبارت بشیر حسین السھسوانی نے نقل کی اور السھسوانی ابن عبد الوھاب کی تحریک کا بڑا پرزور حامی اور اس کا دفاع کرنے والا ہے۔

اور شیخ سعد بن حمد بن عتیق نجدی جو کہ ابن عبد الوھاب نجدی کی دعوۃ کا امام ہے، اپنے رسالہ جو، ادارۃ البحوث العلمیۃ والافتاء، ریاض'' کی طرف سے شائع ہوا کے صفحہ ۴۳ میں کہتا ہے کہ:

''ہم اس میں تشدد نہیں کرتے یعنی توسل میں اور جس نے توسل کیا اس کی دلیل حدیث ہے۔''

اور مولوی صدیق حسن بھوپالوی قنوجی جو کہ ابن عبد الوھاب نجدی کی تحریک کا ہندوستانی علماء میں سے پرزور حامی تھا اپنی کتاب ''نزل الابرار'' میں کہتا ہے کہ:

---

[1] کتاب السھسوانی ص ۱۸۳، دیکھئیے رفع المنارہ ص ۵۰۔

انبیاء واولیاء کے توسل کرنے میں اہل علم میں اختلاف پایا جاتا ہے اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ ان میں سے ہر ایک نے دوسرے کی تکفیر کی یا ایک دوسرے کو بدعتی کہا یا گمراہ حالانکہ یہ امر اس سے ہلکا تھا اور اس سے زیادہ آسان تھا یعنی اس مسئلہ میں تکفیر و تضلیل وغیرہ نہیں ہونی چاہیے۔ [1]

حاصل کلام یہ کہ یہ مسئلہ اس کا مستحق نہیں کہ اس میں اس طرح کی لڑائی جھگڑا شروع کیا جائے لیکن ہمارے اس دور میں کچھ ایسے گروہ پیدا ہو گئے ہیں کہ ان کے عالم اور جاہل سب اہل اللہ کے انکار میں برابر ہیں اور ان میں سے کوئی وہ ہے کہ جو جانتے ہیں کہ تو حق پر ہے اور تیرا فعل اس کے موافق ہے کہ جو کچھ نبی اکرم ﷺ لیکر تشریف لائے ہیں اور وہ جھگڑتا ہے اور مجادلہ و مقابلہ کرتا ہے ایسے کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ:

﴿فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ﴾ [البقرة: 89]

''تو جب تشریف لایا ان کے پاس وہ جانا پہچانا اس سے منکر ہو بیٹھے تو اللہ کی لعنت منکروں پر۔''

اور ان میں سے کوئی وہ ہے جو مسئلہ کو تو جانتا ہے لیکن اس کی تاویل و تفسیر سے بے خبر ہے اور اہل حق کے ساتھ لڑتا اور جھگڑتا ہے ایسے شخص کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿بَلْ كَذَّبُوْا بِمَا لَمْ يُحِيْطُوْا بِعِلْمِهٖ وَلَمَّا يَاْتِهِمْ تَاْوِيْلُهٗ كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِيْنَ﴾ [يونس: 39]

بلکہ اسے جھٹلایا جس کے علم پر قابو نہ پایا اور ابھی انہوں نے اس کا انجام نہیں دیکھا ایسے ہی ان سے اگلوں نے جھٹلایا تھا تو دیکھو ظالموں کا کیسا انجام ہوا۔

---

[1] نزل الابرار ص ۳۷۔

اور ان میں سے کوئی وہ ہے کہ اس کے پاس علم تو ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کو اس کے علم کے ساتھ ہدایت نصیب نہیں فرمائی ہے لیکن وہ اہل حق کے ساتھ مجادلہ کرتا اور جھگڑتا ہے۔ ایسے آدمی کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَاِذْلَمْ يَهْتَدُوْا بِهٖ فَسَيَقُوْلُوْنَ هٰذَآ اِفْكٌ قَدِيْمٌ﴾

[الأحقاف: 11]

''اور جب انہیں اس کی ہدایت نہ ہوئی تو اب کہیں گے کہ یہ پرانا بہتان ہے۔''

اور ان میں سے کچھ وہ ہیں کہ جو کچھ بھی نہیں جانتے۔ لہٰذا عاقل کو چاہیے کہ وہ سمجھ بوجھ سے کام لے ہم اللہ تعالیٰ سے حق اور توفیق کا سوال کرتے ہیں۔

اور یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جو ذہن میں آتا ہے کہ کیا توسل کو عبادت تصور کیا جائے یا کہ نہیں؟

تو اس کا جواب ہمارے مشائخ کے شیخ امام الحرمین السید الشیخ محمد بن عربی التبانی الحسنی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''براۃ الاشعریین'' میں یہ کہتے ہوئے دیا ہے کہ:

توسل کو عبادت نہیں کہا جا سکا اور نہ ہی یہ کہا جائے گا کہ اس میں عبادت ہے یہ تو عبادت کی طرف وسیلہ ہے اور شیء کا وسیلہ بالضرورۃ شیء کا غیر ہوتا ہے اور یہ واضح ہے کیونکہ توسل میں توسل کرنے والا جس سے توسل کر رہا ہے سے تقرب نہیں چاہتا (یعنی اس کی عبادت کا قصد نہیں کرتا) اور نہ ہی ایسی تعظیم کہ جو خالق کے ساتھ خاص ہے کرتا ہے، اور تعظیم جب تک اس حد تک نہ پہنچے وہ اس کا فعل معظم کے حق میں عبادت نہیں ہوگا اور اس پر عبادت کے نام کا اطلاق نہیں کیا جائے گا کہ اس سے جو لغوی طور پر ظاہر ہوا جبتک کہ وہ اس مقام تک (یعنی عبادت) نہ پہنچے کہ اس کا عمل اس کے غایت خضوع پر دلالت کرتا ہے کہ جو معبود کے تقرب کے لیے کیا جاتا ہے کہ اس کی تعظیم تام

ہے اور جب اس میں سے کوئی شیء بھی کم ہوگی تو وہ اطلاق کو منع کر دے گی یعنی مطلقا کسی کی تعظیم کرنے کو اس کی عبادت نہیں کہا جائے گا۔

بہر حال نہایت خضوع پر دلالت ظاہر ہے لیکن تسمیہ نہ پایا جائے گا کیونکہ لوگ زمانہ قدیم سے اب تک اپنے بڑوں اور حاکموں کے لیے ان دنیوی مقام کے مطابق عزت و تکریم کرتے آرہے ہیں اور ان کے سامنے تحیت وتذلل سے پیش آتے ہیں لیکن اس کو وہ قربت تصور نہیں کرتے اور نہ ہی اس کو عبادت کا نام دیتے ہیں بلکہ وہ اس کو ادب کے قبیل سے سمجھتے ہیں اور بجالاتے ہیں اور یہ صرف اس لیے ہے کہ ان کا یہ خضوع انتہا کو نہیں پہنچتا اور عبادت کے لیے خضوع کا انتہاء کو پہنچنا ضروری ہوتا ہے اور جو ان سے تعظیم ظاہر ہوتی ہے وہ غایت کو نہیں پہنچتی جبکہ اس کا غایت کو پہنچنا عبادت کہلاتا ہے اور یہیں سے عبادت اور توسل میں فرق ظاہر ہو جاتا ہے، کیونکہ عبادت متعدی بنفسہ ہے اور توسل متعدی بحرف الجر ہے: انتھی کلامہ [1]

اور حضرت علامہ شیخ ابو عبد اللہ محمد بن مصطفی الحسنی اپنی کتاب ''اظہار العقوق في الرد علی من منع التوسل بالنبي والولي الصدوق'' [2] میں فرماتے ہیں کہ:

امام قاضی عیاض نے ''الشفا'' [3] میں فرمایا کہ جس کی عبارت یہ ہے'' جاننا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے دلوں میں اپنی معرفت پیدا کرنے اپنی ذات اور اپنے اسماء وصفات کا علم بغیر واسطہ کے دینے پر قادر ہے جیسا کہ اس نے اپنی سنت بعض انبیاء کرام علیھم السلام کے بارے میں بیان فرمائی۔''

اور بعض اہل تفسیر نے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان:

---

[1] برأۃ الاشعریین ص ۲۶۔
[2] اظہار العقوق ۶۸۔
[3] شفاء شریف ۱/۲۰۹، اور دیکھیے شرح شفاء نسیم الریاض ۲/۴۵۰۔

﴿وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا﴾

[الشوری:51]

''اور کسی آدمی کو نہیں پہنچتا کہ اللہ اس سے کلام فرمائے مگر وحی کے طور پر۔''

کے تحت ذکر فرمایا اور یہ جائز ہے کہ یہ تمام ان کی طرف پہنچا دے اپنا کلام ان تک پہنچانے کے واسطے سے اور وہ واسطہ ہو سکتا ہے غیر بشر سے جیسا کہ فرشتے انبیاء کرام علیہم السلام تک وحی لے کر آتے ہیں یا انہی کی جنس سے جیسا کہ انبیاء کرام علیہم السلام اپنی امتوں کے ساتھ اور اس کو عقل بھی منع نہیں کرتی جب یہ جائز ہے تو محال نہ رہا اور انبیاء کرام علیہم السلام اپنے صدق کے لیے معجزات لیکر آئے تو جو کچھ بھی وہ لائے اس کی تصدیق کرنی واجب ٹھہری کیونکہ نبی کا تحدی کے ساتھ عاجز کرنا اللہ تعالیٰ کے اس قول کے قائم مقام ہے کہ:

"صدق عبدي فيما بلغ عني فأطيعوه واتبعوه"۔ ①

اور تحدی کے ساتھ عاجز کرنا ان کے ارشادات کی صداقت پر بھی شاہد ہے اور یہ بحث اتنی ہی کافی ہے اور اس میں طوالت کرنا خارج از مقصد ہے پس جس کا ارادہ ہو وہ اس کی اتباع کرے تو وہ ہمارے آئمہ کی کتب میں کافی مواد پائے گا۔ ②

اور حضرت امام شیخ عالم علامہ فہامہ حسام الحق والدین تاج الدین عبد الوهاب السبکی رحمۃ اللہ اللہ تعالیٰ ان کی برکتیں ہم پر اور تمام مسلمانوں پر لوٹائے اپنی کتاب ''مفید النعم ومبید النقم''میں فرماتے ہیں کہ:

حضرت اشعث بن قیس الکندی کی حدیث میں ہے فرمایا کہ:

---

① میں اس حدیث قدسی پر مطلع نہیں ہو سکا۔ ارشد مسعود عفی عنہ۔

② اظہار العقوق ص ۴۳-۴۴۔

ان أشكر الناس لله أشكرهم الناس۔[1]

لوگوں میں اللہ تعالیٰ کا شکر گذار وہی ہے جو لوگوں کا شکر یہ ادا کرتا ہے۔

اس کو امام احمد بن منیع رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں روایت کیا۔

میں (السبکی) کہتا ہوں کہ یہ اس لیے ہے کہ نعمت اس کے ہاتھ پر جاری ہوئی تو تیرا شکر اس کے لیے ہوا جو کہ تجھے ابھارتا ہے اس پر کہ تو اچھائی میں اور زیادتی کرے اور تجھ پر یہ بھی ضروری ہے کہ تو فاعل حقیقی کا شکر ادا کرے اور وہ رب تبارک وتعالیٰ ہے اور اس کے سوا بھی اسباب ہیں کہ جن کی تشریح کی یہاں ضرورت نہیں ہے تو تیرا شکر ادا کرنا اللہ تعالیٰ کے حکم وامر کی وجہ سے ہے نہ کہ اس اعتقاد سے کہ وہ شخص فاعل ہے بلکہ اگر تو اس اعتقاد سے اس کا شکر ادا کرے گا تو تو مشرک ہو جائے گا شاکر نہیں ہو گا۔ اور یہ بھی علم ہونا چاہیے کہ وہ نافع وضار حقیقی نہیں ہے اور بعض اوقات ممکن ہے کہ وہ تیرے لیے تبدیل ہو جائے، اسباب کے بدلنے سے اور اس کی محبت بغض میں بدل جائے اور یہ دواعی زائل ہو جائیں اور وہ اپنی مخالفت کے ساتھ بدل جائے اور بے شک وہ محسن جو نہ بدلتا اور نہ متغیر ہوتا ہے اور نہ اس کو زوال ہے وہ رب الارباب ہے اور مخلوق وخالق کے درمیان جو رابطہ اور واسطہ ہے وہ

---

[1] أخرجه الضياء المقدسی فی الاحادیث المختارة ۴/۳۰۶(۱۴۹۰) من طریق احمد بن منیع، واحمد فی مسنده ۵/۳۱۲ ،و عبد الباقی فی المعجم الصحابة ۱/۶۰ ،والبیهقی فی السنن الکبری ۶/۱۸۲، والقضاعی فی مسند الشهاب ۲/۱۱۳-۱۱۴ (۹۹۶-۹۹۷-۹۹۸)، وابن ابی حاتم فی علل الحدیث ۲/۳۱۴ (۲۴۵۶) عن اشعث بن قیس- وقال الهیثمی فی مجمع الزوائد ۸/۱۸۰ ،رواه احمد والطبرانی ورجال احمد ثقات۔

★وابن عدی فی الکامل ۵/۳۳۶،والعقیلی فی الضعفاء الکبیر ۳/۱۱۱ ،والطبرانی فی الکبیر ۱/۲۳۶ (۶۴۸)، والبیهقی فی شعب الایمان ۶/۵۱۷ (۹۱۲۰) و(۹۱۱۸)، والدیلمی ۱/۳۶۰ ،عن اسامه بن زید)

★والقضاعی فی مسند الشهاب ۲/۱۳۳ (۹۹۵) عن انس۔

رؤف ورحیم حضرت محمد مصطفی ﷺ ہیں کہ جن کی حالت تبدیل نہیں ہوتی یعنی ہمیشہ رحیم وکریم ہی رہتے ہیں اللہ تعالیٰ کی ساری مخلوق سے افضل ہمارے آقا ﷺ رسولوں کے رسول حضرت محمد مصطفی ﷺ کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر افضل ترین صلاۃ وسلام ہو۔ [1]

اوران آئمہ کرام کہ جن کے درجات تمام علوم شرعیہ وعقلیہ میں بہت بلند ہیں اوران کی عزت واحترام تمام علماء کے نزدیک مسلم ہے بالخصوص اہل سنت کے نزدیک وہ امام بلندشان ہیں کے اقوال کے ساتھ جو منازعت کرے گا تو اس پر بدعتی اور گمراہ ہونے کا حکم کیا جائے گا اوراس کوراہ حق دکھانے کی کوشش کی جائے گی شایداس کے عقیدے میں جو توڑ پھوڑ ہو چکی اس کو پُر کیا جا سکے۔

میں کہتا ہوں کہ شکر نعمت پر آیات وارد ہوئی ہیں ان میں سے وہ کہ جوامام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ نے سورہ فاتحہ کی تفسیر میں فرمایا:

جنت کے آٹھ دروازے ہیں پس اس مقام پر تیرے لیے جنت کو ابواب میں سے دروازہ کھل جائیگا اور وہ معرفت کا دروازہ ہے اور دوسرا دروازہ ذکر کا دروازہ ہے اور وہ تیرا کہنا ہے۔ ﴿بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ﴾ ۔ اللہ کے نام سے شروع جو بہت مہربان رحمت والا ۔اور تیسرا دروازہ باب الشکر ۔یعنی شکر کا دروازہ ہے اور وہ تیرا کہنا ﴿اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ۝۱﴾ (سب خوبیاں اللہ کو جو مالک سارے جہان والوں کا) اور چوتھا دروازہ باب الرجا، امید کا دروازہ ہے اور وہ تیرا کہنا ﴿الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۝۲﴾ (بہت مہربان رحمت والا) ہے۔اور پانچواں دروازہ باب الخوف۔خوف کا دروازہ ہے اور وہ تیرا کہنا ﴿مٰلِكِ یَوۡمِ الدِّیۡنِ ۝۳﴾ (روز جزا کا مالک) ہے۔اور چھٹا دروازہ باب الاخلاص ہے یہ معرفت عبودیت اور معرفت ربوبیت سے پیدا ہوتا ہے

---

[1] مفید النعم ومبید النقم ص ۱۴۔

اور وہ تیرا قول۔﴿ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ۝﴾ (ہم تجھی کو پوجیں اور تجھی سے مدد چاہیں) ہے۔ اور ساتواں دروازہ باب الدعا و التضرع ہے جیسا کہ فرمایا گیا، ﴿ اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ ﴾ [1] (یا وہ جو لاچار کی سنتا ہے جب اسے پکارے)اور فرمایا﴿ ادْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ ﴾ [2] (مجھ سے دعا کرو میں قبول کروں گا)اور یہاں تیرا یہ کہنا ہے۔﴿ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝﴾ (ہم کو سیدھا راستہ چلا)اور آٹھواں دروازہ۔ارواح طیبہ طاہرہ کی اقتدا اور ان کے انوار سے ہدایت لینے کا ہے اور وہ تیرا کہنا۔﴿ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۙ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَ لَا الضَّآلِّيْنَ ۝﴾ (راستہ ان کا جن پر تو نے احسان کیا نہ ان کا جن پر غضب ہوا اور نہ بہکے ہوؤں کا) ہے اور جب تو اس سورت کو اس طرح پڑھے گا تو تو اس کے اسرار پر واقف ہو گا اور تیرے لیے جنت کے آٹھوں دروازے کھل جائیں گے۔

اور اللہ تعالیٰ کے فرمان:

﴿ جَنّٰتِ عَدْنٍ مُّفَتَّحَةً لَّهُمُ الْاَبْوَابُ ﴾[ص: 50]

”بسنے کے باغ ان کے لئے سب دروازے کھلے ہوئے۔“

سے یہی مراد ہے پس معارف ربانیہ کی جنتوں کے دروازے ان روحانی چابیوں سے کھلیں گے پس یہی وہ اشارہ ہے جو نماز میں روحانی معراج سے حاصل ہوتا ہے۔[3]

اور اللہ تعالیٰ حضرت عیسی علیہ السلام پر اپنی نعمت کا تذکرہ اپنی پاک اور لاریب کتاب میں کرتے ہوئے فرمایا ہے:

﴿ وَ اِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّيْنِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ بِاِذْنِيْ فَتَنْفُخُ فِيْهَا فَتَكُوْنُ طَيْرًۢا بِاِذْنِيْ وَ تُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَ الْاَبْرَصَ بِاِذْنِيْ وَ اِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتٰى بِاِذْنِيْ ﴾[المائدۃ:110]

---

[1] سورۃ النمل ۶۲۔ [2] سورۃ المؤمن ۶۰۔

[3] تفسیر کبیر للرازی جلد ۱ صفحہ ۲۷۷۔

''اور جب تو مٹی سے پرندے کی سی مورت میرے حکم سے بناتا پھر اس میں پھونک مارتا تو وہ میرے حکم سے اڑنے لگتی اور تو مادرزاد اندھے اور سفید داغ والے کو میرے حکم سے شفا دیتا اور جب تو مردوں کو میرے حکم سے زندہ نکالتا۔''

اور جب لوگوں کو تکلیف دینے سے ہاتھ روکنے کا مسئلہ آیا تو اذن کے ساتھ نہیں آیا کیونکہ یہ وسائط ہیں اور اللہ نے ان کا اذن دیا ہوا ہے اور یہ اس کے حکم سے ہے لہذا یہ اذن کا محتاج نہیں ہے پھر سورۃ الانعام کی آیت میں فرمان خداوندی کے تحت ذکر کیا۔

﴿وَ هُوَ الَّذِيْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ وَ رَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَاۤ اٰتٰىكُمْ ؕ اِنَّ رَبَّكَ سَرِيْعُ الْعِقَابِ وَ اِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾[الأنعام:165]

''اور وہی ہے جس نے زمین میں تمہیں نائب کیا اور تم میں ایک کو دوسرے پر درجوں بلندی دی کہ تمہیں آزمائے اس چیز میں جو تمہیں عطا کی بے شک تمہارے رب کو عذاب کرتے دیر نہیں لگتی اور بے شک وہ ضرور بخشنے والا مہربان ہے۔''

اس میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ظاہر فرمایا کہ اس نے بعض بندوں کو بعض پر فضیلت دی ہے اور یہ مومنین کو آگاہ کیا کہ وہ اللہ کی رحمت مقربین میں تلاش کریں اور مقربین کی قربت محسوس کریں اور وہ رحمت سید الشفعاء حضرت محمد بن عبد اللہ ﷺ ہیں اور بنی اسرائیل نے واسطہ کا انکار کرتے ہوئے سرکشی کی اور وسیلہ کا استخفاف کرتے ہوئے حضرت موسی علیہ السلام سے مطالبہ کیا کہ اللہ تعالیٰ ان سے کلام کرے، تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿وَ مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَا يَشَآءُ

﴿إِنَّهُ عَلِيٌّ حَكِيمٌ﴾ [الشوری:51]

''اور کسی آدمی کو نہیں پہنچتا کہ اللہ اس سے کلام فرمائے مگر وحی کے طور پر یا یوں کہ وہ بشر پردہ عظمت کے ادھر ہو یا کوئی فرشتہ بھیجے کہ وہ اس کے حکم سے وحی کرے جو وہ چاہے بے شک وہ بلندی و حکمت والا ہے۔''

اور ایسے ہی سورہ مائدہ میں ہے انہوں نے سرکشی کی اور طلب کیا اللہ تعالیٰ بذات خود ان کے لیے خوان لیکر آئے اور اللہ تعالیٰ اس سے بلند ہے بلکہ اس نے فرشتوں کے ہاتھوں خوان نازل فرمایا، اور اس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کا رد فرماتے ہوئے فرمایا:

﴿اتَّقُوا اللَّهَ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ﴾ [المائدة:112]

''اللہ سے ڈرو اگر ایمان رکھتے ہو۔''

اور سورہ مائدہ کو اس آیت پر ختم فرمایا:

﴿قَالَ اللَّهُ هَٰذَا يَوْمُ يَنْفَعُ الصَّادِقِينَ صِدْقُهُمْ﴾

[المائدة:119]

''اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ ہے وہ دن جس میں سچوں کو ان کا سچ کام آئے گا۔''

اور اس کے بعد سورہ مائدہ کی آخری آیت میں فرمایا:

﴿لِلَّهِ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ﴾ [المائدة: 120]

''اللہ کے لئے ہے آسمانوں اور زمین۔''

پس صدق صادقین کو نفع دے گا اور متصدقون اس سے نفع حاصل کریں گے پس جب صدق قبولیت کیلیے وسیلہ بنا تو وہ حق کے نزدیک معتبر ہے جیسا کہ جھوٹ گناہ کا وسیلہ ہے اور وہ اللہ تعالیٰ سے دور اور شیطان کے قریب ہے اور دونوں نفع یا نقصان اللہ تعالیٰ کی ملکیت میں مقہور ہیں اور اس کی قدرت سے باہر نہیں نکل سکتے کیونکہ وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ جل جلالہ وعم نوالہ۔

اللہ تعالیٰ نے سورۃ النحل میں فرمایا:

﴿فَكُلُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللَّهُ حَلَالًا طَيِّبًا وَاشْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ إِنْ كُنْتُمْ إِيَّاهُ تَعْبُدُونَ﴾ ①

''تو اللہ کی دی ہوئی روزی حلال پاکیزہ کھاؤ اور اللہ کی نعمت کا شکر کرو اگر تم اسے پوجتے ہو۔''

جب اللہ تعالیٰ کی نعمتیں اس کی مخلوق کے لیے اسکی عطا کے وسائل ہیں اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے لیے شفا نازل فرمائی اور سورۃ کا نام رکھا ''نحل''، یعنی شھد کی مکھی اور وہ اللہ تعالیٰ کی ایک چھوٹی سی مخلوق ہے تو عقل مند حیران ہیں اس کے نظام اور اسکی مملکت میں اور جو اس کے پیٹ سے مختلف رنگوں کا شھد نکالتا ہے کہ جس میں لوگوں کے لیے شفا ہے لہذا نعمت کا اثر ہوتا ہے اور خلق پر اس کا اثر ہے تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اس کو عظمت دی اور یہ آیت کریمہ نازل فرمائی جو کہ واسطہ حقہ پر واضح دلالت کرتی ہے کہ جس کو اللہ تعالیٰ نے بنایا اور اس کے شکر کو اپنا شکر قرار دیا ہے اور اس کے شکر کا مقصود اس کا خیال کرنا اس کو کوئی نقصان نہیں پہنچانا حتی کہ اس کی تھوک میں اللہ تعالیٰ نے خوشبو اور برکت رکھی ہے، نعمت کے کھانے اور نعمت کے اثر اور نعمت کے نفع کے احساس سے زیادہ بلیغ اس کے شکر کرنے کی کوئی راہ نہیں ہے۔ پس شھد کی مکھی کی عزت اور جو اس کے پیٹ سے شھد نکلتا ہے اس میں شفا کا اعتقاد ایک لمحہ کے لیے بھی شرک نہیں ہو سکتا اور اگر ہر شیء کی تعظیم و توقیر شرک کی طرف لے جاتی ہوتی تو ان جمادات سے۔۔۔ زیادہ حق بنتا تھا اگر ظاہری سیاق سے ہی کسی موحد پر شرک کا حکم لگا دیا جائے تو اس سطح ارضی پر کوئی بھی موحد باقی نہ رہے۔ جب ہم اس آیت وَاشْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ کی مراد کو ظاہر پر محمول کریں تو اس کا ظاہر خود نعمت کے شکر کی دعوت دیتا ہے ذرا سوچیئے! اسی وجہ سے اسم عثمانی میں تاء مفتوح آئی ہے تا کہ ہم اس کے اسباب مشروعہ اور اس کی ذات سبحان کے ذریعے تنہا اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ

---

① سورۃ النحل ۱۱۴۔

کریں۔سو اسی پر قیاس کرو حضرت ابراھیم علیہ السلام کی مثال اور اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے حضرت ابراھیم علیہ السلام کی مثال بیان فرمائی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے شاکر تھے یعنی ان نعمتوں پر اللہ تعالیٰ کے شکر گذار تھے اور اس کا بڑا اہتمام کرتے تھے اس کا حق ادا کرنے والے وہ جانتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل کا ملنا اسی طرح ہو سکتا ہیاور بلا شک حضرت ابراھیم علیہ السلام ان لوگوں سے دین کے زیادہ حریص تھے جو باچھیں کھول کر توحید کا ذکر کرتے رہتے ہیں اور توقیر اور برائی کے ادنیٰ درجے کو بھی شرک خیال کرتے ہیں۔

پس مشرک اس کی تعظیم نہیں کرتے جس کو اللہ تعالیٰ نے معظم کیا بلکہ اللہ تعالیٰ کی معظم اشیاء کا مذاق اڑاتے اور اس کی عزت کو نہ پہچانتے اور نہ ہی اس کو عزت دیتے اور نہ ہی رحمت سمجھتے اور وہی سب سے پہلے ہیں کہ جنہوں نے واسطہ اور وسیلہ کا انکار کیا اور شیطان نے ان پر ان کے قیاسات فاسدہ کے ساتھ حق کو متلبس کر دیا اور اس میں حکم دوپہر کے سورج کی طرح واضح ہے اور جب حضرت ابراھیم علیہ اسلسلام خواب دیکھنے کی وجہ سے اپنے بیٹے کو قربان کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں لے گئے تو اللہ تعالیٰ نے قربانی آسمان سے نازل فرمادی یہ جانتے ہوئے کہ زمین بکریوں سے بھری پڑی ہے تو اللہ تعالیٰ نے قربانی کے لیے آسمان سے کیوں دنبہ بھیجا؟

اس میں حق تعالیٰ کی طرف سے ہمارے لیے اشارہ ہے کہ میری قربانی اور میرا واسطہ تمھاری قربانی اور واسطہ کی طرح ہی ہے لیکن مضمون میں فرق ہے اگرچہ ظاہری شکل میں اتفاق ہے جیسا کہ نیت ظاہری طور پر ایک جیسی لیکن حقیقت میں مختلف ہوتی ہے اور نیت ہی پر اعمال کا دارومدار ہوتا ہے پس جس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کیلیے ہے تو اس کی ہجرت اللہ اور اسکے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہے اور جس کی ہجرت دنیا کے لیے یا عورت سے نکاح کے لیے ہے تو اسی کے لیے ہے جو اس نے نیت کی، ہیں تو دونوں ہجرتین لیکن ان کی وجوہات میں اختلاف ہے۔

پھر اے موسی تو اپنی مقدار پر آیا۔ اور ہر کسی کا آنا تو حضرت موسی علیہ السلام جیسا نہیں ہے

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَآءَتْكُمْ جُنُوْدٌ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا وَّ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا۔ [1]

''اے ایمان والو اللہ کا احسان اپنے اوپر یاد کرو جب تم پر کچھ لشکر آئے تو ہم نے ان پر آندھی اور وہ لشکر بھیجے جو تمہیں نظر نہ آئے اور اللہ تمہارا کام دیکھتا ہے۔''

اللہ تعالیٰ نے نعمت کو یاد کرنے کا حکم فرمایا اور وہ رجال الغیب اور ملائکہ میں سے اللہ تعالیٰ کے لشکر ہیں اور ان کے شکر کا حکم فرمایا جیسا کہ گذرا پس شکر فی الحقیقت صرف اللہ تعالیٰ کا ہی ہوتا ہے لیکن جب یہ سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے آیا ہے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے وسائط کا شکر اپنا شکر قرار دیا کیونکہ، مشروع واسطے واسطے شکر ادا کرنے والے کی بھٹکنے اور گمراہی میں پڑنے اور شرک وخلل سے حفاظت کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مبین سے فصیح ترین لوگوں کو اس کی ضد لانے سے عاجز فرمادیا اور ادبا اور علماء کو اسی کے اسلوب سے حیرت میں ڈال دیا پس اس کے حروف میں سے ہر حرف میں سر ہے اور اس کے الفاظ میں سے ہر لفظ نفیس ترین معانی پہنچانے والا ہے دنیاء و کائنات میں معاملات کے واقعات کے پیش کرنے اور مفہوم کو پڑھنے والے تک پہنچانے میں اس اسلوب کے ساتھ کوئی کتاب نہیں آئی۔

حق یہی ہے کہ اس کے عجائب غیر متناہی ہیں اور غرائب نہ ختم ہونے والے ہیں کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی سیدھی رسی ہے۔ اور سید المرسلین کا خلق عظیم ہے۔

پس اگر تو مسئلہ ایسا ہو کہ جس میں گفتگو ہو گی کہ اس میں اختلاف زیادہ نہیں ہے تو اس کا نتیجہ ان مقدمات اور تمہید سے ظاہر ہو جائے گا اور اگر مسئلہ ایسا ہو کہ اس میں اختلاف

---

[1] سورۃ الاحزاب ۹۔

غالب ہے تو اس کا نتیجہ ان مقدمات سے نکل آئے گا، تو ہم پڑھنے اور سننے والے کے سامنے رکھیں گے اور وہ ان کو قبول کرے، پس مسئلہ توسل ان مسائل میں سے ہے کہ جس میں وسیلہ صالحہ اور وسیلہ طالحہ میں اشتباہ پیدا ہوتا ہے لہذا اس کے لیے ہم مقدمات قائم کرتے ہیں جن کو اللہ جل مجدہ الکریم نے سورۃ الانعام میں بیان فرمایا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يَآ أَهْلَ الْكِتَابِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ عَلٰى فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ۔ وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ ①

''اے کتاب والو بے شک تمہارے پاس ہمارے رسول تشریف لائے کہ تم پر ہمارے احکام ظاہر فرماتے ہیں۔۔۔۔اور جب موسیٰ نے کہا اپنی قوم سے اے میری قوم اللہ کا احسان اپنے اوپر یاد کرو۔''

اور اس میں شک نہیں کہ اس آیت میں نعمت وسیلہ کو کہا گیا ہے جیسا کہ اسی آیت میں فرمان ہوتا ہے:

اِذْ جَعَلَ فِيْكُمْ اَنْبِيَآءَ وَجَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا ②

کہ تم میں سے پیغمبر کئے اور تمہیں بادشاہ کیا۔

اور ان آیات کا اختتام اس فرمان پر کیا:

قَالُوْا يَامُوْسٰى اِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَا اَبَدًا مَّا دَامُوْا فِيْهَا فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا ③

بولے اے موسیٰ ہم تو وہاں کبھی نہ جائیں گے جب کہ وہ وہاں ہیں تو آپ جائیے اور آپ کا رب تم دونوں لڑو۔

---

① سورۃ المائدۃ ۱۹-۲۰۔ ② سورۃ المائدۃ ۲۰۔ ③ سورۃ المائدۃ ۲۴۔

پس بنی اسرائیل نے وسیلے کا انکار کیا فقط اس لیے نہیں کہ وہ قتل ہو کر مر جائیں گے بلکہ انہوں نے اس لیے انکار کیا کہ وہ اپنے نبی کو آزمائیں کیونکہ ان کا اعتقاد تھا کہ وہ ان کی مدد کرے گا اس لیے انہوں نے کہا:

اِذْهَبْ أَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا ①

"آپ جائیے اور آپ کا رب تم دونوں لڑو۔"

یہ بالکل وہی مضمون وخیال ہے جو آجکل ہمارے دور کے خوارج کرتے ہیں کہ اللہ کو پکارو رسول اللہ ﷺ کو نہ پکارو تو اللہ تعالیٰ نے ان کا رد کرتے ہوئے اس طرح فرمایا:

قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ أَوِادْعُوا الرَّحْمٰنَ أَيًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنٰى ②

"تم فرماؤ اللہ کہہ کر پکارو یا رحمن کہہ کر جو کہہ کر پکارو سب اسی کے اچھے نام ہیں۔"

پس اللہ تعالیٰ کے اسماء کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے دعا مانگنی اور اسماء تو وسائط ہیں اور اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے کسی ایک نام کو اقتصار نہیں فرمایا اور اگر ایک نام پر اقتصار کیا جاتا تو شاید ان کا مذہب صحیح ہوسکتا تھا چونکہ اللہ تعالیٰ حکیم ہے اپنی شریعت میں اس لیے اس نے ایک نام کی قید نہیں لگائی۔

پھر سورۃ المائدۃ میں مقدمات گذر چکے حتی کہ حضرت آدم علیہ السلام کے بیٹوں ھابیل اور قابیل کے قصے تک گئے تھے:

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ ابْنَيْ اٰدَمَ بِالْحَقِّ اِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنْ أَحَدِهِمَا وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْاٰخَرِ ③۔

---

① سورۃ المائدۃ ۲۴۔

② سورۃ الکھف ۱۱۰۔

③ سورۃ المائدۃ ۲۷۔

اور انہیں پڑھ کر سناؤ آدم کے دو بیٹوں کی سچی خبر جب دونوں نے ایک ایک نیاز پیش کی تو ایک کی قبول ہوئی اور دوسرے کی نہ قبول ہوئی۔
پس مقبول اور غیر مقبول قربانی میں فرق واضح ہے۔
پس اس کے بعد ایک جگہ اس طرف اشارہ کرتے ہوئے اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اظہار نتیجہ کے طور پر فرمایا:

يَآ أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا اتَّقُو اللّٰهَ وَابْتَغُوْا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ [1]

''اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور اس کی طرف وسیلہ ڈھونڈو۔''

اور اس کے بعد تحذیر اور وعید کے ساتھ تعقب کرتے ہوئے اس شخص کے لیے جو اس احقاق کے بعد اپنے آپ کو وسائط کے انکار میں مبتلا کرتا ہے۔
اسی سورۃ میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا:

يَآ أَيُّهَا الرَّسُوْلُ لَا يَحْزُنْكَ الَّذِ يْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ مِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْا آمَنَّا بِأَفْوَاهِهِمْ وَلَمْ تُؤْمِنْ قُلُوْبُهُمْ وَمِنَ الَّذِ يْنَ هَادُوْا سَمَّاعُوْنَ لِلْكَذِبِ سَمَّاعُوْنَ لِقَوْمٍ آخَرِيْنَ لَمْ يَأْتُوْكَ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ مِنْ بَعْدِ مَوَاضِعِهٖ يَقُوْلُوْنَ اِنْ أُوْتِيْتُمْ هٰذَا فَخُذُوْهُ وَاِنْ لَّمْ تُؤْتَوْهُ فَاحْذَرُوْهُ [2]

''اے رسول تمہیں غمگین نہ کرے وہ جو کفر پر دوڑتے ہیں کچھ وہ جو اپنے منہ سے کہتے ہیں ہم ایمان لائے اور ان کے دل مسلمان نہیں اور کچھ یہودی جھوٹ سنتے ہیں اور لوگوں کی خوب سنتے ہیں جو تمہارے پاس حاضر نہ ہوئے اللہ کی باتوں کو ان کے ٹھکانوں کے بعد بدل دیتے ہیں کہتے ہیں یہ حکم تمہیں ملے تو مانو اور یہ نہ ملے تو بچو۔''

---

[1] سورۃ المائدۃ ۳۵۔ [2] سورۃ المائدۃ ۴۱۔

یعنی جس کو تم ظاہر نص کے ساتھ جانتے ہو اس کو پکڑ لو اور جو چھپی ہوئی اور خفی ہے اس کے بارے تم سے سوال نہیں ہوگا کیونکہ وہ تم کو عطا نہیں کی گئی یعنی تمھیں اس کا حکم نہیں دیا گیا اور پھر اس آیت کا اختتام اس فرمان پر کیا گیا:

وَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ فِتْنَتَهٗ فَلَنْ تَمْلِكَ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا أُولٰئِكَ الَّذِيْنَ لَمْ يُرِدِ اللّٰهُ أَنْ يُّطَهِّرَ قُلُوْبَهُمْ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَّلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ۔[1]

''اور جسے اللہ گمراہ کرتا ہے تو ہرگز تو اللہ سے اس کا کچھ نہ بنا سکے گا وہ ہیں کہ اللہ نے ان کا دل پاک کرنا نہ چاہے انہیں دنیا میں رسوائی ہے اور انہیں آخرت میں بڑا عذاب۔''

پھر حق کے واضح ہونے کے بعد یہ ایضاحات بہت سارے معانی پر مرتب ہوتے ہیں۔

---

(1) سورۃ المائدۃ ۴۱۔

پانچویں فصل:

توسل کے ثبوت اور جواز پر عقلی دلیل

توسل کی صحت اور جواز پر دلائل نقلیہ قرآن وسنت سے عنقریب بیان ہوں گے اس کا ثبوت اور عقلی دلائل:

وسیلہ جب بندوں کا اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرنے کا باعث بنتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف تقرب عبادات واعمال میں انسان کا مقصود ہے۔ کیونکہ تقرب الٰہی کے بغیر انسان کو دنیا وآخرت میں فلاح اور سعادت حاصل نہیں ہو سکتیں اور تقرب وسیلہ کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا پس دنیا وآخرت میں سعادت اور کامیابی وسیلہ پر موقوف ہے۔

اور ابن القیم نے اپنی کتاب ''زاد المعاد'' میں صراحت کی ہے اپنے اس قول کے ساتھ:

لا سبیل الی السعادة والفلاح لا فی الدنیا ولا فی الآخرة، الا علی أیدي الرسل، ولا ینال رضی اللہ البتة الا علی أیدیھم۔[1]

سعادت اور فلاح نہ دنیا میں اور نہ آخرت میں حاصل ہو سکتی ہے مگر انبیاء کرام علیھم السلام کے ہاتھوں سے اور آدمی اللہ تعالیٰ کی رضا نہیں پا سکتا مگر انہی کے ہاتھوں سے۔

پس اس سے معلوم ہوا کہ جس وسیلہ سے دنیا وآخرت کی سعادت اور کامیابی ملتی ہے وہ انبیاء ورسل علیھم الصلاۃ والسلام کی ذوات مقدسہ ہیں اور وسیلہ کے ساتھ ہی حاجات

---

[1] زاد المعاد جلد ۱ صفحہ ۶۹۔

پوری ہوتی ہیں اور حاجت کا حصول اللہ تعالیٰ کی طرف سے نعمت ہے پس وسیلہ سے نعمت حاصل ہوتی ہے اور جس سے نعمت حاصل ہو وہ بھی نعمت ہی ہوتی ہے۔

پس جب یہ ثابت ہو گیا کہ وسیلہ اللہ کی طرف سے نعمت ہے اور احسان ہے تو جتنی اکمل نعمت ہو گی تو وہ اکمل وسیلہ ہو گا۔ اور بلا شبہ انبیاء اور رسل علیہم السلام اللہ تعالیٰ کے اعظم انعام ہیں لہذا یہ جائز ہے کہ وہ وسیلہ ہوں۔

پس جب یہ ثابت ہو گیا تو معلوم ہونا چاہیے کہ نعمت کبری اور احسان اکبر اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے عظیم مہربانی ذات حضرت محمد مصطفی ﷺ ہیں کیونکہ وہ رسول اعظم اور رحمت للعالمین اور خاتم النبیین اور شفیع المذنبین ہیں اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ ﷺ کی شان اقدس میں ارشاد فرمایا:

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ۔ [1]

''بے شک اللہ کا بڑا احسان ہوا مسلمانوں پر کہ ان میں انہیں میں سے ایک رسول بھیجا۔''

پس ثابت ہوا کہ نبی اکرم ﷺ دنیا وآخرت میں وسیلہ عظمی ہیں پس فلاح وخوش بختی دنیا وآخرت میں آپ ﷺ کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی جیسا کہ ابن قیم نے کہا۔

اور جب یہ ثابت ہو گیا کہ نبی اکرم ﷺ سے توسل کرنا جائز اور صحیح ہے تو اسی سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے احسان اور نعمت ہیں اور حاجت میں اللہ کی بارگاہ میں نعمت اور احسان کا ذکر کرنا کافی ہے اگر چہ توسل کے وقت وہ بظاہر ہمارے پاس غیر موجود بھی ہوں جیسا کہ اعمال صالحہ کا وسیلہ کہ جب ان کے ذکر سے توسل کیا جاتا ہے تو وہ اس وقت غیر موجود ہوتے ہیں۔

---

[1] سورۃ آل عمران ۱۶۴۔

جیسا کہ صحیحین میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم سے اصحاب غار کہ جو تین اشخاص نے غار میں پناہ لی تھی تو ان پر بڑا پتھر آ گرا اور اس نے راستہ بند کر دیا تو ان میں سے ہر ایک نے اپنے گذرے ہوئے عمل سے توسل کیا تھا۔

لہذا اسی طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر کے ساتھ توسل کرنا جائز ہے اگرچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور سے قبل ہو یا بعد از ظہور قدسی ہو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہری حیات میں ہو یا بعد از انتقال ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کو بتا دیا کہ اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تخلیق فرمایا ہے اور فرمایا:

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ ---[1]

''اور یاد کرو جب اللہ نے پیغمبروں سے ان کا عہد لیا۔''

اور بندوں کو خوب علم ہو گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی نعمت عظمی اور اس کی رحمت کبری ہیں پس انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو وسیلہ پکڑ لیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر کو اپنی حاجات میں بطور وسیلہ اختیار کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے پہلے بھی اور ولادت کے بعد بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں بھی اور بعد از انتقال بھی۔[2]

---

[1] سورۃ آل عمران ۸۱۔
[2] التوسل حضرت مفتی اہل سنت شیخ الحدیث والتفسیر مفتی عبدالقیوم قادری ہزاروی ۱۶۔۱۷۔

الباب الثانی

توسل کی مشروعیت

اس میں تین فصلیں ہیں

پہلی فصل: قرآن کریم سے نقلی دلائل

دوسری فصل: احادیث وآثار سے دلائل

تیسری فصل: حضرات علمائے اسلاف کا توسل کے بارے میں موقف

پہلی فصل

قرآن کریم سے توسل کے جواز پر دلائلِ نقلیہ

پہلی بحث: سبب اور مسبب:

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَمَآ اَمْوَالُکُمْ وَلَآ اَوْلَادُکُمْ بِالَّتِیْ تُقَرِّبُکُمْ عِنْدَنَا زُلْفٰی اِلَّا مَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاُولٰٓئِکَ لَھُمْ جَزَآءُ الضِّعْفِ بِمَا عَمِلُوْا وَھُمْ فِی الْغُرُفٰتِ اٰمِنُوْنَ۔[1]

''اور تمہارے مال اور تمہاری اولاد اس قابل نہیں کہ تمہیں ہمارے قریب تک پہنچائیں مگر وہ جو ایمان لائے اور نیکی کی ان کے لئے دونا دوں صلہ ان کے عمل کا بدلہ اور وہ بالا خانوں میں امن وامان سے ہیں۔''

بے شک یہ آیت کریمہ عظیم حقیقت ایمانیہ کی حامل ہے وہ حقیقت کہ جس پر موحدین نے عمل کیا گذری ہوئی تاریخ میں اور اس کے حقوق پر عمل کیا۔ اور اللہ تعالیٰ کے اس قول مبارک میں اس کی طرف اشارہ ہے:

یَبْتَغُوْنَ اِلٰی رَبِّھِمُ الْوَسِیْلَةَ اَیُّھُمْ اَقْرَبُ۔[2]

''وہ آپ ہی اپنے رب کی طرف سے وسیلہ ڈھونڈ ھتے ہیں کہ ان میں کون کون زیادہ مقرب ہے۔''

---

[1] سورۃ السبأ ۳۷۔

[2] سورۃ الاسراء ۵۷۔

اور اموال نظر آنے اور محسوس ہونے والی چیزوں میں سے ہیں اور اس کے زیادتی زندگی کی آسائشوں کو زیادہ کرتی ہے اور اس کا فتنہ اس میں چھپا رہتا ہے اور اس کی معرفت وسمجھ رکھنے والے بہت کم لوگ ہیں اور اس کو بہت زیادہ عقل کے حصہ والے ہی پا سکتے ہیں اور وہ اس امت میں موفقون لوگ ہیں کہ جن کو اللہ تعالیٰ نے توفیق بخشی ہوئی ہے لہذا اس کی صحیح جگہ میں تفکر اور غور غوض نہ کرنے پر تندید اور ترہیب آئی ہے پھر شارع نے اس (مال) پر دوسری نعمت کا عطف فرمایا ہے اور وہ اولاد ہے اور یہ ایک نسق اور نکتہ بدیعہ ہے جو کہ بہت ہی پیارے انداز میں نازل ہوا ہے۔ لہذا عاقل پر لازم ہے کہ وہ ایمان کی تحقیق میں زندگی گذارے اور اس کی روشنی میں نص قرآنی کو سمجھے کہ جو توجیہ اور ارشاد کے معانی کی حامل ہے جو کہ موحد پر واجب ہے۔

پس قرآن کریم دو اہم عاملوں کا ذکر کیا جو زندگی کی اساس ہیں اور مفسرین نے بیان فرمایا کہ آیت کریمہ کے سیاق کے مطابق اموال کی اولاد پر تقدیم میں نکتہ یہ ہے (جیسا کہ بعض نے کہا) کہ اموال کا نفس کے ساتھ بنیادی تعلق روح انسانی میں اولاد کی محبت سے بھی سبقت رکھتا ہے جیسا کہ ابن حجر الھیتمی نے ذکر فرمایا اس تعلیل کے کئی مفہوم ہو سکتے ہیں لیکن یہ سوال اپنی جگہ باقی ہے کہ یہ پہچانا جائے کہ وہ کون سا قرینہ ہے جس کی وجہ سے اس آیت کریمہ کے سیاق میں جو ہمارے پیش نظر ہے اموال کو اولاد پر مقدم کیا گیا ہے۔ اور جو بات میرے سامنے ظاہر ہوئی ہے واللہ اعلم۔

کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں ایسے ایمان افروز معانی کا قصد فرمایا ہے جو انسانی رہنمائی کا سامان رکھتے ہیں اور بہت سے حقائق کونیہ کے حامل ہیں۔

کہ اللہ کی طرف سے بندہ کو نفع رسانی انہیں دو عناصر کی صورت میں ہوتی ہے یعنی مال اور اولاد کی صورت میں۔ بلکہ اولاد جو سبب کے ثبوت میں تنفیذی پہلو کی مثال رکھتی ہے اس کے لیے ممکن نہیں کہ مذکورہ مقصد کا کامل صورت میں ثابت کر سکے سوائے اس کے کہ زندگی کو قائم رکھنے والی چیز پائی جائے اور وہ مال ہے۔

پس جب یہ حال ہے تو مال کو اس آیت میں اولاد سے پہلے لایا گیا۔ اللہ سبحانہ نے ان لوگوں کی تعریف فرمائی ہے کہ جو مال اور اولاد کو اللہ سبحانہ تعالیٰ کے تقرب کیلیے استعمال کرتے ہیں اس اعتقاد کے ساتھ استعمال کرتے ہیں کہ یہ سبب ظاہری ہے اور اس کے تحقق کے لئے وہ خفی مطلق سبب سے مدد لیتے ہیں اور اس کے مقابل ان کی مذمت کی جو قوت مادیہ اور قوت بشریہ کو فوز و نجات اور قرب کی اساس اعتقاد کرتے ہیں اور یہ بنص قرآن مذموم ہے اور وہ لوگ جن کی آیت میں تعریف کی گئی ہے وہ ان دونوں سببوں کے مقام کی معرفت والے ہیں تو ان کیلیے دوگنا اجر ہے اور وہ غرفات (جنتی گھر) میں امن سے رہیں گے۔ یعنی دنیا میں جزا اللہ تعالیٰ کے اوامر کی تحقیق کے ساتھ ہو گی اور آخرت میں جنات عدن اور اللہ کی رضا حاصل ہوگی۔

پس دور جاہلیت کا انسان رسالت کی ابتدا میں اسی طرح تھا اور انھیں اعتقاد کے مطابق سید الموحدین ﷺ کو دعوت حق چھوڑنے کے عوض مال قبول کرنے کی پیشکش کی تھی تو آپ ﷺ نے اس کو ٹھکرا دیا پھر انہوں نے آپ ﷺ کو تنفیذی عامل کی پیش کش کی یعنی جب انہوں نے اپنی افضل ولاد کی پیش کش کی تو آپ ﷺ نے انکار فرمایا اور یہ چھوڑنا تو صرف صاحب رسالت ﷺ کی معرفت کی وضاحت تھی اور آپ ﷺ رب العالمین کی تائید ثابت کرنے والے تھے اور آپ ﷺ اس کی تائید کے بغیر تو قدم بھی نہیں اٹھاتے اور اس کے راہ راست دکھائے بغیر چلتے ہی نہیں۔

اس میں یہ نہیں کہ آقا ﷺ نصرت دین کے لئے اسباب کے تارک تھے لیکن آپ ﷺ اس حال کے بدلے جو کچھ آپ ﷺ سے طلب کیا گیا تھا آپ ﷺ اس وجہ سے ان اسباب سے دور ہو گئے تھے۔ حالانکہ یہ بات مخفی نہیں کہ دین کی دعوت کیلئے ان دونوں چیزوں کو آپ ﷺ نے استعمال فرمایا۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ وحضرت عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ کے مال کو اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کی رفاقت اور صحبت کو۔

حاصل کلام یہ کہ اس آیت کریمہ میں پاکیزہ ذوات کے نفع کی تصریح ہے وہ چاہے مال ہے یا اولاد پس حلال مال اللہ تعالیٰ کی قربت کا سبب بنتا ہے جبکہ اس کو کارِ خیر میں خرچ کیا جائے۔

جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

نِعْمَ المَالُ الصَّالِحُ لِلرَّجُلِ الصَّالِحِ۔[1]

''اچھا مال پاک اور پاکیزہ شخص کے لیے ہے۔''

اور نیک اولاد بھی نفع دیتی ہے جیسا کہ حدیث مبارکہ میں آیا ہے:

أَوْ وَلَدٍ صَالِحٍ يَدْعُولَهُ۔[2]

---

[1] أخرجه احمد فی مسنده ۴/۱۹۷، والبخاری فی الادب المفرد ۱/۱۱۲ (۲۹۹) والحاکم فی المستدرک ۲/۲ و ۲/۲۳۶، وابن حبان فی الصحیح ۸/۶ (۳۲۱۰) والبیهقی فی الشعب الایمان ۲/۹۱، وعبد الباقی فی المعجم الصحابة ۲/۲۱۳ (۷۱۶) والدیلمی فی الفردوس الاخبار ۴/۲۵۷۔ وقال الحاکم: فی الموضع الأول: صحیح علی شرط مسلم، و فی الثانی: صحیح علی شرطهما، ووافقه الذهبی فی الموضعین۔ وقال ابن حبان: قال ابو حاتم: سمع هذا الخبر علی بن رباح، عن عمرو بن العاص، و سمعه من ابی القیس بدل عمرو، عن عمرو، فالطریقان جمیعا محفوظان۔ وقال الحافظ فی الفتح الباری ۸/۷۵: روی احمد، والبخاری فی الادب المفرد و صححه ابو عوانة و ابن حبان والحاکم۔ وفی الموضع الثانی: ۱۱/۲۷۴ قال: اخرجه مسلم وغیره ذلک۔ وقال العجلونی فی کشف الخفاء ۲/۴۲۴ رواه احمد وابن منیع۔)

[2] أخرجه مسلم فی الصحیح ۲/۴۱ (۴۱۹۹)، واللفظ له، وأحمد فی مسنده ۲/۳۷۲ (۸۸۳۱) والنسائی فی السنن ۲/۱۲۳ (۳۶۵۳)، وفی الکبری ۴/۱۰۹ (۶۴۷۸) والترمذی فی الجامع ۱/۲۵۶ (۱۳۸۰)، و ابو داؤد فی السنن ۲/۴۲ (۲۸۸۰)، وابن الجارود فی المنتقى ۱۰۱ (۳۷۰) و ابو عوانة فی مسنده ۳/۴۹۵ (۵۸۲۴-۵۸۲۵)، وابن حبان فی الصحیح ۷/۲۸۶ (۳۰۱۶) والطحاوی فی مشکل الآثار ۱/۸۵ والبخاری فی الادب المفرد ۳۰ (۳۸) والبیهقی فی السنن الکبری ۶/۲۷۸، وفی الشعب الایمان ۲/۲۴۷ (۳۴۴۷) و ابو یعلی فی مسنده ۱۱/۳۴۳ (۶۴۵۷) والبغوی فی شرح السنة ۱/۳۰۰ (۱۳۹) والدولابی فی الکنیٰ والاسماء ۱/۹۰ وابن ابی الدنیا فی کتاب العیال ۹۸ (۴۳۳) والطبرانی فی الدعاء ۱۳۸۶/۳-۱۳۸۹۔)

''اور نیک بچہ جو اس کے لیے دعا کرتا ہے۔''

یعنی وہ نیک دعا اور اللہ کی راہ میں صدقہ کرنے کے ساتھ اس کی مدد کرتا ہے۔

لہذا اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ

إِلَّا مَنْ آمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا [1]

''مگر وہ جو ایمان لائے اور نیکی کی۔''

پس ایمان اشارہ ہے اولاد کی اصلاح سے اور نیک عمل مال کی توجیہ کی رمز ہے کہ جس سے اللہ تعالیٰ راضی ہو جائے۔ اور حق تعالیٰ نے نیک اولاد اور عمل پر اطلاق کیا ہے کہ یہ دونوں قربت ہیں اور ان دونوں کے درمیان فصل نہیں کیا کیونکہ اس مسئلہ میں اعتماد عمل پر نہیں کیا گیا۔ مگر عمل بجالانے والے پر ہے لیکن اس آیت میں مقرر فرمایا گیا کہ معانی ذوات کے ساتھ ملے ہوئے ہوتے ہیں اور ان سے جدا نہیں ہوتے ہدایت میں یا گمراہی میں، لہذا مطلع آیت میں فرمایا:

وَمَا أَمْوَالُكُمْ وَلَا أَوْلَادُكُمْ بِالَّتِي تُقَرِّبُكُمْ زُلْفَىٰ إِلَّا مَنْ آمَنَ۔ [2]

''اور تمہارے مال اور تمہاری اولاد اس قابل نہیں کہ تمہیں ہمارے قریب تک پہنچائیں مگر وہ جو ایمان لائے۔''

پس مومن اور اس کے عمل کو مستثنیٰ کیا نہ عمل کا استثنیٰ کیا مومن کے بغیر اور نہ مومن کا استثنیٰ کیا عمل کے بغیر وہ دونوں ایسے دوست ہیں جو جدا نہیں ہوتے جیسے کہ جسد اور روح لہذا ذوات کے ساتھ توسل کا جواز ثابت ہوا کیونکہ ذوات معانی کی حامل ہیں اور معانی کے ساتھ ذوات کے سوا توسل جائز نہیں ہے اور نہ ہی ذوات کے ساتھ معانی کے بغیر جب ان میں سے ہر ایک کے جوہر کی طرف نظر کی جاتی ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان کی حقیقت کی طرف نظر کرنے کا جواز صحیح ہے (واللہ اعلم)

[1] سورۃ السبا ۳۷۔ [2] سورۃ السبا ۳۷۔

اور اللہ تعالیٰ کے اس قول کے ساتھ اس کی مثل نسق قرآنی میں یہ جاری ہے:

وَ كَفَّلَهَا زَكَرِيَّا كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا۔ [1]

''اور اسے زکریا کی نگہبانی میں دیا جب زکریا اس کے پاس اس کی نماز پڑھنے کی جگہ جاتے اس کے پاس نیا رزق پاتے۔''

اور اللہ تعالیٰ کے اس قول کے درمیان

وَ هُزِّيْ اِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسَاقِطْ عَلَيْكِ رُطَبًا جَنِيًّا۔ [2]

''اور کھجور کی جڑ پکڑ کر اپنی طرف ہلا تجھ پر تازی پکی کھجوریں گریں گی۔''

ان دونوں آیتوں میں اتفاق وافتراق واضح کیا گیا ہے دونوں آیتیں مسئلہ رزق میں متفق ہیں اور مسبب دونوں میں ایک ہے اور وہ اللہ تعالیٰ ہے۔ اور صفت معنی میں افتراق ہے پہلا سبب خفی سے متحقق ہوا جبکہ دوسرا سبب جلی اور یہ معلوم ہوا کہ پہلا مقام سبب جلی (ظاہر) سے اولی ہے اور دوسرا مقام سبب خفی (باطن) سے اولی ہے۔

اور اس میں بھید یہ ہے (واللہ اعلم) کہ اللہ تعالیٰ اپنے پسندیدہ اور منتخب بندوں کی تہذیب کرتا ہے تاکہ وہ نبراس الانتقاء اور مدارس الاقتداء ہو جائیں۔ پس جس وقت بندہ مکمل طور پر اس کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے اور سبب کے اثر کو بھول جاتا ہے حالانکہ وہ خود مقام سبب میں ہوتا ہے اور وہ ایمان کی چوٹی پر پہنچ جاتا ہے اور یہی اللہ تعالیٰ پر توکل کرنے کی حقیقت ہے۔ تو وہاں سبب جلی کو عمل میں لانے کی حاجت نہیں ہوتی بلکہ سبب خفی کو عمل میں لایا جاتا ہے اسی وجہ سے مریم علیہا السلام کا اللہ تعالیٰ کی طرف مشغول ہونا ایسا تھا کہ انہوں نے اسباب کو فراموش کر دیا حالانکہ وہ مقام سبب جلی میں تھیں رزق کے حصول کی قوت رکھتی تھیں اس کے باوجود آپ کے پاس آسمان سے رزق آجاتا ہے جہاں سے آپ علیہا السلام

---

[1] سورۃ آل عمران ۳۷۔ [2] سورۃ مریم ۲۵۔

کو گمان بھی نہ تھا اور جس وقت بندہ مقام توکل میں ہوتے ہوئے اللہ سبحانہ کی طرف اس طرح متوجہ ہو کہ سبب کے اثر کو بھی بھول جائے تو سبب خفی کو مخاطب کرنے کی بھی ضرورت نہیں رہتی کیونکہ وہ اس پر یقین رکھتا ہے جس نے سبب جلی کے اثر کو ماننے سے بھی لاتعلق کر دیا (لیکن پھر) مولی تعالیٰ اس کو سبب جلی کی طرف ہی پھیر دیتا ہے (مقام توکل پر ہوتے ہوئے سبب جلی کی طرف جانا) یہ سب سے زیادہ مشکل مرحلہ ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ اس لئے ایسا کرتا ہے تاکہ بندہ کو تعلیم دے کہ ایمان کے مسئلہ میں یہ دونوں امر لازم وملزوم ہیں اور بے شک اس نے ہر چیز کا سبب بنایا ہے پس تو سبب کو تلاش کر۔

لہٰذا حضرت مریم علیہا السلام کو حکم ہوا جبکہ وہ دردزہ میں مبتلا تھیں کہ کھجور کے درخت کو ہلائے جس کو کہ ایک پورا آدمیوں کا گروہ ہلا سکتا ہے اور حضرت مریم علیہا السلام اس کی طاقت نہ رکھتی تھیں۔

حالانکہ اللہ سبحانہ اس پر قادر تھا کہ آپ علیہا السلام کو اس سے مستغنی کر دیتا کیونکہ پہلے بھی اس نے حضرت مریم علیہا السلام پر آسمان سے خوان نازل فرمایا تھا اور یہاں بھی حال ایسا ہی نہ تھا؟ پس اللہ تعالیٰ پاک ہے رب العالمین اور لطیف وخبیر ہے

لہٰذا اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے رسول اور نبی اور ولی سے توسل جائز سنت فرما دیا اور حکم فرمایا کہ:

يَبْتَغُونَ اِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِيْلَةَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ۔ [1]

"وہ آپ ہی اپنے رب کی طرف سے وسیلہ ڈھونڈ ھتے ہیں کہ ان میں کون کون زیادہ مقرب ہے۔"

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان:

وَلَمَّا جَآءَ هُمْ كِتَابٌ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ

---

[1] سورۃ الاسراء ۵۷۔

وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَلَمَّا جَآءَ هُمْ مَا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكَافِرِيْنَ۔ [1]

''اور جب ان کے پاس اللہ کی وہ کتاب (قرآن) آئی جو ان کے ساتھ والی کتاب (توریت) کی تصدیق فرماتی ہے اور اس سے پہلے وہ اسی نبی کے وسیلہ سے کافروں پر فتح مانگتے تھے تو جب تشریف لایا ان کے پاس وہ جانا پہچانا اس سے منکر ہو بیٹھے تو اللہ کی لعنت منکروں پر۔''

اس مقدمہ کے بعد ہم اس کو عرض کریں گے۔

پس توسل حقیقت میں سبب خفی اور سبب مطلق کے درمیان رابطہ ہے اور وہ قضیہ ایمانیہ ہے کہ جس کے پیچھے اللہ تعالیٰ نے رسول بھیجا۔ کیونکہ یہود سبب خفی کے منکر ہوئے اور سبب جلی پر ایمان لائے، پس یہ ایمان ناقص ہے تو اللہ تعالیٰ نے اسی لیے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے سبب خفی سے مبعوث فرمایا اور بتوں کے پجاری تو اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق ارشاد فرمایا:

مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى۔ [2]

''ہم تو انہیں صرف اتنی بات کے لئے پوجتے ہیں کہ یہ ہمیں اللہ کے پاس نزدیک کر دیں۔''

وہ سبب خفی پر ایمان لائے اور سبب جلی کے سوا اس کا انکار کر دیا، انہوں نے سبب جلی پر اعتقاد رکھا کہ وہ سبب خفی کے بغیر نفع ونقصان دیتا ہے جو کہ سبب مطلق کے ساتھ متحقق ہوتا ہے۔ اور یہ بھی ہر صاحب بصیرت پر ظاہر ہے یعنی سبب ظاہر وہ ہے جس کو مخلوق ایجاد کرتی ہے اور آنکھ اس کا محسوس اور ملموس ادراک کر سکتی ہے۔

---

[1] سورۃ البقرۃ ۸۹۔

[2] سورۃ الزمر ۳۔

اور سبب خفی وہ ہے کہ حواس جس کی صفات میں سے کسی صفت کا ادراک کر سکتے ہوں اور وہ فرشتہ و جن کا فعل اور معجزہ و کرامت ہے اور سبب مطلق وہ ہے کہ جو سبب خفی کو متحقق کرتا ہے اور وہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا حکم ہے کہ جو اسباب کے نفاذ کے بعد ان کو موقوف کرتا ہے جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے حاصل ہوا جبکہ آپ کو آگ میں ڈالا گیا تو اللہ تعالیٰ نے آگ کو حکم فرمایا:

يٰنَارُ كُوْنِيْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ۔ (1)

''اے آگ ہو جا ٹھنڈی اور سلامتی ابراہیم پر۔''

مولی تعالیٰ نے آگ سے جلانے کی صفت سلب فرمائی۔ اسی طرح کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام جب حضرت اسماعیل کو ذبح کرنے لگے اور ان کو پیشانی کے بل لیٹا یا تو چھری سے کاٹنے کی صفت کو سلب فرمالیا۔

اور اللہ تعالیٰ نے اس کو ندا دی:

اَنْ يّٰٓاِبْرٰهِيْمُ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْيَا۔ (2)

''ہم نے ندا فرمائی کہ اے ابراہیم بیشک تو نے خواب سچ کر دکھایا۔''

اور پانی سے غرق کرنے کی صفت چھین لی کشتی والوں کے لیے لہذا اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

كَلَّا لَوْ تَعْلَمُوْنَ عِلْمَ الْيَقِيْنِ لَتَرَوُنَّ الْجَحِيْمَ ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا عَيْنَ الْيَقِيْنِ۔ (3)

''ہاں ہاں اگر یقین کا جاننا جانتے تو مال کی محبت نہ رکھتے بے شک ضرور جہنم کو دیکھو گے پھر بے شک ضرور اسے یقینی دیکھنا دیکھو گے''

---

(1) سورۃ الانبیاء ۶۹۔
(2) سورۃ الصافات ۱۰۵۔
(3) سورۃ التکاثر ۵۔۶۔۷۔

پس علم الیقین سبب خفی اور جلی کا اتحاد ہے اور عین الیقین بندے کا تفویض مطلق ہے جبکہ وہ سبب اور مسبب کو ع پہچانتا ہے اور اس میں محکم سبب مطلق ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ جو اسباب خفی اور جلی کی قدرت کو سلب کر لیتا ہے پس پاکی ہے اس کو جو ہر شی پر قادر ہے اور اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اَمَّا السَّفِيْنَةُ فَكَانَتْ لِمَسَاكِيْنَ يَعْمَلُوْنَ فِي الْبَحْرِ فَاَرَدْتُّ اَنْ اَعِيْبَهَا وَكَانَ وَرَآءَهُمْ مَلِكٌ يَّاْخُذُ كُلَّ سَفِيْنَةٍ غَصْبًا وَاَمَّا الْغُلَامُ فَكَانَ اَبَوَاهُ مُؤْمِنَيْنِ فَخَشِيْنَا اَنْ يُّرْهِقَهُمَا طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ۔ فَاَرَدْنَآ اَنْ يُّبْدِلَهُمَا رَبُّهُمَا خَيْرًا مِّنْهُ زَكٰوةً وَّاَقْرَبَ رُحْمًا ۔ وَاَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلٰمَيْنِ يَتِيْمَيْنِ فِي الْمَدِيْنَةِ وَكَانَ تَحْتَهٗ كَنْزٌ لَّهُمَا وَكَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا فَاَرَادَ رَبُّكَ اَنْ يَّبْلُغَآ اَشُدَّهُمَا وَيَسْتَخْرِجَا كَنْزَهُمَا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ وَمَا فَعَلْتُهٗ عَنْ اَمْرِيْ ذٰلِكَ تَاْوِيْلُ مَالَمْ تَسْطِعْ عَّلَيْهِ صَبْرًا ۔ [1]

''وہ جو کشتی تھی وہ کچھ محتاجوں کی تھی کہ دریا میں کام کرتے تھے تو میں نے چاہا کہ اسے عیب دار کر دوں اور ان کے پیچھے ایک بادشاہ تھا کہ ہر ثابت کشتی زبردستی چھین لیتا اور وہ جو لڑکا تھا اس کے ماں باپ مسلمان تھے تو ہمیں ڈر ہوا کہ وہ ان کو سرکشی اور کفر پر چڑھا دے تو ہم نے چاہا کہ ان دونوں کا رب اس سے بہتر ستھرا اور اس سے زیادہ مہربانی میں قریب عطا کرے رہی وہ دیوار وہ شہر کے دو یتیم لڑکوں کی تھی اور اس کے نیچے ان کا خزانہ تھا اور ان کا باپ نیک

---

[1] سورۃ الکہف ۷۹۔۸۲۔

آدمی تھا تو آپ کے رب نے چاہا کہ وہ دونوں اپنی جوانی کو پہنچیں اور اپنا خزانہ نکالیں آپ کے رب کی رحمت سے اور یہ کچھ میں نے اپنے حکم سے نہ کیا یہ پھیر ہے ان باتوں کا جس پر آپ سے صبر نہ ہو سکا۔''

پہلی آیت میں مقام سبب جلی ہے جس کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے قول فَأَرَدتُّ کے ساتھ تعبیر کیا ہے پس یہ سبب جلی کا ارادہ ہے کہ جس کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ اپنی مخلوق میں سے جس کے ہاتھ پر چاہتا ہے جاری فرماتا ہے۔

پس کشتی کو توڑنا ظاہری سبب ہے بندہ کے تصرف سے اور اس سے کشتی اور سواروں کے ھلاک ہونے کا اندیشہ ہے لہذا اسی لیے حضرت موسی علیہ السلام نے اعتراض فرمایا مگر یہ خطاب حضرت خضر علیہ السلام سے مقام سبب جلی میں کیا اور سبب خفی کی تذکیر کی اور یہ بیان کیا کہ سبب جلی ہر شی نہیں ہے یہ واضح کرنے کے لیے کہ سبب جلی پر اعتماد کل شی نہیں ہے جیسا کہ خفی پر اعتماد کل شی نہیں ہے کیونکہ یہ دونوں اللہ تعالیٰ کی عنایت کے محتاج ہیں۔

لہذا جب حضرت خضر علیہ السلام نے حضرت موسی علیہ السلام سے بچے کے قتل کے بارے میں کلام کیا تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ان کے قول کو اس قول کے ساتھ تعبیر کیا فَأَرَدْنَا تو یہ دونوں ارادوں کا اجتماع ہے یعنی دونوں سببوں کا سبب خفی اور سبب جلی کا، تو حضرت موسی علیہ السلام کا حضرت خضر علیہ السلام پر اعتراض سبب خفی کے مقام پر سبب جلی کے ساتھ تھا اور وہ بچے کا قتل تھا اور حضرت خضر علیہ السلام نے حضرت موسی علیہ السلام کو تاکید کی کہ سبب خفی ہی ہر شی نہیں ہے بلکہ یہاں سبب مطلق ہے پس دیوار کو سیدھا کھڑا کرنے کو اللہ تعالیٰ نے اس طرح تعبیر فرمایا: فَأَرَادَ پس یہ ارادہ صاحب مقام جلی اور خفی پر مخفی رکھا گیا ان دونوں سے اس پر ایمان یقینی رکھنے کا مطالبہ کیا گیا۔ اور تسلیم وتفویض کا حکم کیا گیا ہے۔

لہذا حضرت خضر علیہ السلام نے جو ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ملا اس کو نافذ فرمادیا تینوں حالتوں میں پس یہ تینوں مراتب ایک حکم میں مشترک ہیں اور ایک حکم میں متفرق ہیں حضرت خضر علیہ السلام کے تصرف میں متفق ہے کشتی کو توڑنے، قتل کرنے اور دیوار کو سیدھا

کرنے میں کہ دیکھنے والے کو ان کا کام عبث لگتا ہے مگر حقیقت میں یہ راہنمائی ہے اور مراتب اعتقاد کی وضاحت ہے۔

پہلا مرتبہ جیسا کہ ہم نے بیان کیا کہ انسان کشتی میں سمندر کی موجوں میں ہوتا ہے اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف توجہ کیے ہوئے اور وہ اپنے آپ پر سبب جلی کے اثر کو بھول جاتا ہے حالانکہ وہ مقام سبب میں ہوتا ہے۔

لہٰذا حضرت خضر علیہ السلام نے اس کو توڑ دیا تاکہ ان پر ظاہر ہو جائے کہ سبب ظاہری ہر شئے نہیں ہے۔ تاکہ معتقد جادہ مستقیم پر آجائے ڈرتے ہوئے کہ کہیں وہ سبب خفی کے اثر کو نہ بھول جائے جو اس مقام کی اصل ہے پس مکلف سے مطالبہ کیا گیا ہے کہ وہ اعتقاد کے اعلیٰ مقام پر ہو اور وہ مقام اللہ تعالیٰ پر توکل مطلق کا مقام ہے۔

پس جب سبب جلی کا اثر واضح ہو گیا جس کی وجہ سے نفس اپنے اوپر سبب خفی کے اثر کو بھول جاتا ہے تو خضر علیہ السلام نے بچے کو سبب خفی کیساتھ قتل کر دیا اور حقیقت میں اس کو وہی ہلاک کرنے والا ہے اور یہ اس خوف سے ہے کہ وہ یہ اعتقاد نہ بنائے کہ سبب ظاہری ہی ہر شئی ہے تاکہ بندہ اپنے اعتقاد میں دونوں حقیقتوں کو جمع کرے کہ وہ دونوں سبب مطلق میں متلازم اور اکھٹی ہیں تاکہ بندہ کے لیے روشن ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ ہی ہر شئی پر قادر ہے اور وہ بڑا اور بلند ہے اور ایسا ہی کشتی کے غرق ہونے سے بچایا کہ توڑنے کے ساتھ جب اس کا غرق ہونا متحقق ہو گیا، اور اسی طرح بچے کا قتل کرنا حالانکہ ظاہر میں اس کو قتل کرنا جائز نہیں ہے انسانیت کی حرمت کی وجہ سے مگر یہ کہ اس کو قتل کیا گیا اللہ تعالیٰ کے ارادہ سے بوجہ اس کی اصل میں فساد ہونے کے تاکہ بچے کی زندگی والدین کو بدلے میں دوسرا بچہ دیکر ثابت کرے۔ پس ظاہر میں یہ دونوں متفق ہیں، اور حقیقت میں مختلف نہیں اور جب سبب خفی اور سبب جلی کا اثر ظاہر ہوا اور وہ دونوں ایک شئی میں جمع ہوتے ہیں اور وہ سبب مطلق ہے تو اس کا نتیجہ نکلا اور وہ دیوار کے کھڑے کرنے کے ساتھ ایمان کی صراحت کا قیام ہے اور اس میں واضح اشارہ ہے کہ دونوں اسباب خفی اور جلی کا سبب مطلق میں جمع ہونے کا نام

ایمان ہے وہ سبب مطلق جو اللہ تعالیٰ کے ارادہ سے متحقق ہوتا ہے۔

اور اس آیت میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے اشارہ ہے کہ صلاح اور صدق کا بندے پر اللہ تعالیٰ کے احسان کرنے میں بہت بڑا اثر ہوتا ہے ایمان کا وہ بلند درجہ ثابت کرنے کے ساتھ جو اللہ تعالیٰ کے ارادہ سے پھوٹتا ہے وہ ارادہ جو سبب جلی اور خفی دونوں سے جڑا ہوتا ہے۔

اور عالم شہادت میں سبب جلی کے انہدام کے وقت اس کا حال حدوث کا وجو با تقاضا کرتا ہے، پس حضرت خضر علیہ السلام کو دیوار کے کھڑے کرنے کا حکم ہوتا ہے یعنی سبب جلی کے ایجاد کے ساتھ جس کے تحت سبب خفی بھی ہے اور وہ خزانہ ہے اور اگر اللہ تعالیٰ اپنی حکمت اور قدرت سے ساکنان عالم شہادت کے لئے اپنی زندگی میں اسباب کو بروئے کار لانے کا فیصلہ نہ فرماتا تو وہ سلامتی سے زندگی نہ گزار سکتے اس علم کے باوجود کہ اللہ تعالیٰ قادر ہے کہ وہ سبب جلی کے بغیر بھی جو چاہے کرے۔ اور یہ ہی اللہ کا رنگ ہے کہ جس کو اس عالم پر مقدر کیا گیا ہے۔ اور اگر خصر علیہ السلام دیوار کو سیدھا نہ کرتے تو ہوسکتا تھا کہ وہ خزانہ ضائع ہو جاتا اور ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان دونوں کو اچانک اس سے آگاہ فرماتا لیکن بہت سے اختلافات پھوٹ پڑتے اور اس کی گواہی دینے والا کوئی نہ ہوتا۔

اس سے ایک بہت بڑی حقیقت واضح ہوتی ہے کہ یہاں اللہ تعالیٰ کا ''اراد'' کے قول کو بیان کرنا ضروری تھا کیونکہ یہ معدوم شئی کے ایجاد پر مترتب ہوتا ہے اور معدوم کا ایجاد کرنا اور بنانا اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے ہے۔ اور مخلوق اس کی تفویض یا تسخیر کے سوا اس پر استطاعت نہیں رکھتی۔ پس اس نے اپنے بندہ حضرت خضر علیہ السلام کو دیوار کے کھڑے کرنا تفویض کیا اور اسکا سبب بھی بتایا۔ جیسا کہ حضرت میکائیل علیہ السلام کو آسمان سے بارش نازل کرنے کا حکم فرمایا اور رزقوں کے بنانے کا اور حضرت جبرائیل علیہ السلام کو پیغامات کے نازل کرنے کا حکم فرمایا اور ملکوں کو ہلاک کرنے کا حکم دیا کہ جب ان کی زندگی بغاوت اور سرکشی میں گزرنے لگی اور ان پر بات واضح ہوگئی (یعنی ہلاک ہو گئے) اور حضرت ملک

الموت کو قبض ارواح کا حکم فرمایا لہذا اب ہمیں سبب جلی یا ظاہری پر ایمان لانا واجب ہوا سبب جلی اور مطلق پر پختہ اعتقاد کے ساتھ، اگرچہ سبب جلی ظہور میں قوی ہوتا ہے جبکہ عام انسان سے حقائق کے ادراک کو سلب کرلیا جاتا ہے۔

پس مثلاً نماز اللہ کی عبادت میں سبب جلی ہے لیکن سبب خفی اس میں خشوع ہے اور اسی طرح کعبہ کی طرف سجدہ سبب ظاہری ہے اور اسی میں سبب خفی سجدہ اللہ تعالیٰ کو ہے اور تمام عبادات اسی نسق پر چلتی ہیں اور یہی ایمان بالغیب ہے پس جو نبی یا ولی صالح سے کوئی توسل کرے گا تو اس کو کافر نہیں کہا جائے گا اور نہ ہی گمراہ کا اس پر اطلاق ہوگا جب تک کہ وہ یہ اعتقاد نہ رکھے کہ یہ دونوں اللہ تعالیٰ کے اذن کے بغیر ذاتی طور پر نفع ونقصان کے مالک ہیں کیونکہ بے شک حجر اسود نفع ونقصان دیتا ہے اور قیامت کے روز یہ اس کی گواہی دے گا کہ جس نے اس کا بوسہ لیا اور یہ بات حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو سمجھائی جب کہ حضرت امیر المؤمنین عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

و اللہ اني لأعلم أنک حجر لا تنفع ولا تضر ، و لو لا أني رأيت رسول اللہ يقبلک لما قبلتک۔[1]

”اللہ کی قسم مجھے علم ہے کہ تو پتھر ہے نہ تو نفع دیتا ہے اور نہ تو نقصان اور اگر میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو تجھے بوسہ دیتے ہوئے نہ دیکھتا تو میں تجھے کبھی بھی بوسہ نہ دیتا۔“

کیونکہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے لیے سبب جلی کی تجلی ہوئی تھی تو حضرت سیدنا مولیٰ علی رضی اللہ عنہ نے ان کو یہ بتلایا کہ اس میں صحیح یہ بات ہے کہ:

أنه ينفع و يضر۔[2]

---

[1] رواہ البخاری برقم ۱۵۹۷ و مسلم برقم ۱۲۷۰۔

[2] الحاکم فی المستدرک ۱ /۶۲۸، والمحب الطبری فی القری لقاصد أم القری ص ۲۷۹، میں اس زیادت کا ذکر کیا۔ اور امام ابن حجر عسقلانی نے کہا کہ ابن خزیمہ نے اس کو اپنی صحیح میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے، ان لهذا الحجر لسانا و شفتين يشهدان لمن استلمه يوم القيامة بحق، اور اسی طرح امام ابن حبان اور امام حاکم نے بھی اس کی تصحیح فرمائی ہے اور پھر امام ابن حجر نے فرمایا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تو نفع ونقصان نہیں دے سکتا تو اس سے مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر (فتح الباری ۳/ ۴۶۲)

''بے شک یہ نفع اور نقصان دے سکتا ہے۔''

لیکن اس میں حقیقی وذاتی نفع ونقصان کا اعتقاد رکھنا ممنوع ہے بلکہ یہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی شان ہے اور یہ حقائق ہیں پس جب ساحر جادوگر اور شیطان اللہ تعالیٰ کے اذن سے اثر رکھتے اور نقصان پہنچاتے ہیں اور اسی طرح حاسد اپنے حسد کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے اذن سے نقصان پہنچا سکتا ہے، تو نفع پہچانے والے اس کے حکم سے کیوں نفع نہیں پہنچا سکتے جبکہ نفع اللہ تعالیٰ کی رحمتوں میں سے رحمت ہے اور رحمت تو غضب سے سبقت لے جانے والی ہے لہذا یہ الزام صحیح نہیں مگر اس کے ساتھ کہ جس کے ساتھ لازم صحیح ہو کیونکہ رحمت سبقت رکھنے والی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَرَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ۔ [1]

اور میری رحمت ہر چیز کو گھیرے ہے۔

اور جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان حدیث قدسی میں ہے کہ:

سبقت رحمتي غضبي۔ [2]

''میری رحمت میرے غضب پر غالب آ گئی۔''

اور اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی تفسیر:

مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى۔ [3]

''ہم تو انہیں صرف اتنی بات کے لئے پوجتے ہیں کہ یہ ہمیں اللہ کے پاس نزدیک کر دیں۔''

---

[1] سورۃ الاعراف ۱۵۶۔

[2] رواہ البخاری (۷۵۵۳)، و مسلم (۲۷۵۱)، واحمد فی مسندہ ۲/۳۸۱، والخلال فی السنة ۱/۲۲۹ (۳۲۸) وابن ابی عاصم فی السنة ۱/۲۷۰، والطبرانی فی الاوسط ۳/۱۳۹ (۲۸۸۹)، من طریق ابی الرافع، عن ابی ہریرۃ۔

[3] سورۃ الزمر ۳۔

ابن تیمیہ کی رائے میں کہ مشرکین مکہ بتوں کی صرف تعظیم اور قربت حاصل کرت تھے عبادت نہیں کرتے تھے تو یہ بغیر جواز کے نص میں اپنی رائے قائم کرنا ہے کیونکہ تمام کے تمام مفسرین کے اقوال ابن تیمیہ کی اس تفسیر و تاویل کو رد کرتے ہیں ، بلکہ آیت کا منطوق تو ان لوگوں پر اللہ تعالیٰ کا غضب و غصہ اور ناراضگی کا اظہار ہے کہ جو سیدھے اور ہدایت کے راستے سے بھٹک گئے ہیں جو کہ اس نے اپنے بندوں کے لیے سنت بنایا ہے اور اپنی مراد کے مطابق اس کو متعین کیا ہے۔

پس یہ ان کی نظر کی خرابی اور انہوں نے سبب جلی کو اس کے حیز سے نکال دیا اور اس کو ان کی گمراہی کا سبب قرار دے دیا اور یہ فیصلہ نہ کیا کہ اس قضیہ کی بنیاد ہی غلط ہے۔

لہٰذا کوئی عاقل سلیم الذوق اور سلیم الفطرت ایسا قول نہیں کر سکتا جو کہ ابن تیمیہ نے کیا ہے۔ پس کفارِ مکہ نے جب دین حنیف سے انکار سے اعتراض کیا اور دنیا اور اس کی لذتوں میں مشغول ہو گئے ان کی سوچ بگڑ گئی اور ان کے ضمیر سیاہ ہو گئے تو وہ ایسے ہو گئے کہ حق و باطل میں فرق نہ کر سکتے تھے۔ تو اصل کو فرع اور فرع کو اصل سمجھتے تھے تو راستہ سے بہک گئے جب کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے صالحین کے ساتھ توسل مشروع فرمایا اس شرط پر کہ وہ یہ اعتقاد رکھیں کہ مؤثر سبب خفی ہے اور سبب مطلق کی مراعات رکھیں۔ اس لیے حق سبحانہ نے اس آیت میں ان لوگوں کے گمان کا بطلان فرمایا جبکہ انھوں نے بتوں کو سبب جلی بنالیا جیسا کہ کعبہ مشرفہ بلکہ اس سے بڑھ کر جب انھوں نے اصنام کو سبب خفی کی صفت عطا کر دی۔ تو ان کے لیے یہ راہ بن گئی کہ وہ کہیں مَا نَعْبُدُهُمْ اس لیے وہ ان کی عبادت کے ساتھ متھم کیے گئے جیسا کہ آیت میں ہے کہ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَا یعنی اللہ کی قربت حاصل کرنے کے لیے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے اس گمان کو رد کر کے جھٹلا دیا کیونکہ وہ خطا کار اور مخالف تھے جیسا کہ سبب ظاہری کا منکر ہوتا ہے جیسا کہ ابلیس جب اس نے انکار کیا اور نکل گیا حضرت آدم کو سجدہ کرنے سے۔ گویا کہ اللہ سبحانہ تعالیٰ ان کو فرماتا ہے تم ان کی عبادت کرتے ہو اور اصل کے لیے کچھ بھی نہ چھوڑا اور زیادہ موکد اس آیت پر ہوتا ہے کہ:

قُلْ یٰٓاَیُّهَا الْکٰفِرُوْنَ۔ لَآ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ۔[1]

''تم فرماؤ اے کافرو! نہ میں پوجتا ہوں جو تم پوجتے ہو۔''

پس تمھارا قیاس جس کو تم نے گمان کیا وہ سرے سے ہی باطل ہے اسی لیے جب اسلام آیا تو ہمارے آقا حضرت محمد ﷺ کی بعثت کے ساتھ یہ بات صحیح ثابت ہوگئی آپ ﷺ نے فرمایا:

انما بعثت لاتمم مکارم الاخلاق۔[2]

''بے شک میں اخلاق حسنہ کی تکمیل کے لیے مبعوث کیا گیا ہوں۔''

اور اخلاق کی تکمیل باعتبار سبب جلی ہے کیونکہ یہ عالم شہادت کے حقائق میں سے ہے، ظاہر میں سجدہ کعبہ کو ہے لیکن فی الحقیقت سجدہ اللہ تعالیٰ کو ہے جب ایمان کا تحقق لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے ساتھ متحقق ہوگیا تو عابد سے سبب خفی وجلی کے بارے نہیں پوچھا جائیگا کیونکہ ان دونوں کا تحقق کلمہ توحید میں ہو چکا ہے۔

اور اگر ان کو بھی اخذ کرے تو اس کے لیے زیادہ نفع بخش اور اکمل ہوگا، جیسا کہ فقہاء نے نیت کو حاضر کرنا نماز کے اکمال کے لیے اولی واکمل کہا ہے لیکن صحت نماز کے لیے تکبیر تحریمہ کے وقت اس کو یاد کرنا ہی کافی ہے کیونکہ مشقت تیسیر کو لاتی ہے جبکہ کامل نماز کے لیے استحضار مشکل ہے اور دین آسانی پر مبنی ہے، ایسے ہی حج کے مناسک ظاہر میں معتبد کے لیے ہیں اور یہ باطن میں عبادت اور قرب ہیں اور یہ دونوں سببوں کو ظاہر کرنے سے واقع ہوئے جو اللہ تعالیٰ کے ارادہ سے مرتب ہوتے ہیں اور یہی صراط مستقیم ہے:

---

[1] سورۃ الکٰفرون ۱۔۲۔

[2] رواہ البزار ۷/۹۲ (۲۶۴۸)، والبیھقی فی السنن الکبری ۱۰/۱۹۱، و شعب الایمان ۶/۲۳۰ (۷۹۷۷)، والقضاعی فی مسند الشھاب ۲/۱۹۲، والامام احمد ۲/۳۸۱ بلفظ "انما بعثت لأتمم صالح الاخلاق" امام ھیثمی نے مجمع الزوائد ۹/۱۵ میں فرمایا رواہ احمد و رجالہ رجال الصحیح، و رواہ البزار الا انہ قال: لأتمم مکارم الأخلاق۔ و رجالہ کذالک غیر محمد بن رزق اللہ الکلوذانی و ھو ثقۃ، و رواہ ابن ابی شیبۃ فی مصنفہ ۶/۳۲۴، و البخاری فی الادب المفرد ۱۰۴ (۲۸۸۳)

فِطْرَةَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا۔ [1]

''اللہ کی ڈالی ہوئی بنا جس پر لوگوں کو پیدا کیا۔''

پس ابن تیمیہ کا آیت متقدمہ کی تاویل مَا نَعْبُدُ هُمْ میں سراسر عقلی اور نقلی طور پر غلط اور خطاء ہے، اور اگر ہم اس کی اس تاویل کو پکڑیں تو یہ اللہ تعالیٰ کے قول کی تکذیب ہو گی اور شیخ ابن تیمیہ سے ہم اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے پس کبھی وہ خطا کرتا ہے اور اس پر تحریف کرتا ہے اور ہم اس مقام پر اس کی تفصیل میں نہیں جائیں گے تحقیق اس کی وضاحت ہم نے اپنی کتاب ''تصحیح المفاهيم العقدية'' میں کر دی ہے پس وہاں دیکھیں۔

عاقل وہ ہے جو حاصل کرے اور موفق وہ ہے جو استدراک کرے۔

والحمد لله رب العالمين۔

---

[1] سورۃ الروم ۳۰۔

دوسری بحث

قرآن کریم سے نقلی دلائل

جو شخص بھی اللہ تعالیٰ کی کتاب قرآن کریم میں نظر کرے گا تو وہ کثیر آیات توسل کے حق میں صراحتا یا تلویحا (اشارۃ) پائے گا اور یہ تمام آیات اس حقیقت کو واضح کرتی ہیں۔ ہم اللہ تعالیٰ کی کتاب میں سے کچھ آیات ایسی پیش کرتے ہیں کہ جو توسل کی حقیقت پر صراحت کے ساتھ دلالت کرتی ہیں اور مفسرین حضرات کے اقوال بھی ان کے ساتھ پیش کریں گے اور پھر اس سے اپنے مقتضی پر استنباط کریں گے۔

پہلی دلیل:

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ۔ (1)

اور صبر اور نماز سے مدد چاہو۔

اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں اپنی طرف معانی اور مبانی اقوال اور افعال کے ساتھ توسل کا حکم دیا ہے، پس صبر توسل بالمعانی والصفات سے اشارہ ہے اور نماز اشارہ ہے افعال اور ذوات کے ساتھ توسل کرنے سے۔ جبکہ توسل ان میں سے ایک کے ساتھ ہی تمام ہو گا یا صفات و معانی کے ساتھ یا افعال و ذوات کے ساتھ اور توسل بالمعانی کو ذوات پر مقدم کیا گیا کیونکہ ذوات صفات کے لیے اصل ہیں تو یہ ضروری ہے کہ اصل کو متاخر کیا جائے اور صفت کو مقدم کیا جائے۔ پس اللہ تعالیٰ کو پاکی ہے جس نے ہدایت دی ہے۔

(1) سورۃ البقرۃ ۴۵۔

دوسری دلیل:

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَكَانُوا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُونَ عَلَى الَّذِينَ كَفَرُوا فَلَمَّا جَاءَهُمْ مَا عَرَفُوا كَفَرُوا بِهِ فَلَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الْكَافِرِينَ۔

''اور اس سے پہلے وہ اسی نبی کے وسیلے سے کافروں پر فتح مانگتے تھے تو جب تشریف لایا ان کے پاس وہ جانا پہچانا اس سے منکر ہو بیٹھے تو اللہ کی لعنت منکروں پر۔''[1]

مفسرین کرام نے فرمایا کہ یہود جب جنگ کرتے اور ان کی تعداد کم پڑ جاتی اور دشمن غالب آنے لگتا تو وہ یوں کہتے:

اللهم انصرنا بالنبي المبعوث في آخر الزمان الذي نجد نعته -أي صفته- في التوراة، فكانوا ينصرون۔

''اے اللہ ہماری مدد اس نبی کے وسیلہ سے فرما جو آخری دور میں تشریف لائے گا جس کی صفت اور نعت ہم تورات میں پاتے ہیں تو ان کی مدد کی جاتی۔''[2]

امام ابن اسحاق نے اپنی سیرت میں کہا:

عاصم بن عمر بن قتادہ اپنی قوم میں سے کچھ لوگوں سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: عرب میں ہم سے زیادہ رسول اللہ ﷺ کی شان کو کوئی نہیں جانتا تھا، ہمارے ہاں یہود تھے اور اہل کتاب تھے اور ہم بتوں کے پجاری مشرک تھے جب کبھی ان کو ہماری طرف سے تکلیف پہنچتی تو وہ کہتے کہ اب وہ نبی مبعوث ہونے والے اور تشریف لانے والے ہیں جو سارے زمانے پر سایہ رحمت فرمائیں گے ہم ان کی اتباع کریں گے اور ان کے ساتھ مل کر تم سے ایسے قتال کریں گے جیسے قوم عاد اور قوم ارم کے ساتھ کیا تھا۔

---

[1] سورۃ البقرۃ ۸۹۔ [2] سورۃ البقرۃ ۸۹۔

اور جب آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے مبعوث فرمادیا تو ہم نے تو آپ ﷺ کی اتباع کی اور یہودیوں نے انکار کردیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے حق میں یہ آیت نازل فرمائی:

وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَلَمَّا جَآئَ هُمْ مَا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكَافِرِيْنَ۔

اور اس سے پہلے وہ اسی نبی کے وسیلے سے کافروں پر فتح مانگتے تھے تو جب تشریف لایا ان کے پاس وہ جانا پہچانا اس سے منکر ہو بیٹھے تو اللہ کی لعنت منکروں پر۔[1]

امام ابن جوزی نے فرمایا کہ:

یستفتحون :یستنصرون ، یعنی مدد طلب کرتے تھے یہود جب مشرکوں کے ساتھ جنگ کرتے تو نبی کریم ﷺ کے نام مبارک محمد ﷺ کے وسیلہ سے مدد طلب کرتے تھے۔[1]

اور امام قرطبی نے فرمایا کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ:

جب خیبر کے یہود، غطفان (ایک قبیلہ کا نام) کے ساتھ جنگ کرتے اور جب یہود کو شکست ہوتی تو یہودی اس طرح دعا کرتے تھے:

انا نسألک بحق النبي الأمي ، الذی وعد تنا أن تخرجه لنا فیآخر الزمان الا تنصرنا علیھم۔

---

① یہ سند ثابت ہے اور اس میں ابن اسحاق نے سماع کی صراحت کی ہے اور عاصم بن عمر بن قتادہ وہ ثقہ ہے اور اس کے شیوخ پوری جماعت ہیں جو ایک دوسرے کی تائد کرتے ہیں۔ پس اس اثر کی سند صحیح ہے اور مشہور ہے اور امام بیہقی نے دلائل النبوۃ ۲/ ۷۵۔۷۶ میں اس کو روایت کیا ہے اور امام طبری نے اپنی تفسیر ۱/ ۴۵۵ میں اور اس اثر کی تائید میں دیگر روایات بھی ذکر کی ہیں جو کہ ایک دوسرے کی تائید کرتی ہیں۔

② زاد المسیر ۱/ ۱۱۴۔

اے اللہ ہم تجھ سے اس نبی امی کے وسیلہ سے دعا مانگتے ہیں کہ جس کا تو نے ہم سے وعدہ فرمایا ہے کہ اس کو آخری زمانے میں بھیجے گا تو ان کی مدد کی جاتی۔

تو فرمایا کہ جب انہوں نے یہ دعا مانگی اور غطفان کے سامنے گئے تو غطفان شکست کھا کر بھاگ گئے۔ تو جب رسول اللہ ﷺ مبعوث ہوئے تو انہوں نے انکار کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

وَكَانُوا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُونَ عَلَى الَّذِينَ كَفَرُوا

''اور اس سے پہلے وہ اسی نبی کے وسیلے سے کافروں پر فتح مانگتے تھے۔''

یعنی اے محمد ﷺ آپ کے وسیلہ سے فتح مانگتے تھے۔[1]

امام بیہقی نے اس اثر کو اپنی سند کے ساتھ دلائل النبوۃ میں دیگر کئی روایات کے ساتھ روایت کیا جو ایک دوسری کی تائید کرتی ہیں۔[2]

حضرت امام رازی نے فرمایا کہ اس آیت کے سبب نزول میں کئی وجوہات ہیں، ان میں سے ایک تو یہ ہے کہ:

نبی اکرم ﷺ کی تشریف آوری سے پہلے اور قرآن پاک کے نزول سے قبل یہودی فتح طلب کرتے یعنی فتح اور نصرت کی دعا کرتے اور وہ کہتے تھے:

اللهم افتح علينا وانصرنا بالنبي الأمي۔

''اے اللہ! ہمیں نبی امی ﷺ کے وسیلہ سے فتح دے اور ہماری مدد فرما۔''[3]

امام ابوحیان اندلسی نے فرمایا کہ:

يستفتحون أي : يستحكمون أو يستعلمون أو يستنصرون

یعنی فیصلہ طلب کرتے یا علم طلب کرتے یا مدد طلب کرتے۔ جب وہ دشمن کے مقابل جنگ میں جاتے تو کہتے:

---

[1] تفسیر القرطبی ۲/۲۶-۲۷۔ [2] دلائل النبوۃ للبیہقی ۲/۷۶۔ [3] تفسیر کبیر ۳/۱۸۰۔

اللهم انصرنا عليهم بالنبي المبعوث في آخر الزمان الذي نجد نعته في التوراة۔

''اے اللہ ان کے خلاف ہماری مدد فرما اس نبی ﷺ کے صدقے کہ جو آخری زمانے میں مبعوث ہوگا اور جس کی نعت ہم تورات میں پاتے ہیں''[1]

زمخشری، وخازن اور اسماعیل حقی اور شیخ زادہ نے حاشیہ بیضاوی اور علامہ آلوسی نے بھی اسی طرح اپنی اپنی تفاسیر میں فرمایا۔[2]

تیسری دلیل:

حق تعالیٰ کا فرمان ہے کہ:

يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا اتَّقُوْا اللّٰهَ وَابْتَغُوْا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ۔

''اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اس کی طرف وسیلہ ڈھونڈو۔''[3]

زمخشری نے کہا کہ:

الوسيلة كل ما يتوسل به، أي :يتقرب من قرابة أو صنيعة أو غير ذلک۔[4]

امام عبد بن حمید، فریابی، ابن جریر، ابن المنذر، ابن ابی حاتم نے حضرت قتادہ سے اللہ تعالیٰ کے اس قول وَابْتَغُوْا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ کے بارے میں فرمایا کہ۔القربۃ: قرب ڈھونڈنا۔[5]

---

[1] تفسیر بحر المحیط ۱/۳۰۳۔

[2] تفسیر الکشاف ۱/۳۴۹، وتفسیر خازن ۱/۶۵، وروح البیان ۱/۱۷۹، حاشیہ شیخ زادہ علی البیضاوی ۱/۳۴۹، وروح المعانی ۱/۱۷۹۔

[3] سورۃ المائدہ ۳۵۔

[4] تفسیر کشاف للزمخشری ۱/۳۳۶۔

[5] تفسیر در منثور للسیوطی ۳/۷۱۔

امام طبری نے اسی آیت کی تفسیر میں حضرت ابو وائل سے روایت کی، وَابْتَغُوْا اِلَیْهِ الْوَسِیْلَةَ قال: القربة في الأعمال۔ یعنی اعمال میں قرب حاصل کرو۔

اور اسی طرح حضرت امام عطا سے بھی روایت کی ہے وَابْتَغُوْا اِلَیْهِ الْوَسِیْلَةَ قال: القربة۔ یعنی وسیلہ بمعنی قرب ہے۔

اور پھر امام سدی سے روایت کی کہ

یَآاَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْا اِلَیْهِ الْوَسِیْلَةَ

قال المسألة و القربة۔ یعنی سوال اور قرب۔

اور اسی طرح امام مجاہد سے روایت کی انہوں نے فرمایا کہ: وَابْتَغُوْا اِلَیْهِ الْوَسِیْلَةَ قال: القربة الى الله عز و جل۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قرب حاصل کرنا۔[1]

اور امام حاکم نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ:

انہوں نے ایک قاری کو سنا کہ وہ پڑھ رہا تھا:

یَآاَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْا اِلَیْهِ الْوَسِیْلَةَ

قال: القربة، ثم قال : لقد علم المحفوظون من أصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم أن ابن أم عبد من أقربهم الى الله وسيلة۔[2]

"اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اس کی طرف وسیلہ ڈھونڈو۔ تو آپ نے فرمایا کہ قرب اور پھر فرمایا صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے محفوظ علم والے جانتے ہیں کہ حضرت سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ان میں سب سے زیادہ اللہ کے قرب کا وسیلہ ہیں۔"

اور امام طبری نے ابن زید سے اسی آیت کی تفسیر میں فرمایا کہ:

---

[1] تفسیر الطبری ۱۰/۲۹۱۔

[2] رواہ الحاکم ۲/۳۱۲، وهو على شرط الشيخين اور یہ حدیث توسل بالذوات پر بہت بڑی دلیل ہے۔

وَابْتَغُوْا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ قال: المحبة، تحببوا الى الله و قرأ
أُولٰئِكَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ يَبْتَغُوْنَ اِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِيْلَةَ

''وسیلہ محبت کو کہتے ہیں اور اللہ کے ساتھ محبت کرو اور پڑھا۔ وہ مقبول بندے جنہیں یہ کافر پوجتے ہیں وہ آپ ہی اپنے رب کی طرف سے وسیلہ ڈھونڈتے ہیں۔''

اور ابو بکر عبد الرحمن مخیون نے اپنی کتاب ''سهام الموحدين في حناجر المارقين'' میں کہا کہ:

اور حاصل کلام یہ ہے کہ وسیلہ: سبب اور قرب یعنی ہر وہ چیز کہ جس کے ساتھ تقرب حاصل کیا جائے اور کچھ لوگوں نے اس آیت میں فرمایا۔

یہاں حکم سے مراد تقویٰ للعمل ہے اور وسیلہ: ذوات شریفہ ہیں تکرار سے بچتے ہوئے کیونکہ اگر ہم وسیلہ کو عمل کی طرف پھیرتے ہیں تو یہ گزرے ہوئے حکم کی تاکید ہوگی اور اگر ہم اس کو ذوات فاضلہ کی طرف پھیریں تو یہ تاسیس ہوگی اور تاسیس تو کید سے بہتر ہے۔ اور یہ فصیح بات کے لائق ہے۔[1]

اور اللہ تعالیٰ کے فرمان:

وَرَبُّكَ أَعْلَمُ بِمَنْ فِي السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْض وَلَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِيِّيْنَ عَلٰى بَعْضٍ وَّاٰتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا۔ قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ فَلَا يَمْلِكُوْنَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ وَلَا تَحْوِيْلًا أُولٰئِكَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ يَبْتَغُوْنَ اِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِيْلَةَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ وَيَرْجُوْنَ رَحْمَتَهٗ وَيَخَافُوْنَ عَذَابَهٗ اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُوْرًا۔

[1] سهام الموحدين في حناجر المارقين ٢٢۔

اور تمہارا رب خوب جانتا ہے جو کوئی آسمانوں اور زمین میں ہے اور بے شک ہم نے نبیوں میں ایک کو ایک پر بڑائی دی اور داؤد کو زبور عطا فرمائی۔ تم فرماؤ پکارو انہیں جن کو اللہ کے سوا گمان کرتے ہو تو وہ اختیار نہیں رکھتے تم سے تکلیف دور کرنے اور نہ پھیر دینے کا وہ مقبول بندے جنہیں یہ کافر پوجتے ہیں وہ آپ ہی اپنے رب کی طرف سے وسیلہ ڈھونڈتے ہیں کہ ان میں کون کون زیادہ مقرب ہے اس کی رحمت کی امید رکھتے اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں بیشک تمہارے رب کا عذاب ڈر کی چیز ہے۔[1]

حضرت علامہ محدث عبداللہ بن الصدیق الغماری رحمۃ اللہ معترضین کا رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

اس آیت میں ایسے لوگوں کے لیے توبیخ کی دلالت ظاہر ہے کہ جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے سوا معبود بنا لیے اور ان کی طرف نظر تقرب اور وسیلہ سے دیکھتے ہیں اور انہوں نے کہا:

مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى۔

''ہم تو انہیں صرف اتنی بات کے لئے پوجتے ہیں کہ یہ ہمیں اللہ کے پاس نزدیک کردیں''[2]

پھر آپ رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ:

جس کا گمان ہے کہ یہ آیت مسلمانوں کے انبیاء کے ساتھ توسل کرنے میں عام ہے تو اس نے غلطی کی اور یہ قول والے غلط راستے پر چل رہے ہیں کیونکہ انہوں نے نص خاص کو عام عموم مطلق بنا دیا اور ان پر متعدد وجوہ سے رد ہوتا ہے۔

---

[1] سورۃ الاسراء ۵۵۔۵۷۔

[2] سورۃ الزمر ۳۔

پہلا رد:

یہ آیت جنوں کو پوجنے والوں کے حق مین نازل ہوئی جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے، لہٰذا اس کو انہی پر رکھنا اور دُوسروں پر اطلاق نہ کرنا واجب ہے کیونکہ اس میں فعل کہ جس کے ساتھ ان کو مخاطب کیا گیا وہ ادعوا مثبت ہے اور فعل مثبت عام نہیں ہوتا اور آجکل جو مصیبت معترضین کو پڑی ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ وہ مشرکین پر نازل ہونے والی آیات کو مومنوں پر چسپاں کرر ہے ہیں اور یہ بہت بڑی فحش غلطی ہے۔

دوسرا رد:

اگر ہم مان لیں کہ یہ عام ہے یعنی بقول ابو عبد اللہ البصری المعتزلی کے کہ "یہ خطاب عام ہے قائل کا کہنا افعلوا استغراق پر حمل کیا جائے گا تو یہ آیت عام ہوگی اور اس طرح اس کا مفہوم ومعنی کہ یہ آیت جنوں اور جنات کے علاوہ دیگر چیزوں کو پوجنے والے جیسا کہ مشرکین کرتے تھے کہ فرشتوں کی عبادت اور بتوں کو پوجتے تھے، لیکن یہ پھر بھی مسلمانوں جو کہ اللہ تعالیٰ سے اپنے نبی ﷺ کے وسیلہ سے مانگتے ہیں وہ اس میں شامل نہیں ہونگے کیونکہ فعل یہ صلاحیت نہیں رکھتا کہ خطاب ان کو ہو نہ لغوی طور پر اور نہ ہی شرعی طور پر۔

تیسرا رد:

اس فرمان کا معنی اُدْعُوا الَّذِیْنَ زَعَمْتُمْ ان سے مانگتے طلب کرتے (متصرف بالذات سمجھ کر) اور ان کی طرف راغب ہوتے اور یہ چیزیں متوسل میں نہیں پائی جاتیں اور نہ ہی اس پر ان کو منطبق کیا جا سکتا ہے کیونکہ متوسل تو اللہ تعالیٰ سے مانگتا ہے اور ان کے وسیلہ سے اسی کی طرف راغب ہوتا ہے۔

چوتھا رد:

اس میں اختلاف نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے فرمان: یَدْعُوْنَ یَبْتَغُوْنَ اِلٰی رَبِّهِمُ

الْوَسِيْلَةَ میں یدعون کے دونوں مفعول محذوف ہیں تو یہ جائز نہیں کہ یہ تقدیر میں وہ لوگ ہوں کہ جوان کو وسیلہ سمجھ کر پکارتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان زَعَمْتُمْ مِنْ دُوْنِهٖ اس تقدیر سے منع کرتا ہے تو اس سے متعین ہوا کہ (محذوف) یدعونهم الهة ہو کہ وہ ان کو الہ سمجھ کر پکارتے اور پوجتے ہیں جیسا کہ حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس کو مقدر مانا ہے اور یہی قول اس کی تائید کرتا ہے جو کہ آیت سے صادر ہوتا ہے۔

اقول: (میں غماری) کہتا ہوں کہ اس سے ظاہر ہوا کہ یہ آیت کفار کی توبیخ کے لیے نازل ہوئی ہے اور اس میں قائل کے لیے عموم کا استدلال درست نہیں ہے۔

امام حافظ ابن حجر نے فرمایا:

استمر الانس الذين كانوا يعبدون الجن على عبادة الجن ، والجن لا يرضون بذلك لكونهم أسلموا ، و هم الذين صاروا يبتغون الى ربهم الوسيلة۔

''وہ لوگ جو جنات کی پوجا کرتے تھے وہ جنوں کی عبادت پر قائم رہے اور جن ان سے راضی نہ تھے کیونکہ وہ مسلمان ہو گئے تھے اور اپنے رب کی بارگاہ میں وسیلہ ڈھونڈتے تھے۔''[1]

یہ اس آیت کی تفسیر میں معتمد ہے بلکہ اس آیت کی وہ تفسیر ظاہر ہے جو امام بخاری اور مسلم نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے بیان کی ہے آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ:

كان نفر من الانس يعبدون نفرا من الجن ، فأسلم النفر من الجن، فاستمسك الآخرون بعبادتهم ۔

---

[1] فتح الباری ۸/۳۹۸۔

''انسانوں کی ایک جماعت جنوں کی ایک جماعت کی عبادت کرتی تھی پھر جنوں کے گروہ نے اسلام قبول کرلیا تو دوسرے بدستور ان کی عبادت کرتے رہے۔''[1]

اور یہاں ایک اور وجہ ہے کہ اس میں قطعی دلالت ہے کہ اس آیت میں توبیخ کفار کی طرف متوجہ ہے اگرچہ ان کے معبودان میں ان کے شرک کی مختلف اقسام تھیں۔

اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں توسل ان معبودات سے جاری امر ہے اور آیت کا آخر توسل کے جواز پر دلالت کرتا ہے۔

امام بغوی نے اپنی تفسیر میں فرمایا:

أُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ یَبْتَغُوْنَ اِلٰی رَبِّھِمُ الْوَسِیْلَةَ

یعنی

الذین یدعونهم المشرکون أنهم آلهة یُعبدونهم قال ابن عباس و مجاهد: و هم عیسی و أمه و عزیز و الملائکة والشمش والقمر و النجوم ،یَبْتَغُوْنَ أي: یطلبون الی ربهم الوسیلة ، أي :القربة ، و قیل: الوسیلة الدرجة العلیا ، أي یتضرعون الی الله تعالیٰ ۔ وقوله :اَیُّھُمْ اَقْرَبُ معناه ینظرون أیهم أقرب الی الله فیتوسلون به۔ وقال الزجاج: أیهم أقرب یبتغي الوسیلة الی الله تعالیٰ ، و یتقرب الیه بالعمل الصالح۔

---

[1] بخاری (۴۷۱۵)، و مسلم (۳۰۳۰) فی التفسیر، و اللفظ له۔★قلت : فی الصحیح مسلم "واستمسک الانس بعبادتهم ۔وهو لفظ بالمعنی ۔وأخرجه الحاکم فی المستدرک ۲/۳۹۴ ۔بسند سوائ۔ و قال صحیح علی شرط مسلم۔

''وہ مقبول بندے جنہیں یہ کافر پوجتے ہیں وہ آپ ہی اپنے رب کی طرف سے وسیلہ ڈھونڈتے ہیں''یعنی مشرکین ان کو پکارتے ہیں اور ان کی عبادت کرتے ہیں۔ حضرت ابن عباس اور حضرت مجاھد رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ وہ جن کی عبادت کرتے تھے۔ وہ حضرت عیسی اور ان کی والدہ اور حضرت عزیر اور فرشتے، سورج، چاند، اور ستارے تھے یَبْتَغُوْن یعنی وہ اپنے رب کی بارگاہ میں وسیلہ تلاش کرتے ہیں یعنی قرب تلاش کرتے ہیں اور کہا گیا ہے کہ وسیلہ، درجہ علیا، کو کہتے ہیں اور کہا گیا ہے کہ وسیلہ ہر وہ چیز کہ جس سے اللہ کا قرب حاصل کیا جائے اَيُّهُمْ أَقْرَبُ اس کا معنی یہ ہے کہ وہ دیکھتے ہیں کہ اللہ کے نزدیک ان میں سے کون ہے تو اس سے وہ اللہ کی بارگاہ میں توسل کرتے ہیں۔ امام زجاج نے کہا کہ ان میں سے کون زیادہ قریب ہے کہ اللہ کی بارگاہ میں اس کو وسیلہ بنائیں اور عمل صالح کے ساتھ اس کا قرب پکڑیں۔ [1]

اور امام آلوسی نے اپنی تفسیر ''روح المعانی'' میں فرمایا کہ:

امام جوز الحوفی اور زجاج نے جائز سمجھا کہ اَيُّهُمْ أَقْرَبُهم بتدا اور خبر ہوں اور جملہ محل نصب میں بینظرون ،أي: یفکرون غور فکر کرتے ہیں اب معنی یہ ہوگا کہ وہ دیکھتے ہیں کہ کون زیادہ قریب ہے تو اس سے توسل کرتے ہیں [2] [یعنی ان کی دعا سے توسل کرتے ہیں کیونکہ توسل بالذوات میں اختلاف ہے] (قوسین کے درمیان والا کلام امام آلوسی کا نہیں ہے)

بہت سارے محققین نے اس پر خبردار کیا ہے کہ حضرت آلوسی بغدادی کے بیٹے (نعمان شکری آلوسی) نے اپنے باپ کی تفسیر میں جا بجا تصرف بے جا کیا ہے بلکہ بعض

---

(1) معالم التنزیل للبغوی ۳/۵۰۳۔

(2) روح المعانی ۱۵/۹۹۔

محققین میں سے ان مقامات پر تحریف کر دی ہے ان محققین میں سے علامہ زاہد الکوثری ہیں انہوں نے اپنی کتاب ''تکملۃ الرد علی نونیۃ ابن القیم'' میں فرمایا اللہ تعالیٰ مادیت کا بیڑا غرق کرے یہ جہاں بھی داخل ہوتی ہے تو اس کو خراب کر دیتی ہے اور وہ (نعمان آلوسی) اپنے والد کی تفسیر کے شائع کرنے میں بھی امین نہیں ہے اگر کوئی شخص اس تفسیر کا مقابلہ مخطوط (قلمی نسخے) کے ساتھ کرے جو کہ آجکل مکتبہ راغب پاشا استنبول میں محفوظ ہے اور یہ وہ نسخہ ہے جو کہ مصنف نے سلطان عبد المجید کو ہدیہ بھیجا تھا تو وہ میری اس بات پر مطمئن ہو جائے گا یعنی اس کو پتہ چل جائے گا کہ نعمان نے اس کتاب میں تحریف وتصرف کیا ہے، ہم اللہ تعالیٰ سے سلامتی طلب کرتے ہیں۔[1]

اے قاری محترم یہ بات تیرے اوپر اس وقت واضح ہو جائے گی جب کہ تو تفسیر روح المعانی میں سورۃ وَالنَّازِعَاتِ غَرْقًا پڑھے گا تو تجھے معلوم ہو جائے گا کہ یہ زیادت (جو ابھی گذری) منکر ہے۔

تفسیر سورۃ النازعات میں کہا:

وَالنَّازِعَاتِ غَرْقًا۔ وَالنَّاشِطَاتِ نَشْطًا۔ وَالسَّابِحَاتِ سَبْحًا۔

''قسم ان کی کہ سختی سے جان کھینچیں اور نرمی سے بند کھولیں اور آسانی سے تیریں۔''[2]

اس تفسیر میں بعض اقوال کرنے کے بعد کہا اور کہا گیا ہے کہ:

روح کی جسم سے مفارقت کے وقت نیک نفوس کی کئی اقسام ہیں اور یہ مفارقت لازمی ہے کہ وفات سے جب وہ ابدان سے نکلتی ہے یعنی نزع شدید ہوتی ہے، اغرق

---

[1] السیف الصقیل في الرد ابن زفیل للتقي الدین السبکي و معه تکملة الرد علی نونیة ابن القیم للشیخ الکوثري ص ۱۶۵۔

[2] سورۃ النازعات ۱۔۲۔۳۔

الناس فی القوس سے ماخوذ ہے (یعنی کمان کو زور سے کھینچا) جب کہ کھینچنا غایت تک پہنچ جائے حتی کہ تیر کے بھالے تک کھینچ لے۔ کیونکہ روح کی بدن سے مفارقت مشکل ہوتی ہے جبکہ وہ اس سے مالوف ہو۔ یہ بدن اکتساب خیر کے لئے ان نفوس کی سواری تھا وہ ان میں زیادتی کا گمان رکھتے ہیں پھر خوشی ونشاط سے عالم ملکوت کی طرف روانہ ہوتے ہیں اور فضائے بسیط میں تیرتے ہوئے حظائر قدس کی طرف تیزی سے بڑھتے ہیں اور اپنے شرف اور قوتِ روحانی کی وجہ سے مدبرات میں شامل ہو جاتے ہیں یعنی فرشتوں سے لاحق ہو جاتے ہیں یا مدبرہ ہونے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔

جیسا کہ امام آلوسی نے فرمایا ہے کہ:

اس کے ظاہر ہونے کے بعد اس کے آثار ظاہر ہوتے ہیں اور اس کے مختلف احوال ہوتے ہیں عالم میں پس آدمی اپنے شیخ کو اس کی وفات کے بعد دیکھتا ہے کہ وہ اس کو رشد وہدایت دیتا ہے اور اس کے مشکل معاملات میں جو اس کو پیش آتے ہیں۔

اور جالینوس سے نقل ہے کہ وہ ایسے مرض میں مبتلا ہو گیا کہ تمام حکماء اس کے علاج سے عاجز آ گئے تو اس کو خواب میں بتلایا گیا کہ فلاں علاج کرو تم تندرست ہو جاو گے پھر اس نے خواب میں پورا علاج بیان کیا جب جالینوس نے وہ علاج آزمایا تو اس کو بیماری سے آفاقہ ہو گیا اس کو امام غزالی نے ذکر فرمایا ہے، اور اسی لیے کہا جاتا ہے (یہ حدیث نہیں مقولہ ہے) کہ جب تم کسی مسئلہ میں پریشان ہو جاؤ تو اہل قبور یعنی اصحاب نفوس ذکیہ سے استعانت مانگو اور اس میں شک نہیں کہ ان کے زائر کو روحانی مدد ان کی برکت سے حاصل ہوتی ہے اور بہت سارے لوگوں کی حاجات پوری ہوئیں جب انہوں نے ان کی حرمت وعزت سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں توسل پیش کیا۔

اور بعض نے اس کو ''مُوْتُوْا قَبْلَ اَنْ تَمُوْتُوْا''[1] کے ساتھ متمثل کیا ہے

---

[1] کشف الخفاء میں عجلونی نے کہا کہ حافظ ابن حجر عسقلانی نے کہا ثابت ہے اور ملا علی قاری نے کہا کہ یہ صوفیہ کے کلام میں سے ہے۔ ۲ / ۳۸۴۔ ارشد مسعود عفی عنہ)

اور سورہ نازعات کی تفسیر سدی سے مروی ہے مگر انہوں نے کہا کہ وہ جماعت ہے کہ جن کی ارواح موت کے وقت اپنے رب کی طرف نکلتی ہیں ''وَالنَّاشِطَاتِ بِهَا'' اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی ایسی ہی روایت ہے مگر انہوں نے فرمایا کہ یہ مومن نفوس ہیں کہ موت کے وقت خوشی سے خارج ہوتے ہیں ''وَالسَّابِقَاتِ بِهَا''، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے مگر انہوں نے اس طرح فرمایا کہ یہ ارواح مومنین ہیں جو کہ ملائکہ کی طرف سبقت کرتی ہیں کہ جو ان کو قبض کرتے ہیں اور وہ خوشی اور سرور دیکھتیں ہیں اور کہا گیا ہے کہ یہ نفوس کی اقسام ہیں اور ان کے سلوک کا حال بیان کیا جارہا ہے اور عبادت میں اجتہاد کے ساتھ ظاہر و باطن میں ان کی تطہیر اور معارف الھیہ تک ترقی کا بیان ہے کہ وہ شہوات سے نکل جاتے ہیں اور عالم قدس میں خوش رہتے ہیں اور مراتب ارتقا میں تیرتے اور کمالات تک پہنچتے ہیں حتی کہ نفوس ناقصہ کے لیے مکمل کرنے والے بن جاتے ہیں ۔۔۔۔اور اس میں توقف اور نہیں کرنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اپنے اولیاء میں سے جس کو چاہتا ہے ان کی وفات کے بعد مکرم و معزز بناتا ہے جیسا کہ وفات سے قبل ان کو مکرم و محترم بناتا ہے۔اور اس کی وجہ سے مریض کو تندرست ،غرق ہونے والے کو بچاتا، اور دشمن کے خلاف مدد فرماتا اور بارش نازل فرماتا ہے اسی طرح دیگر کام اس کی کرامت کے طور پر اور بعض اوقات اللہ سبحانہ وتعالیٰ ان کی مشابہت صورت ظاہر فرماتا ہے اور اس کی حرمت کے ساتھ اگر سوال کیا جائے تو اللہ تعالیٰ پورا فرماتا ہے اور اس میں سائل کے لیے اجابت میں کوئی گناہ نہیں ہے۔[1]

اور اہل علم میں سے ایک بڑے اجل عالم نے اس آیت کی تفسیر بیان فرماتے ہوئے فرمایا کہ:

---

[1] روح المعانی ۲۴/۲۹-۲۵۔

اور وسیلہ کہ جس کی تشریح کی گئی ہے وہ توصل اور تقرب ہے اور بعض اوقات یہ اس پر استعمال ہوتا ہے کہ جس کے ساتھ پہنچا جاتا یا تقرب حاصل ہوتا ہے اور یہی شاید سیاق کے زیادہ انسب ہے کیونکہ اس کے بعد یہ قول ہے اَیُّھُمْ اَقْرَبُ کہ کون رب کے زیادہ قریب ہے۔ اور اس کا معنی (واللہ اعلم) یہ ہے کہ وہ مشرک لوگ ملائکہ، جنات، انسانوں کو پوجتے تھے اور ایسی چیز کو تلاش کرتے تھے جس کے ساتھ وہ اپنے رب کا قرب حاصل کریں اور یہ دیکھتے تھے کہ ان میں سے کون زیادہ مقرب ہیں کہ اس کی اقتدا کی جائے تاکہ اللہ تعالیٰ کا تقرب ملے جیسا کہ اس کو تقرب ملا یعنی جس کو پوج رہے ہیں وَ یَرْجُوْنَ رَحْمَتَهٗ ہر اس سے کہ جن سے ان کے وجود میں مدد طلب کرتے تھے وَ یَخَافُوْنَ عَذَابَ وہ اطاعت کرتے ہیں نافرمانی نہیں کرتے اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُوْرًا بے شک تیرے رب کا عذاب تو اس سے بچنا اور ڈرنا چاہیے۔ اور اللہ تعالیٰ کی طرف اس کے بعض مقربین کا توسل جیسا کہ آیت کریمہ میں ہے اس کے قریب اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا اتَّقُوْا اللّٰهَ وَابْتَغُوْا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ۔

''اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اس کی طرف وسیلہ ڈھونڈو۔''[1]

اس سے بچتے ہوئے کہ جو بتوں کے پجاری مشرک کرتے ہیں کیونکہ فرشتوں، جنوں اور اولیاء کا وسیلہ اللہ کی بارگاہ میں لاتے ہیں اور اس کی عبادت ترک کر دیتے ہیں نہ اس سے امید رکھتے ہیں اور نہ ہی اس سے ڈرتے ہیں اور وہ وسیلہ کو ہی پوجتے ہیں اور اسی کی رحمت چاہتے ہیں اور اسی کی ناراضگی سے ڈرتے ہیں پھر ان ارباب اور معبودوں کے

---

[1] سورۃ المائدہ ۳۵۔

لئے بتوں اور تماثیل کو وسیلہ بناتے ہیں، ان کو چھوڑ دیتے اور بتوں کی عبادت کرتے ہیں، اور ذبائح اور قربانیوں میں ان کا تقرب حاصل کرتے ہیں، اور بالجملة وہ اللہ تعالیٰ کے بعض بندوں کے ذریعے یا اس کی کسی مخلوق کے بت بنا کر اس کی بارگاہ کا قرب تلاش کرتے ہیں پھر وہ وسیلہ کی ہی مستقل عبادت کرتے ہیں اور اسی کو مستقل بالذات سمجھ کر ان سے امید کرتے اور ڈرتے ہیں اللہ کے سوا، پس وہ ربوبیت اور عبادت میں ان کو استقلال عطا مان کر شرک کرتے ہیں ''اولئک الذین یدعون'' سے مراد کیا ہے اگر ان کی مراد اس سے فرشتے ہوں جنات میں سے مقربین ہوں یا انبیاء اور اولیاء انسانوں میں سے ہوں تو ان کے وسیلہ چاہنے اور رحمت کی امید رکھنے اور عذاب کا خوف رکھنے سے مراد وہی ہے جس کا ظاہر قریب الفہم ہے اور اگر ان کی مراد اس سے زیادہ عام ہوحتی کہ اس میں شامل ہوں مردود شیطان اور فاسق انسان جن کی وہ پوجا کرتے تھے جیسے فرعون اور نمرود وغیرہ تو اللہ تعالیٰ کی طرف ان کے وسیلہ سے مراد ان کا خضوع ان کے سجدے اور ان کی تسبیح تکوینی ہوگی جس کا ذکر کیا جاتا ہے۔ اور اسی طرح ان سے امید وخوف ان کو ذاتی متصرف سمجھتے ہوئے کرتے ہیں۔[1]

اور آیت کی تفسیر میں توسل کے ارتباط کا معنی انبیاء مذکورین کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے اس قول میں کہ:

وَلَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِيِّينَ عَلَىٰ بَعْضٍ وَّاٰتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا۔

''اور بے شک ہم نے نبیوں میں ایک کو ایک پر بڑائی دی اور داؤد کو زبور عطا فرمائی''۔[2]

---

[1] المیزان فی تفسیر القرآن ۱۲۷/۷۔۱۲۸ بتصرف یسیر۔
[2] سورۃ الاسراء ۵۵۔

اور ''یَدْعُوْنَ'' میں ضمیر انہی کی طرف لوٹتی ہے پس تقدیر عبارت یوں ہوگی:

''أُولٰئِکَ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ الْاَنْبِیَاءَ یَبْتَغُوْنَ بِهِمْ اِلٰی رَبِّهِمُ الْوَسِیْلَةَ أَیُّهُمْ أَقْرَبُ یَرْجُوْنَ رَحْمَتَهٗ وَیَخَافُوْنَ عَذَابَهٗ'' اور اس معنی کی طرف امام فخر الدین الرازی گئے ہیں۔ [1] اور دیگر وجوہ کے ساتھ یہ وجہ بھی انہوں نے اس آیت کی تفسیر بیان کرتے ہوئے کہی ہے۔ اس کی شہادت یہ ہے کہ حضرات انبیاء کرام رب کی رحمت چاہتے ہیں اور عذاب سے ڈرتے ہیں بخلاف ملائکہ کے کیونکہ وہ غیر مکلفین ہیں بلکہ وہ مامور ہیں اور اس قول کو اس طرح رد کیا ہے ہم کہتے ہیں ملائکہ بھی اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرتے ہیں اگر وہ گناہ پر اقدام کریں تو اسی طرح اللہ کا فرمان ہے:

وَمَنْ یَّقُلْ مِنْهُمْ اِنِّیْٓ اِلٰهٌ مِّنْ دُوْنِهٖ فَذٰلِکَ نَجْزِیْهِ جَهَنَّمَ۔

''اور ان میں جو کوئی کہے کہ میں اللہ کے سوا معبود ہوں تو اسے ہم جہنم کی جزا دیں گے۔'' [2]

پس یہاں وسیلہ: یہ عبادت وسیلہ پر مشتمل ہے کیونکہ اس سے پہلے تقوی کا حکم دیا گیا ہے اور عبادت میں قرآنی طریقہ یہی ہے کہ وہ اکثر جگہ عبادت سے پہلے تقوی کا حکم دیتا ہے یہاں جہاد کا عطف تقوی پر ہے اور جہاد نہیں ہوتا مگر عبادات کے ساتھ کیونکہ عبادات بعینہ مجاہدات ہیں:

وَالَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا۔

''اور جنہوں نے ہماری راہ میں کوشش کی۔'' [3]

یعنی اپنی جانوں سے استقامت اور اثبات وطاعات کے ساتھ جہاد کرتے ہیں۔ حکم خداوندی ہے:

---

[1] تفسیر کبیر ۲۳۱/۲۰۔۲۳۲۔

[2] سورۃ الانبیاء ۲۹۔

[3] سورۃ العنکبوت ۶۹۔

وَأْمُرْ أَهْلَكَ بِالصَّلَاةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا لَا نَسْأَلُكَ رِزْقًا نَحْنُ نَرْزُقُكَ وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰى۔

''اور اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم دے اور خود اس پر ثابت رہ کچھ ہم تجھ سے روزی نہیں مانگتے ہم تجھے روزی دیں گے اور انجام کا بھلا پرہیز گاری کے لئے۔''[1]

اور فرمان الٰہی ہے:

وَاسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ وَإِنَّهَا لَكَبِيرَةٌ إِلَّا عَلَى الْخَاشِعِينَ۔

''اور صبر اور نماز سے مدد چاہو اور بے شک نماز ضرور بھاری ہے مگر ان پر نہیں جو دل سے میری طرف جھکتے ہیں۔''[2]

پس ہر عبادت وسیلہ ہے اور ہر وسیلہ عبادت نہیں ہے۔

پس مفسرین کے اقوال سے ہمیں یہ معلوم ہو گیا کہ وسیلہ کا معنی ہے جس کے ساتھ قرب حاصل کیا جائے۔ الف۔ لام استغراق کے لیے ہے جیسا کہ اصولیین نے کہا ہے پس یہ تمام توسلات پر مشتمل ہے وہ اعمال کے ساتھ ہوں یا ذوات اور دعا کے ساتھ کے ہوں۔

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان:

يَبْتَغُونَ إِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِيلَةَ۔

''وہ آپ ہی اپنے رب کی طرف سے وسیلہ ڈھونڈ تے ہیں۔''[3]

میں وسیلہ قرب کے معنی میں ہے یعنی جس کے ساتھ یا ذریعے قربت حاصل کی جائے یہاں اس سے مراد عبادت نہیں ہے کیونکہ اس کے مابعد أَيُّهُمْ ہے جو کہ تخییر کا فائدہ دیتا ہے اور ''ھاء'' مقربین اور مقبولین کی طرف عائد ہے اس لیے صحیح وسیلہ کے لیے ضروری ہے کہ اس میں تین شرائط پائی جائیں۔

---

[1] سورۃ طٰہٰ ۱۳۲۔ [2] سورۃ البقرۃ ۴۵۔ [3] سورۃ الاسراء ۵۷۔

جیسا کہ حضرت شیخ سید اختر خان الحسینی نے ذکر فرمایا ہے اور یہی حق ہے:

① وسیلہ ایسا ہو کہ ماذون من اللہ ہو۔

② متوسل بہ کا عمل، وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مقبول ہو۔

③ متوسل بہ رسول اللہ ﷺ کی سنت کا متبع ہو۔

میں کہتا ہوں: ان حقائق تک پہنچنے کے بعد اس کے متعلق کچھ معانی ذکر کرتا ہوں اور عقلمند دوست کو چاہیے کہ وہ اس آیت کریمہ کے اس معنی پر مشتمل ہونے کا ادراک کرے جس معنی کے بارے میں ہم بات کررہے ہیں کیونکہ یہ جھگڑے کو ختم کریں گے۔

حضرات انبیاء کرام میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی گئی ہے اور بعض کو بعض پر زیادہ قربتِ خداوندی عطا فرمائی گئی ہے۔ اور یہ حقیقت ہے کہ جس سے تواضع اور خضوع، تذلل اللہ جل مجدہ الکریم کے لیے ظاہر ہوتا ہے اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے فضل کا اعتراف عمیق ہے لہذا اس سے ہمارے لیے بھید ظاہر ہوتا ہے کہ جس کو قلیل لوگ جانتے ہیں اور وہ تاریخی حقیقت ہے۔ اور زمانے کے گذرے ہوئے طویل دور میں دونوں رسالتوں کے در میان لوگوں کی فکر وسوچ کا انعکاس ہے، سابقہ انبیاء کرام علیہم السلام کی رسالتیں۔

اور نبی اکرم ﷺ کی ختم رسالت تو درمیانی وقت میں اللہ کی فطرت سے دوری اور سماوی ہدیت سے بعد کی وجہ سے مفاہیم بگڑ گئے۔ اور ان میں نفس پرستی اور شخصیت پرستی غالب آگئی جس نے حق وباطل کو ملتبس کردیا، اور ان میں اجتماعی طور پر جہالت نے جنم لیا اور جہالت کا خیمہ اردگرد ہر قوم پر چھا گیا تو صالحین کے ساتھ تقرب عبادت کی شکل اختیار کر گیا حالانکہ اس سے پہلے وہ قرب تھا یہ معانی صورت محسوس کے ساتھ مختلف اشکال میں قائم ہو گئے جن سے ان پر اوھام کے بادل چھا گئے اور شیطان نے انہیں اس طرف لگا دیا اور وہ اس کو اپنی سمجھ اور گمان میں اقرب تصور کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ نے ان کے اس گمان کا رد کیا اور واضح فرمادیا کہ اس کی طرف سے وہ کسی عہد کے مالک نہیں ہیں اور جو اللہ کے ساتھ معاملہ کرنا تھا انھو نے مخلوق کے ساتھ شروع کردیا اور اسی طرح فرشتوں، جنوں

اور بتوں، سورج، چاند وغیرہ معبودات کے پجاری کہ جنہوں نے اللہ تعالیٰ پر سے اعتماد قطع کر دیا وسیلہ مشروعہ اور غیر مشروعہ میں تخلیط کی وجہ سے تو حق تعالیٰ نے ان کو جھڑکا اور ان کے اس فعل کو غلط قرار دیا۔

پھر اعجازِ قرآنی نے سابقہ انبیاء کرام کے سیرت کہ جس سے مشرک ہمارے آقا ﷺ خاتم النبین کی رسالت میں غلطی کھا گئے تھے کو واضح فرمایا۔ گویا کہ اللہ تعالیٰ اس آیت میں مشرکین کے لیے واضح فرما رہا ہے جن کے ساتھ تم تقرب حاصل کرتے ہو وہ کسی نفع نقصان کے مالک نہیں مگر باذن اللہ تعالیٰ سوائے بتوں کے۔ کیونکہ متقرب اس سے تقرب حاصل کرے گا جو اس سے افضل ہوگا جیسا کہ ہم نے ذکر کیا پس حضرات انبیاء کہ جن میں بعض کو بعض پر فضیلت دی گئی ہے وہ آخر الزماں سے توسل کرتے تھے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان واضح کرتا ہے:

وَلَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِيِّيْنَ عَلٰى بَعْضٍ وَّاٰتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا۔

اور بے شک ہم نے نبیوں میں ایک کو ایک پر بڑائی دی اور داؤد کو زبور عطا فرمائی۔[1]

مفسرین نے فرمایا:[2]

اس میں نبی اکرم ﷺ کے مقام و مرتبہ کا اظہار ہے جو کہ زبور شریف میں ہے اور اس کے تائید سورۃ بقرۃ کی اس آیت سے بھی ہوتی ہے:

وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا۔

''اور اس سے پہلے وہ اسی نبی کے وسیلے سے کافروں پر فتح مانگتے تھے۔''[3]

---

[1] سورۃ الاسراء 55۔

[2] تفسیر الطبری (8/94) والدر المنثور (5/303) تفسیر الرازی (20/230)۔

[3] سورۃ البقرۃ 89۔

اور وہ تشریف آوری سے پہلے کفار پر فتح کی دعا مانگتے تھے یعنی اللہ تعالیٰ سے آپ کے وسیلہ سے دعا مانگتے تھے۔ جیسا کے ہم نے پچھلے صفحات میں واضع کیا۔

جیسا سورہ اسراء یہ آیت بھی اس کے تائید کرتی ہے۔ اس وجہ سے کہ آپ اقرب ہیں اور وہ آپ کی رحمت چاہتے تھے۔ اور رب کریم کی سب سے بڑی رحمت تو ہمارے آقا و مولیٰ حضرت محمد ﷺ ہیں اور یہ قرآن میں منصوص ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِیْنَ۔

''اور ہم نے تمہیں نہ بھیجا مگر رحمت سارے جہانوں کے لئے۔''[1]

چوتھی دلیل:

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَلَوْ اَنَّھُمْ اِذْظَّلَمُوْا اَنْفُسَھُمْ جَآءُوْکَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰہَ وَاسْتَغْفَرَلَھُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوااللّٰہَ تَوَّابًا رَّحِیْمًا۔

''اور اگر جب وہ اپنی جانوں پر ظلم کریں تو اے محبوب ﷺ تمہارے حضور حاضر ہوں اور پھر اللہ سے معافی چاہیں اور رسول ان کی شفاعت فرمائے تو ضرور اللہ کو بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں۔''[2]

حضرت امام فخر الدین الرازی نے اپنی تفسیر میں فرمایا:[3]

اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَاسْتَغْفَرَ لَھُمُ الرَّسُوْلُ اور رسول ان کے لیے استغفار کرے اور رسول اللہ ﷺ کے اجلال و عزت کے لیے یہ نہیں فرمایا کہ تو ان کے لیے استغفار کرے اور جب (گنہگار) آئیں تو اس ذات کے پاس آئیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنی رسالت کے ساتھ مختص فرمایا ہے اور اپنی وحی

---

[1] سورۃ الانبیاء 107۔ [2] سورۃ النسا 64۔ [3] تفسیر کبیر 10/162۔

کے ساتھ عزت بخشی اور اپنے اور اپنی مخلوق کے درمیان سفیر بنایا اور جو ایسا ہو تو اللہ تعالیٰ اس کی شفاعت رد نہیں کرتا اس لیے اس میں لفظ خطاب کی بجائے غائب کا لفظ استعمال کیا ہے۔ جیسا کہ ہم نے ذکر کیا۔

امام ابو سعود اپنے تفسیر میں [1] میں فرماتے ہیں وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ اور انہوں نے اپنے نفسوں کو عذاب کے لئے پیش کر دیا یعنی نفاق کے عذاب پر، جس کے وہ مرتکب ہوئے آپ کی اطاعت کو ترک کر کے اور دوسروں کو حاکم بنا کے۔

جَآءُوْكَ۔ بغیر تاخیر کے جیسا کہ تقدیم ظرف سے فصاحت ہوتی ہے اپنے پرانے اور نئے گناہوں سے بری ہونے کے لئے آپ کا وسیلہ پکڑتے ہوئے اور اپنے گناہوں میں یہ ارادہ کر کے اضافہ نہیں کرتے کہ وہ ان کو باطل طریقے سے معذرت کر کے اور جھوٹی قسمیں کھا کر چھپالیں گے۔ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ اللہ سے معافی طلب کریں توبہ اور اخلاص کے ساتھ اور آپ کے طرف تضرع میں مبالغہ کرتے ہوئے حتی کہ آپ ﷺ ان کے لئے اللہ کی بارگاہ میں شفاعت کرنے والے ہو جائیں اور ان کے لیے استغفار کریں جیسا کہا گیا ہے وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ اس میں خطاب سے غائب کے لفظ کی طرف عدول کا طریقہ اپنایا گیا۔ نبی اکرم ﷺ کی شان وعظمت سمجھانے کے لیے اور آپ ﷺ کے استغفار کی تعظیم کے لیے اور اس تنبیہ کرتے ہوئے کہ آپ ﷺ کی شفاعت قبول ہوتی ہے لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا تو وہ ضرور اللہ تعالیٰ کے بارے میں جان جائیں گے کہ وہ ان کی توبہ قبول کرنے میں مبالغہ فرماتا ہے اور اپنی رحمت سے ان پر فضل فرماتا ہے۔ اور اگر ''لوجدوا'' کی تفسیر مصادفہ (پانا) سے کی جائے تو اللہ تعالیٰ کا فرمان توابا حال ہوگا اور رحیما اس کا بدل منہ یا ضمیر سے حال ہوگا جو کہ اس میں ہیا ور اس کی جو بھی ترکیب ہو اس میں سامعین کے لئے توبہ و استغفار کی طرف جلدی کرنے کی ترغیب

[1] تفسیر ابو سعود 2/197۔

اللہ سے توبہ کرتے ہوئے معافی مانگیں وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ اور اللہ کا رسول ان کے لیے استغفار کرے جب وہ عذر پیش کریں حتی کہ رسول ان کے لیے شفیع بن جائیں۔ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تو اللہ کو پائیں گئے یعنی ان کے لیے متحقق ہو جائے گا تَوَّابًا رَّحِيْمًا توبہ قبول کرنے والا رحم فرمانے والا۔ یعنی ان کی توبہ قبول کرنے اور ان پر رحمت اور بخشش کا فضل فرمانے والا پائیں گئے۔ اور وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ میں خطاب سے عدول کیا گیا ہے یعنی اسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ نہیں فرمایا گیا تو یہ عدول نبی کریم ﷺ کی شان سمجھانے کے لیے اور اس پر تنبیہ ہے کہ رسول ﷺ کا کرم یہ ہے کہ توبہ کرنے والوں کا عذر قبول فرماتے ہیں اگر ان کا جرم کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو اور ان کی شفاعت فرماتے ہیں اور یہی آپ کی جلالت اور شان ومنصب کے لائق ہے کہ آپ کبائر گناہوں کی شفاعت فرمائیں۔

زمخشری نے ''الکشاف'' (۱/۷۷۲) میں فرمایا:

اور اگر وہ طاغوت کے احکام مان کر اپنی جانوں پر ظلم کرلیں تو نفاق سے توبہ کرتے ہوئے تیری بارگاہ میں حاضر ہو جائیں اور اپنے کیے پر پشیمان ہوں اور اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے اس کی معافی مانگیں اور آپ کی بارگاہ میں عذر پیش کرنے میں مبالغہ کریں آپ کی بارگاہ میں آپ کے احکام اور فیصلے ٹھکرا کر آپ کو تکلیف پہنچانے کے گناہ سے بھرپور معذرت اور مبالغہ سے عذر پیش کریں یہاں تک کہ آپ ان کے لیے اللہ کی بارگاہ میں شفیع اور استغفار کرنے والے بن جائیں تو وہ اللہ کو توبہ قبول کرنے والا پائیں گئے۔ اور یہ نہیں فرمایا استغفرت لھم الرسول کہ آپ ان کے لیے استغفار کریں بلکہ یہ فرمایا وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ یعنی رسول ان کے لیے استغفار فرمائیں تو یہ آپ ﷺ کی تفخیم شان اور آپ کے استغفار کی تعظیم کے لیے ہے: اور تنبیہ

ہے کہ جس کا نام رسول ہے اس کی اللہ کی بارگاہ میں بڑی عزت ہے۔

پس اس آیت کا سبب نزول اگر چہ ایسے منافقین کے بارے میں ہے کہ جو طاغوت کو اپنا حکم مانتے تھے لیکن ہے یہ عام یہ ہر گناہ گار اور خطا کار کے لیے ہے۔ کیونکہ اس میں جو ظلم مذکور ہوا ہے وہ ہر معصیت کو شامل ہے۔

اور یہ آیت نبی کریم ﷺ کے ساتھ حیات ووفات میں توسل کرنے کے جواز پر دلالت کرتی ہے۔

کیونکہ اس میں دونوں فعل یعنی مجیء اور استغفار سیاق شرط میں واقع ہوئے ہیں اور جو فعل سیاق شرط میں واقع ہو تو وہ عموم پر دلالت کرتا ہے۔ اور آپ ﷺ کی ظاہری حیات میں آپ ﷺ استشفاع توسل کرنے میں اختلاف نہیں ہے۔[1]

یہاں وہ واقع بیان کرنا اچھا ہے کہ جس کو محدثین اور حفاظ کی ایک جماعت نے بطریق محمد بن حرب الباھلی بیان روایت کیا ہے۔

امام محمد بن حرب الباھلی فرماتے ہیں کہ میں مدینہ شریف حاضر ہوا اور نبی اکرم ﷺ کی قبر انور پر حاضر ہوا تو ایک دیہاتی اونٹ پر آیا اونٹ سے اتر کر اس نے اونٹ کی نکیل باندھی اور قبر انور پر آیا اور بڑے اچھے طریقے سے سلام عرض کیا اور بڑے خوبصورت انداز میں دعا مانگی، پھر عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ میرے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان ہوں اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو وحی کے ساتھ مخصوص فرمایا اور آپ ﷺ پر کتاب نازل فرمائی اور اس میں تمام اولین وآخرین کے علوم نازل فرمائے۔

اور اسی کتاب میں یہ حکم بھی نازل فرمایا:

وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا۔

---

[1] اتحاف الاذکیاء بجواز التوسل باالانبیاء والاولیاء للسید عبداللہ الغماری ص ۱۳۔

"اور اگر جب وہ اپنی جانوں پر ظلم کریں تو اے محبوب ﷺ تمہارے حضور حاضر ہوں اور پھر اللہ سے معافی چاہیں اور رسول ان کی شفاعت فرمائے تو ضرور اللہ کو بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں۔"

پس میں آپ ﷺ کی بارگاہ میں گناہوں کا اعتراف کرتے ہوئے حاضر ہوں میں آپ کو آپ کے رب کی بارگاہ میں شافع بنا کر پیش کرتا ہوں اور اس نے آپ ﷺ سے وعدہ فرمایا ہے، پھر قبر منورہ کی طرف متوجہ ہوا اور کہا:

یا خیر من دفنت بالقاع اعظمه　　فطاب من طیبهن القاع والاکم

انت النبی الذی ترجی شفاعته　　عند الصراط اذا ما زلت القدم

لولاک ما خلقت شمس ولا قمر　　ولا نجوم ولا لوح ولا قلم

صلی الاله علیک الدهر أجمعه　　فأنت أکرم من دانت له الأمم

نفسی فداء لقبر انت ساکنه　　فیه العفاف و فیه الجود والکرم

اے زمین میں دفن ہونے والوں میں سب سے بہتر شخصیت آپ کی خوشبو سے میدان اور فضائیں معطر ہو گئیں آپ ہی وہ نبی ہیں جن کی شفاعت کی امید کی جاتی ہے جب پل صراط پر قدم ڈگمگائیں گے، اگر آپ نہ ہوتے تو سورج اور چاند پیدا نہ کیے جاتے اور نہ ستارے اور نہ لوح اور نہ ہی قلم پیدا ہوتی سارے زمانے کی گنتی کے مطابق آپ ﷺ پر اللہ کی طرف سے درود ہو آپ تمام انبیاء کرام علیہم السلام میں سب سے زیادہ مکرم ہیں میری جان اس قبر مقدسہ پر قربان جہاں آپ ﷺ محو استراحت ہیں اور اس میں سخاوت و بخشش اور جود و کرم ہے۔

پھر اپنی سوار پر سوار ہوا اور چلا گیا میرا خیال ہے کہ ان شاء اللہ اس کو بخشش کا پروانہ مل گیا میں نے اس سے زیادہ بلیغ کلام نہیں سنا۔

امام عتبی رحمہ اللہ نے یہ واقعہ ذکر کیا اور اس کے آخر میں یہ الفاظ زیادہ کئے ہیں:
مجھ پر نیند غالب آئی تو میں نے نبی اکرم ﷺ کو خواب میں دیکھا آپ ﷺ
نے فرمایا: اے عتبی دیہاتی سے مل اور اس کو بشارت دے کہ اللہ تعالیٰ نے
اسے معاف فرمادیا ہے۔

اور ایک روایت میں ہے پس میں لیٹا تو میں نے نبی اکرم ﷺ کو دیکھا آپ ﷺ فرما
رہے تھے اس آدمی کو مل اور اس کو بشارت دے کہ اللہ تعالیٰ نے تجھے میری شفاعت سے
بخش دیا ہے۔[1]

ابن بشکوال کی سند سے یہ واقع بیان فرمایا! اور اس کی سند میں محمد بن محمد النعمان
الباھلی متروک الحدیث تہذیب (۳/ ۳۹۰) وتقریب التہذیب (۶۲۷۵) اور اس کا
تابع ابو یزید الرقاشی ہے اور بعض نسخ میں ابوزید الرقاشی ہیں اور وہ یزید بن ابان الرقاشی
نہیں ہے۔

امام بیہقی نے اپنی کتاب شعب الایمان میں فرمایا:

"اخبر نا ابو علی الرو ذ با ر ی حدثنا عمر بن محمد بن محمد حسین بن بقیۃ املا ء حدثنا شکر الھر وی حدثنا ابو یزید الر قا شی عن محمد بن رو ح ابن یزید البصر ی حد ثنی ابو حرب الھلا لی قا ل: حج اعرا بی الی با ب مسجد ر سو ل اللّٰہ اناخ۔

---

[1] حافظ ابن بشکوال نے اپنی کتاب "القربۃ الی رب اللعالمین بالصلاۃ علی محمد سید المر سلین (۱۲۱-۱۲۲ بر قم ۱۲۵) میں فرمایا: انبانا ابو محمد ابن قاسم حدثنا عبد اللہ بن محمد البصری حدثنا ابو بکر احمد بن محمد بن الفضل الاھوازی حدثنا ابو شبل محمد بن محمد بن النعمان بن شبل الباھلی حدثنا روح الرقاشی قال حدثنی محمد بن حرب الباھلی "بہ" اور امام ابن النعمان المزالی نے اپنی کتاب مصباح الظلام (خ ط ۶۱ ب)

کہ ایک اعرابی نے حج کیا پھر مسجد نبوی شریف ﷺ کے دروازے پر آیا تو اپنے سواری سے اترا سواری کی نکیل کو باندھا پھر مسجد شریف میں داخل ہوا یہاں تک کہ قبر منورہ تک پہنچا اور رسول اللہ ﷺ کے مواجہہ شریف کے سامنے کھڑا ہو گیا اور کہا:

السلام علیک یا رسول اللہ۔

اور پھر حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ پر سلام بھیجا پھر رسول اللہ ﷺ کے مواجھہ شریف پر آیا اور کہا: یا رسول اللہ ﷺ آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں میں آپ کے پاس گناہوں میں گھرا ہوا اور خطاؤں کے انبار لے کر آیا ہوں۔ میں آپ کے رب کے حضور آپ کو بطور توسل پیش کرتا ہوں کیونکہ اس نے اپنی کتاب میں فرمایا ہے:

وَلَوْ اَنَّھُمْ اِذْظَّلَمُوْا اَنْفُسَھُمْ جَآءُ وْکَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰہَ

اپنے گناہوں سے معافی مانگو:

وَاسْتَغْفَرَلَھُمُ الرَّ سُوْلُ لَوَجَدُوااللّٰہَ تَوَّابًا رَّحِیْمًا

اور اے میرے آقا میں آپ کی بارگاہ میں گناہوں اور خطاؤں میں گھرا ہوا آیا ہوں میں آپ کو رب کی بارگاہ میں بطور توسل پیش کرتا ہوں کہ وہ میرے گناہوں اور خطاؤں کو معاف فرمادے۔

اور پھر گناہوں کو بخش دے آقا میری شفاعت فرمایئے اور پھر لوگوں کی طرف متوجہ ہوا اور اس نے کہا:

یا خیر من دفنت بالقاع أعظمه فطاب من طیبھن القاع والأکم
نفسی الفداء لقبر أنت ساکنه فیه العفاف و فیه الجود والکرم

اوراس روایت کے علاوہ میں ہے کہ فطاب من طیبه القیعان والأکم
اورابو یزید الرقاشی کا تابع ''ابن الفضیل النحوی'' ہے۔
حافظ ابن النجار نے الدرة الثمینة فی اخبار المدینة (ص ۲۲۳۔ ۲۲۴) میں فرمایا!

اخبر نا عبد الرحمٰن بن ابی الحسین فی کتابه اخبر نا ابوالفرج بن احمد اخبر نا احمد بن نصیر اخبر نا محمد بن القاسم سمعت علی بن غالب الصونی یقول سمعت :ابراهیم بن محمد المزکی یقول :سمعت ابا الحسن الفقیه یحکی عن الحسن بن محمد عن ابن فضیل النحوی عن محمد بن روح عن محمد بن حرب الهلالی قال:

حضرت امام محمد بن ھلالی کہتے ہیں کہ میں مدینہ شریف میں حاضر ہوا اور نبی اکرم ﷺ کی قبر منورہ پر آیا پس ایک اعرابی آیا اور قبر منورہ کی زیارت کی، اور پھر اس نے کہا: یا خیر المرسلین اللہ عزوجل نے آپ ﷺ پر سچی کتاب نازل فرمائی اور اس میں حکم فرمایا:

ولو انهم اذ ظلموا ......اور جب وہ اپنی جانوں پر ظلم کرلیں اور تیری بارگاہ میں حاضر ہوکر اللہ سے معافی مانگیں اور رسول اللہ ﷺ اس کے لیے استغفار کریں تو وہ اللہ کو توبہ قبول کرنے والا پائیں گے اور میں اللہ سے اپنے گناہوں کی معافی مانگنے کے لیے حاضر ہوا اور آپ سے استغفار چاہتا ہوں اور یہ اشعار کہے:

یا خیر من دفنت بالقاع اعظمه فطاب من طیبهن القاع والاکم
انت النبی الذی ترجی شفاعته عند الصراط اذا ما زلت القدم
نفسی فداء لقبر انت ساکنه فیه العفاف وفیه الجود والکرم

پھراس نے استغفار کیا اور چلا گیا۔ پھر میں لیٹ کر سو گیا تو میں نے نبی اکرم ﷺ کو ملاحظہ فرمایا کہ آپ نے فرمایا کہ ''اس آدمی کو مل اور اس کو خوشخبری دے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو میری شفاعت کے ساتھ بخش دیا ہے۔

اور ابن الجوزی نے مثیر الغرام الساکن (۱/ ۳۰۱۔ ۳۰۳) میں فرمایا

اخبر نا عبد الخالق بن یو سف انبا نا احمد بن ابی نصر انبا نا محمد بن قا سم الفاسی قال سمعت غالب بن علی الصوفی یقول سمعت ابراہیم بن محمد المزکی یقو ل ۔سمعت ابا الحسن الفقیه یحکی عن الحسین بن محمد عن ابن فضیل النحو ی عن محمد بن رو ح عن محمد بن حر ب . . .

حضرت امام محمد بن حرب الھلالی نے کہا کہ جب میں مدینہ شریف پہنچا پھر میں قبر رسول ﷺ پر آیا۔ پس ایک اعرابی آیا۔ قبر شریف کی زیارت کی اور اس نے کہا۔

یا خیر الرسل اللہ تعالیٰ نے آپ پر سچی کتاب نازل فرمائی اور اس میں ارشاد فرمایا:

وَلَوْ اَنَّھُمْ اِذْظَّلَمُوْا اَنْفُسَھُمْ جَآءُوْکَ فَاسْتَغْفَرُوااللّٰہَ۔۔۔ الخ

میں آپ کی بارگاہ میں آپ کے توسل سے اپنے رب کے حضور اپنے گناہوں کی معافی طلب کرتے ہوئے آیا ہوں۔ پھر وہ رویا اور یہ شعر کہے:

یا خیر من د فنت با لقاع اعظمه فطا ب من طیبھن القاع وا لا کم

نفسی فداء لقبر انت سا کنه فیه العفا ف و فیه الجود والکر م

پھر استغفار کیا اور چلا گیا۔ میں سو گیا تو میں رسول اللہ ﷺ کو دیکھا آپ فرمارہے تھے اس شخص سے ملو اور اس کو بشارت دے دو کہ اللہ تعالیٰ نے میری شفاعت کے ساتھ اس کو

بخش دیا ہے۔

امام ابن عساکر نے تاریخ دمشق (جیسا کہ مختصر تاریخ دمشق الا بن منظور ۲/۴۰۸ میں ہے اور یہ نسخہ مسند میں) امام ابن بشکوال نے ''القربۃ'' میں روایت کی۔ اور محمد بن عبداللہ کہتے ہیں کہ (محمد بن عبید اللہ بن عمرو بن معاویہ بن عمرو بن عتبہ بن ابی سفیان صخر بن حرب المتوفی (۲۲۸) نے اس خبر کو ذکر کیا اور اس میں یہ الفاظ زیادہ نقل کیے۔

مجھ پر نیند غالب آئی تو میں نے رسول اللہ ﷺ کو خواب میں دیکھا آپ ﷺ نے فرمایا یا عبتی اس اعرابی کو مل اور اس کو بشارت دے کہ اللہ عزوجل نے اس بخش دیا ہے۔

اور سمعانی نے ذیل میں (جیسا کہ کنز العمال ۴/۲۵۸۔۲۵۹ میں ہے) فرمایا:

اخبر نا ابو بکر هبة الله ابن الفرج اخبر نا ابو القاسم یوسف بن محمد بن یوسف الخطیب اخبر نا ابو القاسم عبد الرحمن بن عمرو بن تمیم المودب ثنا ابن علی بن ابراهیم بن علان نا علی بن محمد بن علی حدثنا احمد بن الهیثم الطائی حدثنا ابی عن ابیه عن سلمة بن کهیل عن ابی صادق عن علی بن ابی طالب قال:

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کے دفن ہونے کے تین دن بعد [1] اس کا ترجمہ غفرلہ کے قلم سے الحمد للہ'' آیئے قرب خداوندی پائیں'' کے نام سے۔

ایک اعرابی آیا اور اپنے آپ کو نبی اکرم ﷺ کی قبر مبارک پر گرا دیا اور اس

[1] کاروان اسلام پبلیشکنز لاہور پاکستان سے چھپ چکا ہے (مترجم غفرلہ)

کی پاک مٹی کو سر پر ڈالا اور کہا یا رسول اللہ ﷺ آپ نے فرمایا اور ہم نے آپ ﷺ کا کلام سنا آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے حاصل کیا اور ہم نے آپ ﷺ سے حاصل کیا اور جو آپ ﷺ پر نازل (قرآن) ہوا اس میں یہ فرمان بھی ہے

وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ۔۔۔۔۔۔۔الخ

اے آقا ﷺ میں نے اپنی جان پر ظلم کر لیا اور میں آپ ﷺ کے حضور حاضر ہو گیا کہ آپ ﷺ میرے لیے استغفار فرمائیں اور اللہ تعالیٰ سے مجھے معافی لے دیں تو قبر مبارک سے ندا آئی کہ تجھے بخش دیا گیا۔
مغنی میں کہا کہ الھیثم بن عدی الطائی۔ متروک الحدیث ہے (کنز العمال کی عبارت ختم ہوئی)

امام ذھبی کی عبارت مغنی میں اس طرح ہے: ترکوہ: اور ابو داوٗد نے فرمایا کذاب ہے۔ انتھی اور الھیثم بن عدی اس کو امام بخاری ابو داوٗد۔ ابن معین، اور یعقوب بن سفیان وغیرہم نے کذاب کہا ہے اور اس قصہ کو آئمہ ثقات میں سے ایک جماعت نے مستحسن کہا ہے اور اپنی کتب میں بھی ذکر کیا ہے ان میں سے ابو محمد ابن قدامہ المقدسی الحنبلی نے المغنی جلد ۳ صفحہ ۵۸۸۔۵۸۹ میں، امام ابو الفرج ابن قدامہ المقدسی الحنبلی نے الشرح الکبیر جلد ۳ صفحہ ۴۹۴ میں امام نووی نے المجموع جلد ۸ صفحہ ۲۷۴ اور الاذکار صفحہ ۱۹۰ میں اور امام ابن کثیر نے اپنی تفسیر جلد ا صفحہ ۴۹۲ میں امام قرطبی نے اپنی تفسیر جلد ۳ صفحہ ۲۶۵ میں اور امام ابو حیان نے اپنی تفسیر البحر المحیط جلد ۳ صفحہ ۲۸۳ میں اور ان کے علاوہ بے شمار مفسرین اور آئمہ فقہاء نے اس کا ذکر کیا امام نووی المجموع شرح المھذب جلد ۸ صفحہ ۲۷۴ میں فرماتے ہیں اور کتنا ہی اچھا ہے کہ حج کرنے والا آپ ﷺ سے توسل اور استشفا کرے جس کی حکایت امام الماوردی وقاضی ابو الطیب اور ہمارے

تمام اصحاب (شوافع) نے امام عتبی سے مستحسن سمجھتے ہوئے ذکر کیا ہے (پھر پورا قصہ ذکر کیا) امام نووی نے امام عتبی کے قصہ کو مستحسن فرمایا ہے کہ علماء نے اس کو مستحسن سمجھا ہے اور وہ یہ نہیں کہتے کہ یہ باطل ہے کیونکہ اس قصہ کی اصل قرآن وسنت میں موجود ہے قرآن میں تو یہی آیت کریمہ کہ جس کے تحت یہ قصہ ذکر کیا ہے بلکہ دیگر کئی آیات کہ جن کا ذکر ہم نے اس کتاب میں کیا ہے اور سنت میں تو اسی میں نابینا صحابی والا اور حضرت بلال بن الحارث المزنی کا واقعہ صحیح ثابت ہے اور دارمی کی روایت روضہ شریف کی چھت پر سوراخ کرنے اور اس کے علاوہ دیگر صحیح دلائل جو ہم سنت کے دلائل میں پیش کریں گے جب ان ضعیف روایات کا معنی صحیح ہے اور ان کو کتاب وسنت کے دلائل سے تقویت بھی ملتی ہے تو لہذا یہ ضعف کے درجہ سے نکل کر قبولیت کے درجہ میں ترقی پا جاتے ہیں اور یہ معنوی طور پر بلاشک وشبہ صحیح ہیں جیسا کہ متعدد روایات اس کے ثبوت پر قوی دلیل ہیں جیسا اصول احادیث کی کتب میں مذکور ہے اس کا منکر لامحالہ طور پر راہ صواب سے بھٹکا ہوا اور ضدی و ہٹ دھرم ہے۔

اور ہر ضعیف حدیث پر عمل کرنا باطل نہیں ہے جیسا کہ ہر صحیح حدیث پر عمل کرنا واجب نہیں ہے کتنی ہی ضعیف احادیث ہیں کہ جن پر عمل کرنا ثابت ہے جیسا کہ جلسہ استراحت پہلی اور تیسری رکعت کے بعد کہ صحیح بخاری میں اس کی حدیث ثابت ہے لیکن بعض اہل علم کے نزدیک اس پر عمل ثابت نہیں ہے جیسا کہ مالکی اور احناف حضرات کے نزدیک ہے کہ انہوں نے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت جو عبد الرزاق کے طریق سے ہے پر عمل کیا ہے اور ایسا ہی نماز میں قدم کے ساتھ قدم ملانا جیسا صحیح بخاری میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے لیکن اس پر عمل ثابت نہیں ہے (اور ایسے ہی خاوند اور بیوی کے ملاپ پر جب تک انزال نہ ہو تو غسل نہیں ہوتا یہ حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے صحیح بخاری کتاب الغسل میں ہے لیکن اس پر عمل کسی ایک امام کا بھی نہیں ہے (مترجم غفرلہ)

اور ضعیف حدیث کہ جس کو امام ترمذی نے روایت کیا ہے اپنی سنن میں جیسا کہ انور شاہ کشمیری نے فیض الباری میں برقرار رکھا ہے اور امام علامہ ابن حجر نے فتح الباری میں اعضاء وضو کا کہنی تک چمکنے کے مسئلہ میں فرمایا اس میں کوئی صحیح حدیث مروی نہیں ہے لیکن ضعیف روایات کے ساتھ اس پر عمل ثبت ہے کہ جب تک واجب پورا نہ ہو مگر اس عمل کے ساتھ، تو اس وقت تک یہ عمل واجب ہے اور عبارت کہ جب حدیث صحیح ثابت ہو گئی تو وہی میرا مذہب ہے تو یہ ان شروط پر ہے کہ جو ہر امام نے روایت کی قبولیت کے اصول وضع کیے ہیں یعنی جب ان شروط کے مطابق حدیث ثابت ہو گئی تو وہی میرا مذہب ٹھہری ہر اس حدیث پر اس عبارت کو حمل کرنا جائز نہیں ہے کہ جو کسی طرح سے بھی سنداً متناً صحیح ہو یا سنداً صحیح ہو اور متناً صحیح نہ ہو اور کئی احادیث ہیں کہ جن کے متن صحیح ہیں اور سند صحیح نہیں ہے اور اسی طرح علم نقد روایت جیسا کہ علم نقد سند ہے

ڈاکٹر نورالدین عتر نے ھدایۃ السالک جلد ۳ صفحہ ۱۳۸۳ کی تعلیق میں فرمایا:

علماء نے اس قصہ کو سبیل الاستحسان ذکر کیا ہے اور اس پر طعن نہیں کیا اور سب اھل الروایۃ اور اھل الدرایۃ : انتھی

اور پھر عام اہل علم ضعیف اثر کے ساتھ تفسیر النص کو مقدم رکھتے ہیں یا جو ان کی شرائط پر ہو صحیح نہ ہو رائے پر اور اس پر عمل جاری ہے۔ اور مطلقاً ضعیف حدیث کے ساتھ ترک کرنا اس بدعت کا موجب البانی ہے اور جو اس کے ساتھ لپٹ گیا اس نے علم حدیث میں بدعت منکرہ جاری کی ہے کہ ضعیف حدیث کو دائرہ مقبول سے نکال دیا ہے اور فضیلت الشیخ ڈاکٹر محمد سعید ممدوح نے اس موضوع پر کتاب لکھی ہے جس کا نام ''التعریف باوھام من قسم الحدیث الی صحیح وضعیف'' رکھا ہے اس کتاب کی چھ جلدیں شائع ہو چکی ہیں اور یہ دس جلدوں میں مکمل ہو گی۔ اور اس سلسلہ میں امام سبکی نے کتاب ''قول الامام المطلبی ان صح الحدیث فھو مذھبی'' میں ذکر کیا ہے۔ اور قابل افسوس بات یہ ہے کہ منکرین توسل ان قوائد کے پیچھے زبان نکال کر پڑے ہوئے ہیں اور بہت ساری احادیث وآثار کو رد کر دیا

ہے بلکہ ان کی جرأت یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ وہ اسلاف صالحین پر جہالت اور تساہل کا الزام تھوپ رہے ہیں اور علم المفصل پر عدم احاطہ کا الزام لگاتے ہیں حتیٰ کہ صحابہ کرام رضوان اجمعین پر بھی کہ ان اتھامات صحابہ تک پہنچ گئے ہیں۔ (صالح آل شیخ نے اپنی کتاب (ھذہ مفاھیمنا ص ۷۶) پر اس قصہ کو ذکر کر کے یہ تبصرہ کیا ہے کہ یہ قصہ تو سنت رسول ﷺ سے ثابت ہے اور نہ ہی خلفاء راشدین وصحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے فعل کے ساتھ ثابت ہے۔ اور نہ ہی یہ تابعین کے فعل اور نہ ہی قرون ثلاثہ سے ثابت ہے یہ ایک مجرد حکایت ہے جو کہ مجہول شخص سے ضعیف سند کے ساتھ مروی ہے یہ عقیدہ توحید میں کس طرح قابل احتجاج ہوسکتی ہے یہ عقیدہ تو اصل اصول ہے اور یہ کیسے قابل احتجاج ہوسکتی ہے جبکہ یہ صحیح احادیث کے متعارض ہے کہ جن میں صالحین کی قبور کے بارے بالعموم غلو سے اور نبی کریم ﷺ کی قبر سے بالخصوص منع کیا گیا ہے۔

اور جن علماء نے اس کو نقل کیا ہے اور اس کو مستحسن سمجھا ہے تو یہ حجت نہیں ہے کیونکہ یہ نصوص صحیحہ کے متعارض اور عقیدہ سلف کے خلاف ہے اور بہت سارے اسلاف پر چیزیں مخفی رہ گئیں جو کہ دوسروں پر واضح ہوئیں اور انہوں نے نقل میں غلطی کی اور رائے میں خطا کی اور بعض مسائل تو ان پر بھی مخفی رہے کہ جو مشرکوں سے کٹ گئے اور شرک اور شرک والوں سے برأت کا اظہار کیا جیسا کہ بعض صحابہ نے کہا کہ

ہمارے لیے بھی ایک بت بنا دیا جائے جیسا کہ یہودیوں کے لیے بت بنا دیا گیا تھا تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا! اللہ اکبر یہ پہلوں کے طریقے ہیں جو تم نے کہا اس اللہ کی قسم کہ جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے حضرت موسیٰ کے اصحاب نے ان سے کہا تھا ہمارے لیے ایک الہ بنا دے جیسا کہ ان کے لیے الہ ہے۔

یہ حدیث صحیح ہے کہا کہ اس میں اس بات کی دلیل وحجت ہے کہ وہ صحابہ جو کہ جہالت کے دور کے قریب تھے لا الہ الا اللہ کہہ کر اسلام میں داخل ہو گئے اور یہ شریکوں اور

اصناف شرک سے نکلنا ہے اور معبود کی واحدنیت کا اقرار ہے اور اس کے ساتھ ساتھ اور اس لا الہ الا اللہ کے معانی کی حقیقت مخفی رہی بعض مسائل میں تو جب دلیل واضح ہو جائے اور حجت قائم ہو جائے تو اس کی طرف رجوع کرنا واجب ہے۔

جیسا کہ صحابہ کرام اپنے اس قول میں معذور تھے کہ ''ہمارے لیے ایک ذات انواط بنادیا جائے''

لہٰذا علماء سے بدرجہ اولی مسائل مخفی رہ سکتے ہیں اگر چہ وہ توحید و شرک کے مسائل ہی کیوں نہ ہوں (آل شیخ کا کلام ختم ہوا) اور اس سے یہ کلام صادر ہونا عجیب بھی نہیں ہے اور اس میں کئی امور ہیں

۱۔ آل شیخ نے ترک کو حجت شرعیہ بنادیا اور اس کا کوئی قائل نہیں۔

۲۔ اس کے گمان میں یہ قصہ عقیدہ توحید کے اثبات میں حجت ہے اور اس کو اس نے آئمہ اسلام کی طرف منسوب کیا ہے اور یہ بہت بڑا جھوٹوں میں جھوٹ ہے علماء میں سے کسی نے بھی اس کو توسل کے جواز کے لیے اثبات کے لیے دلیل اصلی نہیں بنایا۔

۳۔ اس کا زعم ہے کہ اس قصہ میں غلو فی القبور ہے اور اس کا یہ گمان سراسر وہم ہے کہ جس کی کوئی بنیاد نہیں ہے پس آدمی نے نہ تو قبر کی عبادت کی اور نہ ہی اس کو الہ بنایا اور نہ بت کہ جن کی پوجا کی جائے اور غایت الامر یہ ہے کہ اس نے صاحب قبر سے توسل کیا اور آپ ﷺ کی وفات کے بعد آپ ﷺ سے توسل کرنا صحیح اور دلائل سے ثابت ہے نہ کہ حکایت سے اور حضرت امام احمد اس کو ثابت کرتے ہیں جیسا کہ ابن تیمیہ نے اپنی کتابوں میں کئی مقامات پر ذکر کیا ہے جس میں سے ''کتاب الرد علی الاخنائی'' ہے۔

۴۔ اور بعض مسائل کا علماء پر مخفی رہنا اور ان کے سوا دوسروں پر ان کا واضح ہونا تو یہ جگہ اس بحث کے لیے نہیں ہے اور تعجب ہے علماء کی جماعت اس پر کیسے متفق ہو گئی

کہ ثقات سے اس خطاء کا وقوع ہوا ہے (یہ آل شیخ کی طرف سے زعم باطل ہے) پس امام ابن قدامہ اور امام نووی و ابن کثیر و عز بن جماعہ اور یہ تمام محدثین اور نقاد فقہاء ہیں ان پر تو عقیدہ توحید پوشیدہ رہا اور صالح آل شیخ پر یہ جلی طور پر واضح ہو گیا؟

۵۔ اور اس کا یہ گمان کہ اہل قرون اولی نے یہ نہیں کیا تو یہ اس کا صرف دعوی ہے جس پر کوئی دلیل نہیں ہے جب کہ اسلاف کی ایک پوری جماعت صحابہ و تابعین و اتباع تابعین سے یہ ثابت ہے کہ

حضرت علامہ العز بن جماعہ نے ھدایۃ السالک ۳/ ۱۳۸۴ میں فرمایا کہ اللہ بھلا کرے اس اعرابی کا کہ اس نے اس آیت کریمہ سے آپ ﷺ کے انتقال کے بعد آپ ﷺ کی زیارت کے لیے آنے کا استنباط کیا استغفار کرتے ہوئے یہ تعظیم کے قصد کے لیے زیادہ ظاہر ہے اور صدق ایمان پر دلالت کرتا ہے اور انتقال کے بعد نبی اکرم ﷺ کا استغفار فرمانا ثابت و حاصل ہے کیونکہ آپ ﷺ قیامت کے دن شفیع اکبر و اعظم اور طلب مغفرت میں وسیلہ عظمی ہیں اور اولاد آدم میں سب سے بلند درجات والے ہیں اور آپ ﷺ کے انتقال کے بعد آپ ﷺ کی بارگاہ میں آنا حاجت کے وقت اللہ وسحانہ وتعالیٰ کی بارگاہ میں آپ ﷺ کو بطور توسل پیش کرنے کی تاکید کی تجدید ہے کتنا فرق ہے اس اعرابی اور اس شخص (ابن تیمیہ) میں کہ جس کو اللہ تعالیٰ نے گمراہ کیا اور انہوں نے توسل کیا جیسا کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا والی روایت کہ روضہ اقدس کی چھت میں سوراخ کرنا اور عام الرمادہ کی حدیث جس کو ابن ابی شیبہ نے روایت کیا ہے اور اس کے علاوہ دیگر صحیح و ثابت احادیث کہ جن کو سوائے ایسے شخص کے کوئی رد نہیں کرے گا کہ جو قواعد علمیہ کہ جو اصول حدیث میں مقرر ہیں کا منکر ہو۔

۶۔آل شیخ نے تو حد کردی کہ اس نے یہاں تک لکھ دیا کہ صحابہ کرام اور علماء کرام پر لا الہ الا اللہ کے بعض مسائل توحید وشرک کے مسائل مخفی رہ گئے؟

اس کا رد کرنے میں زبان عاجز ہے کہ اگر صحابہ کرام اور علماء کرام پر توحید کے بعض مسائل مخفی رہ گئے تو ہم نہیں جانتے کہ وہ کون ذہین وفطین شخص ہے کہ جس پر توحید کے مسائل ظاہر ہوئے؟

صالح آل شیخ اور اس کے معاصرین میں سے جو اس کے ساتھ لگے ہوئے ہیں ہمیشہ سادات صحابہ کرام اور بعد والے علماء پر حملے کرتے رہتے ہیں۔

اس نے آپ ﷺ کی زیارت کے لیے سفر کو حرام قرار دے دیا حالانکہ وہ بہت بڑی قربات اور نیکیوں والا سفر ہے جیسا کہ ہم نے (ص ۷ ۳۔ ۳۶۔ ۳۔ ۱۱) میں بیان کیا ہے (امام العز بن جماعہ تلمیذ امام نووی کا کلام ختم ہوا)

پانچویں دلیل:

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْلَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۔ قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ

''اے محبوب ﷺ تم فرما دو کہ لوگو اگر تم اللہ کو دوست رکھتے ہو تو میرے فرمانبردار ہو جاؤ اللہ تمہیں دوست رکھے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ تم فرما دو کہ حکم مانو اللہ اور رسول کا پھر اگر وہ منہ پھیریں تو اللہ کو خوش نہیں آتے کافر۔''[1]

---

[1] آل عمران ۳۱۔ ۳۲۔

اللہ تعالیٰ نے ان دونوں آیتوں میں واسطہ کی ضرورت پر زور دیا ہے کہ جو انسان کے لیے اس نے پسندیدفرمایا ہے اور وہ کہ جس کے بغیر اللہ تعالیٰ کی رضا تک پہنچا نہیں جاسکتا۔ فرمایا کہ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِي اور فرمایا کہ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ تو اللہ تعالیٰ کی محبت نہیں ملتی مگر رسول اللہ ﷺ کی محبت اور اطاعت کے ساتھ اور محبت اور طاعت کا وجود ذات کے سوا نہیں ہوسکتا تو جب ذات حق کا اتباع متعذر رہا کیونکہ اتباع تابع متبوع میں تجانس کا مطالبہ کرتی ہے (اور یہ رب کے ساتھ ہو ہی نہیں سکتا) تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے محبت وطاعت ذات النبی ﷺ کی تشخیص کا حکم آیا کیونکہ یہ دونوں مظہر الاتباع ہیں لہذا نبی کی ذات اس مقتضی کے لیے اصل ہوگئی لہذا شرعی طور پر رجاء توجہ اور دعا میں اس کا تحقق جائز ہوگیا کیونکہ آپ ﷺ کی ذات اقدس ہی رب العالمین کے لیے طاعت گزاروں کے پیغام کی قبولیت میں حق واضح ہے لہذا اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اس کی تاکید کرتے ہوئے فرمایا کہ:

وَاِذَا سَاَلَکَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ وَالْیُؤْمِنُوْا بِیْ لَعَلَّهُمْ یَرْشُدُوْنَ۔

"اور اے محبوب ﷺ جب تم سے میرے بندے مجھے پوچھیں تو میں نزدیک ہوں دعا قبول کرتا ہوں پکارنے والے کی جب مجھے پکارے تو انہیں چاہیے میرا حکم مانیں اور مجھ پر ایمان لائیں کہ کہیں راہ پائیں۔"[1]

دعا کی قبولیت کا تعلق تو اس بات سے ہے کہ قبولیت کی درخواست کی جائے رب العالمین کے اوامر کے سامنے سرِ تسلیم خم کردیا جائے اور اس کے فضل مبین کا اعتراف کیا جائے حتی کہ اپنی بارگاہ کے قرب کو شرف قبول بخشا جاتا ہے جو امید رکھنے والوں کی امید میں ہوتا ہے اسی وجہ سے آیۃ کریمہ کو اپنے اس ارشاد سے ختم فرمایا: وَالْیُؤْمِنُوْا بِیْ لَعَلَّهُمْ یَرْشُدُوْنَ پس ہدایت رب العالمین کے اوامر کو تسلیم کرنے کا نام ہے۔

---

[1] سورۃ البقرۃ ۱۸۶۔

پس اتباع اور محبت ذات کا اتباع ہے صرف مجرد عمل نہیں ہے کیونکہ اتباع عمل صالح ہے اور عمل صالح کے ساتھ نص صریح سے توسل کرنے پر اتفاق ہے اور اعلی صالح محقق نہیں ہوتا مگر ذات صالحہ کے ساتھ کیونکہ اعمال کسی حال میں بھی اس سے جدا نہیں ہو سکتے پس اعمال صالح کے ساتھ توسل کرنا جائز ہے اور یہ ذات کی فرع ہیں تو ذوات کے ساتھ توسل بدرجہ اولی جائز ہے کیونکہ وہ اصل حقیقی ہے کہ جس سے اعمال ظاہر ہوتے ہیں اور اگر اللہ سبحانہ وتعالیٰ وسیلہ کو صرف اعمال صالحہ کے ساتھ مختص کرنے کا ارادہ فرماتا تو رسول اللہ ﷺ کے اتباع کا حکم نہ فرماتا اور نہ ہی آپ ﷺ کی محبت اور اطاعت اپنی محبت اعتبار کرنے کا حکم دیتا جو اللہ تعالیٰ کی آپ ﷺ کے ساتھ ہے یہی کافی تھا اپنی محبت وطاعت کا حکم دیتا کہ وہ مباشر طور پر مگر یہ کہ اتباع واسطہ کے ایجاد کو مستلزم ہے اور وہ واسطہ نبی کریم ﷺ ہیں جیسا کہ ہم نے بیان کیا اور جیسا کہ ابن مشیش نے اپنے درود شریف میں کیا واسطہ نہ ہوتا تو موسوط نہ رہے (اور اگر واسطہ نہ ہو تو اتباع نہ ہوگی) (اگر ممکن ہو تو ملاحظہ کریں شرح المشیشہ لابن کیران والزبیدہ وابن عجیبہ)

چھٹی دلیل:

اللہ تعالیٰ کا قول مبارک ملاحظہ فرمائیے:

أَيْنَمَا تَكُونُوا يُدْرِكُكُّمُ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنْتُمْ فِي بُرُوجٍ مُّشَيَّدَةٍ وَإِنْ تُصِبْهُمْ حَسَنَةٌ يَّقُولُوا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَإِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّقُولُوا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِكَ قُلْ كُلٌّ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ فَمَالِ هٰٓؤُلَآءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ حَدِيْثًا۔

"تم جہاں کہیں ہو موت تمہیں آ لے گی اگرچہ مظبوط قلعوں میں ہو اور انہیں کوئی بھلائی پہنچے تو کہیں یہ اللہ کی طرف سے ہے اور انہیں کوئی برائی پہنچے تو

کہیں یہ حضور کی طرف سے آئی تم فرما دو سب اللہ کی طرف سے ہے تو ان لوگوں کو کیا ہوا کوئی بات سمجھتے معلوم ہی نہیں ہوتے''۔[1]

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان:

مَآ اَصَابَکَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ وَمَآ اَصَابَکَ مِنْ سَیِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِکَ وَاَرْسَلْنٰکَ لِلنَّاسِ رَسُوْلًا وَ کَفٰی بِاللّٰهِ شَهِیْدًا۔

''اے سننے والے تجھے جو بھلائی پہنچے وہ اللہ کی طرف سے ہے اور جو برائی پہنچے وہ تیری اپنی طرف سے ہے اور اے محبوب ہم نے تمہیں سب لوگوں کے لئے رسول بھیجا اور اللہ کافی ہے گواہ۔''[2]

اللہ تعالیٰ نے ان دونوں آیتوں میں حقیقت ایمانیہ کو واضح فرمایا ہے جس کا ادراک ضروری ہے اور اس پر خبردار ہونا ضروری ہے اور اس کے اور اس کے غیر کے درمیان فرق کرنا ضروری ہے ہاں ہاں یہی حق اور حقیقت، سبب اور مسبب ہے جیسا کہ تمہید میں گذر چکا اور وہ صادر ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ماذون سبب کے اثر سے اور وہ موت ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ملک الموت کو قبض ارواح کی قدرت اور لوگوں کو مارنے کی قدرت عطا فرمائی ہے فرشتے کے مارنے اور قبض روح کی حقیقت، حقیقت ظاہرہ ہے اور مسبب کی طرف سے مارنا اور قبض روح کرنا یہ حقیقت خفیہ ہے اور یہی حق ہے اور مسبب اللہ تعالیٰ ہے جو بڑی قدرت والا ہے۔

اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے کافروں منافقوں اور فتنہ پروروں کے بیمار ذہن وفہم کی فضیحت فرمائی ہے کہ جو اس معانی کو سمجھ نہ سکے کیونکہ وہ ایسی قوم ہے کہ بات سمجھنے کی صلاحیت ہی نہیں رکھتی کیونکہ وہ سبب اور مسبب کو ملا دیتے ہیں اور حق اور حقیقت میں اختلاط کر دیتے ہیں وہ صرف محسوسات پر ایمان لاتے ہیں کہ جو ان کے نفع ونقصان میں

---

[1] سورۃ النساء ۷۸۔
[2] سورۃ النساء ۷۹۔

ان کی خواہشات نفس کے مقتضی ہوں پس اس لیے اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کو رسول بنا کر بھیج کران کے لیے برکت عطا فرمائی لیکن وہ اس برکت سے منکر اور جاہل رہے اور اس گمان میں رہے کہ ان کے پاس آنے والی خیر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور رسول اللہ ﷺ کے سبب اور وسیلہ سے نہیں ہے اور اگر ان کو کوئی مصیبت پہنچتی تو وہ کہتے کہ یہ رسول اللہ ﷺ کی طرف سے ہے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے اس تناقض کا رد فرمایا جو کہ سبب کے ساتھ معاملہ کرتے تھے اور ان پر انکار فرمایا کہ جو وہ مسبب کے ساتھ مصیبت میں کرتے اور رخا میں اس کا انکار کرتے۔

اور دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان کا رد فرمایا کہ جو تجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے نیکی یا اچھائی پہنچتی ہے وہ اللہ کی طرف سے ہے اور یہاں حسنہ یعنی اچھائی حق اور حقیقت ہے سبب اور مسبب ہے اور برائی یا مصیبت صرف سبب ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے لیے کفر پسند نہیں کرتا لیکن اس کو اس پر قدرت دی ہوئی ہے پس اللہ تعالیٰ نے برائی پر قدرت دی لیکن اس کو پسند نہ فرمایا اور بندہ اپنی شقاوت کے ساتھ اس مقدور میں کوشش کرتا ہے۔ پس برائی اللہ تعالیٰ کی طرف سے تقدیر ہے اور اس کا وجود پایا جانا یہ بندہ کا فعل ہے کہ جس کی شقاوت اس پر غالب آجاتی ہے پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی حضرت محمد ﷺ کی شان و مقام واضح کرتے ہوئے اس کے بعد فرمایا کہ:

وَاَرْسَلْنٰکَ لِلنَّاسِ رَسُوْلًا۔

رشد و سعادت اور امداد کے لیے اور یہ معانی ہمارے اوپر اس وقت واضح ہوئے جب کہ منکرین نے وسیلہ کا انکار کیا اور اللہ تعالیٰ کی طرف التجا پر ان کا ابھارنا بغیر اس پر بلند ہونے کے گویا کہ وہ مظاہر شرک میں سے شرک ہے حالانکہ اس کے ساتھ ساتھ وہ جمادات کو پکارتے اور ان پر اعتماد کرتے ہیں جیسا کہ ادویہ کے ساتھ علاج کرنا اور حکیموں سے شفاء کا طلب کرنا یہ جانتے ہوئے کہ شفاء دینے والا صرف اللہ ہے پس یہی وہ لوگ ہیں کہ جو بات سمجھنے کی لیاقت نہیں رکھتے مقامات کے درمیان تخلیط کرنے کے سبب جیسا کہ ان

سے پہلے ہٹ دھرم اور باغی لوگوں نے تخلیط کی تھی۔

پس حسنہ (بھلائی) دو قسم کی ہیں اور برائی (سیئہ) بھی دو قسم کی ہیں۔ حسنہ سببیہ اور حسنہ مسببیہ اور اسی طرح سیئہ سببیہ اور سیئہ مسببیہ اور حسنہ حقہ اور حسنہ حقیقیہ اور اسی طرح حسنہ مکتسبہ پس حسنہ مسببیہ تو مطلق ہے اور حسنہ سببیہ مقید ہے پس عقلمند اور سمجھدار اس کو پا کر ہدایت پاتا ہے اور جاہل گمراہ اور دور ہو جاتا ہے۔

پس حسنہ رسول ﷺ سے ہے جیسا کہ برکت اور خیر یہ سب اللہ تعالیٰ کی رحمت کے آثار ہیں حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰہَ یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْھِمْ۔

''وہ جو تمہاری بیعت کرتے ہیں وہ تو اللہ ہی سے بیعت کرتے ہیں ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے۔''[1]

اور فرمایا کہ:

وَمَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ رَمٰی۔

''اور اے محبوب وہ خاک جو تم نے پھینکی تم نے نہ پھینکی تھی بلکہ اللہ نے پھینکی۔''[2]

پس رسول اللہ ﷺ حقیقت میں بیعت لینے والے تھے اور رسول اللہ ﷺ حقیقت میں کنکریاں پھینکنے والے تھے۔ لیکن حق بیعت اللہ تعالیٰ کی طرف سے تھا اور حق رمی (کنکریاں پھینکنا) اللہ کی طرف سے تھا اور رسول اللہ ﷺ بیعت اور رمی کی حقیقت کے اظہار میں اللہ تعالیٰ کے خلیفہ تھے۔ تو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں آپ ﷺ سے کیسے توسل و تقرب نہ کیا جائیگا؟

---

[1] سورۃ الفتح ۱۰۔

[2] الانفال ۱۷۔

اور برائی کا نفس کی طرف اعادہ کرنا کفار کو جھڑکنا ہے اور حقائق کے تبدیل کرنے اور ان میں خلط ملط کرنے میں ان کی بے وقوفی کا اظہار ہے پس یہی وہ قوم ہے جو بات سمجھنے کی سعادت سے محروم ہے۔

حضرت امام فخر الدین الرازی نے اپنی تفسیر کبیر میں سورۃ فاتحہ کی تفسیر کے درمیان فرمایا:

اور بہر حال تغیرات کی الہ کے وجود پر دلالت تو فطرت سلیمہ اس کی گواہ ہے کہ ہر شئے عدم کے بعد پائی جاتی ہے۔ تو اس کا سبب ضروری ہے اور اس طرح جیسا کہ ہم سنتے ہیں کہ گھر بن گیا حالانکہ پہلے نہ تھا، تو عقل صریح اس پر گواہی دیتی ہے کہ اس کیلیے کوئی فاعل ضروری ہے کہ جس نے یہ گھر بنایا ہے اور اگر کوئی انسان ہم کو شک میں ڈالنا چاہے تو ہم شک میں نہیں پڑیں گے کیونکہ ان احوال متغیرہ کا فاعل یقینا قادر ہوگا اور اگر وہ واجب بالذات ہو تو اس کے دوام کے ساتھ اس کا اثر بھی مدام ہوگا پس عدم کے بعد اثر حدوث موثر قادر کے وجود پر دلالت کرتا ہے اور یہ تغیرات دلالت کرتے ہیں کہ موثر رحیم اور احسان کرنے والا ہے۔ کیونکہ ہمارے لیے یہ واضح ہے کہ ان تغیرات میں غالب طور پر راحت خیر خوشی اور سلامتی ہے اور جس کے غالب افعال راحت وخیر اور کرامت وسلامتی ہوں وہ رحیم ومحسن ہوگا اور جو ایسا ہوگا وہ حمد وتعریف کے مستحق ہوگا اور جب یہ احوال ہر ایک کو معلوم ہیں اور ہر عقلمند کے سامنے حاضر ہیں تو واجب ہے ہر عقلمند پر کہ اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بجالائے پس اس سبب سے ان کو حمد کی کیفیت کی تعلیم دی فرمایا الحمد للہ۔۔۔ پھر فرمایا پھر بندہ کے دل میں یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ میں نہایت ہی ذلیل وحقیر ہوں میرے لیے کیسے ممکن ہے کہ میں اس کا تقرب حاصل کرسکوں؟ اور کس طرح میں اس سے توسل کروں؟۔ پس یہاں اللہ تعالیٰ نے اس مرض کے موافق

علاج کا ذکر کیا۔ گویا کہ وہ کہتا ہے کہ اے میرے کمزور بندے بے شک
میں عظیم القدرت والھیبہ ہوں اور میری الوہیت بڑی عظیم ہے مگر اس کے
ساتھ ساتھ میں عظیم الرحمت بھی ہوں میں رحمن و رحیم ہوں اور مالک یوم
الدین ہوں۔ تو جب تک اس دنیا میں رہے گا میری رحمت کی اقسام اور
میری نعمت کی انواع سے خالی نہیں رہے گا یعنی میں تجھے ان سے محروم نہیں
رکھوں گا اور جب تو مرے گا تو میں قیامت کے دن کا مالک ہوں میں اعمال
میں سے ایک عمل بھی ضائع نہیں کروں گا اگر تو نیکیاں لے کر آئے گا تو میں
تجھے ایسی بھلائیاں دوں گا کہ جن کی کوئی انتہا نہیں ہوگی اور اگر تو معصیت اور
نافرمانی لے کر آئے گا تو میں تیرے ساتھ معافی و احسان اور مغفرت کے
ساتھ پیش آؤں گا۔۔۔۔ پھر فرمایا۔۔۔۔۔ بے شک یہ عالم عالم اسباب
ہے پس یہاں خیرات اور لذات کا حصول اسباب معینہ کے واسطہ کے بغیر
ممکن نہیں ہے اور اسی طرح آفات و مخافات و مشکلات کا دفع کرنا اسباب
معینہ کے واسطہ کے بغیر ناممکن ہے۔ تو جب نفع کا حصول اور تکلیف کا دفع
محبوب بالذات ہے تو اس عالم کے احوال کو تلاش کرنے سے مجھے اس بات
پر راہنمائی ملت گی، کہ تحصیل خیر اور دفع شر ان اسباب معینہ کے بغیر ناممکن
ہے اور پھر یہ بھی قرین عقل بات ہے کہ جس واسطہ کے ساتھ محبوب تک
وصول حاصل ہو وہ واسطہ بھی محبوب ہوتا ہے لہذا یہ معنی ان ظاہری اسباب
کے ساتھ شدید محبت کا سبب ہو گیا اور جب یہ معلوم ہو گیا کہ خیرات و لذات
تک وصول ناممکن ہے مگر بواسطہ خدمت امیر اور وزیر اور اس کے دوست و
مددگار کے تو انسان کا دل ان اشیاء کے ساتھ متعلق ہو گیا اور ان سے شدید
محبت کریگا اور ان کی طرف بہت زیادہ مائل اور راغب ہوگا۔

پھر علوم حکمت میں یہ بات ثابت شدہ ہے کہ کثرت افعال ملکہ راسخہ کے حدوث کا

سبب بنتی ہے اور یہ بھی اسی طرح ثابت شدہ اصول ہے کہ تشبہ کی محبت طبع خلق پر غالب ہے۔

پہلے اصول کی مثال اس طرح ہے کہ کسی صنعت وحرفت پر طویل مدت تک مواظبت کرنے سے اس کام کا ملکہ پیدا ہوتا ہے اور آدمی اس کا مکمل کاریگر اور جاننے والا بن جاتا ہے اور جوں جوں مواظبت بڑھتی جائے گی ملکہ اور راسخ اور پختہ ہوتا جائے گا۔

اور دوسرے اصول کی مثال اس طرح ہے کہ انسان جب فاسقوں کے ساتھ بیٹھے گا تو اس کی طبیعت فسق و فجور کی طرف مائل ہوگی اور یہ کیوں ہے اس لیے کہ ارواح کی جبلت یہ ہے کہ وہ دوسرے کی نقل کرتی ہیں۔

پس جب تجھے اس کا علم ہوگیا تو اب ہم کہتے ہیں کہ ہم نے واضح کر دیا ہے کہ دنیا کے حال میں استقراء دل کے اسباب ظاہری کے ساتھ تعلق کا موجب بنتا ہے، کہ جن اسباب کے ساتھ منافع کا حصول اور تکلیف سے نجات حاصل کی جاتی ہے اور ہم نے یہ بھی واضح کر دیا کہ کہ انسان کا کسی چیز یا کام پر مواظبت کرنا اس کی طرف میل کا استحکام پیدا کرتا ہے اور اس کے دل میں زیادہ قوی اور اثبت طلب پیدا کرتا ہے اور اسی طرح اکثر دنیا والے اسی صفت کے ساتھ موصوف ہیں اور اسی حالت پر مواظبت کرتے ہیں اور یہ بھی واضح کر دیا کہ نفوس دوسروں کی نقل اتارتے ہیں اور وہ اسی طرح اس حالت کو مستحکم کرتے ہیں۔

پس روشن دلائل سے یہ بات واضح و روشن ہوگئی کہ اسباب حب دنیا کے موجب ہوتے ہیں اور اسباب کے ساتھ تعلق میں رغبت بہت زیادہ قوی اور شدید تر ہوتی ہے پھر ہم کہتے ہیں۔

جب انسان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی توفیق شامل حال ہوتی ہے تو اس کو سیدھے راستے کی ہدایت نصیب ہوتی ہے اور اس کے دل میں یہ خیال آتا ہے کہ وہ ان اسباب میں شافی ووافی غور وفکر کرے تو وہ کہتا ہے کہ یہ امیر جو اس دنیا میں بادشاہی کر رہا ہے یہ اپنی قوت

کے بل بوتے اور اپنی کمال حکمت سے کر رہا ہے یا کہ نہیں؟
پہلی بات تو باطل ہے کیونکہ وہ امیر بعض اوقات اکثر لوگوں سے عاجز ہوتا ہے اور ان سے عقل میں کم ہوتا ہے تو پھر اس کے لیے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ امارت وقوت اس کو اس کی طاقت وقوت کے بل بوتے پر نہیں ملی اور نہ ہی یہ اس کی حکمت کے بل بوتے پر چل رہی ہے بلکہ یہ ریاست وحکومت اس کو قسام حقیقی کی تقسیم سے میسر آئی ہے اور حکیم علام کی قضا کا نتیجہ ہے کہ جس کے حکم کو دور کرنے اور جس کی قضا کو رد کرنے والا کوئی نہیں پھر یہ نوع دیگر انواع کے ساتھ ایک اعتبار سے ملتی ہے ایسے اعتبارات میں کہ جو اس کو مضبوط اور پختہ کرتے ہیں۔

پس اس کے مکاشفہ کے حصول کے وقت اس کا دل ظاہری اسباب سے منقطع ہو جاتا ہے اور تمام مہمات ومطلوبات میں اس کا رجوع مسبب الاسباب و مفتح الابواب کی طرف منتقل ہو جاتا ہے پھر جب یہ اعتبارات وتواترات ان مکاشفات کی طرف پھرتے ہیں تو انسان ایسا ہو جاتا ہے کہ جب اس کو کوئی نفع وخیر پہنچتا ہے تو کہتا ہے کہ وہ نافع ہے اور جب اس کو کوئی نقصان یا شر پہنچتا ہے تو وہ کہتا ہے کہ وہ ضار ہے یعنی ہر چیز کی نسبت اسی اللہ تعالیٰ کی طرف کرتا ہے اور اس وقت وہ کسی بھی فعل پر سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی کی بھی تعریف و حمد نہیں کرتا اور اس کا دل کسی بھی امر کے طلب میں سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی طرف متوجہ نہیں ہوتا۔ پس حمد ساری کی ساری اللہ تعالیٰ کے لیے ہو جاتی ہے اور ثنا تمام کی تمام اسی کے لیے ہو جاتی ہے پس اس موقع پر بندہ کہتا ہے: الحمد للہ۔۔۔

پھر فرمایا ایاک نستعین اس کا معنی یہ ہے کہ اس سے پہلے میں تیرے سوا سے استعانت کرتا تھا اور اب میں تیرے سوا کسی سے بھی استعانت نہیں کرونگا۔ پھر جب مال و عزت کہ دونوں ھلاکت اور دوری کا گڑھا ہیں امیر و وزیر سے مانگتا تھا تو اللہ رب السموات والارض سے ہدایت طلب کرنا اولی و افضل ہے پس وہ کہتا ہے اھدنا الصراط المستقیم پھر اہل دنیا کے دو گروہ ہیں

پہلا:

وہ لوگ جو صرف اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کرتے ہیں اسی سے مدد مانگتے ہیں اور اپنے اغراض ومقاصد صرف اللہ ہی سے طلب کرتے ہیں۔

اور دوسرا گروہ:

ان لوگوں کا ہے کہ جو مخلوق کی خدمت کرتے اور مخلوق سے ہی مدد مانگتے ہیں اور انہیں سے بھلائی طلب کرتے ہیں تو بندہ پر کوئی حرج نہیں کہ وہ کہے کہ اے اللہ مجھے اس گروہ میں کر دے کہ جو لوگ وہ ہیں کہ جن پر تو نے انوار ربانیہ اور جلال نورانیہ کے ساتھ انعام فرمایا۔ اور مجھے دوسرے گروہ سے نہ کرنا وہ وہ ہیں کہ جن پر تیرا غضب ہوا اور وہ گمراہ ہیں کیونکہ اس گروہ کی متابعت وسنگت میں سوائے ہلاکت اور خسارے کے کچھ فائدہ نہیں ہے۔

جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا:

لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَ لَا يُبْصِرُ وَ لَا يُغْنِيْ عَنْكَ شَيْئًا ؟

''کیوں ایسے کو پوجتا ہے جو نہ سنے نہ دیکھے اور نہ کچھ تیرے کام آئے۔''[1][2]

پھر امام رازی نے فرمایا۔۔۔

جب تو نعمت کی تعریف جان گیا تو اب اس کی کئی فروعات متفرع ہوتی ہیں

الفرع الاول:

یہ کہ جو کچھ بھی مخلوق کو نفع اور دفع ضرر پہنچتا ہے تو یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی ہی طرف سے ہوتا ہے۔

---

[1] سورۃ مریم ۴۲۔ [2] تفسیر الرازی جلد ۱ صفحہ ۱۸۴۔۱۸۸۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَمَا بِكُمْ مِنْ نِعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ۔

''اور تمہارے پاس جو نعمت ہے سب اللہ کی طرف سے ہے۔''[1]

تم کو جو کچھ نعمت بھی پہنچتی ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہی پہنچتی ہے۔

پھر نعمت کی تین قسمیں ہیں:

پہلی قسم:

ایسی نعمت کہ جس کے ایجاد میں اللہ تعالیٰ واحد و فرد ہے جیسا کہ اس نے پیدا فرمایا اور رزق دیا۔

دوسری قسم:

ظاہری طور پر وہ نعمت غیر اللہ کی طرف سے پہنچتی ہے لیکن حقیقت میں وہ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہی پہنچتی ہے کیونکہ وہ اس نعمت کا خالق ہے اور جس کو نعمت دی جا رہی ہے اس کا بھی خالق ہے اور خالق نے اس نعمت کی طلب اس منعم کے قلب میں ڈالی مگر یہ کہ جب یہ نعمت اللہ تعالیٰ نے اس بندہ کے ہاتھ پر جاری کی تو وہ بندہ مشکور ٹھہرا لیکن حقیقت میں مشکور اللہ تعالیٰ ہی ہے جیسا کہ ارشاد فرمایا:

اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ اِلَيَّ الْمَصِيْرُ۔

''یہ کہ شکر کر میرا اور اپنے ماں باپ کا، آخر مجھی تک آنا ہے۔''[2]

شکر کو اپنی ذات سے شروع کیا اس میں تنبیہ یہ ہے کہ مخلوق سے انعام اللہ کے انعام کے بغیر مکمل نہیں ہوتے۔

---

[1] سورۃ النحل ۵۳۔
[2] سورۃ لقمان ۱۴۔

تیسری قسم:

ہماری طرف اللہ تعالیٰ کی نعمتیں اس کی طاعت وفرمانبرداری کے سبب پہنچتی ہیں اور یہ بھی اللہ ہی کی طرف سے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ اگر ہمیں طاعات کی توفیق ہی نہ دیتا اور اس کی طرف ہدایت ہی نہ دیتا اور ہم سے اعذار دور نہ کرتا تو ہم ان میں سے کسی چیز تک بھی نہ پہنچ سکتے اس تقریر سے یہ ظاہر ہوا کہ تمام کی تمام نعمتیں فی الحقیقت اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہیں۔[1]

عارف باللہ المحدث امام ابن ابی جمرہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

استعانت تین اقسام میں تقسیم ہوتی ہے۔

مدد مانگنے والا۔ جس کے ساتھ مدد مانگی جائے۔ اور جس کے خلاف مدد مانگی جائے۔ پس مدد مانگنے والا تو مومن ہے اور مستعان بہ بعض کی بعض کے لیے کسی خاص غرض کے لیے مدد کرنا۔ جیسا کہ حدیث مبارکہ میں مروی ہے۔

''یعین الرجل علی دابته''[2] آدمی اپنی سواری سے مدد لیتا ہے وہ اس پر سواری کرتا ہے یا اس پر اپنے مال ومتاع لادتا ہے اور جہاں تک جانا تھا اس جگہ تک پہنچتا ہے۔

اور یہاں استعانت کی دو قسمیں ہیں۔

استعانة بالزمان۔ اور استعانة بالعمل۔

استعانت بالزمان یہ ہے کہ صبح وشام ہوا کا معتدل ہونا اور ان دونوں اوقات میں نفس کا خوشگوار ہونا اور جیسا کہ مروی ہے کہ ان دونوں وقتوں میں دیگر اوقات کی نسبت عمل ازکی ہوتا ہے۔

---

① تفسیر الرازی جلد ۱ صفحہ ۲۵۸۔

② یہ حضرت سیدنا ابوھریرہ کی ایک روایت کا حصہ ہے اور یہ لفظ مسند احمد ۲/ ۳۵۰ پر ہیں، صحیح ابن خزیمہ ۲/ ۳،۷۴ اور اس کو امام بخاری نے بھی اپنی صحیح میں (۲۸۲۷) باب من آخذفي الركاب ونحوه روایت کیا ہے۔ (ارشد مسعود غفرلہ)۔

جیسا کہ فرمایا:

وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ۔

''اور اپنی جان ان سے مانوس رکھو جو صبح وشام اپنے رب کو پکارتے ہیں۔''[1]

اور استعانت بالاعمال یہ ہے ان مذکورہ اوقات میں ہر قسم کی طاعات ونیکیاں انسان کرتا رہے۔[2]

اور عارف باللہ شیخ امام احمد بن عجیبہ اپنی کتاب، ''تفسیر الفاتحۃ الکبیر المسمی البحر المدید'' میں فرماتے ہیں:

اور استعانت۔ مدد طلب کرنا ہے اور یہ باطن میں عزیمت ہے اور ظاہر میں آسانی اور قیام ہے۔

پس اگر بندہ اللہ تعالیٰ سے مدد حاصل نہ کرے تو وہ اپنے مقاصد تک نہیں پہنچ سکتا۔ اور اپنے مطالب میں کامیاب نہیں ہوسکتا۔ جیسا کہ شاعر کا قول ہے:

اذا کان عون اللہ للعبد خادما   تیسر لہ من کل صعب مرادہ

جب اللہ تعالیٰ کی مدد بندہ کی خدمت میں ہو تو اس کے لیے ہر مشکل مراد آسان ہوجاتی ہے

آگے فرمایا:

اور استعانت سے پہلے عبادت کو لایا گیا روس آیات میں توفق کے لئے (یعنی آیات کے آخری الفاظ ایک طرح کے رہیں) اور تاکہ معلوم ہوجائے کہ طلب حاجت سے پہلے وسیلہ کا لانا حاجت کے قبول ہونے کی دلیل ہے اور یہ بھی جب متکلم عبادت کی نسبت اپنے نفس کی طرف کرتا ہے (ہم تیری عبادت کرتے ہیں) تو اس سے تکبر اور بڑائی کا وھم پیدا ہوتا اور جو اس سے کی طرف سے پیدا ہوتا ہے لہذا اس کے بعد فرمایا:

---

[1] سورۃ الکہف ۲۸۔ [2] بھجۃ النفوس ۱/۷۳۔

وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْن یہ دلالت کرتا ہے کہ عبادت مکمل نہیں ہوتی اور نہ کما حقہ ادا ہو سکتی مگر اللہ تعالیٰ کی مدد اور توفیق کے ساتھ اور اہل حقیقت نے اپنے علوم کے کئی گوشے ظاہر کئے اللہ تعالیٰ کے اس قول کی بنا پر اِيَّاكَ نَعْبُدُ کیونکہ انکے علوم کا مدار اور احوال کا مشھد اپنی طاقت وقوت سے برأت ہے بلکہ اپنے آپ کے دیکھنے سے بھی بری ہو جاتے ہیں وہ اپنے آپکو نہ فعلا ملاحظہ کرتے ہیں اور نہ ہی ترکا نہ حولا ولا قوۃ کیونکہ ان کا مدار اللہ کی مدد پر ہوتا ہے وہ اپنے احوال سے اور اپنے وجود سے اپنے معبود کے شھود میں فنا ہو جاتے ہیں پھر وہ ان کے فنا سے فنا ہو جاتے ہیں اور محبوب کی بقا سے باقی ہو جاتے ہیں۔

اور اس کا بیان کہ جاھلیت میں جب غیر اللہ کے لیے الوھیت کا اعتقاد رکھتی ء اور اللہ کے لیے شریک ٹھہراتے اور اس کو اللہ کے ساتھ عبادت کا مستحق ٹھہراتے تو دو شھادتیں شروع کی گئیں کفر کے مٹانے کے لیے دل اور زبان کی شھادتیں کیونکہ وہ جو کچھ دل میں ہے اس کی ترجمان ہے اور زبان کی پاکیزگی ہے پس جب بندہ کہتا ہے لا الہ الا اللہ تو اس کے دل وزبان سے کفر مٹ جاتا ہے اور شریعت کا مدار ظاہر امر پر ہے اور جب بندہ محمد رسول اللہ کہتا ہے تو وہ واسطہ کا اقرار کرتا ہے جو کہ قبول اسلام میں رکن ہے جب کفار بتوں کو سجدہ کرتے تھے اور ان کے لیے نماز پڑھتے تھے تو اور دل وزبان سے کفر محو کرنے کے بعد ظاہری جوارح سے کفر کو محو کرنے کے لئے نماز اور دوسرے ارکان شروع کئے گئے۔

پس اس کا قیام اللہ تعالیٰ کی مناجات کو متضمن ہے ہر رات دن میں پانچ وقت یہانتک کہ وہ اللہ تعالیٰ کے مراقبہ اور اس کی توحید کے استدام کی طرف لے جاتا ہے جو کہ شھادتین سے حاصل ہوا تھا۔[1]

---

(1) تفسیر الفاتحۃ الکبیر المسمی بالبحر المدید لابن عجیبۃ ۲/۵۸۱-۵۸۹۔

ساتویں دلیل:

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا وَ یَسْفِکُ الدِّمَآءَ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِکَ وَنُقَدِّسُ لَکَ قَالَ اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۔ الی ان قال وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِکَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ

کیا ایسے کو نائب کرے گا جو ان میں فساد پھیلائے گا اور خونریزیاں کرے گا اور ہم تجھے سراہتے ہوئے تیری تسبیح کرتے اور تیری پاکی بولتے ہیں فرمایا مجھے معلوم ہے جو تم نہیں جانتے ۔۔۔۔ اور یاد کرو جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کرو۔[1]

اور فرشتوں کا کہنا وَنُقَدِّسُ لَکَ کا معنی یہ ہے کہ ہم تیری توقیر کرتے تیری تنزیہ بیان کرتے اور تیری عظمت بیان کرتے ہیں کہ جو بھی تو نے ہمیں طاعت وعبادت و تعظیم کا حکم دیا ہم نے اس کے ساتھ تیری عظمت بیان کی بغیر کسی اور کی طرف التفات کرنے کے اور یہ بندہ کہ جس کو تو نے پیدا کیا ہے اس میں غیریت ہے اور یہ تیری طاعت میں مخلص نہیں ہوگا اور اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی اور اس کے وارثوں کو حضرت آدم علیہ السلام میں چھپا دیا کہ فرشتے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ نہ سکے اور معراج کے دن سلام کے موقف میں ان کی گواہی دلوائی۔

اور اللہ تعالیٰ کے فرمان وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِکَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْا میں اللہ تعالیٰ فرشتوں کو قربت کا ایک اور رنگ دکھانا چاہتا تھا دوسرا رنگ اس کی طاعت اور اس کی طرف تقرب اور وہ تعظیم ہے تعظیم اور توقیر ہے اس کی جس نے توقیر کی اس کے خلیفہ کی جو زمین میں ہے، کیونکہ تقدیس و تسبیح یعنی اذکار معنویہ تو نیک و بد دونوں کرتے ہیں تو اللہ

[1] سورہ بقرہ ۳۰۔۳۴۔

تعالیٰ نے چاہا کہ فرشتوں کو طاعت کے رنگوں میں سے رنگ دکھلائے کہ جس میں اولاد حضرت آدم علیہ السلام کو مبتلا کرنے والا تھا۔ پس فرشتے اپنے رب کے حکم طاعت بحسن خوبی بجا لانے والے تھے کیونکہ وہ غیریت سے پاک تھے مگر ابلیس حالانکہ وہ بھی ملائکہ کے ساتھ اللہ کی تسبیح و تقدیس میں شامل تھا لیکن وہ غیریت سے پاک نہیں تھا اور اس کی غیریت اس کا نفس تھا تو اس نے کہا:

ءَ اَسۡجُدُ لِمَنۡ خَلَقۡتَ طِیۡنًا۔

''کیا میں اسے سجدہ کروں جسے تو نے مٹی سے بنایا۔'' [1]

لہٰذا اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرشتوں کا اپنی بارگاہ میں تقرب کا امتحان ذوات کے ساتھ لیا مثلاً حضرت آدم علیہ السلام میں ذوات کو جمع فرمایا پس وہ ام الذوات طاہرہ اور غیر طاہرہ کے مجموع ہو گئے۔

پس طاہرہ تو آپ علیہ السلام کے بیٹے احمد صلی اللہ علیہ وسلم سے پاکی حاصل کرنے والے اور غیر طاہرہ غیر کی طرف مائل تھے اور غیر ایسی ذات سے شاذ اور متنفر تھے جو اس سے مبلس ہوئی تھی۔

پہلا غیر تو ابلیس ہے یعنی راندہ ہوا شیطان کہ جب اس نے سجدہ سے انکار کیا اسی وجہ سے امت اسلامیہ کے اپنے رب کو پہچاننے کا ناطہ حق تعالیٰ نے ذاتی وسائط کے طریقے سے جوڑ دیا ہے جو اسی کی طرف سے شروع کئے ہوئے ہیں۔ پس انبیاء کرام علیہم السلام اس کی طرف دلائل ہیں اور کعبہ اس کی طرف قبلہ ہے اور اس کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی توقیر و تعزیر اور اس سے محبت اور محبت آل بیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کی طرف قربت ہے اور اس امت کے صالحین صحابہ کرام و تابعین عظام و صدیقین و شہداء اور صالحین کرام کے ساتھ محبت اس کی طرف قربت کا ذریعہ ہے لہٰذا ان کی توجہ تلقی (قبولیت کی سند) اور ان کی دعا ترقی کا باعث ہے اس کی تلخیص یوں ہے کہ اس ذات (حضرت آدم علیہ السلام) کو سجدہ کر کے قرب خداوندی حاصل کرنا اللہ تعالیٰ کی عظیم تقدیس اور توقیر ہے اور اسی سے یہ معلوم ہوا کہ ہر وہ شخص جس کو

[1] سورۃ الاسراء ۶۱۔

اللہ تعالیٰ نے عظمت سے نوازا ہے اور اس کو عزت دی اور مقدس بیانا ہے تو اس کا وسیلہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے لیے قربت کا باعث ہے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی کہ پچھلی امتوں میں سجدہ شکر وتحیت کا مظہر تھا۔

جیسا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے آپ کو سجدہ کر کے تحیت پیش کی تھی

وَخَرُّوْا لَهٗ سُجَّدًا۔

''اس کے لئے سجدہ میں گرے۔''[1]

لیکن سجدہ شریعت اسلامیہ میں منع ہے کیونکہ سجدہ عبادت کی رمز ہے اور اس میں بھی ایک راز ہے (واللہ اعلم) کہ پچھلی امتوں میں سجدہ اس کی رحمت کے منتظر وفود کے شکر کے لیے کیا جاتا تھا اور جب رحمت منتظرہ اور منت مرتقبہ مل گئی اب اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت وشان کے لیے شکر اللہ کی عبادت ہو گیا۔۔۔۔۔۔۔۔۔؟

لہٰذا اللہ تعالیٰ کی رضا چاہنے کے لیے یہ ان پر عبادت مقرر کر دیا گیا اور مقام تحیت کے لیے اس کو منع کر دیا گیا اور یہ گزارشات ملائکہ میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کے پہچاننے کی طرف لے جاتی ہے۔ تخلیق میں اللہ تعالیٰ کا عدل اس کا مقتضی ہے کہ اس میں خیر وشر ہو پس جب اس کی حکمت کا تقاضا ہوا کہ مخلوق اس کی نافرمانی نہ کرے تو اس کو غیر اور ماسوی سے پاک فرمادیا اور یہ غیر اور سواء شیطان ہے لیکن اللہ تعالیٰ کا عدل اس بات کا مقتضی ہوا کہ یہ غیر اور سواء بھی اللہ تعالیٰ کے عمل سے محروم نہ رہے لہٰذا اس کے لیے لکھا گیا کہ وہ فرشتوں کے ساتھ عابد ہو۔ یہانتک کہ فرشتے اس کے شر ادراک نہ کر سکے کیونکہ وہ ان کا جز تھا پس جب اللہ تعالیٰ نے دوسری مخلوق پیدا کرنے کا ارادہ فرمایا جس میں خیر اور شر ہو لیکن ابلیس سے بڑھ کر کوئی شر نہ تھا اور اللہ تعالیٰ نے اس میں جو سب سے بڑی خصلت پیدا کی وہ یہ ہے کہ وہ خضوع کی حالت میں اپنے مولا اللہ تعالیٰ کی اطاعت نہیں کرتا جب کائنات میں سے وہ ہستی ظاہر ہوئی جس کو وہ اپنی نظر میں کمتر سمجھتا تھا (اس نے سوچا) کہ جب اسے رئیس الملائکہ جبرئیل کو سجدہ کرنے کا حکم نہیں دیا گیا تو ایسی مخلوق کو سجدہ کرنے کا حکم کیسے ہو سکتا ہے جو کہ شان میں اس سے کم تر ہے۔

---

[1] یوسف ۱۰۰۔

اس لیے اس نے کہا: ءَ اَسْجُدُ لِمَنْ خَلَقْتَ طِیْنًا (کیا میں اسے سجدہ کروں جسے تو نے مٹی سے بنایا) اور اس کو شبہ پڑ گیا جس کا اس نے اظہار کیا کہ تو نے مجھے اپنی تسبیح و تقدیس کے لیے بنایا ہے اور تیری تقدیس کا کمال اس میں نہیں کہ سجدہ تیرے غیر کو ہو اور تیرے سوا کسی کو سجدہ کرنا شرک ہے۔ اور میں سوا ہوں اور سوا حقیقت میں کسی دوسرے سوئی کو سجدہ نہیں کرتا مگر جب صاحب اللوا کو دیکھے اور اللہ تعالیٰ نے اس سے اس منظر کو مجحوب رکھا پس وہ ہمارے آقا و سردار حضرت محمد ﷺ کو نہ دیکھ سکا۔ اور جب ابن آدم کی روح دیگر ارواح جو کہ اپنے مقام پر متمکن تھیں کی نسبت سے کمزور تھی تو اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ اس کی حکمت کو ظاہر فرمائے تو اس نے بدن پیدا فرمایا جس کے ذریعے روح آدم روح متمکن سے بھی آگے بڑھ جائے خواہ وہ رحمانی ہو یا شیطانی رحمانی روح نے جب اس کو ابتدا ہی سے تھام لیا تو وہ اس میں جذب ہوگئی پھر وہ سیدھی راہ چلنے کو کچھ پہچانتی رہی جب اس کو شیطانی روح نے آلیا تو وہ بھٹک گئی اور گمراہ ہوگئی تو اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ اس کا بدن ہوتا کہ وہ اس کے ذریعے روحانی بلندیوں میں آگے بڑھے اور اس کے لئے شرائع نازل فرمائیں تاکہ وہ ان کے ذریعے پرورش پائے تو جب (روحانی ترقی کا) پھل پک گیا اور اس قدر تر و تازہ ہو گیا جتنا وقت معینہ تک اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے مقرر رکھا تھا تو اس کی روح کو قبض کر لیا اس طرح کہ جتنی ہر شخص نے مستقبل کے لئے تیاری کر رکھی تھی (روشنی کے منبع کے مطابق ہی روشنی ہوا کرتی ہے) واللہ اعلم۔

پس اللہ تعالیٰ کے فرمان اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ میں نکتہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ اسجدو لی۔ مجھے سجدہ کرو اور یہ بھی نہیں کہا کہ حضرت محمد ﷺ کو سجدہ کرو تو یہ انسان کے لیے حق تعالیٰ کی طرف سے اعلام ہے کہ اس کی بارگاہ میں تقرب تبعی طریقے سے ہوتا ہے اور اس تبعیہ کی حقیقت مخفی ہے اور اس حقیقت مخفی کو صرف اہل معیت کے ذوقی معانی کے ساتھ پایا جا سکتا ہے، اور اللہ تعالیٰ کا طریقہ اسی طرح جاری ہے جیسا کہ ہم نے مسئلہ شفاعت میں بیان فرمایا ہے کہ جب ساری مخلوق حضرت آدم علیہ السلام کے حضور حاضر ہوگی۔

اور اس میں یہ اشارہ ہے کہ جو فضیلت چاہتا ہے وہ اس کو حاصل نہیں کر سکتا مگر فضیلت والوں کی معرفت سے اور حضرات انبیاء کرام علیہم السلام سب لوگوں سے زیادہ فضیلت والے ہیں پس جب سب لوگوں سے زیادہ فضل والے کو پہچانا گیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے فضل پر ان کو دلالت فرمایا۔ اور ان کو وہاں تک پہچا دیا اور حق تعالیٰ نے یہ مسئلہ اس وقت زیادہ مؤکد فرما دیا جب معراج کی رات پانچ نمازیں فرض فرمائیں تو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف بھیجا حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت موسیٰ علیہ السلام سے افضل و اعلیٰ ہیں یہ صرف اس لیے کہ اس امت کو بتا دیا جائے کہ اس کی طرف سے مشروع واسطے حیثیت رکھتے ہیں۔

(یعنی معراج کی رات پچاس نمازوں سے پانچ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مشورے سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بار بار واپس جانے پر ہوئیں حضرت موسیٰ علیہ السلام واسطہ بنے)

مقام دنی اور اقتراب سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مقام تدلی کی طرف لوٹایا تو کس نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو موسیٰ علیہ السلام کی طرف دلالت کی جب کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قرب میں مقام دنی پر ہیں تو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے حق تعالیٰ نے مقام تشریع میں کلام فرمایا اور حضرت کی شریعت ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت میں سے ایک جز ہے تو یہ ضروری ہے کہ جز کا مظہر حقیقت میں کل کی طرف لوٹے تا کہ اس پر حکم کی بنا رکھی جائے۔

عمر خیام نے کہا۔

قد تفصل القطرة عن بحرها ففي مداه منتهى أمرها۔

آٹھویں دلیل:

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

أَلَمْ يَأْنِ لِلَّذِينَ آمَنُوا أَنْ تَخْشَعَ قُلُوبُهُمْ لِذِكْرِ اللَّهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ وَلَا يَكُونُوا كَالَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ

مِنۡ قَبۡلُ فَطَالَ عَلَيۡهِمُ الۡاَمَدُ فَقَسَتۡ قُلُوۡبُهُمۡ وَ كَثِيۡرٌ مِّنۡهُمۡ فٰسِقُوۡنَ ۔ اِعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰهَ يُحۡيِ الۡاَرۡضَ بَعۡدَ مَوۡتِهَا قَدۡ بَيَّنَّا لَكُمُ الۡاٰيٰتِ لَعَلَّكُمۡ تَعۡقِلُوۡنَ ۔ اِنَّ الۡمُصَّدِّقِيۡنَ وَالۡمُصَّدِّقٰتِ وَ اَقۡرَضُوا اللّٰهَ قَرۡضًا حَسَنًا يُّضٰعَفُ لَهُمۡ وَلَهُمۡ اَجۡرٌ كَرِيۡمٌ۔

’’کیا ایمان والوں کو ابھی وہ وقت نہ آیا کہ ان کے دل جھک جائیں اللہ کی یاد اور اس حق کے لئے جو اترا اور ان جیسے نہ ہوں جن کو پہلے کتاب دی گئی پھران پر مدت دراز ہوئی تو ان کے دل سخت ہو گئے اور ان میں بہت فاسق ہیں۔ جان لو کہ اللہ تعالیٰ زمین کو زندہ کرتا ہے اس کے مرے پیچھے، بے شک ہم نے تمہارے لئے نشانیاں بیان فرما دیں کہ تمہیں سمجھ ہو بے شک صدقہ دینے والے مرد اور صدقہ دینے والی عورتیں اور وہ جنہوں نے اللہ کو اچھا قرض دیا ان کے دونے ہیں اور ان کے لئے عزت کا ثواب ہے۔‘‘[1]

ان آیات کریمہ میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی بارگاہ میں وسائط مشروعہ کی اہمیت پر دلیل تلویحی اشارہ ہے لہذا اللہ تعالیٰ نے جیسا کہ ارشاد فرمایا۔

اَلَمۡ يَاۡنِ لِلَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَنۡ تَخۡشَعَ قُلُوۡبُهُمۡ لِذِكۡرِ اللّٰهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الۡحَقِّ

’’(کیا ایمان والوں کو ابھی وہ وقت نہ آیا کہ ان کے دل جھک جائیں اللہ کی یاد اور اس حق کے لئے جو اترا)‘‘

یہاں ذکر سے مراد غایت مرجوہ ہے حقیقت انزال وارسال سے یعنی شریعتوں کا انبیا کرام کی زبانوں پر نازل فرمانا۔ اور اس مخلوق کے لیے رسول کا تبلیغ فرمانا۔ لہذا غایت کی تقدیم واجب ہوئی اور وہ ذکر ہے اور وسیلہ کو موخر کیا اور وہ ارسال ہے یعنی وسائل اور عبادت کے طریقے اللہ کے ذکر کی معرفت تک پہچانے والے ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان:

---

[1] سورۃ الحدید ۱۶۔۱۷۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ۔

''ایمان والے تو وہی ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے۔''

رسولوں اور جو وہ لائے اس پر ایمان کو مقدم کیا گیا اور رسول اور جو وہ لائے وہ روشن آیات ہیں اور یہ اللہ تعالیٰ کی معرفت کا واسطہ ہیں پس اللہ تعالیٰ کی معرفت تامہ حاصل نہیں ہو سکتی مگر ان وسائط کے ساتھ کہ اس پر دلالت کریں اور وہ رسول علیہم السلام ہیں پھر اس آیت کو اس پر ختم کیا۔

اِعْلَمُوْا أَنَّ اللّٰهَ یُحْیِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا

''(جان لو کہ اللہ تعالیٰ زمین کو زندہ کرتا ہے اس کے مرے پیچھے)''[1]

پس یہ بشارت ہے اور مواسات ہے ہر اس شخص کے لیے کہ جو وسائل مشروعہ ظاہرہ کے اخذ کی توفیق نہیں رکھتا اس کو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے یاس و ناامیدی نہیں رکھنی چاہیے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ظاہری اور غیر ظاہری دونوں اسباب سے جاری ہوتی ہے۔ پس اللہ تعالیٰ مؤمنین سے فرماتا ہے کہ اگر تم اسباب ظاہری کے ساتھ مجھ تک رسائی کی توفیق نہیں رکھتے تو میری جناب سے رحمت باطنیہ کا یقین رکھو۔

پس اس سے امید و رجاء متحقق ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ادب یہ ہے کہ انسان اسباب ظاہری کو پکڑے اور اگر ان تک نہ پہنچ سکے تو ان پر ایمان رکھنا ہی کافی ہے اور اللہ تعالیٰ سے امید معلق رکھے۔

نویں دلیل:

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَا يَشَآءُ اِنَّهٗ عَلِيٌّ حَكِيْمٌ۔

---

[1] سورۃ الحجرات ۱۵۔

''اور کسی آدمی کو نہیں پہنچتا کہ اللہ اس سے کلام فرمائے مگر وحی کے طور پر یا یوں کہ وہ بشر پردہ عظمت کے ادھر ہو یا کوئی فرشتہ بھیجے کہ وہ اس کے حکم سے وحی کرے جو وہ چاہے بے شک وہ بلندی وحکمت والا ہے۔''[1]

اس آیت میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے توسل بالذوات کا اثبات فرمایا ہے۔ کہ اس کا اثبات وسائط مشروعہ کے ذکر کے ساتھ کیا ہے اور اللہ تعالیٰ سے اتصال ان وسائط کے بغیر ممنوع قرار دیا ہے، اور یہ وسائط اللہ تعالیٰ کے کلام کے سماع کے لئے وسیلہ اور سبب ہیں کیونکہ اسی سے اجابت (دعا کی قبولیت) متحقق ہوتی ہے اور استجابۃ (حکم ماننے) کی تنفیذ ہوتی ہے۔

اور یہی حال ندائے (یا) میں ہے کیونکہ قبولیت بغیر ندا کے متحقق نہیں ہوتی وہ جس بھی مشکل میں ہو پس ندا اجابت کے لیے وسیلہ ہے پس یہ (یعنی وسائط) وسیلہ ہیں جس کو اسم جلالہ (اللہ) کے ساتھ ندا میں ضروری قرار دیا گیا ہے۔ پس جب تم نے وسیلہ معنویہ کو جائز قرار دیتے ہو اور معانی سے عالم شھود میں وسیلہ حسیہ ناطقہ کی تم نفی کرتے ہو۔

پس اگر تم ''یا'' کی صورت مادسے توسل کرتے ہو بجائے اس کی حقیقت کے تو یہ محض شرک ہے اور تم اللہ کو حرف ندا کے خطاب کے بغیر مخاطب کرنے سے منع کرتے ہو اور تمھارے گمان میں یہ باطل ہے اور تم محظور میں پڑتے ہیں پس اس کی اجازت دیتا ہے جو توسل کی اجازت دیتا ہے کیونکہ اہل توسل اہل تجرید وتفرید ہیں اور تم اہل تجسیم وتحدید ہو۔

اور اگر تمھارا توسل کرنا اس کی حقیقت مشروعہ کے ساتھ ہے تو اس میں ہمارے درمیان کو اختلاف نہیں ہے بالخصوص کہ اھل حق کے نزدیک اسم مفرد سے ندا ثابت ہے یعنی حرف ندا ''یا'' کے حذف کے ساتھ بھی اور اس میں تائید واثبات کیلیے صحیح مسلم وغیرہ کی وہ حدیث کافی ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

---

[1] سورۃ الشوری ۵۱۔

لاتقوم الساعة حتی لا یقال فی الارض۔ الله۔ الله۔

''قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی کہ جب تک کوئی ایک شخص بھی اللہ، اللہ کرنے والا زمین میں موجود ہوگا۔''①

امام احمد بن مصطفی العلاوی اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں۔اس حدیث شریف میں ایک بہت بڑی قابل اعتماد دلیل ہے اور یہ ہے کہ اس میں لفظ جلالت دو مرتبہ آیا ہے جو کہ اس میں صریح ہے کہ اس سے مراد ذکر اسم اللہ ہے اور اگر یہ لفظ مکرر نہ آتا تو احتمال نکل سکتا تھا کہ اس سے مراد ہے کہ یہاں تک کہ کوئی ایک شخص بھی زمین میں ایسا نہ ہو جو اللہ کے وجود کا معتقد ہو۔اور تکرار کے ساتھ آنے میں اس میں یہ احتمال نہیں نکل سکتا ② اور اس معنی کی تائید وہ روایت کرتی ہے کہ جس کو امام حاکم نے ''مستدرک'' میں روایت کیا ہے۔

اور اس کے راوی صحیحین کے راوی ہیں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے فرمایا

مرّ النبی بی وأنا ادعوا بأصبعی فقال؛ احد احد واشار بالسبابة۔

''نبی کریم ﷺ میرے پاس سے گزرے اور میں ایک انگلی سے دعا مانگ رہا تھا تو آپ نے ارشاد فرمایا۔احد۔احد اور انگشت شہادت کے ساتھ اشارہ فرمایا۔''③

---

①صحیح مسلم(۱ / ۱۳۱)فی الایمان۔واحمد فی مسندہ ۳/۲۵۹،و ابو عوانة ۱/۹۵ (۲۹۴)وابن حبان فی الصحیح ۱۵/۲۲۳ (۶۸۴۹)وابن مندة فی الایمان ۱/۵۳۳۔

②القول المعتمد فی مشروعیة الذکر بالاسم المفرد ۱۹۔

③المستدرک(۱/۷۱۹۔برقم ۱۹۶۶۔۲۶ واقرہ الذہبی)

★وأخرجه الضیاء فی الاحادیث المختارة ۳/۱۴۹(۹۴۷)و ابو داؤد فی السنن(۱۴۹۹) والنسائی فی الکبری ۱/۳۷۷(۱۱۹۶) و ابو یعلی فی مسندہ ۲/۱۲۳(۷۹۳) والدارقطنی فی العلل ۴/۳۹۷۔

امام علاوی نے کہا۔ احد۔ کا معنی اللہ کا اسم مفرد ہے کہ اس کے ساتھ کوئی شریک نہیں ہے اور اس مسئلہ میں احادیث کثیر ہیں کہ ان کا احاطہ نہیں ہو سکتا۔[1]

اور اس معنی کی تائید علامہ محدث عبداللہ بن صدیق الغماری رحمۃ اللہ نے اپنی کتاب "الاعلام بأن التصوف من شریعۃ الاسلام"[2] میں کی ہے۔

میں کہتا ہوں کہ ہمارے شیخ علاوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تقریر میں سچ فرمایا ہے کیونکہ بہت ساری صحیح احادیث شیخ کے بیان کردہ معانی کی تائید کرتی ہیں اور اس کے موافق ہیں تو اس سے بدعتیوں کا رد کر دیا گیا جو کہ اپنی خواہش نفس کے ساتھ حدیث کی تشریح کرتے ہیں اور مراد معنی کی تفسیر کیلئے صحیح اخبار و اثار مروی ہیں ان میں سے کچھ ہم بیان کرتے ہیں۔

(۱) پہلا شاہد:

ابن اسحق سے روایت ہیں:

قال ابن اسحق وحد ثنی هشام بن عروة عن ابیه: قال : کان ورقة بن نوفل یمر به (ای بلال) وهو یعذب بذلک، وهو یقو ل أحد ، فیقول :أحد أحد والله یا بلال ۔۔۔۔اھ

بسند مذکور: ورقہ بن نوفل حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے پاس سے اس وقت گزرے جب کہ کفار ان کو سزا دے رہے تھے اور حضرت بلال احد۔ احد پکار رہے تھے تو ورقہ بن نوفل نے کہا اللہ کی قسم یا بلال احد احد۔[3]

---

[1] القول المعتمد (۳۵)۔

[2] اعلام بان التصوف من شریعۃ الاسلام ۵۶۔۵۷۔

[3] السیرة النبویة لابن هشام ۲/۱۶۰، الریاض النضرة للطبری ۲/۲۳، وفتح الباری ۸/۷۲۱۔

اس حدیث ابن اسحق کے دو مرسل طریق ہیں پس اس طرح یہ حدیث حسن لغیرہ ہے۔

(۲) دوسرا شاہد:

کہ جس کو بغوی نے معجم الصحابۃ میں روایت کیا:

عن محمد بن عبدالملک بن زنجویه اخبرنا عبدالرزاق انبأ نا معمر ، انبأ نا عطاء الخراسانی قال کنت عند ابن المسیب فذکر بلالا فقال : کان شحیحا علی دینه ، وکان یعذب فی الله ، وکان یغرب علی دینه ، فاذا أراد المشرکون أن یقاربهم قال : الله الله ۔۔۔۔

بسند مذکور حضرت عطاء خراسانی سے روایت ہے کہ میں حضرت ابن مسیب کے پاس تھا کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا ذکر خیر ہوا تو انہوں نے فرمایا کہ وہ اپنے دین میں بڑے حریص تھے اللہ تعالیٰ کی توحید اور دین کی حقانیت پر ان کو بہت ایذا و سزا دی گئیں جب بھی مشرک ان کے قریب آنے کا ارادہ کرتے تو وہ اللہ اللہ پکارتے تھے۔[1]

تیسرا شواہد:

امام ابن عبدالبر اسے ہے انہوں نے یہی خبر متقدم اپنی سند کے ساتھ "الاستیعاب" میں روایت کی ہے۔[2]

---

[1] معجم الصحابة للبغوی ۱/۲۶۰ (۲۶۳) ٭کتاب الجامع لمعمر بن راشد ۱۰/۲۲۶ (۴۸۵۹) ۔وفی نسخة ۱۱/۲۳۴،وشعب الایمان للبیهقی ۲/۲۳۸ (۱۶۲۶) وسیر اعلام النبلاء ۱/۳۵۲ ۔

[2] الاستیعاب لابن عبدالبر جلد ۱/۱۷۹ (۲۱۳)۔

میں کہتا ہوں کہ یہ اثر صحیح الاسناد ہے لہذا ابن حبان اور عقیلی کا عطاء الخراسانی کی تضعیف کی طرف توجہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

امام ذھبی نے اس کے بارے میں ''میزان الاعتدال'' میں کلام کرتے ہوئے فرمایا کہ ''امام احمد اور یحیی بن معین اور عجلی اور امام یعقوب اور دار قطنی اور ابن ابی حاتم اور امام ترمذی نے اس کو ثقہ کہا ہے۔

اور امام ترمذی نے اس کے بارے میں فرمایا کہ اس سے امام مالک اور معمر جیسی شخصیات روایت کرتی ہیں اور متقدمین میں سے کسی سے نہیں سنا کہ اس نے اس میں کلام کیا ہو۔

پھر امام ذھبی نے فرمایا کہ اور ابن حبان کا اس کے بارے میں کہنا کہ اس میں نظر ہے (ضعیف ہے) میں ذھبی کہتا ہوں کہ اس روایت میں عطا کے وھم کی وجہ سے اگر ضعف تسلیم بھی کرلیا جائے تو بھی اہل علم جیسا کہ امام احمد بن حنبل وغیرہ ضعیف حدیث کو بھی تفسیر بالرائے پر مقدم کرتے ہیں۔

دسویں دلیل:

اللہ تعالیٰ نے سورہ الاعراف میں فرمایا:

اَلَّذِیۡنَ یَتَّبِعُوۡنَ الرَّسُوۡلَ النَّبِیَّ الۡاُمِّیَّ الَّذِیۡ یَجِدُوۡنَهٗ مَکۡتُوۡبًا عِنۡدَهُمۡ فِی التَّوۡرٰىةِ وَالۡاِنۡجِیۡلِ یَاۡمُرُهُمۡ بِالۡمَعۡرُوۡفِ الی قوله تعالیٰ: وَیَضَعُ عَنۡهُمۡ اِصۡرَهُمۡ وَالۡاَغۡلٰلَ الَّتِیۡ کَانَتۡ عَلَیۡهِمۡ۔

''وہ جو غلامی کریں گے اس رسول بے پڑھے غیب کی خبریں دینے والے کی جسے لکھا ہوا پائیں گے اپنے پاس توریت اور انجیل میں وہ انہیں بھلائی کا حکم دے گا۔ اور ان پر سے وہ بوجھ اور گلے کے پھندے جو ان پر

تھے اتارے گا۔"[1]

پس یہ آیت موحدین اور نبی اکرام ﷺ کی تصدیق کرنے والوں کو واضح کرتی ہے۔ کہ وہ اہل کتاب کے انکار اور تکبر کے راستے پر نہ چلیں۔ اور اہل کتاب اس مبارک نبی آخر الزمان کے ساتھ مدد طلب کرتے اور فتح مانگتے تھے جیسا کہ پیچھے تفصیل سے گزر چکا ہے۔

پس اللہ تعالیٰ نے ان کو نبی اکرام ﷺ کے نام پاک کے صدقے اور مدد استعانت کے سبب ان کے گناہ اور ان کے طوق اتار دے جو ان پر پڑے تھے یعنی ان کے مصائب ان سے دور کرتا اور ان کی مشکلات نبی اس کی برکت سے حل فرماتا تھا لیکن جب آپ ﷺ کو معبوث فرمایا گیا تو انہوں نے حسد اور تکبر کرتے ہوئے انکار اور کفر کر دیا لہذا مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ رسولوں اور انباء وصالحین اولیاء سے توسل کیا کریں اس کی تائید اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان کرتا ہے:

وَمَنْ يُّعَظِّمْ حُرُمَاتِ اللّٰهِ فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ، وَأُحِلَّتْ لَكُمُ الْاَنْعَامُ اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ ۔۔۔ حُنَفَآءَ لِلّٰهِ غَيْرَ مُشْرِكِيْنَ بِهٖ۔۔۔

"اور جو اللہ کی حرمتوں کی تعظیم کرے تو وہ اس کے لئے اس کے رب کے یہاں بھلا ہے اور تمہارے لئے حلال کئے گئے بے زبان چوپائے سوائے ان کے جن کی ممانعت تم پر پڑی جاتی ہے۔۔۔ ایک اللہ کے ہو کر کہ اس کا ساجھی کسی کو نہ کرو۔"[2]

ذٰلِكَ وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ۔

---

[1] سورۃ الاعراف ۱۴۸۔

[2] سورۃ الحج ۳۰۔۳۱۔

''بات یہ ہے جو اللہ کے نشانوں کی تعظیم کرے تو یہ دلوں کی پرہیز گاری سے ہے۔''[1]

اس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے شعائر اور نعمتوں کی تعظیم سے شرک کی نفی کی ہے کہ ان کی تعظیم شرک ہو، لوگ سمجھتے ہیں کہ سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی کی تعظیم نہیں کرنی چاہیے حالانکہ اس میں بہت سارا فرق ہے۔

قُلْ اِنَّ الْاَمْرَ كُلَّهٗ لِلّٰهِ ۔

''تم فرمادو کہ اختیار تو سارا اللہ کا ہے۔''[2]

یعنی امر و حکم کا حق نہ کہ حق کا، پس حقائق کے لیے حقائق ہوتے ہیں اور حقائق مستمدہ اور ممدہ ہوتے ہیں اور حق مد ہوتا ہے مستمد نہیں ہوتا کیونکہ وہ کرتا ہے جو ارادہ فرماتا ہے اور اس کو تفصیل کے ساتھ مقدمہ میں بیان کر دیا گیا ہے، وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

گیارہویں دلیل:

حق سبحانہ وتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ اٰمِنُوْا بِرَسُوْلِهٖ يُؤْتِكُمْ كِفْلَيْنِ مِنْ رَّحْمَتِهٖ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ نُوْرًا تَمْشُوْنَ بِهٖ وَ يَغْفِرْ لَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ لِئَلَّا يَعْلَمَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَلَّا يَقْدِرُوْنَ عَلٰى شَيْءٍ مِّنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاَنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۔

---

[1] سورۃ الحج ۳۲۔

[2] سورۃ آل عمران ۱۵۴۔

''اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ وہ اپنی رحمت کے دو حصے تمہیں عطا فرمائے گا اور تمہارے لئے نور کر دے گا جس میں چلو اور تمہیں بخش دے گا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے یہ اس لئے کہ کتاب والے کافر جان جائیں کہ اللہ کے فضل پر ان کا کچھ قابو نہیں اور یہ کہ فضل اللہ کے ہاتھ ہے دیتا ہے جسے چاہے اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔''[1]

اللہ حق سبحانہ وتعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں متقین کے لیے حقیقت ایمانیہ کو واضح فرمایا ہے اور تقوی اور صبر کرنے والے کے لیے عظیم عزت کا بیان فرمایا ہے اور اپنی نعمتوں میں سے دو نعمتوں ابھارا ہے اور اپنی مہربانیوں میں سے دو مہربانیوں اور عطاؤں میں سے دو عطاؤں اور اپنی رحمت میں سے دو کفلوں اور اپنی امانتوں میں سے دو امانتوں کا ذکر فرمایا ہے پس اس امت میں سے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے یہ مہربانی وعطا حاصل کی ہے اور اس آیت میں دو (کفل) وہ دو عزتیں ہیں اور رحمت حضرت سیدنا محمد ﷺ ہیں۔

پس جو اپنے ایمان میں سچا ہوا تو وہ یہ دونوں پائے گا تو وہ اپنے رب کی طرف سے نور پر ہو گا اور اللہ تعالیٰ اس کے لیے یہ دونوں فرق کرنے والی سعادتیں متحقق فرما دے گا۔ جیسا کہ اس کا فرمان عالی شان ہے:

اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا۔

''اگر اللہ سے ڈرو گے تو وہ تمہیں دے گا جس سے حق کو باطل سے جدا کر لو۔''[2]

یعنی اس کے دل میں قرآن برقرار رکھے گا اور اس کی زبان پر نورانی شریعت کا فرقان ظاہر ہو گا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے یہ واضح فرمایا کہ فضل اسی کے ہاتھ میں ہے اور کسی دوسرے کے ہاتھ میں نہیں ہے اور وہ کسی ایک کے پاس جمع نہیں ہوتا بلکہ وہ عطا فرماتا ہے جس کو چاہتا ہے اور یہ اہل کتاب کے ساتھ خاص نہیں ہے، بلکہ جس کے لیے اللہ سبحانہ وتعالیٰ چاہے اس کے لیے ہے اور وہ فضل عزت ومرتبہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے اس کو بخش دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل کا مالک ہے۔

[1] سورۃ الحدید ۲۸۔۲۹۔ [2] سورۃ الانفال ۲۹۔

یعنی یہ فضل اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہی حاصل ہوسکتا ہے اور یہ مرتبہ اس کے مرتبہ سے حاصل ہوسکتا ہے اور اس کے فضل کی اصل وحقیقت اور جاہ ومرتبہ کی اصل وحقیقت کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے عظیم کے ساتھ تعبیر فرمایا ہے یعنی تمام عالمین کی شانیں اللہ تعالیٰ کی شان کے تحت مقہور ہیں کیونکہ وہ ذوالفضل العظیم ہے۔

پس جس کو یہ فضل ملے گا تو یقیناوہ اہل قرب ووسیلہ ہوگا پس وہ اس کا حق دار ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی بارگاہ میں اس کو وسیلہ بنایا جائے اور اس کے ذریعے مدد طلب کی جائے پس اب کفلان سے مراد عزت وجاہ ومرتبہ ہونگے تو عزت مرتبہ کے بغیر نہیں اور مرتبہ عزت کے بغیر نہیں اور جو عزت کا منکر ہوگا وہ مرتبہ کا منکر ہوگا اور جس نے مرتبہ کا انکار کیا اس نے عزت کا استخفاف کیا اور اولیاء اللہ وہ ہیں کہ جن کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ دونوں سعادتیں وحصے عنایت فرمائے ہیں اور یہ دونوں نعمتیں عطا فرمائی ہیں:

جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

فَاُولٰئِکَ مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِیْنَ وَحَسُنَ اُولٰئِکَ رَفِیْقًا۔

"تو اسے ان کا ساتھ ملے گا جن پر اللہ نے فضل کیا یعنی انبیاء اور صدیق اور شہید اور نیک لوگ یہ کیا ہی اچھے ساتھی ہیں۔"[1]

پس یہ دونوں حقیقتیں جدا نہیں ہوتیں اور ان دونوں کا منکر جاہل اور احمق ہے اس کی بات پر دھیان نہیں دینا چاہیے، کلمہ رَفِیْقًا نبی اکرم ﷺ کی ذات کی عظمت واضح کرتا ہے کیونکہ آیت کریمہ میں ہر ایک جس کا ذکر ہوا چنے ہوئے اولیاء واخیار سب اسی رفیق کی ہی رفاقت چاہتے ہیں اور اسی لیے حضرت ربیعہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کی جب

---

[1] سورة النساء ۶۹۔

آپ ﷺ نے آپ رضی اللہ عنہ سے ارشاد فرمایا ''سل تعط'' مانگو عطا کیا جائے گا تو آپ رضی اللہ عنہ نے عرض کی ''أسألک مرافقتک فی الجنة'' یعنی یارسول اللہ ﷺ میں آپ ﷺ سے جنت میں آپ ﷺ کا پڑوس اور ہمسائیگی مانگتا ہوں۔

پس حضرات انبیاء کرام اور اولیاء کرام کا مقام و مرتبہ ذات مصطفیٰ ﷺ پر قائم ہے کیونکہ آپ ﷺ کی مرافقت سے ہی انہوں نے یہ مرتبہ پایا ہے اور اس راز سے سعادت حاصل کر لیتے اور اللہ تعالیٰ نے امت محمدیہ ﷺ کو دیگر امتوں میں سے اس خصوصیت کے ساتھ خاص فرمایا ہے تاکہ یہ امت دیگر سب لوگوں پر گواہ ہو جائے اور رسول اللہ ﷺ ان پر گواہ یعنی امین ہو جائیں۔ لہذا اللہ تعالیٰ کا قول ہے:

اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَذِکْرٰی لِمَنْ کَانَ لَهٗ قَلْبٌ اَوْ اَلْقَی السَّمْعَ وَهُوَ شَهِیْدٌ۔

''بے شک اس میں نصیحت ہے اس کے لئے جو دل رکھتا ہو یا کان لگائے اور متوجہ ہو۔''[1]

پس عام مسلمانوں میں سے جس کے پاس بھی قلب سلیم ہو خواہ ان کا تعلق ان امتوں سے ہو جنہوں نے رسولوں اور نبیوں کی تصدیق کی تھی یا جس نے اَلْقَی السَّمْعَ وَهُوَ شَهِیْدٌ پس انبیاء اور صدیقین میں سے وہ ہیں کہ جن کو اللہ تعالیٰ نے خلق پر امیں بنا کر بھیجا ہے جیسا کہ آیت متقدمہ میں ہے کہ جس نے حق کی گواہی دی اور اس کی تصدیق کی یعنی مواثیق اقرار واجتباء واصطفاء وابتلاء کی گواہی۔ واللہ اعلم

بارھویں دلیل:

وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ یَّتَّخِذُ مَا یُنْفِقُ مَغْرَمًا وَّیَتَرَبَّصُ بِکُمُ الدَّوَآئِرَ عَلَیْهِمْ دَآئِرَةُ السَّوْءِ وَاللّٰهُ سَمِیْعٌ

---

[1] سورہ ق ۳۷۔

عَلِيمٌ ۝ وَمِنَ الْأَعْرَابِ مَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ قُرُبٰتٍ عِنْدَ اللّٰهِ وَصَلَوٰتِ الرَّسُوْلِ اَلَآ اِنَّهَا قُرْبَةٌ لَّهُمْ سَيُدْخِلُهُمُ اللّٰهُ فِيْ رَحْمَتِهٖ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۔

''اور گنوار وہ ہیں کہ جو اللہ کی راہ میں خرچ کریں تو اسے تاوان سمجھیں اور تم پر گردشیں آنے کے انتظار میں ہیں انہیں پر ہے بری گردش اور اللہ سنتا جانتا ہے اور کچھ گاؤں والے وہ ہیں جو اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتے ہیں اور جو خرچ کریں اسے اللہ کی نزدیکیوں اور رسول سے دعائیں لینے کا ذریعہ سمجھیں ہاں ہاں وہ ان کے لئے باعث قرب ہے اور جلد انہیں اپنی رحمت میں داخل کرے گا بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔''[1]

اور دوسری دلیل:

وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ اُذُنٌ قُلْ اُذُنُ خَيْرٍ لَّكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَيُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَرَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ۔۔

''اور کہتے ہیں وہ تو کان ہیں تم فرماؤ تمہارے بھلے کے لئے کان ہیں اللہ پر ایمان لاتے ہیں اور مسلمانوں کی بات پر یقین کرتے ہیں اور جو تم میں مسلمان ہیں ان کے واسطے رحمت ہیں۔''[2]

علامہ آلوسی نے اپنی تفسیر میں ذکر فرمایا جس کا معنی یہ ہے کہ:

وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يَّتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ مَغْرَمًا یعنی جرمانہ اور نقصان وَّ يَتَرَبَّصُ بِكُمُ الدَّوَآئِرَ عَلَيْهِمْ دَآئِرَةُ السَّوْءِ

---

[1] سورۃ التوبہ ۹۸-۹۹۔

[2] سورۃ التوبۃ ۶۱۔

وَاللّٰہُ سَمِیۡعٌ عَلِیۡمٌ ۔۔۔۔ وَمِنَ الۡاَعۡرَابِ مَنۡ یُّؤۡمِنُ بِاللّٰہِ وَالۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ وَ یَتَّخِذُ مَا یُنۡفِقُ قُرُبٰتٍ عِنۡدَ اللّٰہِ بمعنی تقرب اور اس سے مراد ہے کہ مال خرچ کرنے کو تقرب کا سبب بنانا وَصَلَوٰاتِ الرَّسُوۡلِ یہ قربات پر عطف ہے یعنی آپ ﷺ کی دعا کے لئے سبب بناتے ہیں کیونکہ آپ ﷺ صدقہ کرنے والوں کے لیے خیر و برکت کی دعا کرتے اور ان کے لیے استغفار کرتے ہیں اور صلوات کا عطف مَا یُنۡفِقُ پر بھی جائز ہے، یعنی جو صدقہ اور رسول اللہ ﷺ کی دعا کو قربات کا سہارا بناتا ہے اَلَاۤ اِنَّہَا قُرۡبَۃٌ لَّہُمۡ یہ الفاظ اللہ تعالیٰ کی جناب سے ان کے عقیدہ کی صحت پر گواہی ہے اور ان کی امیدوں کی تصدیق ہے اور صرف اس بیان پر اقتصار کرنا کہ یہ ان کے لئے قربت ہے اس وجہ سے کیونکہ قربت ہی آخری مقصد ہے اور رسول اللہ ﷺ کی دعائیں اس قربت کا ذریعہ ہیں۔

میں کہتا ہوں (عیسی بن عبد اللہ): اللہ تعالیٰ نے اس نص قرآنی میں بھی جیسا کہ ہمیں پچھلے نصوص میں علم ہوا۔ قربات مشروعہ اور غیر مشروعہ میں موازنہ فرمایا ہے۔ اور ان دونوں کے درمیان حلال وحرام کا فرق واضح فرمایا ہے جیسا کہ بیع اور سود کے درمیان فرق ہے۔

پس اللہ تعالیٰ نے جاہل کفار اور مومنوں کے قربات کے طریقوں میں فرق فرمایا ہے تو کفار کے قربات باطل ہیں کیونکہ وہ غیر مشروع ہیں اور خواہش نفس اور شرک پر مبنی ہیں جبکہ قربات مشروعہ مقرر ہیں شرعی حدود و قواعد کے تحت لہذا اللہ تعالیٰ نے اس کی اجازت فرمائی کیونکہ اس میں نفس کی ذلت و رسوائی ہے اور یہ اس یقین کی طرف لے جانے والی ہیں کہ جس کی اللہ تعالیٰ مومنین کے لئے چاہتا ہے کیونکہ یقین کا داعی تکبر اور غرور سے برأت چاہتا ہے یہی راز ہے ہدایت نبوی کے اس بات کی طرف توجہ دلانے کا کہ وسیلے اختیار کرو وسیلوں کو مقرر کرنے والے پر اعتماد کے ساتھ اور اس اعتقاد کے ساتھ کہ وسائل

لذاتھا نفع ونقصان کے مالک نہیں ہیں لیکن ان کو اختیار کیا جاتا ہے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے ہوئے اور اس کے حکم کی پیروی کرتے ہوئے جس کا تقاضا فطرت سلیم کرتی ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو پیدا فرمایا ہے۔

کیونکہ وسائل کا ترک کرنا تکبر اور شیطانی فرعونیت کی طرف داعی ہے جو کہ کفر و ضلال کی طرف لے جاتا ہے اسی نے ابلیس کو گمراہ کر دیا تھا تو اللہ تعالیٰ نے قرب طالحہ کے بعد قرب صالحہ کا ذکر فرمایا ہے مسلمانوں کو خبر دار کرنے کے لیے اور متقین کے طریقے کی پہچان کرانے کے لئے۔

پس ارشاد فرمایا، وَمِنَ الْأَعْرَابِ مَنْ يُؤْمِنُ یعنی اس پر ایمان لائے کہ اللہ تعالیٰ نے اسباب کی توقیر کو مشروع فرمایا ہے اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے حکم کا تقاضا یہ ہے کہ وہ خرچ کریں جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک قربت ہے محاصل کے حصول منازل تک بلوغ کے لیے وسائل کو اختیار کریں، اور پھر اس کے بعد عطف فرمایا کہ متسبب (نبی اکرم ﷺ) تمام صورتوں میں خیر و بھلائی والے ہیں تاکہ اس سے معلوم ہو کہ اس صدقہ دینے والے کا یہ فعل رسول اللہ ﷺ کی خاطر نہیں ہے اور اگر اس نے یہ صدقہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے پیش کیا تو رسول اللہ ﷺ پر کوئی احسان نہیں کیا بلکہ رسول اللہ ﷺ اس امت پر احسان و فضل فرمانے والے ہیں کیونکہ ان کی دعا ان سب کے لیے قربت خداوندی کا باعث ہے پس رسول اللہ ﷺ پر ادنی سی مہربانی اور احسان نہیں ہے اس امت کا،

جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کی صحیح حدیث میں مروی ہے کہ:

ان الدعاء يعتلج بين السماء والأرض أي لا يرتفع حتى يصدر بالصلاة على رسول الله ويختم بالصلاة على رسول الله)

"بے شک دعا زمین و آسمان کے درمیان معلق رہتی ہے جب تک کہ اس کے

اول و آخر میں نبی اکرم ﷺ پر درود شریف نہ پڑھا جائے۔"[1]

اور آپ ﷺ نے فرمایا:

لا تجعلونی کقدح الراکب۔

"مجھے سوار کے پیالے کی طرح نہ بنالینا"[2]

پس جب ذات اقدس پر درود شریف پڑھنا مسلمانوں کے لیے قربت کا ذریعہ ہے، تو یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے ہمارے لیے خبر ہے کہ اگر ہم یہ نہیں کریں گے تو اللہ تعالیٰ کیسے ہمارے لیے قربت عطا فرمائے گا، اور نص قرآن سے یہ تو معلوم ہے کہ:

وَكُلَّ إِنسَانٍ أَلْزَمْنَاهُ طَائِرَهُ فِي عُنُقِهِ۔

"اور ہر انسان کی قسمت ہم نے اس کے گلے میں لگا دی ہے۔"[3]

اور فرمایا:

وَأَن لَّيْسَ لِلْإِنسَانِ إِلَّا مَا سَعَىٰ۔

"اور یہ کہ آدمی نہ پائیگا مگر اپنی کوشش"[4]

تو کیا قرآن کی ان دونوں آیتوں میں تعارض ہے؟

اس آیت میں بہت بڑی دلیل ہے کہ بعض مومنین کے اعمال بعض کو نفع دیتے ہیں جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہے:

---

[1] ان الفاظ کے ساتھ یہ روایت مجھے نہیں ملی البتہ امام ترمذی نے اپنی جامع میں حضرت سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے موقوفا ایک روایت کی ہے جس کے الفاظ مندرجہ ذیل ہیں: 'ان الدعاء موقوف بین السماء والارض لا یصعد منه شیء حتی تصلی عن نبیک 1۔(۴۸۵)، تہذیب الکمال ۳۴/۲۰۱۔(ارشد مسعود غفرلہ)

[2] اخرجه عبد الرزاق (۳۱۱۷)، وعبد بن حمید (۱۱۳۲)، والبزار كذا فى كشف الاستار (۲۱۶۹) والقضاعى فى مسند الشهاب (۹۴۴) والتيمى فى الترغيب (۱۶۶۸) والبيهقى فى الشعب (۱۴۷۶) وابن ابى عاصم فى كتاب الصلاة على النبى) والخلال فى السنة ۱/۲۲۵)

[3] سورة الاسراء ۱۳۔

[4] سورة النجم ۳۹۔

من دعا لأخيه بظهر الغيب قال الملك لك بمثل

''جو کوئی اپنے بھائی کی غیر موجودگی میں اس کے لیے دعا کرتا ہے تو فرشتہ کہتا ہے کہ تیرے لیے بھی اس کی مثل۔''[1]

اور اسی طرح جب کوئی صدقہ کرتا ہے تو اس کو بھی اس کا اجر ملتا ہے جس نے صدقہ کرنے کا حکم دیا اس کو نکالا اور اس کو حالے کیا اور اللہ تعالیٰ کا فضل اس سے بھی اعظم ہے پس یہ دلیل ہے کہ عمل رسول قربت ہے اور یہ بہت مضبوط دلیل ہے کہ جو قربت نافع ہے وہ رسول ﷺ کی طرف سے ہو یا نیک بندے کی طرف سے اور پھر نیکوکار بندہ اپنے گھر والوں کے لیے برکت ہے اگرچہ وہ نیک نہ بھی ہوں بے شک اللہ تعالیٰ کے حسن تدبیر اور اس کی تقدیر سے رحمت ان کو بھی شامل ہوگئی جیسا کہ مومنوں کا نبی اکرم ﷺ پر صلوۃ وسلام پڑھنا مومنین کے لیے قربت ہے جیسا کہ ابھی گذرا اور پھر اسی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ان کی عبادتیں دعائیں اور طاعتیں قبول فرماتا ہے۔ (واللہ اعلم)

تیرھویں دلیل:

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ اٰيَةَ مُلْكِهٖٓ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ التَّابُوْتُ فِيْهِ سَكِيْنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ بَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ اٰلُ مُوْسٰى وَاٰلُ هٰرُوْنَ تَحْمِلُهُ الْمَلٰٓئِكَةُ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ۔

''اور ان سے ان کے نبی نے فرمایا اس کی بادشاہی کی نشانی یہ ہے کہ آئے تمہارے پاس تابوت جس میں تمہارے رب کی طرف سے دلوں کا چین ہے اور کچھ بچی ہوئی چیزیں معزز موسی اور معزز ھارون کے ترکہ کی اٹھاتے

---

[1] اخرجه مسلم في الصحيح (٢٧٣٢)۔

لائیں گے اسے فرشتے بے شک اس میں بڑی نشانی ہے تمہارے لئے اگر ایمان رکھتے ہو۔"[1]

اور ان سے ان کے نبی نے فرمایا اس کی بادشاہی کی نشانی یہ ہے کہ آئے گا تابوت تمھارے پاس جس میں تمھارے رب کی طرف سے دلوں کا چین ہے اور کچھ بچی ہوئی چیزیں آل موسی اور آل ہارون کے ترکہ کی اٹھاتے لائیں گے اسے فرشتے بے شک اس میں بڑی نشانی ہے تمھارے لیے اگر تم ایمان رکھتے ہو۔

اس کا معنی یہ نہیں ہے کہ فرشتے اس ترکہ یعنی جبہ و عصا اور حضرت موسی علیہ السلام کی نعال کو اٹھائے ہوئے تھے بلکہ فرشتے ان آثار کی حفاظت فرمارہے تھے پس جو کوئی بھی ان آثار سے تبرک حاصل کرے گا فرشتے اس کو ڈھانپ لیں گے اور اس اثر کے سبب اسے فرشتوں سے رحمت پہچے گی پس اثر اللہ تعالیٰ کے تقرب کے وسائل میں سے ایک وسیلہ ہے۔

اور جیسا کہ امور خبیثہ جیسا کہ بیت الخلاء وغیرہ کہ اس کو شیاطین نے ڈھانپا ہوا ہوتا ہے اور ایسے ہی اونٹوں کے بیٹھنے کی جگہ کیونکہ شرع شریف نے وہاں نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے اور ایسے شریر لوگوں کے آثار جیسا کہ فرعون اور ہامان وغیرھما کہ جن کو جادوگر قربت کا ذریعہ بناتے ہیں اور ان سے شیطان کا قرب حاصل کرتے ہیں اور اسی طرح آثار رحمانیہ کہ فرشتے ان کو ڈھانپے رہتے ہیں۔

کیونکہ ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قرب حاصل کیا جاتا ہے اور تحفۃ الملائکہ کی بجائے تحملہ الملائکۃ کا کلمہ اس لیے لایا گیا کہ اس میں استغراق پایا جاتا ہے۔

یعنی اللہ تعالیٰ کے کچھ فرشتے ہیں کہ جو صالحین کے آثار کی حفاظت پر مامور و موکل ہیں جیسا کہ حفظۃ فرشتے بنی انسان کے موکل ہیں۔

---

[1] سورۃ البقرہ ۲۴۸۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان:

لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ يَحْفَظُوْنَهٗ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ۔

''آدمی کے لئے بدلی والے فرشتے ہیں اس کے آگے پیچھے کہ بحکمِ خدا اس کی حفاظت کرتے ہیں۔''[1]

اور مومن کے لیے فرشتے موکل ہیں کہ لوگوں سے اس کی حفاظت کرتے ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ أَنْ لَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا۔

''ان پر فرشتے اترتے ہیں کہ نہ ڈرو اور نہ غم کرو۔''[2]

ایسے ہی گمراہوں اور کفار پر شیاطین نازل کیے جاتے ہیں

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

اَلَمْ تَرَ أَنَّآ أَنْزَلْنَا الشَّيَاطِيْنَ عَلَى الْكَافِرِيْنَ تَؤُزُّهُمْ أَزًّا۔

''کیا تم نے نہ دیکھا کہ ہم نے کافروں پر شیطان بھیجے کہ وہ انہیں خوب اُچھالتے ہیں۔''[3]

اور سنت مطہرہ شریفہ میں اس سلسلہ میں بے شمار آثار وارد ہیں جو کہ اس کو واضح کرتے ہیں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا

---لتخطفنهم الشياطين من على أبو اب المساجد۔

''شیطان ان کو جو مسجد کے دروازوں پر ہوتے ہیں اچک لیتا ہے۔''[4]

---

[1] سورۃ الرعد ۱۱۔

[2] سورۃ حم السجدۃ ۳۰۔

[3] سورۃ مریم ۸۳۔ [4] لم أجده۔ ارشد مسعود غفر له۔

پس وہ آثار اپنے نیک ساتھی پر اپنا اثر چھوڑتا ہے اور فرشتوں اور ارواح صالحہ کے نزول کی کثرت کے ساتھ صالح آدمی پر ان کے انوار و تجلیات کا اثر ہوتا ہے جیسا کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے مسجد اقصی اور اس کے ارد گرد برکت رکھی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

سُبْحَانَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَی الَّذِیْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ۔

"پاکی ہے اسے جو اپنے بندے کو راتوں رات لے گیا مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک جس کے گرداگرد ہم نے برکت رکھی۔"[1]

اس میں اس طرف اضافت کی گئی ہے کہ روح اپنے متعلقات کے ساتھ تعلق رکھتی ہے کہ جہاں اس کا جسد پیدا ہوتا ہے اور اس میں کا تعلق اپنے تبعات کے ساتھ ہوتا ہے اگر وہ اچھی ہو تو اچھائی کی طرف اور اگر وہ بری ہے تو برائی کی طرف مضاف ہوتی ہے۔

چودھویں دلیل:

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَاَیَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ۔

"اور پاک روح سے اس کی مدد کی۔"[2]

یعنی اس کی مدد کی جبرائیل کے واسطہ ہے اور ایسے ہی اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِیَ مِنَ الرِّبٰوٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ۔

[1] سورۃ الاسراء ۱۔

[2] سورۃ البقرۃ ۲۵۳۔

''اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور چھوڑ دو جو باقی رہ گیا ہے سود اگر مسلمان ہو پھر اگر ایسا نہ کرسکو تو یقین کرلو اللہ اور اللہ کے رسول سے لڑائی کا۔''

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ان دونوں آیتوں میں واسطہ حقہ کے اثر اور اس کی قدر و منزلت جو کہ اس کی اللہ کے حضور ہے کو واضح فرمایا ہے۔ اور اس کے اور اپنے درمیان ادنی سا فصل بھی نہ بیان فرمایا بلکہ اس کو اپنی تاثیر اور اعمال کی جگہ رکھا پس اللہ تعالیٰ کا اس سے جنگ کرنا حق ہے اور رسول اللہ ﷺ کا جنگ کرنا اس حق کی حقیقت ہے کیونکہ یہاں الفاظ معلومہ میں سے کسی ایسے لفظ کو استعمال نہیں کیا گیا جو کہ عمل صالح کا فائدہ دے جیسے ہدایت یا اس کے ہم معنی بلکہ وہ لفظ تعبیر کیا گیا جو کہ آپ ﷺ کی ذات پر دلالت کرتا ہے یعنی (الرسول) یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تاکید ہے نبی اکرم ﷺ کی ذات کی اہمیت پر اور اگر آپ ﷺ کی ذات کی کوئی اہمیت نہ ہوتی اور نہ اس کا کوئی اثر ہوتا تو ایسی ذات کے الفاظ سے تعبیر کیا جاتا جو منتقل ہونے کے خلاف ہو یعنی منتقل نہ ہو جبکہ رسول اللہ ﷺ تو اپنے رب کے جوار کرم میں منتقل ہو چکے ہیں پھر بھی لفظ الرسول سے تعبیر کرنا آپ ﷺ کی ذات کی حقیقت پر مؤکد اور جزما ہے کہ آپ کی ذات تاثیر کرنے میں بہت زیادہ قوی اور مؤثر ہے کیونکہ وہی معانی اور صفات کی مورد ہے تو ہر معنی یا حقیقت اپنی ذات سے پہچانا جاتا ہے اور اپنی قوت تاثیر میں قوتِ ذات سے مدد لیتا ہے، ہر مخلوق کی ذات ارجح قول کے مطابق اس کی روح ہی ہوتی ہے اور بعض نے کہا ہے کہ ہر مخلوق کی ذات اس کا نفس ہے یہ قول ان لوگوں کا ہے جو روح کی دو قسمیں بیان کرتے ہیں روح نفس یعنی مثال اور دوسری اللہ تعالیٰ کی روح سے پھونکی ہوئی اور ان میں دونوں اعتباروں سے روح باقی رہنے والی ہے اور اس کو فنا نہیں ہے اور جسد اس کے مظاہر میں سے مظہر ہے جو کہ عالم شہود یعنی عالم تکلیف میں اس کی تجلی ہے پس جس نے سود کا جرم کیا پس اس سے حق تعالیٰ نے لڑائی کی اور حقیقت حق ﷺ نے جنگ کی ہے اور وہ اپنے نفس پر ظلم کرنے والا ہے۔[1]

---

[1] سورۃ البقرہ ۲۷۸۔۲۷۹۔

اور یہ آیت ذات صالحہ کی قوت اور اس کے اثر اور تاثیر کو ثابت کرنے میں واضح ترین آیت ہے اس کے بعد سوائے گمراہی کے کچھ بھی نہیں ہے پس رسول اللہ ﷺ کی جنگ اللہ تعالیٰ کی جنگ ہے جیسا کہ اطاعت سے تعبیر کیا گیا:

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ۔

''جس نے رسول کا حکم مانا بے شک اس نے اللہ کا حکم مانا۔''[1]

پس جو ذات کو اس قدر و منزلت کے ساتھ تعبیر نہ کرے تو وہ دور کی گمراہی میں پڑ گیا اور التباس و بلوی میں شریک ہو گیا اللہ تعالیٰ کی پناہ گمراہوں کے احوال سے پس جس کے لیے اللہ تعالیٰ نور نہ کرے اس کے لیے کوئی نور نہیں ہے اور جس کے دل کو اللہ تعالیٰ ہدایت نہ دے اس کا کوئی ہادی نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کا کارساز ہے۔

پندرھویں دلیل:

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَلَوْ لَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ الْأَرْضُ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْعَالَمِيْنَ۔

''اور اگر اللہ لوگوں میں بعض سے بعض کو دفع نہ کرے تو ضرور زمین تباہ ہو جائے مگر اللہ سارے جہان پر فضل کرنے والا ہے۔''[2]

امام ابن عجیبہ نے اپنی تفسیر میں اس آیت کے تحت فرمایا:

یا اگر اللہ تعالیٰ نیکوں کے بدلے گنہگاروں سے عذاب دفع نہ کرتا تو زمین گناہگاروں کے گناہوں سے فاسد ہو جاتی آپ ﷺ سے مروی ہے:

ان اللہ یدفع بالمصلی من أمتی عمن لا یصلی

---

[1] سورۃ النساء ۸۰۔

[2] سورۃ البقرۃ ۲۵۱۔

وبمن يزكى عمن لا يزكى ، وبمن يصوم عمن لا يصوم وبمن يحج عمن لا يحج ، وبمن يجاهد عمن لا يجاهد ،ولو اجتمعوا على ترك هذه الاشياء ما أنظرهم الله طرفة عين۔

”اللہ تعالیٰ نمازی کے صدقے بے نمازی اور پاک کے صدقے ناپاک اور روزہ دار کے صدقے بے روزہ اور حاجی کے صدقے حج کے تارک اور مجاہد کے صدقے غیر مجاہد پر سے عذاب رفع فرماتا ہے اور اگر تمام لوگ ان اعمال کے ترک پر جمع ہو جائیں اللہ تعالیٰ ان کی طرف لمحہ بھر بھی نظر نہ فرماتے یعنی ان کو غرق کر دے۔“[1]

اور دوسری حدیث میں ہے:

لو لا عباد لله ركع ،وصبية رضع ،لصب عليكم العذاب صبا۔

”اگر بندے رکوع نہ کریں اور دودھ پیتے بچے نہ ہوں تو لوگوں پر فوراً عذاب آجائے۔“[2]

---

[1] ذكره القرطبى فى تفسيره ۳/۲۶۰۔

[2] أخرجه الطبرانی في الكبير ۲۲/۲۰۹(۵۸۵)،وفي الأوسط ۶/۳۲۷ (۶۵۳۹)،والبيهقي في السنن الكبرىٰ ۳/۳۴۵ ، وفي الشعب ۷/۱۵۵(۹۸۲۰)،والشيباني في الآحاد والمثاني ۲/۲۱۰(۹۶۵)، وفيه قال القاضي أبو بكر اسناده حسن۔وأبو الحسن عبد الباقي في المعجم الصحابة ۲/۱۴۸، وابو نعيم في المعرفة الصحابة ۳/۵۱۴(۲۹۴۳)،وابن عدي في الكامل ۴/۱۶۲۲،وفي نسخة ۴/۳۱۴،و ۶/۳۸۰۔وقال الهيثمي في مجمع الزوائد ۱۰/۲۲۷: رواه الطبرانی في الكبير والأوسط وفيه عبد الرحمن بن سعد بن عمار وهو ضعيف۔ اور اس کی شاہد حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ والی روایت ہے جس کے لفظ یہ ہیں ”مهلا عن الله مهلا لو لا شباب خشع وشيوخ ركع وأطفال رضع وبهائم رتع لصب عليكم العذاب صبا ثم لرض رضا۔ (أخرجه الطبراني في الأوسط ۷/۱۳۴،و أبو يعلى في مسنده ۱۱/۲۸۷،و ۵۱۱)“

اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ان الله ليصلح بصلاح الرجل ولده ،وولد ولده ،وأهل دويرته ،ودويرات حوله، ولا يزالون في حفظ الله ما دام فيهم-[1]

''بے شک اللہ تعالیٰ آدمی کی نیکی کی وجہ سے اس کے بیٹے پر کرم فرماتا ہے اور اس کے بیٹے کے بیٹے پر کرم فرماتا ہے اور اس کے گھر والوں پر فضل فرماتا ہے اور اس کے گھر کے ہمسائیوں پر کرم فرماتا ہے جب تک وہ وہاں رہیں اللہ تعالیٰ کی حفظ وامان میں ہوتے ہیں۔ انتھی۔[2]

»»»(۶۴۰۲ و ۶۶۳۳)، والبيهقيفي السنن الكبرىٰ ۳/۳۴۵،وقال: وله شاهد باسناد قوي- والخطيب في تاريخه ۶/۶۴،والديلمى في الفردوس الأخبار ۴/۱۵۹ (۶۴۹۶)،وذكره الذهبي في ميزان الاعتدال ۱/۱۴۹ ترجمة ابراهيم بن خيثم بن عراك ،والحافظ في لسان الميزان ۱/53، والتلخيص الحبير ۲/۹۷،زاد نسبته الى البزار-وابن عدي في الكامل ۱/۲۴۳ ، والعجلوني في كشف الخفاء ۲/۲۱۲-۲۱۳،وزاد نسبته الى الطيالسي و ابن مندة اور اس کا ایک شاہد مرسل بھی ہے جس کو امام ابونعیم نے ''أبي الزاهرية'' سے روایت کیا، اور اس کے لفظ یہ ہیں '' ما من يوم الا و ينادى مناد مهلا ------ ولو لا رجال خشع و صنبيان رضع و دواب رتع لصب عليكم العذاب صباثم رضضتم به رضا (حلية الأوليا ۶/۱۰۰) اس کا ایک اور شاہد بھی ہے جو کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت ہے اور اس کو امام قرطبی نے اپنی تفسیر میں ذکر کیا ہے (قرطبی ۲/۱۱۶-۱۱۷، و ۳/۲۶۰، اور اس کو امام خطیب بغدادی کی طرف منسوب کیا ہے کہ انہوں نے اس کو ''السابق واللاحق'' میں روایت کیا۔ (ارشد مسعود غفرلہ)۔

[1] أخرجه الاصبهانى فى طبقات المحدثين باصبهان ۴/۷۸،والطبرى فى تفسيره ۲/۲۳۴،والقرطبى فى تفسيره ۳/۲۶۰،وابن كثير فى تفسيره ۱/۳۰۴-عن جابر رضى الله تعالى عنه مرفوعا - وعبد بن حميد فى مسنده ۲۵۴ (۱۲۸۶) ، ابن المبارك فى الزهد ۱۱۲ (۳۳۰)-عن المنكدر موقوفا- وابو نعيم فى الحلية الاولياء ۳/۲۸۵ والخطيب فى تاريخ بغداد ۱/۲۷۴-عن مجاهد موقوفا, مختصرا- ارشد مسعود غفرله-

[2] تفسير ابن عجيبة جلد ۱ صفحه ۲۸۰-

پس یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے اپنے بندوں پر کہ برے پر نیکوں کے صدقے کرم فرماتا اور ان کے شریروں کے بارے ان کے نیکوں کی شفاعت قبول فرماتا ہے اور اگر ایسا نہ ہوتا تو وہ جلدی ہلاک ہو جاتے، وَلٰكِنَّ اللّٰهَ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْعَالَمِيْنَ ۔

اور امام حضرت ابن عطیہ الاندلسی اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں:

امام مکی نے فرمایا: اکثر مفسرین کے نزدیک اس کا معنی یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ نمازی کے صدقے بے نماز اور متقی کے صدقے غیر متقی پر کرم نہ فرماتا اور عذاب دور نہ کرتا تو لوگ اپنے گناہوں کے سبب ہلاک ہو جاتے۔[1]

اور حضرت امام ابو الحسن نیشاپوری اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں:

تمام مفسرین نے فرمایا کہ، اگر اللہ تعالیٰ مومنین اور اولیاء کے صدقے کفار اور فجار سے عذاب دور نہ کرتا تو دنیا اور جو کچھ اس میں ہے سب تباہ و برباد ہو جاتا اور اس پر یہ حدیث شریف دلالت کرتی ہے:

أخبرنا منصور بن عبد الوهاب البزار، حدثنا أبو عمرو محمد بن احمد الحيرى، حدثنا محمد بن المسيب، حدثنا أبو حميد الحمصي، حدثنا يحي بن سعيد، حدثنا حفص بن سليمان، عن محمد بن سوقه، عن وبرة بن عبد الرحمن عن ابن عمر قال: قال رسول الله: ان الله ليدفع بالمسلم الصالح عن مائة من أهل بيت من جيرانه البلاء۔ ثم قرأ ابن عمر ولولا دفع الله ۔۔۔ الاية۔[2][3]

---

[1] تفسير المحرر الوجيز جلد ٢ صفحه ٣٤٢۔ [2] أخرجه الطبراني في الأوسط ٤/٢٣٩ (٤٠٨٠)، وابن عدي في الكامل ٢/٣٨٢، وفي نسخة ٢/٧٩٠، ترجمة حفص بن سليمان، والعقيلي فى الضعفا ٤/٤٠٣، والبغوي في المعالم ١/٢٣٦۔ وقال الهيثمي في مجمع الزوائد ٨/١٦٤: رواه الطبراني في الكبير والأوسط و فيه يحي بن سعيد العطار و هو ضعيف۔ وذكره المنذري في الترغيب والترهيب ٣/٢٤٦، والمتقي الهندي في كنز العمال ٩/٥/(٢٤٦٥٤)۔ [3] الوسيط جلد ١ صفحه ٣٦١۔

بحذف سند: بے شک اللہ تعالیٰ نیک صالح مسلمان کے صدقے سے اس کے
ہمسائیوں کے گھروں پر سے بلائیں رد فرماتا ہے پھر حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے
یہ آیت پڑھی: ولولا دفع اللہ۔۔۔الخ
اور اسی کی مثل ابن جریر طبری نے بھی بیان کیا ہے: [1]
اور امام سیوطی اپنی تفسیر ''الدر المنثور'' میں فرماتے ہیں:
اللہ تعالیٰ کا فرمان ولولا دفع اللہ۔۔۔الخ۔۔۔ابن ابی حاتم اور بیہقی نے
شعب الایمان میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ:

یدفع اللہ بمن یصلی عمن لا یصلی ، وبمن یحج
عمن لا یحج ، وبمن یزکی عمن لا یزکی۔

اللہ تعالیٰ نمازی کے صدقے بے نمازی کو حاجی کے صدقے غیر حاجی کو اور
پاک کے صدقے ناپاک پر سے عذاب دور فرماتا ہے۔
اور عبد بن حمید، اور ابن جریر نے حضرت مجاھد سے روایت کی کہ:
اللہ تعالیٰ کا فرمان ولولا دفع اللہ۔۔۔الخ یعنی اور اگر اللہ تعالیٰ نیک کے
صدقے بد پر سے اور بعض لوگوں کے اخلاق کی وجہ سے دوسروں پر سے
عذاب رفع نہ فرماتا تو زمین میں فساد بپا ہو جاتا اور اہل زمین ہلاک ہو
جاتے۔ [2]
علامہ عبداللہ بن الصدیق الغماری رحمہ اللہ تعالیٰ ''المقاصد الحسنہ'' کی تعلیق صفحہ ۱۰ پر
فرماتے ہیں:
اور حافظ امام سیوطی کی ایک کتاب ہے ''الخبر الدال علی وجود النجباء
والأوتاد والأبدال'' اس میں انہوں نے احادیث ابدال کو تواتر سے ثابت کیا ہے اور

---

[1] تفسیر ابن جریر جلد ۵ صفحہ ۳۷۴۔
[2] الدر المنثور جلد ۱ صفحہ ۷۶۴۔شعب الایمان ۹۷۵۹۷/۶۔

اگر کوئی تواتر تسلیم نہ کرے تب بھی یہ حدیث قطعا بالجزم صحیح ہے بخلاف مصنف (سخاوی) کے اور اس حدیث کے طرق میں سے حضرت ام سلمہ کی روایت امام ابو داؤد کی سنن میں صحیحین کی شرط کی اسناد کے مطابق ہے جس کو انہوں نے "کتاب الملاحم" باب المھدی میں ذکر کیا ہے۔ ①

صاحب ذیل "القول المسدد" علامہ قاضی الملک محمد صبغۃ اللہ المدراسی انیسویں حدیث کے بعد (صفحہ ۸۲۔۸۴) فرماتے ہیں ابدال کا ذکر امام احمد کی مسند میں ہے آپ نے فرمایا:

حدثنا ابو المغيرة، حدثنا صفوان عن شريح بن عبد الله، قال ذكر أهل الشام علي بن أبي طالب علیہ السلام وهو بالعراق، فذكر الحديث المتقدم، ---

یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس اہل شام کا ذکر ہوا جس وقت وہ عراق میں تھے

---

① سنن ابی داؤد (۴۲۸۶، والشذ الفواح ۹۱۔۹۲۔

★قلت: امام ابو داؤد نے اس کو مندرجہ ذیل سند کے ساتھ روایت کیا ہے "حدثنا محمد بن المثنى، حدثنا معاذ بن هشام، حدثني أبي، عن قتادة، عن صالح أبي الخليل، عن صاحب له، عن أم سلمة زوج النبی 1 ---الخ۔ اس میں "عن صاحب له" سے عبد اللہ بن الحارث مراد ہے جیسا کہ امام ابو داؤد نے دوسری سند میں بیان کیا۔ (۴۲۸۸) اور اسی طرح "علل ابن ابی حاتم" میں ہے "فقلت لأبي من صاحبه هذا قال: عبد الله بن الحرث۔ ۲/۴۱۰ (۲۷۴۰)۔ قتادة عن صالح أبي الخليل، عن صاحب له، عن أم سلمة --- کی سند سے اس کو مندرجہ ذیل محدثین نے بھی روایت کیا ہے۔ احمد فی مسندہ ۶/۳۱۶، واسحاق بن راھویہ فی مسندہ ۱/۱۷۰ (۱۴۱) جبکہ یہ ایک اور سند کے ساتھ بھی مروی ہے جس کو امام ابن حبان نے اپنی صحیح میں ۱۵/۱۵۸۔۱۵۹ (۶۷۵۶) "عن قتادة، عن صالح أبي الخليل، عن مجاهد۔ عن أم سلمة ---الخ۔ اور امام ابو یعلی نے اپنی مسند ۱۲۴۶ (۶۹۳۴) میں مندرجہ ذیل سند کے ساتھ روایت کیا "عن قتادة، عن صالح أبي الخليل، عن صاحب له۔ وربما قال صالح: عن مجاهد۔ عن أم سلمة---الخ۔

اور وہی حدیث بیان فرمائی جو گذر چکی ہے۔[1]

اور عقبہ نے کہا کہ: اس کے رجال صحیح کے رجال ہیں سوائے شریح کے اور وہ ثقہ ہے۔

جبکہ امام طبرانی نے المعجم الکبیر ۲۳/۳۹۰ (۹۳۱) اور المعجم الاوسط ۲/۳۵ (۱۱۵۳) میں مندرجہ ذیل سند سے روایت کیا ''عن معمر عن قتادۃ عن مجاھد عن اُم سلمۃ۔۔۔الخ۔

جبکہ امام عبدالرزاق نے ''عبدالرزاق عن معمر عن قتادۃ یرفعہ الی النبی ﷺ۔۔۔الخ کی سند سے (مصنف ۱۰/۳۱۶ (۲۰۹۳۴) وابونعیم فی الفتن ۱۹۲۔

ابوعبداللہ محمد بن ابوبکر الحنبلی الدمشقی ''المنار المنیف'' ۱۴۴ میں فرماتے ہیں: والحدیث حسن ومثلہ مما یجوز ان یقال فیہ صحیح۔ (ارشد مسعود غفرلہ)

امام سیوطی نے ''الراوی'' میں فرمایا کہ، ابدال والی حدیث صحیح ہے بجائے اس کے کہ اس کو ضعیف کہا جائے بلکہ اگر تو چاہے تو اس کو متواتر کہہ سکتا ہے میں نے ایک مستقل تالیف اس بارے میں کی ہے جس میں ان احادیث کو بالاستیعاب جمع کر دیا ہے۔[2]

---

[1] امام احمد نے اس روایت کو اپنی مسند میں ۱۱۲...۱ اور فضائل الصحابۃ میں ۲/۹۰۶ (۱۷۲۷) میں روایت کیا ہے امام احمد کے علاوہ ضیاء مقدسی نے الاحادیث المختارۃ ۲/۱۱۰ میں روایت کیا۔ جس کی سند اور متن مندرجہ ذیل ہے: حدثنا ابو المغیرۃ حدثنا صفوان حدثنی شریح یعنی ابن عبید قال ذکر اھل الشام عند علی بن ابی طالب، وھو بالعراق فقالوا: العنھم یاأمیر المؤمنین، قال: لا انی سمعت رسول اللہ ﷺ یقول الابدال یکونون بالشام، وھم اربعون رجلا، کلما مات رجل ابدل اللہ مکانہ رجلا، یسقی بھم الغیث، وینتصر بھم علی الاعداء، ویصرف عن أھل الشام بھم العذاب۔۔۔۔ یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس اہل شام کا ذکر ہوا جس وقت وہ عراق میں تھے تو انہوں نے کہا: اے امیر المؤمنین ان پر لعنت کریں آپ نے فرمایا نہیں بے شک میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ ابدال شام میں ہیں اور وہ چالیس ہیں جب ایک مرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے بدلے دوسرا قائم کرتا ہے۔ انہیں کے سبب مینہ دیا جاتا ہے انہیں سے دشمنوں پر مدد ملتی ہے انہیں کے باعث شام والوں سے عذاب پھیرا جاتا ہے۔ (ارشد مسعود غفرلہ)

[2] میں کہتا ہوں: کہ امام ابن حجر نے القول المسدد ۸۴ میں امام سیوطی سے نقل کی اور یہی بات فیض القدیر شرح جامع الصغیر ۳/۱۷۰ پر بھی ہے۔ لیکن القول المسدد میں ''النکت'' کے حوالے سے ہے۔

اور امام احمد نے ''الزھد'' میں اور امام خلال نے کرامات اولیاء میں بسند صحیح حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ:

ما خلت الارض من بعد نوح من سبعة يدفع بهم عن أهل الأرض ...

''حضرت نوح علیہ السلام کے بعد یہ زمین کبھی بھی سات ایسے آدمیوں سے خالی نہیں رہی کہ جن کے صدقے اہل زمین پر سے بلائیں رد فرمائی جاتی ہیں۔''[1]

اور امام طبرانی نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

لا يزال أربعون رجلا من أمتي قلوبهم على قلب ابراهيم يدفع الله بهم عن أهل الارض يقال لهم : الأبدال ، انهم لم يدركوها بصلاة ولا بصوم ولا بصدقة. قالوا: يارسول الله فبم أدركوها؟ قال: بالسخاء والنصيحة للمسلمين:

''میری امت میں ہمیشہ چالیس آدمی ایسے ہونگے کہ جو قلب ابراھیم علیہ السلام پر ہونگے اللہ تعالیٰ ان کے صدقے زمین والوں پر سے بلائیں دور کرتا ہے۔ ان کو ابدال کہا جاتا ہے انہیں یہ رتبہ نماز و روزہ کی زیادتی سے نہیں اور نہ ہی صدقہ کے سبب ملتا ہے تو عرض کی گئی یا رسول اللہ پر وہ اس رتبہ تک کیسے پہنچے ہیں فرمایا۔ سخاوت اور مسلمانوں کو نصیحت کرنے کی وجہ سے۔''[2]

---

① کرامات اولیاء للخلال صفحہ ۳۸ برقم ۱۸۔

② المعجم الکبر ۱۰/۱۸۱ (۱۰۳۹۰) وابو نعیم فی الحلیۃ ۴/۱۷۳)

امام ابونعیم نے حلیۃ الاولیا اور ابن عساکر نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راویت کی آپ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں تین سو آدمی حضرت آدم علیہ السلام کے قلب پر اور چالیس کے دل حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دل پر اور اللہ کی مخلوق میں سات آدمیوں کے دل حضرت ابراھیم علیہ السلام کے دل پر اور اللہ کی مخلوق میں پانچ کے دل حضرت جبرائیل علیہ السلام کے دل پر ہیں اور تین ایسے ہیں کہ جن کے دل حضرت میکائیل علیہ السلام کے دل پر ہیں اور ایک ایسا شخص ہوتا ہے کہ جس کا دل حضرت اسرافیل کے دل پر ہوتا ہے جب وہ وفات پاتا ہے تو اللہ تعالیٰ تینوں میں سے ایک کو اس کی جگہ تبدیل کر دیتا ہے اور جب تین میں کوئی وفات پاتا ہے تو اللہ تعالی پانچ میں سے ایک کو اس کی جگہ بدل دیتا ہے اور جب پانچ میں سے کوئی انتقال کرتا ہے تو سات میں سے ایک کو اس کی جگہ تبدیل کرتا ہے اور جب سات میں سے کوئی انتقال کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ چالیس میں سے ایک کو اس کی جگہ بدلتا ہے اور جب چالیس میں سے کوئی انتقال فرماتا ہے تو اللہ تعالیٰ تین سو میں سے ایک کو اس کی جگہ بدل دیتا ہے انہی کے سبب زندہ ہوتے ہیں مرتے ہیں انہی کے صدقے بارش ہوتی اور فصلیں اگتی ہیں اور بلائیں ٹلتی ہیں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے کہا گیا کیسے ان کے صدقے زندہ ہوتے ہیں اور مرتے ہیں تو انہوں نے فرمایا: کہ جب وہ اللہ تعالیٰ سے امت کی کثرت کا سوال کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ امت کو کثرت عطا فرماتا ہے اور جب وہ جابروں پر بددعا کرتے ہیں تو لوگ کم ہوتے ہیں (یعنی ان کی بددعا کے ساتھ لوگ مرتے ہیں) جب وہ بارش کی دعا کرتے ہیں تو بارش برستی ہے اور ان کی دعا کے صدقے زمین سے جڑی بوٹیاں اور فصلیں اگتی ہیں اور وہ دعا کرتے ہیں تو مشکلات و بلائیں ٹلتی ہیں۔[1]

حضرت امام رازی نے فرمایا:

---

[1] اخرجہ ابو نعیم فی الحلیۃ ۱/۹، ابن عساکر نی تاریخ دمشق ۱/۳۰۳۔

اگر اللہ تعالیٰ مومنین اور نیکوں کے صدقے کفار اور گنہگاروں پر سے عذاب دفع نہ کرتے تو زمین اور جو کچھ اس میں سب کی تباہ برباد ہو جاتے اور اس کی تصدیق نبی اکرم ﷺ کے اس فرمان سے ہوتی ہے۔ آپ نے فرمایا۔ میری امت کے نمازی کے صدقے بے نماز سے اور مزکی کے صدقے غیر مزکی سے روزہ دار کے صدقے بے روزہ سے اور حاجی کے صدقے غیر حاجی سے اور مجاہد کے صدقے غیر مجاہد سے عذاب نہ ٹالتا اور اگر یہ تمام ہی لوگ ان اعمال کو ترک کر دیتے تو ایک لمحہ کیلیے بھی زندہ نہ رہیں پھر آپ ﷺ نے بھی آیت کریمہ تلاوت فرمائی۔ اور اس قول کی صحت پر قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

وَاَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلٰمَيْنِ يَتِيْمَيْنِ فِي الْمَدِيْنَةِ وَكَانَ تَحْتَهٗ كَنْزٌ لَّهُمَا وَكَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا۔

”رہی وہ دیوار وہ شہر کے دو یتیم لڑکوں کی تھی اور اس کے نیچے ان کا خزانہ تھا اور ان کا باپ نیک آدمی تھا۔“[1]

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَلَوْ لَا رِجَالٌ مُّؤْمِنُوْنَ وَنِسَآءٌ مُّؤْمِنٰتٌ (الی قولہ تعالیٰ) لَوْ تَزَيَّلُوْا لَعَذَّبْنَا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا۔

”اور اگر یہ نہ ہوتا کہ کچھ مسلمان مرد اور کچھ مسلمان عورتیں ۔۔۔ اگر وہ جدا ہو جاتے تو ہم ضرور ان میں کے کافروں کو دردناک عذاب دیتے۔“[2]

---

[1] سورۃ الکہف ۸۲۔

[2] سورۃ الفتح ۲۵۔

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان:

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنْتَ فِيهِمْ۔

"اور اللہ کا کام نہیں کہ ان پر عذاب کرے جب تک اے محبوب ﷺ تم ان میں تشریف فرما ہو۔" [1]

اور جس نے یہ قول کیا تو اس نے اللہ تعالیٰ کے اس قول کی تفسیر میں کہا، لَفَسَدَتِ الْأَرْضُ یعنی اللہ تعالیٰ اس کے رہنے والوں کو ان کے گناہوں اور کفار کی کثرت کی وجہ سے ہلاک فرما دیتا۔ [2]

اور ابن عاشور نے اپنی تفسیر میں کہا:

اللہ تعالیٰ نے دفاع کے اسباب پیدا فرمائے یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے تکلیف پہچانے کی خواہش رکھنے والے سے وسائل کے ساتھ دفع فرمایا کہ جن وسائل کو تکلیف پہچانے کے لیے استعمال کر سکتا ہے اور اگر یہ وسائل نہ ہوتے کہ جن کو اللہ تعالیٰ نے مختلف افراد میں رکھا ہے تو طاقتور کمزور کو ہلاک کرنے میں زیادہ طمع کرتا اور اپنے نفع میں زیادہ شدید ہوتا اور کسی دوسرے کو نفع حاصل نہ کرنے دیتا تو اس طرح ہر قسم کے افراد اپنے آپ کے لیے جلب نفع میں افراط سے کام لیتے اور دوسروں کو وہاں تک پہنچنے ہی نہ دیتے اور وہ طاقتور کہتا کہ وہ اسی کے لیے ہے اور حاجت مند حاجت کے وقت محروم رہ جاتا لہذا اس طرح ہر ذی شہوت دوسرے پر مسلط ہو جاتا اور ہر طاقتور کمزور پر مسلط ہوتا اور طاقتور کمزور کو ہلاک کر دیتا اور یہ کم چیز ہے بلکہ زیادہ طاقتور کم طاقتور کو بھی ہلاک کر دیتا اور افراد تباع وانواع میں چلے جاتے بلکہ یہ بھی قلیل ہے حتی کہ طاقتور بہت ساری اشیاء اور حاجات اپنے میں نہیں پاتا بلکہ

---

[1] سورۃ الانفال ۳۳۔

[2] تفسیر کبیر جلد ۶ صفحہ ۱۹۱۔۱۹۲۔

دوسرے میں پاتا ہے، یعنی اپنی نوع کے افراد میں پاتا ہے جیسا کہ بشر کی حاجات دوسرے بشروں میں یا دیگر انواع میں جیسا کہ انسان کی حاجت گائے وغیرہ میں تو وہ سب کو ہلاک کردیتا۔[1]

سولھویں دلیل:

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

كٓهٰيٰعٓصٓ ذِكْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ عَبْدَهٗ زَكَرِيَّا۔۔۔

یہ مذکور ہے تیرے رب کی اس رحمت کا جو اس نے اپنے بندہ زکریا پر کی۔[2]

(۱) امام ابن عجیبہ نے اپنی تفسیر میں فرمایا: کھیعص کہا گیا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے اسماء کا اختصار ہے،

الکاف، کافی سے ''ھا'' ھادی سے ''یا'' یمین سے ''عین'' علیم سے یا عزیز سے ''صاد'' صادق سے جیسا کہ ہروی نے ابن جبیر سے روایت کیا ہے۔

ابو ہیثم نے کہا کہ:

''یا'' کو یمین سے بنایا ہے جیسا کہ تو کہتا ہے یمن اللہ الانسان یمینہ یمنا فھو میمون۔ اور اسی لیے اس کے ساتھ دعا وارد ہوئی ہے، پس حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ یوں کہتے تھے:

یا کھیعص اعوذ بک من الذنوب التی توجب النقم ،وأعوذ بک من الذنوب التی تغیر النعم ، و أعوذ بک من الذنوب التی تھتک العصم، وأعوذ بک من الذنوب التی تحبس غیث السماء، و أعوذ بک من الذنوب التی تدیل الأعداء ،انصرنا علی من ظلمنا۔

---

(1) التحریر والتنویر جلد ۲ صفحہ ۵۰۲۔ (2) سورۃ مریم ۱۔

میں ایسے گناہوں سے تیری پناہ مانگتا ہوں کہ جو نحوست بپا کریں اور ایسے گناہوں سے تیری پناہ مانگتا ہوں جو نعمت کو بدل دیں اور ایسے گناہوں سے تیری پناہ مانگتا ہوں کہ جو بے گناہوں کو پھاڑ دے اور ایسے گناہوں سے تیری پناہ مانگتا ہوں کہ جو رکاوٹ کا سبب بنیں اور ایسے گناہوں سے تیری پناہ مانگتا ہوں کہ جو دشمنوں کو ہم پر حاوی کر دیں ہماری مدد فرما ان کے خلاف جو ہم پر ظلم کریں۔[1]

جیسا کہ گذرا کہ یہ الفاظ ہر مشکل کے لیے ہیں اس میں احتمال ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ان اسماء مختصرہ کے ساتھ توسل کیا جائے یا یہ بھی ممکن ہے کہ یہ پورا جملہ ہی اللہ تعالیٰ کا ایک اسم ہو اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ اسم اعظم ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ ان رموز میں اللہ تعالیٰ اور اس کے خاص محبوبوں کے آپس میں معاملہ کی طرف اشارہ ہو پس کاف ان کے لیے کفایت اور ھا سے مراد ان کے لیے خاص کر رب تک وصول کے لیے ھدایت کا راستہ اور "یا" ان پر یمن و برکت کے لئے اور جن کا ان سے تعلق ہو ان پر برکت کے لئے اور عین ان پر اس کی عنائت کے لئے کہ وہ اپنے عمل میں سبقت لے جائیں اور ص سے مراد صدقہ۔ اور یہ بھی ایک قول ہے کہ یہ رسول اللہ ﷺ کے اسماء مبارکہ میں سے کچھ کا اختصار ہے یعنی اے کافی، یا ھادی، یا میمون، یا عین العیون، انت صادق مصدق۔

(امام اہلسنت الشاہ الشیخ مولانا احمد رضا القادری البریلوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اسی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ:

ک گیسو ھ دھن یا آنکھیں ابرو عین صاد
کھیعص ان کا چہرہ نور کا

محمد بن سلطان امام ابوالحسن الشاذلی کے تلمیذ سے مروی ہے کہ انہوں نے خواب میں دیکھا کہ وہ (کھیعص ۔ حم ۔ عسق) کی تفسیر میں بعض سے اختلاف کر رہے ہیں تو وہ کہتے

---

[1] أخرجه بنحوه الامام احمد فی المسند ۱/۱۱۲۔

ہیں کہ میں نے کہا کہ، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے درمیان اسرار ہیں گویا کہ اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ اے محبوب تو کہف الوجود ہے کہ جس کی طرف ہر موجود رجوع کرتا ہے ''ھا'' ہم نے تجھے بادشاہی دی اور تجھے ملک وملکوت کا وارث بنایا۔

میں تو مالک ہی کہوں گا کہ ہو مالک کے حبیب
کہ محبوب و محب میں نہیں میرا تیرا

''یع'' سے مراد یا عین العیون ''ص'' اللہ تعالیٰ کی صفات مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ''حاء'' ہم تجھ سے محبت کرتے ہیں ''میم'' ہم نے تجھ کو بادشاہی دی ''عین'' ہم نے تجھ کو علم دیا ''سین'' ہم نے تجھ سے سرگوشی کی ''قاف'' ہم نے آپ کو اپنا قرب دیا۔

تو فقہاء نے مجھ سے تنازع کیا اور میری بات کو نہ مانا تو میں نے کہا کہ چلو رسول اللہ ﷺ سے جا کر پوچھتے ہیں تا کہ آپ ﷺ ہمارے درمیان فیصلہ فرما دیں ہم آقا کریم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ ہمیں ملے اور آپ ﷺ نے ہمیں فرمایا کہ محمد بن سلطان نے جو کہا ہے وہی حق ہے گویا کہ آپ ﷺ نے ہمیں اشارہ فرمایا کہ یہ افعال کی صفات ہیں۔[1]

ڈاکٹر عبد الرب النظاری فرماتے ہیں:

(کھیعص) یہ حضرت زکریا علیہ السلام کے لیے رب کی رحمت کا ذکر ہے قرآنی نص سے یہ ثابت ہو رہا ہے اور یہ حضرت زکریا علیہ السلام کے لیے خصوصیت ہے کیونکہ حق سبحانہ وتعالیٰ نے اس رحمت عامہ سے ان کو خاص فرمایا کہ جو رحمت عام عالمین کے لیے ہے پس یہی خاص ذکر ہے کہ جس کے ساتھ ان پر رحمت نازل کی گئی پس رسول اللہ ﷺ محل قبول اور وہ رحمت ہیں جو کہ حضرت زکریا علیہ السلام پر نازل ہوئی یا اللہ کے مضطر بندوں کے لیے۔

---

[1] تفسیر البحر المدید جلد ۳ صفحہ ۳۱۷۔

میں کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے ان آیات کا افتتاح اپنے نبی ﷺ کے ذکر اور ان کی رحمت عظمی اور آپ ﷺ کی ابتدائی سیرۃ اولی اور ان اطوار کا جن میں آپ کی روحانیت مبارکہ منتقل ہوتی رہی کے ذکر کے ساتھ کیا ہے اور پھر اس ذکر کو آپ کے آباء واجداد اور انبیاء وصدیقین میں اس روحانیت کی منتقلی کے ساتھ پختہ فرمایا ہے۔

اور پھر اس کا ذکر حضرت زکریا علیہ السلام میں اور اس رحمت کے آثار اپنے بندہ حضرت یحیٰ علیہ السلام میں ذکر کیا جبکہ ان کے بارے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

يٰيَحْيٰ خُذِ الْكِتَابَ بِقُوَّةٍ وَّاٰتَيْنٰهُ الْحُكْمَ صَبِيًّا وَحَنَانًا مِّنْ لَّدُنَّا وَزَكٰوةً وَكَانَ تَقِيًّا وَبَرًّام بِوَالِدَيْهِ وَلَمْ يَكُنْ جَبَّارًا عَصِيًّا۔

اے یحیٰ! کتاب مضبوط تھام اور ہم نے اسے بچپن ہی میں نبوت دی اور اپنی طرف سے مہربانی اور ستھرائی اور کمال ڈر والا تھا اور اپنے ماں باپ سے اچھا سلوک کرنے والا تھا زبردست ونافرمان نہ تھا۔[1]

پس اللہ تعالیٰ نے اس رحمت کی برکت سے حضرت یحیٰ علیہ السلام میں اس کے آثار کی حفاظت فرمائی اور فرمایا:

وَسَلٰمٌ عَلَيْهِ يَوْمَ وُلِدَ وَ يَوْمَ يَمُوْتُ وَيَوْمَ يُبْعَثُ حَيًّا۔

''اور سلامتی ہے اس پر جس دن پیدا ہوا اور جس دن مرے گا اور جس دن زندہ اٹھایا جائے گا۔''[2]

یعنی جو اللہ تعالیٰ نے ان کو برکت اور مہربانی ورحمت عطا فرمائی ہے اس کی حفاظت کی ضمانت دی گئی ہے ان کی ولادت ووفات اور بعثت کے دن میں پس وہ (نبی علیہ السلام) مددگار

---

[1] سورۃ مریم ۱۲۔۱۳۔۱۴۔

[2] سورۃ مریم ۱۵۔

ہیں ہر اس شخص کے کہ جو ان سے مدد طلب کرے ظاہرہ حیات میں بعد از انتقال بھی پس اللہ کے نزدیک ان کا بہت ہی بڑا مقام ہے کہ آپ علیہ السلام کی زندگی کے تمام عوالم میں اس قدر و منزلت کی حفاظت کی گئی۔

پس وہ مستغاث المؤمنین اور ملجاء الطالبین ہیں۔

اور اللہ تعالیٰ نے اس کے بعد حضرت عیسی علیہ السلام کا ذکر فرمایا اور اسی رحمت کے آثار ان میں منتقل ہونے کا تذکرہ کیا جیسا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا فرمان ہے:

قَالَ كَذٰلِكِ قَالَ رَبُّكِ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ ۚ وَلِنَجْعَلَهٗ اٰيَةً لِّلنَّاسِ وَرَحْمَةً مِّنَّا وَ كَانَ اَمْرًا مَّقْضِيًّا الی ان قال سبحانہ: وَجَعَلَنِيْ مُبَارَكًا اَيْنَمَا كُنْتُ وَ اَوْصٰنِيْ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ مَا دُمْتُ حَيًّا۔ وَ بَرًّا بِوَالِدَتِيْ وَلَمْ يَجْعَلْنِيْ جَبَّارًا شَقِيًّا۔ وَالسَّلَامُ عَلَيَّ يَوْمَ وُلِدْتُّ وَيَوْمَ اَمُوْتُ وَيَوْمَ اُبْعَثُ حَيًّا۔

"کہا یونہی ہے تیرے رب نے فرمایا ہے کہ یہ مجھے آسان ہے اور اس لیے کہ ہم اسے لوگوں کے واسطے نشانی کریں اور اپنی طرف سے ایک رحمت اور یہ کام ٹھہر چکا ہے۔ پھر اللہ سبحانہ کا قول ہے اور اس نے مجھے مبارک کیا میں کہیں ہوں اور مجھے نماز اور زکوۃ کی تاکید فرمائی میں جب تک جیوں اور اپنی ماں سے اچھا سلوک کرنے والا اور مجھے زبردست بدبخت نہ کیا اور وہی سلامتی مجھ پر جس دن میں پیدا ہوا اور جس دن مروں اور جس دن زندہ اٹھایا جاؤں۔"[1]

---

[1] سورۃ مریم ۲۱ و ۳۲۔۳۳۔

یہ آیت اسی مضمون کی تائید کرتی ہے جو کہ پیچھے حضرت یحیی علیہ السلام کی شان میں گذرا یہ حضرت عیسی علیہ السلام کا ذکر ہے جو اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہیں تو ضروری ہے کہ وہ بھی اسی طرح رحمت ہوں اور ان پر رحمت اپنی مماثل مخلوق کی طرف سے وارد نہیں ہوئی، بلکہ مسبب الاسباب رزاق ووھاب کی رحمت ہے اور اس کو اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسی علیہ السلام کی زبان پر اس طرح بیان فرمایا، وَجَعَلَنِیْ مُبَارَكًا یعنی رحمت برکت کو مستلزم ہوتی ہے پس عہدہ و مقام رحمت پیدا کرتا ہے اور رحمت برکت کی پیدائش کا تقاضہ کرتی ہے۔ اور یہ برکت آپ کی حیات ظاہری پر ہی موقوف نہیں ہے بلکہ أَيْنَمَا كُنْتُ (میں کہیں بھی ہوں) یعنی آپ کی حیات و یوم وفات اور جس دن آپ کو زندہ کر کے میدان محشر میں لایا جائے گا لہذا ان آیات کے بعد فرمایا: وَالسَّلَامُ عَلَيَّ یعنی میرے لیے امان اور مقام محفوظ ہے میری ولادت کے دن میری وفات کے دن اور میری بعثت کے دن۔

پھر حق سبحانہ وتعالیٰ نے اس فرمان کے ساتھ جواب دیا:

ذٰلِكَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ قَوْلَ الْحَقِّ الَّذِيْ فِيْهِ يَمْتَرُوْنَ۔

”یہ ہے عیسی مریم کا بیٹا سچی بات جس میں شک کر۔تے ہیں۔“[1]

پس جب حضرت عیسی علیہ السلام ایسے ہیں تو ہمارے آقا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا حال ہوگا۔ کہ جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ۔

”اور ہم نے آپ کو سارے جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔“[2]

---

[1] سورۃ مریم ۳۴۔

[2] سورۃ الانبیاء ۱۰۷۔

اوراس میں کوئی شک نہیں ہے کہ آپ ﷺ اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے رحمت واسعہ ہیں کہ جس کو جو بھی اللہ تعالیٰ نے مقام ومرتبہ عطا کیا اس پر آپ ﷺ کی رحمت کو فضیلت حاصل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ۔

''یہ رسول ہیں کہ ہم نے ان میں ایک کودوسرے پر افضل کیا۔''①

پس جو کچھ حضرت عیسی ویحي وموسی ودیگرانبیاء کرام علیہم السلام کوملا وہ آپ ﷺ ہی کے صدقے ملا جیسا کہ بعض اہل علم نے اس پر نص فرمائی ہے ان میں سے حضرت شیخ محي الدین ابن عربی ہیں، اور امام المحدث الامام المقریزی وغیرہ نے اللہ تعالیٰ کے اس قول سے استدلال کیا ہے:

أُولٰئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدَاهُمُ اقْتَدِهْ۔

''جن کو اللہ نے ہدایت دی توتم انہی کی راہ چلو۔''②

شیخ محي الدین اکبر ابن عربی نے فرمایا: ان انبیاء کی راہ سے مراد شریعت محمدی ﷺ ہے یعنی آپ اپنی اسی شریعت کو لازم پکڑیں جس کو انبیاء علیھم السلام اقامت دین کے لئے اپنائے رہے اور لوگ اس میں مختلف نہ ہوجائیں پس یہ نہ فرمایا: فبھم اقتدہ۔③

اوراسی طرح حضرت حضرت امام المقریزی نے اپنی کتاب ''اتحاف الاسماع'' میں ذکر کیا ہے اور میں نے اپنی کتاب ''رسائل السلام فی التعریف بدین الاسلام'' میں تفصیل سے اس کو بیان کیا ہے۔④

---

① سورۃ البقرہ ۲۵۳۔

② سورۃ الانعام ۹۰۔

③ الفتوحات المکیة ۱/۱۳۵۔

④ رسائل السلام فی التعریف بدین الاسلام ۱۴۴۔

سترھویں دلیل

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

أَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا أَنْ أَوْحَيْنَا إِلَىٰ رَجُلٍ مِّنْهُمْ أَنْ أَنْذِرِ النَّاسَ وَبَشِّرِ الَّذِينَ آمَنُوا أَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ قَالَ الْكَافِرُونَ إِنَّ هَٰذَا لَسَاحِرٌ مُّبِينٌ۔

"کیا لوگوں کو اس کا اچنبا ہوا کہ ہم نے ان میں سے ایک مرد کو وحی بھیجی کہ لوگوں کو ڈر سناؤ اور ایمان والوں کو خوشخبری دو کہ ان کے لیے ان کے رب کے پاس سچ کا مقام ہے کافر بولے بے شک یہ تو کھلا جادوگر ہے۔"[1]

اس آیت کریمہ میں واضح ہوا کہ مومنین کے لیے صدق کا مقام ہے اور کہا گیا ہے کہ اس کا معنی ہے کہ لوح محفوظ میں ان کے لیے سعادت کا مقام و مرتبہ لکھا جا چکا ہے۔ جیسا کہ طبری نے اپنی تفسیر میں بیان کیا۔[2]

اور ایک قول کے مطابق کہ اس سے مراد سلف صدق ہے۔ جیسا کہ تفسیر الدر المنثور میں ہے۔[3]

اور صاحب زاد المسلم نے (۵ / ۱۸۹) میں داؤدی کا قول نقل کیا ہے، یہاں قدم سے مراد صدق قدم ہے اور وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کی طرف اشارہ ہے اور وہ مقام محمود ہے۔۔۔۔انتھی۔

میں کہتا ہوں کہ پس قدم صدق وہ قدر و منزلت اور جاہ وعزت ہے اور جو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قدر و منزلت اور جاہ و مرتبہ رکھتا ہو تو زیادہ اولی ہے کہ مؤمنین اس کے ذریعے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کریں۔ پس اس آیت نے دلیل قاطع کے ساتھ واضح کر دیا کہ وجاہت مقام و منزلت چاہتی ہے گویا کہ اللہ تعالیٰ متقین کو پہچان کرا رہا ہے کہ صاحب جاہ کے مقام کی بہت زیادہ اہمیت ہے۔ لہذا اسی لیے اللہ تعالیٰ نے سورہ توبہ کے آخر میں فرمایا:

---

[1] سورۃ یونس ۲۔ [2] تفسیر الطبری جلد ۷ صفحہ ۱۰۹۔
[3] تفسیر الدر المنثور للسیوطی ۴/۳۴۱۔

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ أَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۔ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ۔

"بے شک تمہارے پاس تشریف لائے تم میں سے وہ رسول جن پر تمہارا مشقت میں پڑنا گراں ہے تمہاری بھلائی کے نہایت چاہنے والے مسلمانوں پر کمال مہربان پھر اگر وہ منہ پھیریں تو تم فرمادو کہ مجھے اللہ کافی ہے اس کے سوا کسی کی بندگی نہیں میں نے اسی پر بھروسہ کیا اور وہ بڑے عرش کا مالک ہے۔"[1]

حق سبحانہ وتعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کا جو تعلق و مقام مومنین کے ساتھ ہے اس کو واضح فرمایا ہے یعنی وہ مومنین کی جانوں سے بھی زیادہ اقرب واولی ہیں۔

جیسا کہ دوسری آیت کریمہ میں ارشاد فرمایا:

اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ ۔

"یہ نبی مسلمانوں کا ان کی جان سے زیادہ مالک ہے۔"[2]

اور یہاں "انفسھم" کے ساتھ تعبیر کرنا بہت بلیغ تعبیر ہے اللہ تعالیٰ نے ہر انانیت پسند کی انانیت اور میں کو ختم کر کے اپنے بندوں کو فرمایا۔

میرا رسول ﷺ تمہاری جانوں سے بھی زیادہ قریب اور حقدار ہے اگر تمہارے نزدیک تمہاری جانوں کی کوئی قدر و منزلت ہے تو، پس یہ نبی مکین امین بہت بڑی قدر و منزلت والے اولی واحق ہیں تمہارے سے پس تم اپنی حاجات اور اپنی امور کو اپنے رب کی بارگاہ میں تفویض کرنے کے بعد آپ ﷺ پر اعتماد و بھروسہ کرنے میں ادنی شک

---

[1] سورۃ التوبۃ ۱۲۸۔۱۲۹۔

[2] سورۃ الاحزاب ۶۔

بھی نہ کرنا کیونکہ وہ تمہارے صدق پر امین اور تمہاری بھلائی وتقوی پر حریص ہیں اور تمہاری شقاوت وتکلیف نہیں چاہتے ،وہ شقاوت قلبی کہ جو دل کو غافل اور قدر ومنزلت نبویہ میں تحسس کی سوچ کو معطل کردے کیونکہ اس کو حاصل کرنا امت میں واقع ہو چکا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے لہذا اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا کہ آپ ﷺ ان پر ہمیشہ رحمت فرماتے رہیں جیسا کہ آپ ﷺ کے مقام کا تقاضہ ہے اور ان کے لیے آپ ﷺ اللہ سے استغفار کرتے ہیں۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُ اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا۔

''اور اگر جب وہ اپنی جانوں پر ظلم کریں تو اے محبوب ﷺ تمہارے حضور حاضر ہوں اور پھر اللہ تعالیٰ سے معافی چاہیں اور رسول ان کی شفاعت فرمائے تو ضرور اللہ کو بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں۔''[1]

جیسا کہ اس آیت کے آخر میں فرمایا گیا فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ یعنی میں اپنے کام اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتا اور اس کو سونپتا ہوں پس تمہارے امور اسی کے سپرد ہیں چاہے تو تمہیں عذاب دے یا رحم فرمائے کیونکہ تقدیر اسی کی تقدیر ہے اور تدبیر اسی کی تدبیر ہے اور اس آیت میں نبی اکرم ﷺ کی امت پر شفقت کا ارشاد ہے یہ کہ آپ ﷺ ان کو سعادت مند بناتے ہیں اور ان کی شقاوت کو ناپسند کرتے ہیں۔

کیونکہ نبی اکرم ﷺ ان کے لیے مغفرت کے پانے میں سبب بنتے ہیں لہذا یہ اسی چیز کی طرف اشارہ ہے جو کہ جمہور مفسرین کرام نے بیان فرمایا ہے کہ استغفار رسول ﷺ والی آیت عموم کا فائدہ دیتی ہے۔

[1] سورۃ النساء ۶۴۔

اور جب نبی اکرم ﷺ نے ہندہ بنت عتبہ وغیرہ کے لیے استغفار فرمایا کہ جنہوں نے تکبر وسرکشی کرنے کے بعد اسلام قبول کیا اور معافی طلب کی تھی تو یہ چیز بلا شک وشبہ ثابت ہوئی کہ امت کی مغفرت کاشف الغم ﷺ کے پاس رکھ دی گئی ہے یہ سب تمہید ہے کیونکہ سورہ یونس کے شروع میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

الٓرٰ تِلْكَ اٰيَاتُ الْكِتَابِ الْحَكِيمِ أَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا۔

''الر یہ حکمت والی کتاب کی آیتیں ہیں کیا لوگوں کو اس کا اچھنبا ہوا۔'' [1]

یعنی یہ آیات و بینات اور دلائل اس کتاب کے ہیں جو قلب مصطفی ﷺ میں ہے اور وہ آپ ﷺ کی شان وعظمت اور آپ کی قدر ومنزلت پر دلالت کرتی ہے۔

پھر اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا:

أَنْ أَنْذِرِ النَّاسَ وَ بَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا أَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ۔

''لوگوں کو ڈر سناؤ اور ایمان والوں کو خوشخبری دو کہ ان کے لئے ان کے رب کے پاس سچ کا مقام ہے۔'' [2]

کیونکہ ہر انذار کے بعد بشارت ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء کرام کو بشیر ونذیر بنا کر بھیجا۔ اللہ تعالیٰ کی مخالفت کے عذاب سے ڈراتے اور اس کی اطاعت اور معصیت پر اصرار نہ کرنے بلکہ اپنے رب کی بارگاہ میں آنے اور اپنے نفس کا محاسبہ کرنے والوں کو بشارت دینے کے لیے تاکہ ان کا خاتمہ بالخیر ہو پس بشارت ونذرات کو جمع کرنے میں لطیف نکتہ یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے رشد وہدایت ہے کہ مومنین صادقین کے لیے اگر سعادت سابقہ نہ ہوتی یعنی ان کے لیے صدق قدم اللہ تعالیٰ کے نزدیک یعنی ان کی قدر ومنزلت نہ ہوتی تو ان کو اس عنایت کے ساتھ نہ ڈھانپا جاتا اور رعایت کے ساتھ ان کا اکرام نہ کیا جاتا۔

---

[1] سورۃ یونس ۱۔ [2] سورۃ یونس، آیت:2۔

جیسا کہ آقا کریم ﷺ نے اہل بدر کی شان میں فرمایا:

وما أدراک یا عمر لعل الله قد اطلع علی اهل بدر فقال :اعلموا ما شئتم فقد غفرت لکم۔

"اے عمر تو کیا جانے کہ اللہ تعالیٰ اہل بدر پر مہربانی فرماتے ہوئے فرماتا ہے کہ جو چاہو عمل کرو میں نے تجھے بخش دیا ہے۔"[1]

لہذا اس قدر و منزلت کا بندے کی وجاہت پر بہت بڑا اثر ہوتا ہے اگر سابق عنایت نہ ہوتی یعنی مرتبہ و مقام نہ ہوتا تو صدیقوں کو اس وجاہت سے نہ ڈھانپا جاتا اور وجاہت ہدایت ہی ہے اور جو صاحب مقام و وجاہت ہو وہی اس مرتبے کا زیادہ مستحق ہے واللہ اعلم۔

اور یہ اس شخص پر رد ہے کہ جو یہ کہتا ہے کہ نبی ﷺ کی دعا اور آپ کی قدر و منزلت صرف ان کی اپنی ذات کو ہی نفع دے سکتی ہے یہ کیسے ہو سکتا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ پس وہ تمام اعتراضات ساقط ہو گئے جو کہ نفس اور رسول اللہ ﷺ میں علیحدگی اور تمیز کرتے ہیں، پس رسول اللہ ﷺ مومنوں کی جانوں سے بھی زیادہ احق و اقرب ہیں بلکہ حق سبحانہ و تعالیٰ نے ہمیں اس تصور پر ابھارا ہے کہ اس حقیقت کو جلاء بخشی جائے کہ جس کو اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ کے ساتھ تعبیر فرمایا ہے وَاعْلَمُوْا اَنَّ فِیْكُمْ رَسُوْلَ اللّٰهِ (جان لو کہ تم میں اللہ تعالیٰ کے رسول موجود ہیں) یعنی بندے کو چاہیے کہ وہ حسی و معنوی اور حق و حقیقت اتباعاً و حباً نبی کریم ﷺ کے ساتھ اپنے اخلاق کو متفق کر دے یہاں تک کہ اپنے نفس کو فنا کر دے پس نفس کے لیے انانیت اور وجود نہ چاہیے بلکہ نفس نفسِ محمد ﷺ کے تابع ہو جائے اور خواہش خواہش محمد ﷺ کے تابع ہو جائے اور خلق اخلاق آقا ﷺ کا نمونہ بن جائے اور بندہ حقیقی بندہ بن جائے اور آقا کریم ﷺ کی میراث پانے والا اور خلافت ربانیہ (جو کہ انسان کے لیے ہے اس) کو پانے والا بن جائے۔

---

[1] اخرجه البخاری فی الصحیح (۳۰۸۱) و مسلم فی الصحیح (۲۴۹۴)

اٹھارھویں دلیل:

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

أُولٰئِكَ الَّذِيْنَ نَتَقَبَّلُ عَنْهُمْ أَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا وَ نَتَجَاوَزُ عَنْ سَيِّئَاتِهِمْ فِيْ أَصْحَابِ الْجَنَّةِ وَعْدَ الصِّدْقِ الَّذِيْ كَانُوْا يُوْعَدُوْنَ۔

''یہ ہیں وہ جن کی نیکیاں ہم نے قبول فرمائیں اور ان کی تقصیروں سے درگذر فرمائیں گے جنت والوں میں سچا وعدہ جو انہیں دیا جاتا تھا۔'' (1)

صاحب تفسیر ''التحریر والتنویر'' اللہ تعالیٰ کے فرمان فِيْ أَصْحَابِ الْجَنَّةِ کی تفسیر میں فرماتے ہیں، یہ اسم اشارہ سے حال کی جگہ میں ہے یعنی جو جنت والوں میں سے ہونگے ان کی نیکیاں قبول فرمالی جائیں گی جو وہ بجالاتے تھے اور ان کی برائیوں سے درگذر کیا جائے گا کیونکہ اصحاب جنت وہی ہوں گے جن کے اعمال حسنہ مقبول ہوں اور ان کے گناہ بخش دیے گئے ہوں اور یہ ان کی تعریف کے لئے ذکر کیا ہے کیونکہ یہ معزز و مشرف گروہ سے تعلق رکھتے ہیں جیسا کہ کہا جاتا ہے ''أکرمہ فی اهل العلم'' (اہل علم میں اس کو معزز کیا)۔۔۔۔اور وعدہ، مصدر بمعنی مفعول ہے یعنی وہ ان کے وعدہ کی جگہ ہے کہ جس کے بارے میں ان سے وعدہ کیا گیا تھا۔ (2)

اور صاحب ''الفواتح الالھیۃ'' فرماتے ہیں:

فِيْ أَصْحَابِ الْجَنَّةِ اور وہ جنت میں ان جنتیوں کے ساتھ ہوں گے امن اور کامیابی کے ساتھ نہ ان پر خوف ہوگا اور نہ ہی وہ غمگین ہوں گے اس وعدہ کے سبب کہ جو اللہ تعالیٰ نے ان سے فرمایا ہے: وَعْدَ الصِّدْقِ الَّذِيْ كَانُوْا يُوْعَدُوْنَ پہلی نشاۃ (زندگی) میں اور بعد میں جو اللہ تعالیٰ نے ان کو

---

(1) سورۃ الاحقاف ۱۶۔ (2) التحریر والتنویر جلد ۲۶ صفحہ ۳۵۔۳۷۔

وصیت فرمائی والدین کے حقوق کی رعایت کرنے کی اور ہر وہ کام کہ جس پر کامیابی وکامرانی مترتب ہوتی ہے۔[1]

میں (مؤلف) کہتا ہوں کہ یہ آیت ان آیات جلیلہ میں سے ہے کہ جن میں اولیاء اللہ کا مقام اور اللہ تعالیٰ کے پاس ان کی قدر ومنزلت کو واضح کیا گیا ہے اور وہ لوگوں پر رحمت اور برکت ہیں اور جن لوگوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیے اللہ تعالیٰ ان سے درگذر فرمائے گا اولیاء اللہ کی شفاعت اور ان کی برکت اور ان کی قدر ومنزلت کے سبب کیونکہ وہ ان کے لیے اور اس امت کے گناہگاروں کے لیے سفارشی ہیں اور اگر ان کی قدر ومنزلت نہ ہوتی تو اللہ تعالیٰ نے ان کو اس طرح کیوں تعبیر فرمایا؟

فِيۡ أَصۡحَابِ الۡجَنَّةِ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے قول وَتَوَفَّنَا مَعَ الۡاَبۡرَارِ کے معنی میں گذر چکا ہے۔

اور یہ متوسل بہ کی اہمیت کو موکد کرتا ہے اور یہ کہ ان کا مقام ومرتبہ نیک وبد دونوں کے لیے نفع دینے والا ہے جبکہ ان کا قصد اچھا اور نیک ہو تو انبیاء ومرسلین کرام علیھم السلام اس کے بدرجہ اولی اس کے حق دار ہیں اور ہمارے آقا خاتم الانبیاء ﷺ تو ان سے بھی زیادہ اس عزت واحترام کے حق دار ہیں۔

انیسویں دلیل:

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا فرمان ہے:

اِذَا مَسَّ الۡاِنۡسَانَ ضُرٌّ دَعَا رَبَّهٗ مُنِيۡبًا اِلَيۡهِ ثُمَّ اِذَا خَوَّلَهٗ نِعۡمَةً مِّنۡهُ نَسِيَ مَا كَانَ يَدۡعُوۡۤا اِلَيۡهِ مِنۡ قَبۡلُ وَجَعَلَ لِلّٰهِ اَنۡدَادًا لِّيُضِلَّ عَنۡ سَبِيۡلِهٖ قُلۡ تَمَتَّعۡ بِكُفۡرِكَ قَلِيۡلًا اِنَّكَ مِنۡ اَصۡحٰبِ النَّارِ۔

[1] الفواتح الالھیۃ لابن عاشور ۲/۳۲۲۔

جب آدمی کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے اپنے رب کو پکارتا ہے اس کی طرف جھکا ہوا
پھر جب اللہ نے اسے اپنے پاس سے کوئی نعمت دی تو بھول جاتا ہے جس
لیے پہلے پکارا تھا اور اللہ تعالیٰ کے لیے برابر والے ٹھہرانے لگتا ہے تا کہ
اس کی راہ سے بہکا دے تم فرماؤ تھوڑے دن اپنے کفر کے ساتھ برت لے
بے شک تو دوزخیوں میں سے ہے۔[1]

اس آیت کریمہ میں لوگوں میں وسیلہ میں فطرۃ اللہ واضح کی گئی ہے پہلے اس معانی کا سیاق سورہ زمر کے شروع میں ذکر کیا گیا ہے اور دین خالص پر تاکید فرمائی اور اللہ تعالیٰ نے ان معانی کے لیے اس سورۃ میں مقدمات و مسلمات تمہیدا بیان فرمائے ہیں جو کہ اس آیت میں متضمن ہیں، اللہ تعالیٰ نے اس سورہ کے شروع میں اپنے نبی رسول ﷺ سے مخاطب ہوتے ہوئے فرمایا کہ، بے شک حضرت جبرائیل علیہ السلام کہ جو آپ ﷺ پر قرآن اور رسالت لے کر نازل ہوئے تو وہ اللہ غالب حکمت والے کی طرف سے ہی آئے ہیں، پس اس واسطہ حقہ کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا ہے کہ پس جو تیری طرف دین خالص کو اٹھائے ہوئے ہے پس اللہ تعالیٰ کی عبادت خلوص کے ساتھ بجالاؤ اور جو آپ کے ساتھ ایمان لائے وہ بھی کیونکہ کیونکہ آپ اس نعمت پر امین ہیں اور یہی حال تمام انبیاء کرام علیہم السلام کا ہے اور جو جھٹلانے والوں کا حکم اللہ تعالیٰ کے پاس ہے وہ اس میں ان کے درمیان فیصلہ فرمائے گا جس میں وہ اختلاف کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ جھوٹے کافروں کو ہدایت نہیں دیتا پھر اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے رات اور دن، سورج اور چاند کی نشانی بیان فرمائیں کہ جو اللہ تعالیٰ کی قدرت کی محافظ ہیں اور پھر اپنی مخلوق میں عدل بیان فرمایا کہ وہ ایک نفس سے ہیں اور یہ کہ اس کے بندے اپنی سابقہ سعادت کے ساتھ محفوظ ہیں پھر ان مقدمات کے بعد مناسب تھا کہ اللہ تعالیٰ اپنی بارگاہ میں انسان کی التجاء کی

---

[1] سورۃ الزمر ۸۔

حقیقت بیان فرمائے کہ جب اس کو تکلیف پہنچتی ہے تو پھر وہ اپنے رب کے حضور توبہ کرتے ہوئے گڑگڑاتا ہے بغیر شرک کیے ہوئے اور جب اس کو نعمت یعنی وسیلہ ملتا ہے کہ جس سے اس کو یہ تمام نعمتیں ملتی ہیں اور فضیلتیں متحقق ہوتی ہیں اور اسی سے بیماری وتکلیف دور کی جاتی ہیں تو وہ بھول جاتا ہے جس کی بارگاہ میں وہ پہلے دعا کرتا تھا بلکہ وہ اس وسیلہ کو ہی جلب منافع اور دفع مضار میں مددگار سمجھنے لگا اور انبیاء کی بعثت سے قبل وہ وسیلہ کی حقیقت اور اس کے تعامل کے مصداق کو بھول گیا تمام مخلوق تک اپنی نعمت کے پہچانے میں اللہ تعالیٰ کی قدرت جس کا تقاضا کرتی ہے جب وہ حسن ادا کے مصداق کو کھو بیٹھے اور وسیلے کو عبادت بنا کر امانت کو ضائع کر چکے تو اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام کو بھیجا تاکہ مخلوق کے لیے عالم اسباب میں تعامل کا قانون وضع کیا جائے کہ یہ سب کچھ وسائل مشروعہ پر قائم ودائم ہے کہ جو شکر ادا کرنے کا موجب بنتے ہیں۔

جیسا کہ اس کا فرمان ہے:

وَلَا يَرْضٰى لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ وَاِنْ تَشْكُرُوْا يَرْضَهُ لَكُمْ

اور اپنے بندوں کی ناشکری اسے پسند نہیں اور اگر شکر کرو تو اسے تمہارے لئے پسند فرماتا ہے۔[1]

اور وسیلہ کا شکر یہ ہے کہ اس کو اس طرح اپنایا جائے جیسے شریعت نے اس کا تعین کیا ہے اور جب متوسل حد سے بڑھ جائے تو گمراہ ہو جائے گا پھر اس کے بعد ارباب فطرت سلیمہ کا بیان فرمایا کہ جو کہ متقی پرہیزگار لوگ وسیلہ کے ساتھ اچھا تعامل کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ اٰنَآءَ الَّيْلِ سَاجِدًا وَّ قَآئِمًا يَّحْذَرُ الْاٰخِرَةَ وَيَرْجُوْا رَحْمَةَ رَبِّهٖ۔

---

[1] سورۃ الزمر ۷۔

کیا وہ جس نے فرمانبرداری میں رات کی گھڑیاں گزاریں سجود اور قیام میں آخرت سے ڈرتا اور اپنے رب کی رحمت کی آس لگائے کیا وہ نافرمانوں جیسا ہو جائے گا۔[1]

یعنی اللہ تعالیٰ سے وسیلہ صالحہ کے ساتھ رحمت کی امید کرتے ہیں کہ جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا ہے اور انبیاء ومرسلین وصدیقین واولیاء صالحین کے وسیلہ میں اللہ تعالیٰ کا بہت زیادہ قرب ہے۔ اور حقیقت میں وہ بندہ اللہ تعالیٰ کے لیے رات کو قیام کرتا ہے اور دن کے اطراف میں رب کی عبادت کرتا ہے وہ دین خالص والا ہے وہ اپنے رب کی رضا اس کی رحمت کے سبب سے چاہتا ہے یعنی کہ اس کی رحمت کے ساتھ توسل کرتا ہے اور اگر توسل شرک ہوتا تو رحمت کی طرف امید کی اسناد نہ کی جاتی۔

اور اللہ تعالیٰ کی رحمت کے ساتھ توسل کرنے والوں اور وسائل کو اللہ تعالیٰ کے سواء پوجنے والوں میں بہت زیادہ فرق ہے اور یہ صرف حق کے بیان کرنے کے لیے ہے کہ باطل جو بھی مشکل اختیار کرے ان حقائق کو بے کار نہیں کر سکتا جن کو حق سبحانہ وتعالیٰ نے ثابت فرما دیا ہے اور جس پر لوگوں کو پیدا فرمایا ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی یہی تعبیر ہے:

ثُمَّ اِذَا خَوَّلَهٗ نِعْمَةً مِّنْهُ نَسِيَ مَا كَانَ يَدْعُوْٓا اِلَيْهِ مِنْ قَبْلُ وَجَعَلَ لِلّٰهِ اَنْدَادًا۔

”پھر جب اللہ نے اسے اپنے پاس سے کوئی نعمت دی بھول جاتا ہے جس لئے پہلے پکارا تھا اور اللہ کے لئے برابر والے ٹھہرانے لگتا ہے۔“[2]

اس میں بڑی دقیق تعبیر ہے کیونکہ جو شخص وسیلہ کے حق سے تجاہل برتے کہ جس کے ذریعے وہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا تھا اور یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک نعمت تھی تو اس کا یہ

---

(1) سورۃ الزمر ۹۔

(2) [illegible]

تجاہل گمراہی تک چلا جاتا ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ وَجَعَلَ لِلّٰهِ أَنْدَادًا لہذا یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان لوگوں کا ردبلیغ ہے کہ جو مشرکین کے بارے نازل شدہ آیات کو موحدین پر چسپاں کرتے ہیں اور حقائق کے درمیان اختلاط کردیتے ہیں۔

اور اس آیت کے ساتھ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان ظالم لوگوں کا رد فرمایا کہ جو انبیاء کرام اور مرسلین عظام کے ساتھ متوسلین کو وسائل باطلہ غیر مشروعہ کے ساتھ توسل کرنے والوں کے ساتھ تشبیہ دیتے ہیں جن کی اللہ تعالیٰ نے اجازت نہیں دی اور وہ متوسلین کے حکم سے جہالت برتتے ہیں حالانکہ وہ متوسلین دین خالص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں اور اسی کی عظمت بیان کرتے ہیں اور تذلل سے پیش آتے ہیں اس کے ساتھ کہ ان کے ایمان میں یہ بات متحقق ہوتی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا ان کے ساتھ تقرب چاہتے ہیں اس اعتقاد کے ساتھ کہ یہ وسائل ذاتی نفع ونقصان کے مالک نہیں ہیں یہ وسائل اللہ تعالیٰ کی رحمت وتجلیات کے مظاہر ہیں اور یہ مقام اعتبار میں ہوتے ہیں اس لیے لوگ ان کو امام بناتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اس کی گواہی دیتا ہے اس لیے نہیں کہ یہ غایت اصلی ہے بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کی غایت فنا ہو جاتی ہے اور یہی مقام احسان کی انتہا ہے اور اللہ تعالیٰ نے قیاس مع الفارق کی مذمت فرمائی ہے۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ إِنَّمَا يَتَذَكَّرُ أُولُوا الْأَلْبَابِ۔

تم فرماؤ کیا برابر ہیں جاننے والے اور انجان نصیحت تو وہی مانتے ہیں جو عقل والے ہیں۔[1]

اور

[1] سورۃ الزمر ۹۔

اَلَّذِیْنَ یَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَیَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ هَدٰاهُمُ اللّٰهُ۔

وہ جو کان لگا کر بات سنیں پھر اس کے بہتر پر چلیں یہ ہیں جن کو اللہ نے ہدایت فرمائی۔[1]

پھر اسی سورت میں حق سبحانہ وتعالیٰ نے ان حقائق کا بیان فرمایا ہے ان مزاعم کے ابطال میں مثالیں بیان فرمائی ہیں۔

اور اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی مذمت فرمائی ہے کہ جو نعمت کے فہم میں بھٹک گئے اور انہوں نے اس کی تحریف کر کے اس کو بدل ڈالا اور اس نعمت کو اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہرادیا اور اس کو اپنے نبی کی زبان پر مومنین کی برأت بیان فرماتے ہوئے مومنین کے بارے میں فرمایا۔

قُلِ اللّٰهَ اَعْبُدُ مُخْلِصًا لَّهٗ دِیْنِیْ فَاعْبُدُوْا مَا شِئْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ قُلْ اِنَّ الْخَاسِرِیْنَ الَّذِیْنَ خَسِرُوْا اَنْفُسَهُمْ وَ اَهْلِیْهِمْ یَوْمَ الْقِیَامَةِ اَلَا ذٰلِکَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِیْنُ۔

تم فرماؤ میں اللہ ہی کو پوجتا ہوں نرا اس کا بندہ ہو کر تو تم اس کے سوا جسے چاہو پوجو تم فرماؤ پوری ہار انہیں جو اپنی جان اور اپنے گھر والے قیامت کے دن ہار بیٹھے ہاں ہاں یہی کھلی ہار ہے۔[2]

پھر حق سبحانہ وتعالیٰ نے اسباب کونیہ کو بیان فرمایا کہ جو تغیر وتبدل سے محفوظ ہیں ازلی نشاۃ سے ان کو زمین نے زندہ کرنے اور زراعت کے اگانے کی قدرت عطا فرمائی ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

---

[1] سورۃ الزمر ۱۸۔

[2] سورۃ الزمر ۱۴۔۱۵۔

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللّٰهَ أَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَلَكَهٗ يُنَابِيْعَ فِي الْأَرْضِ ثُمَّ يُخْرِجُ بِهٖ زَرْعًا مُّخْتَلِفًا أَلْوَانُهٗ ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرَاهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَجْعَلُهٗ حُطَامًا إِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِأُولِي الْأَلْبَابِ۔

کیا تو نے نہ دیکھا کہ اللہ نے آسمان سے پانی اتارا پھر اس سے زمین میں چشمے بنائے پھر اس سے کھیتی نکالتا ہے کئی رنگت کی پھر سوکھ جاتی ہے تو تو دیکھے کہ وہ پیلی پڑ گئی پھر اسے ریزہ ریزہ کر دیتا ہے بے شک اس میں دھیان کی بات ہے عقلمندوں کو۔[1]

اور اس کے بعد واسطہ اور وسیلہ کی حقیقت کا بیان فرمایا کہ جس کا قلوب قاسیہ ادراک نہیں کر سکتے فرمایا:

أَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْإِسْلَامِ۔

تو کیا وہ جس کا سینہ اللہ نے اسلام کے لئے کھول دیا۔[2]

پھر اشتباہ امر اور شبہ میں پڑنے سے بچنے کے بارے ضرب الامثال بیان فرائیں۔ یہانتک کہ:

فَإِذَا مَسَّ الْإِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَانَا ثُمَّ إِذَا خَوَّلْنَاهُ نِعْمَةً مِّنَّا قَالَ إِنَّمَا أُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ بَلْ هِيَ فِتْنَةٌ وَّلٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ۔

پھر جب آدمی کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو ہمیں بلاتا ہے پھر جب اسے ہم اپنے پاس سے کوئی نعمت عطا فرمائیں کہتا ہے کہ یہ تو مجھے ایک علم کی بدولت سے ملی ہے بلکہ وہ تو آزمائش ہے مگر ان میں بہتوں کو علم نہیں۔[3]

---

[1] سورۃ الزمر ۲۱۔
[2] سورۃ الزمر ۲۲۔ [3] سورۃ الزمر ۴۹۔

یعنی جب ہم اس کو شفاء اور استشفاء کا وسیلہ عطا فرماتے ہیں تو وہ تکبر اور بڑائی کرتے ہوئے جہالت سے اس کو بھول جاتا ہے اور گمان کرتا ہے کہ شفا طبیب اور دواء سے ملی ہے جبکہ در حقیقت شفا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے اور طبیب و دواء صرف اسباب میں سے ایک سبب ہے اور اس میں شفاء صرف اللہ تعالیٰ کے اذن وحکم پر موقوف ہوتی ہے۔

پھر اس سورت مبارکہ کے اختتام سے قبل اپنے بندوں انبیاء ومرسلین سے حکایت کرتے ہوئے فرمایا:

وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ صَدَقَنَا وَعْدَهٗ وَ اَوْرَثَنَا الْاَرْضَ نَتَبَوَّاُ مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ نَشَآءُ فَنِعْمَ اَجْرُ الْعَامِلِيْنَ۔

اور وہ کہیں گے کہ سب خوبیاں اللہ تعالیٰ کو جس نے اپنا وعدہ ہم سے سچا کیا اور ہمیں اس زمین کا وارث کیا ہم جنت میں رہیں جہاں چاہیں تو کیا ہی اچھا ثواب اچھے کام کرنے والوں کا۔[1]

ہاں اللہ تعالیٰ نے زمین کو آخرت کی فصل کا وسیلہ بنایا پس پاکی ہے اس رب کو کہ جس نے اس سورۃ کی ابتداء فرمائی اور وسیلہ وواسطہ کے معانی میں حق و باطل میں فیصلہ فرمادیا یعنی وسیلہ مشروعہ اور غیر مشروعہ کا تفصیلی ذکر فرمادیا اور ان دونوں کو آپس میں خلط ملط کرنے سے منع فرمادیا، مومنین اور کفار کے لیے علیحدہ علیحدہ وسیلہ ہے مومنین کا وسیلہ مشروعہ اور کفار کا غیر مشروعہ ہے اور یہ تحذیر (منع فرمانا) خاص کر ہمارے زمانے کے ان لوگوں کے لیے ہے کہ جو منہج سلف کے نام نہاد داعی بنے ہوئے ہیں حالانکہ وہ قرآن کی ہدایت کی مخالفت کرتے ہیں اور جو کفار کے رد اور مسلمانوں کی شان میں آیتیں نازل ہوئی ہیں ان کو خلط ملط کرتے ہیں:

---

[1] سورۃ الزمر ۷۴۔

أَفَمَنْ كَانَ مُؤْمِنًا كَمَنْ كَانَ فَاسِقًا لَا يَسْتَوُونَ۔ [1]

یا مومن فاسق کی طرح ہوسکتا ہے نہیں یہ دونوں برابر نہیں ہوسکتے۔

اور اس جرم سے اور بڑا جرم کیا ہوگا اور بدعت سے اور کونسی بدعت بڑی ہوگی۔

(فالی اللّٰہ المشتکی واللہ یتولی الصابرین بغیر حساب)

---

[1] سورۃ السجدۃ ۱۸۔

دوسری فصل

احادیث مبارکہ اور آثار سے دلائل نقلیہ

پہلی مبحث: آپ ﷺ کی ولادت سے قبل آپ ﷺ سے توسل کرنا

تمہید

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَمَا عِندَ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّلْأَبْرَارِ۔ [1]

اور جو اللہ کے پاس ہے وہ نیکوں کے لئے سب سے بھلا ہے۔

اس آیت میں یہ ثابت فرمایا گیا ہے کہ نیکوں کے لیے بھلائی اور خیر ہے اور وہ خیر اللہ تعالیٰ کے پاس ہے جب اللہ تبارک وتعالیٰ کی نظر کرم اس کی مہربانی اور رحمت میں ان کا محل ومقام ہے تو اس آیت کریمہ کا مقتضی اللہ تعالیٰ کا اذن ہے ان کی طرف التجاء کی جائے اور حق تعالیٰ نے اس کو مقرر رکھا ہے کہ بندہ جس کی امید اپنے رب سے لگائے بیٹھا ہے وہ ابرار کے پاس ہے، تو ان کے بغیر اللہ تعالیٰ کی رحمت کوئی نہیں پا سکتا اور نہ ہی کوئی نیکی پا سکتا ہے مگر ان کی برکت اور نیکی سے تو جس پر اللہ تعالیٰ کا کرم ہوتا ہے ان کی طرف جانے کی توفیق عطا فرما دیتا ہے، حق سبحانہ وتعالیٰ کے فرمان کے مطابق عرض کرتا ہے۔

وَتَوَفَّنَا مَعَ الْأَبْرَارِ۔

---

[1] سورۃ آل عمران ۱۹۸۔

اے اللہ ہمیں نیکوں کی سنگ موت دینا۔[1]

کیونکہ نیکوں کے ساتھ وفات نجات اور نیکی کا سبب ہے اور اس میں بہت بڑا اشارہ ہے کہ ذوات میں دیگر ذوات کے لیے تصور کرنے والے کے تصور سے بھی زیادہ نفع ہے اگر ایسا نہیں تو نیک لوگوں کے ساتھ وفات کا کیا معنیٰ ہوگا؟ بلاشک اس کا مطلب یہ ہے کہ وسیلہ نفع دیتا ہے اور وہ ذوات صالحہ ہیں پس اللہ تعالیٰ مومنوں کو حکم دیتا ہے کہ وہ اپنے رب سے مومن ذات کو اپنا شفیع بنا کر سوال کریں کیونکہ اس میں قبولیت کی زیادہ امید ہے لہذا اللہ تعالیٰ کے نزدیک ابرار کے لیے خیر و برکت ہے اور اس حقیقت کو اللہ تعالیٰ نے زیادہ مؤکد فرمایا ہے اپنی کتاب کے کئی مواقع پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ۔

اے ایمان والو اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ ہو جاؤ۔[2]

اور فرمایا

وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ۔

اور اپنی جان ان سے مانوس رکھو جو صبح و شام اپنے رب کو پکارتے ہیں اس کی رضا چاہتے ہیں۔[3]

اور سورہ ''والتین'' میں اس سے بھی زیادہ ظاہر فرمایا:

اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ۔

---

[1] سورۃ آل عمران ۱۹۳۔

[2] سورۃ التوبہ ۱۱۹۔

[3] سورۃ الکہف ۲۸۔

مگر وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک اعمال کیے ان کے لیے اجر ہے جو ختم نہ ہو۔ ①

یعنی جو منقطع اور ختم نہ ہو موت کے آنے سے بھی لیکن یہ متصل اور باقی رہتا ہے موت کے بعد بھی زندگی سے بھی زیادہ پس حیات میں تو نفس اور خلق کے نفع کے ساتھ اور موت کے بعد لوگوں کے نفع کے ساتھ اور نفس کا نفع وہ درجات میں ترقی کا نفع ہے لیکن اس درجہ کے ضمن میں ہے کہ جس کو دنیا کی کھیتی میں کمایا تھا تو اس آیت میں صالحین کے ساتھ توسل کے جواز کا اشارہ ہے ان کی وفات کے بعد کیونکہ ان کا نفع منقطع نہیں ہوتا۔

اور نبی اکرم ﷺ کا فرمان ہے:

(اذا مات العبد انقطع عمله الا من ثلاث ---
---الحديث)۔

کہ جب بندہ فوت ہو جاتا ہے تو اس کا عمل منقطع ہو جاتا ہے سوائے تین کے۔۔ ②

تو اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ عام لوگوں کے لیے حکم ہے اس سے صالحین مستثنیٰ ہیں کیونکہ اس میں بعض صفات اور ان کے اتصال کے مظاہر کو ذکر کیا گیا ہے یعنی اس کا صالح بچہ ہو یا صدقہ جاریہ ہو یا نفع بخش علم ہو تو آیت اور حدیث میں کوئی تعارض نہیں ہے۔ اور حق تعالیٰ نے وسیلہ کے حکم کو زیادہ لازم فرماتے ہوئے فرمایا:

---

① سورۃ التین ٦

② اخرجه مسلم فی الصحیح ٢/ ٤١، لفظه اذا مات الانسان انقطع عنه عمله الا من ثلثة ---الحدیث، و البخاری فی الادب المفرد ٣٠ (٣٨) واحمد فی مسنده ٢/٣٧٢ (٨٨٣١) والنسائی فی المجتبیٰ ٢/ ١٢٣ وفی الکبریٰ ٤/ ١٠٩ (٦٤٧٨) والترمذی فی الجامع ١/٢٥٦ وابو داؤد فی السنن ٢/٤٢، وابن الجارود فی المنتقیٰ ١٠١ (٣٧٠)، وابو عوانة ٣/ ٤٩٥ (٥٨٢٤-٥٨٢٥) والبیهقی فی السنن الکبریٰ ٦/ ٢٧٨، و فی الشعب الایمان ٢/٢٤٧ (٣٤٤٧) و ابو یعلی فی مسنده ١١/٣٤٣ (٦٤٥٧) والبغوی فی شرح السنة ١/٣٠٠ (١٣٩) والدولابی فی الکنی والاسماء ١/١٩٠، وابن ابی الدنیا فی کتاب العیال ٩٨، والطبرانی فی الدعاء ٣/١٣٨٦-١٣٨٩)

وَمَآ أَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِیْنَ۔

اور ہم نے آپ کو نہیں بھیجا مگر سارے جہانوں کے لیے رحمت بنا کر۔[1]

اور فرمایا:

اِنَّ رَحْمَةَ اللّٰهِ قَرِیْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِیْنَ۔

بے شک اللہ تعالیٰ کی رحمت نیکوں کے قریب ہے۔[2]

اور سیاق یہ چاہتا ہے کہ یہاں قریب کی بجائے ''قریبة'' ہوتا کیونکہ صفت ہمیشہ موصوف کے تابع ہوتی ہے تذکیر و تانیث اور واحد و تثنیہ و جمع ہونے میں اس طرح اعراب میں رفع نصب، جر اور تعریف و تنکیر میں اس میں تمام نحویوں کا اجماع ہے لیکن اس کے باوجود یہاں ''قریب'' لایا گیا تو یہ قرینہ پر دلالت کرتا اور وہ وسیلہ ہے کیونکہ اللہ کی رحمت یہ بندے کی اس کے رب کے ہاں قبولیت کا نام ہے کیونکہ رحمت بندے کو استوی ظلمانی سے استوی نورانی کی طرف ترقی عطا فرماتی ہے تو اس سے صاف ظاہر ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے قرب کو وسائل اور وسائط میں پوشیدہ رکھا ہے۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے اس قول مبارک میں ہے:

وَاِذَا سَاَلَکَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ۔

اے محبوب ﷺ جب تم سے میرے بندے مجھے پوچھیں تو میں نزدیک ہوں۔[3]

اور فرمایا:

وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ۔

اور ہم دل کی رگ سے بھی اس سے زیادہ نزدیک ہیں۔[4]

---

[1] سورۃ الانبیاء ۱۰۷۔
[2] سورۃ الاعراف ۵۶۔
[3] سورۃ البقرۃ ۱۸۶۔
[4] سورۃ ق ۱۶۔

اور اس کی مؤید سنت مبارکہ میں ہے کہ نبی محترم ﷺ سے (حدیث قدسی) میں مروی ہے

أنا عند ظن عبدي بي ،ان ظن بي خيرا فله ،وان ظن بي شرا فله۔

جیسا کہ اس کو ابن حبان نے روایت کیا ہے۔[1]

اور امام بخاری رحمہ اللہ نے اس کا صرف پہلا حصہ روایت کیا ہے۔[2]

اور وہ محل شاہد ہے اور حضرت سیدنا موسیٰ علیہ السلام کا فرمان ہے:

أي رب !أين أبغيک قال: ابغني عند المنكسرة قلوبهم۔

اے میرے رب میں تجھے کہاں ڈھونڈوں فرمایا ٹوٹے ہوئے دلوں میں۔[3]

اور معترض کا اعتراض کرنا کہ رحمت تو اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے ایک صفت ہے تو ہم کہتے ہیں کہ حق تعالیٰ کی صفات مخلوق کو یہ صفات اپنانے کی دعوت دیتی ہیں۔

آپ ﷺ کے اس مروی فرمان کے مصداق پر

۔۔۔تخلقوا بأخلاق الله۔۔الحديث۔

---

① اخرجه ابن حبان فی الصحیح ۲/۴۰۵ (۶۳۹) واحمد فی مسنده ۲/۳۹۱ (۹۰۶۵): امام ہیثمی نے کہا کہ اس کو امام احمد نے روایت کیا اور اس میں ابن لھیعہ ہے اور اس میں کلام ہے، مجمع الزوائد ۲/۳۱۹۔ میں کہتا ہوں کہ اس کی دوسری سند جس سے اس کو ابن حبان نے روایت کیا ہے اس میں ابن لھیعہ نہیں ہے اور اس کی سند کو شعیب الارنؤوط نے مسلم کی شرط پر صحیح کہا ہے۔ اور منذری نے کہا کہ اس کو امام احمد اور ابن حبان نے اپنی صحیح میں اور بیہقی نے روایت کیا ہے، الترغیب والترھیب ۴/۱۳۶

② اخرجه البخاری فی الصحیح (۷۴۰۵)۔

③ اخرجه ابن ابی عاصم فی الزھد ۷۵ وابو نعیم فی الحلیة الاولیاء ۲/ ۳۶۴ و ۶/ ۱۷۷۔ ورواه ابو نعیم فی الحلیة ۴/۳۲ بلفظ: قال داؤد 1: الهي أين أجدک اذا طلبتک؟ قال عند المنكسرة قلوبهم من مخافتي۔ ورواه کذلک البیهقی فی الزھد الکبیر ۲/۱۶۲)

اللہ تعالیٰ کے اخلاق کو اپناؤ۔[1]

اور جس نے سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کے اخلاق کو اپنایا اور حق کی صفات کو اپنے اندر ثابت کیا وہ حضور اکرم نور مجسم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں وہ رحمت وہدایت اور نعمت وسعادت ہیں۔

وَمَآ أَرۡسَلۡنٰكَ إِلَّا رَحۡمَةً لِّلۡعٰلَمِيۡنَ۔

اور ہم نے آپ کو نہیں بھیجا مگر سارے جہانوں کے لیے رحمت بنا کر۔[2]

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور قدسی سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے توسل کرنے کے دلائل

پہلی دلیل:

ابن تیمیہ نے اپنے فتاوی میں بطور دلیل نقل کی اور اس کو امام ابوالحسن بن بشران سے بطریق الشیخ ابی الفرج ابن الجوزی فی (الوفا بفضائل المصطفی صلی اللہ علیہ وسلم) کے حوالے سے نقل کیا ہے۔

حدثنا أبو جعفر محمد بن عمرو حدثنا أحمد بن اسحاق بن صالح حدثنا محمد بن صالح ،حدثنا محمد بن سنان العوفی ،حدثنا ابراہیم بن طهمان ،عن یزید بن میسرة ،عن عبد الله بن شقیق عن میسرة قال : قلت یا رسول الله، متی کنت نبیا؟ قال : لماخلق الله الأرض واستوی الی السماء فسواهن سبع سموات و خلق العرش ، کتب علی ساق العرش : محمد رسول الله خاتم

---

[1] اورده السهروردی فی العوارف المعارف۔ والجرجانی فی التعاریفات ۲۱۶ (۱۰۹۹) وذکره السیوطی فی الجامع الصغیر ۱/ ۲۱۷،دار طائر العلم جدة۔والمناوی فی التعاریف ۵۶۴۔)

[2] سورة الانبیاء ۱۸۶۔

الأنبيا، وخلق الجنة التي أسكنها آدم وحوا، فكتب اسمي على الأبواب والأوراق، والقباب والخيام، وآدم بين الروح والجسد، فلمّا أحياه الله تعالىٰ نظر الى العرش، فرأى اسمي فأخبره الله أنه سيد ولدك، فلما غرهما الشيطان تابا، واستشفعا باسمي اليه۔[1]

بسند مذکور۔ حضرت میسرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا آپ کب سے نبی ہیں: تو آپ نے فرمایا۔ جب اللہ تعالیٰ نے زمین کو تخلیق فرمایا پھر آسمانوں کی طرف توجہ فرمائی تو ان کو سات آسمان بنا دیا پھر عرش کو تخلیق فرمایا اور عرش کے دروازے پر لکھا۔ محمد رسول اللہ، خاتم الانبیا ہیں۔ پھر جنت کو تخلیق فرمایا کہ جس میں حضرت آدم اور حوا کو ٹھہرایا اور اس کے دروازوں و پتوں اور قبوں اور خیموں پر میرا نام لکھ دیا جبکہ حضرت آدم علیہ السلام ابھی روح اور جسد کے درمیان تھے پس جب اللہ تعالیٰ نے ان میں روح پھونکی تو انہوں نے میرا نام دیکھا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو خبر دی کہ یہ تیری ساری اولاد کے سردار ہیں پھر جب ان دونوں کو شیطان نے پھسلا دیا تو انہوں نے توبہ کی اور اللہ کے حضور میرے نام کا وسیلہ ڈالا۔

امام ابن حجر فرماتے ہیں:

بدیل بن میسرۃ کے طریق سے عبد اللہ بن شقیق عن میسرۃ الفجر سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا۔ یارسول اللہ ﷺ متی کنت نبیا: قال: وآدم بین الروح والجسد۔ یارسول اللہ ﷺ آپ کب

---

[1] یہ حدیث حسن ہیں اور اس کے تمام طرق کتاب: نور البدایات وختم النہایات میں بیان کر رہے ہیں۔ فتاوی (۲/ ۱۵۰) میں راوی عبد اللہ بن سفیان ہے جو کہ تصحیف ہے اور صحیح یہ ہے جو ہم نے لکھا ہے۔

سے نبی ہیں آپ ﷺ نے فرمایا کہ آدم ابھی جسم و روح کے درمیان تھے۔ یہ سند قوی اور پختہ ہے۔[1]

حضرت امام سید عبداللہ بن الصدیق الغماری نے اس کو ''الرد المحکم المتین'' میں ذکر فرما کر کہا کہ اس حدیث کی سند قوی ہے اور یہ عبدالرحمن بن زید کا قوی شاہد ہے جس پر میں مطلع ہو سکا ہوں۔[2]

اور اس حدیث کی سند میں مسلسل ثقات رواۃ ہیں سوائے ایک راوی کے وہ ''صدوق'' ہے پس کم از کم اس حدیث کا درجہ ''حسن'' ہے اور جو حضرات حسن کو صحیح میں داخل فرماتے ہیں ان کے نزدیک یہ حدیث صحیح ہے جیسا کہ ابن حبان اور حاکم وغیرھما۔

اور اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ سے اس وقت توسل کیا گیا ہے جبکہ عالم کو ابھی وجود کی نعمت نہیں بخشی گئی تھی۔

اور توسل کی صحت کا مدار اس پر ہے کہ متوسل بہ اللہ عز وجل کی بارگاہ میں شان رفیع کا حامل ہو اس میں یہ شرط نہیں کہ وہ ظاہری حیات میں دنیا میں زندہ ہو اور یہ کہ توسل صرف دنیا میں زندہ ہوتے ہوئے ہی ہو سکتا ہے تو یہ قول صواب سے دور ہے۔[3]

دوسری دلیل:

امام ابن ابی الدنیا نے ''الأشراف'' میں بسند حسن حضرت سعید بن جبیر سے روایت کی کہا

حدثنا محمد بن صالح قال : حدثنا عون بن كهمس ، عن أبي الأسود الطفاوي ـ وكان ثقة ـ عن سعيد بن جبير ، قال : اختصم ولد آدم فقال

---

[1] الاصابة فی تمیز الصحابة ۹/۳۰۳۔

[2] الرد المحکم المتین صفحہ ۱۳۸۔۱۳۹۔

[3] دیکھیے: مفاہیم یجب ان تصحح'' ہمارے شیخ امام المحدث ڈاکٹر محمد بن علوی المالکی کی تصنیف صفحہ ۱۲۵۔

بعضهم : أي خلق أكرم على الله ؟ قال بعضهم آدم خلقه الله بيده ، وأسجد له الملائكة ، قال آخرون : الملائكة الذين لم يعصوا الله ، فقالوا : بيننا و بينكم أبونا ، فانتهوا الى آدم فذكروا له ما قالوا ، فقال : يا بني ان أكرم الخلق ما بدأ أن نفخ في الروح ، فما بلغ قدمي حتى استويت جالسا فبرق لي العرش فنظرت فيه : محمد رسول الله ، فذاک أكرم الخلق على الله۔

بسند مذکور حضرت امام سعید بن جبیر فرماتے ہیں حضرت آدم کے بیٹے آپس میں اس بات پر جھگڑے کہ اللہ کی مخلوق میں سب سے افضل کون ہے بعض نے کہا کہ حضرت آدم افضل ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے دست قدرت سے بنایا فرشتوں نے آپ کو سجدہ کیا دوسرے بولے فرشتے افضل ہیں کیونکہ وہ رب کی نافرمانی نہیں کرتے پھر انہوں نے کہا کہ ہمارا فیصلہ ہمارے باپ حضرت آدم فرمائیں گے وہ حضرت آدم کے پاس گئے اور انہیں اپنا قضیہ بیان کیا تو حضرت آدم نے فرمایا اے بیٹو! اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سب سے افضل جب مجھے پیدا کیا گیا تو مجھے پتہ چلا کہ کون ہے جب مجھ میں روح پھونکی گئی یہانتک کہ میں بیٹھ گیا تو میرے لیے عرش چمک اٹھا میں نے دیکھا اس پر محمد رسول اللہ ﷺ لکھا ہوا تھا پس وہی اللہ تعالیٰ کے نزدیک ساری مخلوق میں افضل ہیں۔ [1]

---

[1] الأشراف في منازل الأشراف۔ لابن ابی الدنیا صفحہ ۱۱۳ اور یہ حدیث حسن لذاتہ ہے کیونکہ عون بن کھمس ثقہ ہے۔ جیسا کہ امام حاکم نے اور ابن حجر نے ''النکت'' میں کہا اور یہ متابعات شواہد میں صحیح ہے۔ اور اس کتاب کے محقق نجم عبد الرحمن نے اس کی مخالفت کی کہ اس اسناد میں کچھ راوی مجھول ہیں تو یہ مردود ہے''

تیسری دلیل:

امام حاکم وغیرہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت کی انہوں نے کہا کہ:

قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم لما اقترف آدم الخطيئة قال: يا رب أسألک بحق محمد لما غفرت لی فقال الله عزوجل يا آدم وكيف عرفت محمدا ولم أخلقه؟ قال: يارب لأنک لما خلقني بيدک ونفخت في من روحک ، رفعت رأسي فرأيت على قوائم العرش مكتوبا ، لا اله الا الله محمد رسول الله فعلمت أنک لم تضف الى اسمک الا أحب الخلق اليک، فقال الله : صدقت يا آدم ، انه لأحب الخلق الي، واذسألتني بحقه فقد غفرت لک ، ولولا محمد ماخلقتک۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب حضرت آدم علیہ السلام سے خطاء (اجتہادی) سرزد ہوئی تو انہوں نے بارگاہ رب العالمین میں عرض کی اے رب! میں تجھ سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے سوال کرتا ہوں کہ میری مغفرت فرما، تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا اے آدم تو نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو کیسے جانا حالانکہ میں انہیں

«» کیونکہ اس کی توثیق ابن حبان نے کی ہے اور حافظ ابن حجر نے ''النکت'' میں اس کی توثیق کو برقرار رکھا ہے اور محقق کو یہ نہ چاہیے تھا کہ ثقات راویوں کو مجھولین میں شمار کرتا اگر وہ خاموش رہتا تو اس کے لیے یہ بہتر راستہ تھا اور علمی امانت کو بچاتا تھا۔

میں کہتا ہوں: کہ امام ابوداؤد فرماتے ہیں: لم یبلغني الا الخیر۔ (تھذیب التھذیب ۸ / ۱۵۴ اور ابن حجر نے تقریب میں کہا کہ: مقبول۔ اور امام ذھبی نے الکاشف میں کہا: ثقۃ۔ تقریب مع الکاشف ۴۸۰۔ اور ابن حبان نے اس سے اپنی صحیح میں روایت لی ہے اور امام ابوداؤد نے اپنی سنن میں بھی اور دار قطنی نے اپنی سنن میں جس کی سند کو شیخ مجدی حسن نے کہا ''اسنادہ صحیح'' ۱ / ۳۶۲۔ اور امام بخاری نے اپنی تاریخ کبیر میں اس کا ذکر کیا ہے اور اس پر کوئی جرح ذکر نہیں کی۔ ۷ / ۱۸۔ ارشد مسعود غفرلہ۔

ابھی تک پیدا ابھی نہیں کیا تو حضرت آدم علیہ السلام نے عرض کی اے رب! جب تو نے مجھے اپنے دست قدرت سے تخلیق فرمایا اور اپنی روح مجھ میں پھونکی تو میں نے اپنا سر اوپر اٹھایا تو مجھے عرش کے ستونوں پر لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ لکھا ہوا نظر آیا تو میں نے جان لیا کہ تیرے نام کے ساتھ اسی کا نام ہوسکتا ہے جو تمام مخلوق میں تجھے سب سے زیادہ پیارا ہے تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا اے آدم تو نے سچ کہا مجھے ساری مخلوق میں سے سب سے زیادہ پیارا وہی محبوب ہے اب جبکہ تو نے اس کے وسیلہ سے مجھ سے دعا کی ہے تو میں نے تجھے معاف کر دیا اور اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم نہ ہوتے تو میں تجھے بھی تخلیق نہ کرتا۔ [1]

چوتھی دلیل:

امام سیوطی رحمہ اللہ نے تفسیر ''الدر المنثور'' میں ''ابن المنذر'' کے طریق سے روایت نقل کی بسند۔ عن محمد بن علی الحسین بن علی بن أبی طالب قال: حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

لما أصاب آدم الخطيئة عظم كربه ، واشتد ندمه ،فجاء ه جبريل فقال :يا آدم أدلک على باب توبتک الذي يتوب الله عليک منه ؟ قال:بلى يا جبريل ، قال : قم في مقامک الذي تناجي فيه ربک فمجده وامدحه ،فليس شيء أحب الى الله

---

[1] اخرجه الحاكم وصححه ٢/٦١٥ والطبرانی فی الصغير ٢١٢ (٩٩٢) والأوسط ٧/٢٥٩ (٦٤٩٨) والبيهقی فی الدلائل ٥ /٤٨٩ وابن عساكر فی تاريخ دمشق (كما فی التهذيب ٢/٣٤٤، و٣٥٩) كلهم من طريق عبد الرحمن بن زيد بن أسلم۔ اور عبد الرحمن بن زيد بن أسلم العدوی ضعيف (تقريب التهذيب ص ٣٤٠ (٣٨٦٥) یہ راوی کذاب نہیں ہے جیسا کہ مخالفین کا دعوی ہے بلکہ اس کو صلاح اور عبادت کے ساتھ موصوف کیا گیا ہے اس مسئلہ کو محدث علامہ عبد اللہ بن الصدیق الغماری نے اپنی کتاب ''الرد المحکم المتین صفحہ ۱۳۱ میں ذکر کیا ہے وہاں ملاحظہ فرمائیں پس طرق متقدمہ کے ساتھ مل کر یہ حدیث صحیح ہے۔

من المدح ،قال :فأقول ما ذا يا جبريل ؟ قال:
فقل: لا اله الا الله وحده لا شريک له ، له الملک
،وله الحمد، يحيي و يميت ، وهو حي لا يموت، بيده
الخير كله ، وهو على كل شيء قدير - ثم تبوء
بخطيئتک فتقول سبحانک اللهم وبحمدک ،لا
اله الا أنت ، رب اني ظلمت نفسي وعملت السوء
،فاغفر لي انه لا يغفرالذنوب الا أنت ، اللهم
بجاه محمد عبدک و كرامته عليک أن تغفرلي
خطيئتي قال :ففعل آدم ،فقال الله : يا آدم من
علمک هذا؟ فقال : يا رب انک لما نفخت في الروح
فقمت بشرا سويا أسمع و أبصر وأعقل وأنظر ،رأيت
على ساق عرشک مكتوبا''بسم الله الرحمن
الرحيم ،لا اله الا الله وحده لا شريک له، محمد
رسول الله ، فلما لم أر اثر اسمک اسم ملک مقرب
،ولا نبي مرسل غير اسمه ، علمت أنه أكرم خلقك
عليک - قال صدقت- وقد تبت عليک و غفرت لک
خطيئتک ، قال فحمد آدم ربه و شكره، وانصرف
بأعظم سرور لم ينصرف به عبد من عند ربه -
وكان لباس آدم النور-قال الله : ينزع عنهما
لباسهما ليريهما سوآتهما(سورة الاعراف ٢٧) ثياب
النور قال: فجاءته الملائكة أفواجا تهنئه يقولون:

لتهنک توبۃ اللہ یا أبا محمد۔

جب حضرت آدم علیہ السلام سے خطا سرزد ہوگئی تو انہیں بہت تکلیف ہوئی اور شدید ندامت کا احساس ہوا تو آپ کے پاس حضرت جبرائیل علیہ السلام آئے اور کہا اے آدم کیا میں آپ کو توبہ کا دروازہ نہ بتادوں کہ جس سے اللہ تبارک وتعالیٰ تیری توبہ قبول فرمالے؟ تو حضرت آدم علیہ السلام نے کہا کیوں نہیں، اے جبرائیل مزید بتائیے تو حضرت جبرائیل نے کہا، اے آدم اپنی جگہ کھڑے ہو جائیے اور رب کریم کی حمد وثنا بیان کیجیے کیونکہ اللہ تعالیٰ کو مدح وتعریف اور حمد وثنا بڑی پسند ہے تو حضرت آدم علیہ السلام نے کہا اے جبرائیل میں کیا کہوں؟ فرمایا اس طرح کہو، اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ واحد اور لاشریک ہے اسی کے لیے بادشاہی اور حمد ہے وہ زندہ کرتا اور مارتا ہے اور وہ زندہ ہے اس کو موت نہیں ہے تمام بھلائی اسی کے ہاتھ میں ہے اور وہ ہر شے پر قادر ہے۔ پھر اپنی خطا بیان کر کے یوں کہو، اے اللہ تو پاک ہے اور حمد تجھے ہی زیبا ہے تیرے سوا کوئی معبود نہیں اے میرے رب میں نے اپنی جان پر ظلم کیا اور اچھا کام نہ کیا تو مجھے معاف فرما کہ تیرے سوا کوئی معاف فرمانے والا نہیں ہے اے میرے اللہ میں تجھ سے تیرے بندے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے سوال کرتا ہوں اور ان کی عزت جو تیری بارگاہ میں ہے اس کے وسیلے سے دعا کرتا ہوں کہ تو میری خطا معاف فرمادے تو حضرت آدم علیہ السلام نے یوں ہی کہا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے آدم تجھے اس کا علم کیسے ہوا؟ حضرت آدم علیہ السلام نے عرض کی، اے میرے رب جب تو نے مجھ میں روح پھونکی تو میں مکمل بشر بن کر کھڑا ہو گیا سنتا اور دیکھتا اور سوچتا اور دیکھتا تو میں نے عرش کے پائے پر لکھا ہوا دیکھا۔ ''بسم اللہ الرحمن الرحیم، لا الہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ، محمد رسول اللہ'' تو میں نے تیرے نام کے ساتھ اس نام کے سوا کسی ملک

مقرب اور نبی مرسل کا نام نہ دیکھا تو میں نے جانا کہ وہ تیرے نزدیک تیری ساری مخلوق سے محبوب تر ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا، تو نے سچ کہا میں نے تیری خطا معاف فرمادی اور تجھے بخش دیا تو حضرت آدم علیہ السلام نے رب کی حمد بیان کی اور اس کا شکر ادا کیا اور بڑی خوشی کے ساتھ لوٹے کہ کوئی بندہ اپنے رب سے اتنی خوشی کے ساتھ نہ لوٹا ہوگا۔ اور حضرت آدم علیہ السلام کا لباس نور تھا اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ يَنْزِعُ عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا لِيُرِيَهُمَا سَوْآتِهِمَا اتروا دیے ان کے لباس کہ انگی شرم کی چیزیں انہیں نظر پڑیں یعنی نورانی لباس اتروا دیا۔ تو آپ کے پاس ملائکہ گروہ در گروہ مبارک باد دینے کے لیے آئے وہ کہتے تھے اے ابو محمد توبہ مبارک ہو۔'' [1]

ان روایات سے سیدنا ابو البشر حضرت آدم علیہ السلام کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے قبل توسل کرنا ثابت ہوتا ہے حالانکہ اس وقت آپ عالم ذریت میں تھے۔ واللہ اعلم۔

میں کہتا ہوں کہ امام دیلمی نے بھی فردوس الاخبار میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں۔۔۔۔۔

قل اللهم اني أسألک بحق محمد و آل محمد سبحانک لا اله الا أنت علمت سواء وظلمت نفسی فاغفرلي انک أنت الغفور الرحيم ،اللهم اني أسألک بحق محمد و آل محمد سبحانک لا اله

---

[1] الدر المنثور في التفسير بالماثور للسيوطي ۱/۱۴۶۔

*مترجم زاد اللہ عزہ و شرفہ الی یوم المعاد فرماتے ہیں کہ آجری نے ایک دوسری سند جو کہ عبد الرحمن بن ابی الزناد عن ابیہ کے طریق سے ہے اس روایت کو موقوفا روایت کیا ہے جس میں ہے کہ۔۔۔

قال: من کلمات التی تاب بها علی آدم 1قال: اللهم انی بحق محمد علیک قال الله عز و جل یا آدم ما یدریک بمحمد صلی اللہ علیہ وسلم قال یارب رفعت راسی فرأیت مکتوبا علی عرشک۔۔۔۔۔ الحدیث (الآجری فی الشریعة ۳/۱۴۱۵ (۹۵۶)۔ وفی نسخة ۳۷۰-۳۷۳)

الا أنت علمت سواء وظلمت نفسی تب علي انک أنت التواب الرحیم فهؤلاء الکلمات التی تلقی آدم۔ (فردوس الاخبار ۳/۱۵۱)(ارشد مسعود عفی عنه)

دوسری مبحث:

آپ ﷺ کی ظاہری حیات میں آپ ﷺ سے توسل

آپ ﷺ کی حیات میں آپ سے توسل کرنا آپ ﷺ کے ظہور اور بعثت سے قبل توسل کرنے سے مختلف نہیں ہے اور اس پر بہت سارے دلائل ہیں۔

پہلی دلیل:

حضرت امام ترمذی نے حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ:

أن رجلا ضرير البصر أتى النبى فقال : ادع الله أن يعافيني فقال : ان شئت دعوت ،وان شئت صبرت فهو خير لک قالفادعه .قال :فأمره أن يتوضأ فيحسن الوضوء و يدعو بهذا الدعاء : اللهم اني أسألک و أتوجه اليک بنبيک محمد نبي الرحمة، يا محمد: اني توجهت بک الى ربي في حاجتي هذه لتقضى لي ،اللهم فشفعه في۔

بے شک ایک نابینا آدمی آپ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور عرض کی آپ ﷺ میرے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ وہ مجھے عافیت دے تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر تو چاہے تو میں تیرے لیے دعا کروں اور اگر تو صبر کرے تو تیرے لیے بہتر ہے اس نے عرض کی آپ ﷺ دعا فرمادیں تو

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اچھی طرح وضو کر اور یہ دعا مانگ، اے اللہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور تیری بارگاہ میں حاضر ہوتا ہوں تیرے نبی رحمت ﷺ کے وسیلہ کے ساتھ، یا رسول اللہ ﷺ میں آپ ﷺ کے وسیلہ سے اپنے رب سے اپنی حاجت طلب کرتا ہوں تا کہ وہ میری یہ مشکل حل فرما دے، اے اللہ! آپ ﷺ کی سفارش میرے بارے میں قبول فرما۔[1]

اور ایک روایت میں اس طرح الفاظ بھی آئے ہیں:

''فان کان لک حاجة فمثل ذلک فافعل''

اگر تجھے کبھی بھی کوئی حاجت درپیش ہو تو اسی طرح کر لیا کرنا۔

یہ زیادت امام حماد بن سلمہ کی ہے اور اس زیادت میں تمام احوال و زمان میں توسل کی اجازت دی جا رہی ہے یعنی جب بھی کوئی مشکل درپیش ہو تو توسل سے دعا کرنا جائز ہے اس میں آپ ﷺ کی حیات و انتقال کی کوئی قید نہیں ہے۔

حضرت عثمان بن حنیف فرماتے ہیں:

واللہ ما تفرق بنا المجلس حتی دخل بصیرا، کأن لم یکن بہ ضر۔

---

[1] اخرجه الترمذی فی الجامع ۲/ ۱۹۷ (۳۵۷۸)، والنسائی فی السنن الکبری ۶/۱۶۹ (۱۰۴۹۵)، وفی عمل الیوم واللیلة ۴۱۷ (۶۵۸ و ۶۵۹) وابن ماجه فی السنن ۱۰۰ (۱۳۸۵) واحمد فی مسنده ۴/۱۳۸ والحاکم فی المستدرک ۱/۵۲۶ـ۵۲۷ـ وقال: صحیح علی شرط البخاری ،وأقره الذهبي ـوالطبرانی فی الکبیر ۹/۳۰ـ۳۱ ، والصغیر ۲۲۰ـ۲۲۱ وصححه ،وابن خزیمة فی الصحیح ۲/۲۲۵ (۱۲۱۹) والبیهقی فی الدعوات الکبیر ۱/۱۵۱ ،وفی الدلائل ۶ / ۱۶۶ ـ۱۶۷ وابن السني فی عمل الیوم واللیلة (۵۸۱ـ۵۸۲) وعبد بن حمید فی مسنده ۱۴۷ ،والبخاری فی التاریخ الکبیر ۶/۲۱۰ ، وابو نعیم فی معرفة الصحابة ۴/۱۹۵۸، والمزی فی تهذیب الکمال ۱۹/۳۵۹ ، وابن عساکر فی أربعون حدیثا ۵۳ـ۵۴ ـ۵۵ ، وابن قانع فی المعجم الصحابة ۲/ (۲۵۷ـ۲۵۸)

یعنی ابھی ہماری مجلس برخاست نہ ہوئی تھی کہ وہ شخص بینا ہو کر ہمارے پاس آیا گویا کہ اس کو کوئی تکلیف تھی ہی نہیں۔

امام ابن عجلان نے اس حدیث کی شرح میں فرمایا:

اللّٰھم انی أسألک'' یعنی اپنا مطلوب طلب کرتا ہوں ''بنبیک'' یعنی آپ ﷺ کے وسیلہ اور شفاعت کے ساتھ، یہاں ''با'' تعدیہ یا مصاحبت کے لیے ہے۔ ''نبی الرحمۃ'' یہ آپ ﷺ کی صفت ہے اور اس مقام کے لیے اس صفت کی مناسبت مخفی نہیں ہے ''یا محمد'' آپ ﷺ کی طرف التفات ہے تاکہ اللہ کی طرف متوجہ ہو پس سائل اس وسیلہ کے ساتھ اس کے سوا سے مستغنی ہو گیا ''أتوجہ بک'' یعنی یا رسول اللہ ﷺ آپ کی ذات سے اور اس میں ''با'' استعانت کے لیے ہے ''لتقضي لي'' اور الحصن والحصین کی ایک نسخہ میں ''لتقضي'' بصیغۃ الفاعل ہے یعنی آپ حاجت پوری کی جئے۔ معنی یہ ہے کہ حصول حاجت کے لیے آپ ﷺ سبب بن جائیں پس یہ اسناد مجازی ہے ''اللھم فشفعہ'' یعنی اے اللہ میرے حق میں شفاعت قبول فرما۔ ①

حضرت امام عبدالرؤف مناوی فرماتے ہیں:

پہلے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا کہ اپنے نبی کو اس کی شفاعت کا اذن عطا فرمائے پھر رسول اللہ ﷺ کی طرف شفاعت کا التماس کرتے ہوئے متوجہ ہوا، پھر رب تعالیٰ کی بارگاہ میں متوجہ ہوا کہ وہ آپ ﷺ کی شفاعت قبول فرمائے۔ ②

حضرت امام سبکی فرماتے ہیں:

---

① الفتوحات الربانیہ علی الاذکار للنواویۃ لابن عجلان ۳۰۳/۴۔

② فیض القدیر شرح جامع الصغیر للمناوی ۱۳۴/۲-۱۳۵۔

رب تعالیٰ کی بارگاہ میں توسل اور استغاثہ اور آپ ﷺ سے شفاعت چاہنا بہت ہی اچھا فعل ہے، اور اسلاف میں سے کسی ایک نے بھی اس کا انکار نہیں کیا یہاں تک کہ "ابن تیمیہ" اور اس نے اس کا انکار کیا اور صراط مستقیم سے بھٹک کر گمراہ ہو گیا اور ایسی بدعت کا موجد بنا کہ اس سے پہلے کسی عالم نے بھی نہ کی تھی اور وہ مسلمانوں میں مثلہ بن کر رہ گیا (انتھی)[1]

امام سبکی کا مفصل کلام مقدمہ میں گذر چکا ہے۔

میں (مصنف) کہتا ہوں کہ جہاں تک امام سبکی کے اس قول کا معاملہ ہے کہ اسلاف میں سے کسی ایک نے بھی اس کا انکار نہیں کیا۔

توامام ترمذی، ابن ماجہ اور حاکم کی مندرجہ بالا روایت اس کی دلیل پر کافی ہے اور امام حاکم نے کہا کہ یہ بخاری اور مسلم کی شرط پر صحیح ہے۔ اور اس کو تلقی بالقبول حاصل ہے جبکہ سیکنڑوں احادیث اس کے مطابق اور اس کی تائید میں وارد ہیں اور جہاں تک نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد گزرنے والے زمانوں میں اس دعا کے استعمال کا تعلق ہے تو اس معاملہ میں جو سب سے زیادہ قابل قدر اور صحیح ترین فیصل ہیں اور جن میں مطلقا کوئی بھی اختلاف نہیں وہ خود صحابی رسول حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ کی ذات گرامی ہے۔ جنہوں نے خود حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ایک شخص کو یہی دعا سکھلائی تھی اور اس کی حاجت پوری ہو گئی تھی (جیسا کہ ابھی آئے گا) پس یہ حدیث کی روایت کا سبب ہے اس پر غور و فکر کرنا چاہیے، اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے خلاف کسی قسم کا کلام نہیں سنا جائے گا ان مسائل میں وہ چاہے کوئی بھی دلیل ہو۔

اور اس حدیث کے راوی جلیل القدر صحابی حضرت عثمان بن حنیف الانصاری الاوسی رضی اللہ عنہ ہیں جو کہ غزوہ احد اور اس کے بعد تمام غزوات میں شریک ہوئے اور حضرت

---

[1] شفاء السقام للسبکی ۱۶۱۔

عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے آپ کو عراق کے قبیلوں کا عامل بنا کر بھیجا تھا اور اسی طرح بصرہ کے گورنر بھی رہے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ تک وہ گورنر رہے۔[1]

اور پڑھنے والے کی عقل اتنی بھی کمزور نہیں ہے کہ وہ کہے کہ یہ توسل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا سے ہے کیونکہ حدیث کی عبارت اس کے خلاف ہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نابینا صحابی کو حکم دیا کہ وہ خود دعا کرے جیسا کہ ترمذی کی متقدمہ روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو حکم فرمایا کہ اچھی طرح وضو کر اور پھر یہ دعا مانگ:

اللهم اني أسألك و أتوجه اليك بنبيك محمد الحديث

اور پھر تمام روایات اس پر متفق ہیں کہ دعا اس نابینا صحابی نے مانگی تھی نہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے۔

لہذا امام بیہقی نے دلائل النبوۃ میں باب ان الفاظ کے ساتھ قائم کیا ہے۔ ''باب ما جاء في تعليمه الضرير ما كان فيه شفاءه حين لم يبصر، وما ظهر في ذلك من آثار النبوة''[2]

اور اس دعوے کے قائل پر تہمت اور سوء ظن کا گمان ہوتا ہے اور اس میں کلام نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کو اس پر حمل کیا جا رہا ہے کہ جس کا وہ احتمال نہیں رکھتے۔

کیونکہ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس دعا کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے بعد استعمال کیا ہے اور یہ اس بات پر دلیل ہے کہ وہ اس کا وہی مفہوم سمجھے تھے جو کہ ساری امت سمجھی ہے یعنی کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کے ساتھ توسل کرنا جائز ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس فرمان ''بنبیک محمد'' کے ساتھ اور بھی مؤکد فرما دیا اور اسم محمد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذاتی نام ہے یعنی ذات مصطفے صلی اللہ علیہ وسلم کو میں وسیلہ کے طور پر لاتا ہوں لہذا اس کے بعد مجتہد کا اجتہاد باقی نہیں رہتا کیونکہ نص کے ہوتے ہوئے اجتہاد نہیں ہوتا۔ پس احادیث صحیحہ توسل بالذات پر نص ہیں اور یہی قول واحد ہے اور کوئی قول اس میں قبول نہیں کیا جائیگا۔

[1] ملاحظہ ہو الاصابۃ فی تمیز الصحابۃ لابن حجر ۶/۳۸۶، وسیر اعلام النبلاء للذهبی ۱۲/۳۲۰۔

[2] دلائل النبوۃ للبیہقی ۶/۱۶۶۔

اوراس مفہوم کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ قیامت کے روز لوگ حضرت آدم علیہ السلام کی بارگاہ میں جائیں گے حالانکہ ان کے لیے صرف یہی ہونا چاہیے تھا کہ وہ حضرت آدم علیہ السلام کے نام یا دیگر انبیاء کرام کے نام لینے پر ہی اختصار کرتے اور اللہ تعالیٰ اس دن بندہ کے سامنے ہوگا لیکن حضرت آدم علیہ السلام اپنے بعد والے کی طرف بھیج دیں گے یہاں تک کہ لوگ سید الاولین والآخرین صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں پہنچیں گے۔

یہاں اس حدیث پر جو کچھ شبہات پیش کیے جاتے ہیں تو حضرت شیخ السید عبداللہ بن صدیق الغماری نے ان کا بڑی شرح وبسط کے ساتھ جواب ارشاد فرمادیا ہے۔

آپ ''المصباح'' صفحہ ۲۴ میں فرماتے ہیں:

ان شئت دعوت'' یعنی اگر تو چاہے تو میں تجھے دعا سکھلا دوں جس کے ساتھ تو دعا کرے اور میں وہ تجھے خاص کر تلقین فرمادوں اور یہ تاویل واجب ہے تا کہ حدیث کا اول حدیث کے آخر کے موافق ہوسکے۔

لیکن البانی حسب عادت ''حضرت شیخ السید الغماری'' پر غفلت اور تغافل کا بے جا الزام لگاتے ہوئے کہتا ہے:

پس اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانا ''ان شئت دعوت'' اس کی طلب کے جواب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نابینا کو ارشاد فرمایا تو اس بات کی تعین کرتا ہے کہ آپ نے اس کے لیے دعا کی تھی اور یہی ضروری ہے کیونکہ حدیث کا اول حدیث کے آخر سے متفق ہو جائے لہذا ہم دیکھتے ہیں کہ شیخ غماری حدیث کے آخر میں قول ''اللهم شفعه فيو شفعني فيه'' کی تفسیر نہیں کرتا کیونکہ یہ صریح ہے کہ توسل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کے ساتھ تھا جیسا کہ گذرا

میں (مؤلف) کہتا ہوں کہ یہ مغالطہ اس شخص کو ہوسکتا ہے جو لغت عرب کو نہ جانتا ہو پس یہ حرم مکی کے امام الائمہ محمد بن علان الصدیقی الشافعی (۱۰۵۷ھ) ہیں جو کہ حدیث کے الفاظ کی تشریح فرمارہے ہیں۔ جیسا کہ تفصیل کے ساتھ اپنی جگہ پر گذرا پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم

فرماتے ہیں:

قولہ (اللھم) یعنی یا اللہ اور یہ دوسرا التفات ہے، قولہ (فشفعہ) یعنی میرے حق میں ان کی شفاعت قبول فرما۔

اور نہایہ میں کہا: ''المشفع'' کہ جس کی شفاعت قبول فرمائی جائے۔[1]

امام طیبی نے فرمایا:

''أتوجہ [الیک بنبیک]'' میں فا کا عطف ہے یعنی میرے لیے آپ کو شفیع بنادے اور ان کی شفارش قبول فرما۔[2]

قولہ ''اللھم'' یہ معترضہ ہے۔

اور ''الحرز الأظھر'' میں ہے کہ (اللھم) یہ ندائیہ جملہ ہے اور اس کے بعد دعائیہ جملہ ہے اور اس پر معطوف علیہ فا کے ساتھ مقدر ہے اور اس کا معنی یہ ہے اے باری تعالیٰ پہلے آپ ﷺ کو شفیع بنا اور پھر آپ ﷺ کی شفاعت میرے حق میں قبول فرما تا کہ مقصود مکمل ہو۔[3]

اور البانی اور اس کے ساتھیوں ابولوز وغیرہ کا دعوی کہ سید غماری جو کہ اپنے زمانے میں علم حدیث کے امام ہیں نے کلام رسول ﷺ جو کہ حدیث میں ہے (فشفعه في و شفعني فيه) سے غفلت برتی ہے، کیونکہ یہ جملہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ توسل آپ ﷺ کی دعا سے کیا گیا نہ کہ ذات سے تو یہ سراسر باطل دعوی ہے جو کہ مدعی کی فصاحت کے لیے کافی ہے اور اس کی علمی حیثیت کو آشکار کر رہا ہے۔

اور ہمارے شیخ السید عبد اللہ کے سامنے اس کی کم علمی کو ظاہر کرتا ہے، کیونکہ حدیث شریف کی روایات متعدد ہیں، ترمذی کی روأیت میں ''فشفعه في'' ہے اور امام احمد کی

---

[1] النہایۃ فی غریب الحدیث ۲/۴۸۵، وھکذا فی لسان العرب ۸/۱۸۴۔

[2] شرح الطیبی علی مشکاۃ المصابیح ۵/۲۳۳۔

[3] الفتوحات الربانیۃ علی الأذکار النوویۃ ۴/۳۰۳۔

روایت میں یہ زیادہ ہے ''فشفعني فيه'' اور طبرانی کی روایت میں آتا ہے ''اللهم شفعه فيّ وشفعني في نفسي'' اور ان سب کا معنی وہی ہے جو کہ عقلاء نے سمجھا ہے یعنی آپ ﷺ کی شفاعت میرے حق میں قبول فرما یعنی آپ ﷺ کی ذات میری ذات کے لیے اس میں کوئی عاقل بھی مخالفت نہیں کرے گا مگر وہی شخص مخالف ہوگا جس کے دل میں بیماری ہے اور فقاہت کم ہے وہ جانوروں کی طرح ہے بلکہ ان سے بھی بدتر ہے۔

اور اس حدیث شریف کی اور سند بھی ہے کہ جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ حکم آپ ﷺ کی حیات اور بعد از وفات عام ہے،

امام طبرانی نے روایت کی کہ:

أن رجلا كان يختلف الى عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ في حاجة له، فكان عثمان لا يلتفت اليه و لا ينظر في حاجته ، فلقي ابن حنيف فشكى ذلك اليه ، فقال له عثمان بن حنيف : ائت الميضأة فتوضأ، ثم ائت المسجد فصل فيه ركعتين ثم قل: اللهم اني أسألك وأتوجه اليك بنبيا محمد،نبي الرحمة، يا محمد اني أتوجه بك الى ربي فتقضى لي حاجتي وتذكر حاجتك ، ورح حتى أروح معك ، فانطلق الرجل فصنع ما قال له ، ثم أتى باب عثمان بن عفان ، فجاء البواب حتى أخذ بيده ، فأدخله على عثمان بن عفان ، فأجلسه معه على الطنفسة فقال: حاجتك ؟ ،فذكر حاجته و قضاها له ،ثم قال له: ما ذكرت حاجتك حتى كان الساعة ، و قال: ماكان لك من حاجة فاذكرها ثم ان الرجل

خرج من عنده فلقي عثمان بن حنيف ،فقال له: جزاک الله خيرا ، ما کان ينظر ولا يلتفت الي حتى كلمته في ، فقال عثمان بن حنيف :والله ما كلمته ولكني شهدت رسول الله وأتاه ضرير ،فشكى اليه ذهاب بصره، فقال له النبى :فتصبر فقال يا رسول الله ليس لي قائد وقد شق علي ، فقال النبى ائت الميضأة فتوضؤ، ثم صل ركعتين ، ثم ادع بهذه الدعوات قال ابن حنيف :فو الله ما تفرقنا و طال بنا الحديث ،حتى دخل علينا الرجل كأنه لم يكن به ضر قط۔

ایک شخص حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے پاس اپنی کسی حاجت کے لیے جاتا لیکن حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اس کی طرف التفات نہ فرماتے تو وہ حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ سے ملا اور ان سے شکایت کی تو اس کو حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ نے فرمایا: پانی لاؤ اور وضو کرو پھر مسجد جاؤ اور دو رکعت نماز ادا کر پھر یہ دعا مانگ ،"اللھم اني أسأ لک وأ توجه الیک بنبیا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ،نبیا لرحمۃ یا محمد اني أتوجه بک الی ربي فتقضي لي حاجتي ،اور اپنی حاجت کو بیان کر تو چل میں بھی تیرے ساتھ چلتا ہوں پس آدمی گیا اور اس نے ایسا ہی کیا جیسا کہ اس کو کہا گیا تھا پھر وہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے دروازے پر حاضر ہوا پس دربان آیا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے پاس لے گیا اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اسے اپنی جگہ تخت پر بٹھایا اور فرمایا۔ تیری کیا حاجت ہے؟ اس نے اپنی حاجت بیان کی اور آپ رضی اللہ عنہ نے اس کی حاجت پوری فرمادی پھر فرمایا کہ مجھے تیرا کام یاد نہ رہا تھا مگر ابھی یاد آیا اور فرمایا،

تیری جو بھی حاجت ہو اس کو ذکر کر پھر وہ آدمی آپ کے پاس سے نکلا اور حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ سے ملا اور ان سے عرض گذار ہوا، اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تو میری طرف توجہ ہی نہیں فرماتے تھے حتی کہ آپ نے ان سے بات کی تو حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ نے فرمایا: واللہ میں نے تو ان سے کوئی بات نہیں کی لیکن میں موجود تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک نابینا آیا اور اپنی بینائی چلے جانے کی شکایت کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا صبر کر، تو اس نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے راستہ دکھانے والا کوئی نہیں ہے اور مجھے بڑی تکلیف کا سامنا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا پانی لا اور وضو کر پھر دو رکعت نماز پڑھ پھر یہ دعا مانگ، تو حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ نے فرمایا اللہ کی قسم ابھی اسے ہم سے گئے اور بات کیے زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی کہ وہ شخص ہمارے پاس آیا گویا کہ اسے کوئی تکلیف کبھی تھی ہی نہیں۔ [1]

ہمارے بھائی المحدث الفاضل الشیخ محمود سعید ممدوح نے کہا۔

ابن ابی خیثمہ کی روایت کردہ حدیث میں حماد بن سلمہ جو کہ حافظ ثقہ ہیں کی روایت میں یہ زیادت ہے ”فان کانت لک حاجۃ فافعل مثل ذلک“ اور یہ ثقہ اور حافظ کی زیادتی ہے جو صحیح اور مقبول ہے جیسا کہ اصول حدیث میں مقرر اور معلوم ہے پس یہ روایت عموم پر دلالت کرتی ہے اور عمل کا تقاضا کرتی ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات اور بعد از انتقال قیامت تک کے لیے۔

پھر ابن تیمیہ نے کہا:

---

[1] اخرجه الطبرانی فی الکبیر ۹/۳۰-۳۱ وفی الصغیر ۲۲۰-۲۲۱ و صححه، والبیهقی فی الدلائل النبوة ۶/۱۶۷۔

اگر دیگر نابینا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کہ جن کے لیے آپ ﷺ نے دعانہیں فرمائی
وہ توسل کریں تو ان کا حال اس نابینا صحابی جیسا نہ ہو کہ جس کے لیے
آپ ﷺ نے دعا کی ہے یعنی ان کو شفا نہ ملتی۔

اور اسی طرح ایک دوسری جگہ اس نے کہا:

اور اس طرح اگر کوئی نابینا آپ ﷺ سے توسل کرے اور رسول اللہ ﷺ
اس کے لیے دعا نہ فرمائیں اس نابینا کی طرح ہوتا تو دیگر نابینا صحابہ یا اس
میں سے کچھ اس طرح کرتے جس طرح اس نابینا صحابی نے کیا تھا یا تو ان کا
ایسا نہ کرنا دلیل ہے اس بات کی کہ مشروع وہی ہے جو انہوں نے کیا۔

تو شیخ محمود سعید ممدوح نے کہا:

اس کا جواب تو بالکل آسان ہے میرا خیال تھا کہ اس اعتراض کو نقل ہی نہ کرتا
کیونکہ یہ اس قابل ہی نہیں ہے لیکن میں نے دیکھا کہ ایک گروہ نے اسی
اعتراض کو لیا اور اس کو اپنی طرف منسوب کر دیا۔ اچھی بات تو یہ تھی کہ وہ اس
اعتراض کے فساد اور گھٹیا ہونے کی وجہ سے اس کو ذکر ہی نہ کرتے اور اگر کیا
تھا تو اس کے قائل (ابن تیمیہ) کی طرف منسوب کرتے جنہوں نے اس کو
اپنی طرف منسوب کیا ان میں ایک ''البانی'' ہے۔ جس نے نابینا کے توسل
کے بارے میں اپنی کتاب ''التوسل صفحہ ۷۶'' میں کہا:

اگر نابینا کی شفا کا راز اسی میں ہے کہ اس نے حضور اکرم ﷺ کی قدر
ومنزلت اور آپکی جاہ کے ساتھ وسیلہ پکڑا تھا جیسا کہ عام متاخرین نے سمجھا
ہے تو ضروری ہے کہ اس کے علاوہ دوسرے نابینا لوگ جنہوں نے آپ ﷺ
سے وسیلہ پکڑا ہو سب کو شفا حاصل ہو جاتی بلکہ ہو سکتا ہے کہ انہوں نے اس
کے ساتھ ساتھ کبھی دیگر جمیع انبیاء کرام علیہم السلام اور اولیاء و شہداء اور صالحین کا
وسیلہ بھی پکڑا ہو بلکہ ہر ایک مخلوق کا کہ جس کو بارگاہ خداوندی میں کوئی مقام ملا

ہو، مثلاً ملائکہ انسان اور جن وغیرہ لیکن ہم نہیں جانتے بلکہ ہمارا گمان ہی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے وصال سے لیکر آج تک اس درازعرصہ میں کسی کو کوئی اس طرح مراد حاصل ہوئی ہو۔

اور اسی طرح اس اعتراض کو صاحب ''التوسل الی حقیقة التوسل'' نے صفحہ ۲۴۳ پر اور صاحب ''ھذہ مفاھیمنا'' نے صفحہ ۳۷ پر ذکر کیا ہے۔

تو اس اعتراض کے جواب مندرجہ ذیل ہے۔

① صحت دعا کے لیے دعا کی قبولیت شرط نہیں ہے،

اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَکُمْ

تم مجھ سے دعا کرو میں تمھاری دعا قبول کروں گا،

اور ہم کئی مسلمانوں کو دیکھتے ہیں کہ وہ دعا کرتے ہیں لیکن وہ دعا قبول نہیں ہوتی لہذا یہ اعتراض تو ہر قسم کی دعا پر وارد ہوسکتا ہے پس اس اعتراض پر غور وفکر کرو اور دیکھو کہ معترض کہاں جاتا ہے۔

② اس اعتراض پر اس سے بھی بڑا قوی احتمال وارد ہوتا ہے حاصل کلام یہ کہ نابینا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے وسیلہ نہیں پکڑا یہ صرف ایک احتمال ہے جس کی تائید میں کوئی دلیل نہیں ہے حالانکہ اس سے قوی ترین احتمالات اس میں موجود ہیں۔

① یہ کہ ممکن ہے کہ انہوں نے وسیلہ پکڑا ہو اور ان کی دعا قبول ہوئی ہو۔

② انہوں نے اجر وثواب کی نیت سے دعا ہی نہ مانگی ہو۔

③ انہوں نے وسیلہ پکڑا ہو لیکن ان کی دعا کا اجر وثواب آخرت کے لیے ذخیرہ کردیا گیا ہو۔

④ انہوں نے جلدی کی ہو اور ان کی دعا قبول نہ ہوئی ہو۔

جبکہ رسول اللہ ﷺ سے صحیح روایت ہے آپ ﷺ نے فرمایا:

یستجاب لأحدکم مالم یعجل یقول :قد دعوت

فلم یستجب لي۔

تم میں سے ہر ایک کی دعا قبول ہوتی ہے جب تک کہ وہ جلد بازی نہ کرے پھر کہتا ہے میں نے دعا کی لیکن قبول نہ کی گئی۔[1]

اس کو بخاری اور مسلم وغیرہما نے روایت کیا ہے۔

اور کتنے ہی دعا کرنے والے ایسے ہیں جو کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات کے ساتھ توسل کرتے ہوئے دعا کرتے ہیں لیکن ان کی دعا قبول نہیں ہوتی تو یہ اشکال تو ہر جگہ لازم آئے گا یعنی ہم دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات یا نیک اعمال اور یا نیک آدمی کی دعا کے ساتھ توسل کرتے لیکن ان کی دعا قبول نہیں ہوتی اور یہ معترض پر اتمام حجت ہے اور ان کے اعتراض کا رد ہے۔

پس ثابت ہوا کہ دعا اور قبولیت آپس میں لازم وملزوم نہیں ہیں۔

یہ انتہائی شر پسندی ہے اور حقیقت کی نفی پر شہادت ہے جس سے کوئی عقلمند آدمی دھوکہ نہیں کھا سکتا۔[2]

دوسری دلیل:

امام بخاری نے عبداللہ بن دینار سے اور انہوں نے اپنے باپ سے روایت کی وہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے ابو طالب کے یہ شعر سنے:

وأبیض یستسقی الغمام بوجهه ثمال الیتامی عصمة للأرامل

ان کے نورانی چہرہ سے بادل بارش مانگتا ہے، وہ مسکینوں کے فریادرس اور مددگار اور ان سے تکالیف ومشکلات دور ہٹانے والے ہیں۔

عمر بن حمزہ نے کہا سالم نے اپنے باپ سے روایت کی کہ:

---

[1] اخرجه البخاری فی الصحیح (۶۳۴۰) ومسلم فی الصحیح (۲۷۳۵) اور البانی کا یہ کہنا کہ نہ ہم جانتے ہیں اور نہ ہی ہمارا گمان ہے۔

[2] رفع المنارة فی احادیث التوسل والزیارة للشیخ محمود سعید ممدوح ۲۰-۲۲۔

میں بعض اوقات شاعر کا شعر کہتا اور میں آپ ﷺ کے چہرہ انور کو دیکھتا بارش طلب کرتے ہوئے تو اتنی بارش نازل ہوتی کہ پرنالے بہہ نکلتے۔

وأبيض يستسقى الغمام بوجهه ثمال اليتامى عصمة للأرامل

ان کے نورانی چہرہ سے بادل بارش مانگتا ہے، وہ مسکینوں کے فریادرس اور مددگار اور ان سے تکالیف و مشکلات دور ہٹانے والے ہیں۔ یہ ابو طالب کے اشعار ہیں۔[1]

تیسری دلیل:

امام بیہقی نے دوسری سند سے دلائل النبوت میں سعید بن خیثم الھلالی سے انہوں نے مسلم الملائی اور وہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ:

جاء أعرابي الى النبي ﷺ فقال: يا رسول الله ﷺ لقد أتيناك ومالنا بعير يئط، ولا صبي يغط وأنشده:

أتيناك والعذراء يدمى لبانها
وقد شغلت أم الصبي عن الطفل

وألقى بكفيه الصبي استكانة
من الجوع ضعفا لا يمر ولا يخلي

ولا شيء مما ياكل الناس عندنا
سوى الحنظل الحامي والعلهز الفسل

وليس لنا الا اليك فرارنا
وأين فرار الناس الا الى الرسل

---

[1] اخرجه البخاری فی الصحیح (۱۰۰۹) وابن ماجه فی السنن (۱۲۷۲) والبیهقی فی الدلائل النبوة ۶/۱۴۲ و فی السنن الکبری ۸۸/۳۔ کلهم من طریق أبي عقیل عبد الله بن عقیل وهو ثقة۔

فقام رسول الله ﷺ حتى صعد المنبر ، ثم رفع يديه الى السماء فقال : اللهم اسقنا غيثا مغيثا مريئا مريعا غدقا طبقا عاجلا غير رائت ،نافعا غير ضار ،تملأ به الضرع ، وتنبت به الزرع و تحيي به الأرض بعد موتها ، و كذلك تخرجون ، فوالله ما رد يديه الى نحره حتى ألقت السماء بابراقها ، وجاء أهل البطانة يعجون : يا رسول الله الغرق الغرق ، فرفع يديه الى السماء ، ثم قال : اللهم حوالينا ولا علينا فانجاب السحاب عن المدينة حتى أحدق بها كالاكليل ، فضحك رسول الله ﷺ حتى بدت نواجذه ثم قال : لله درأبي طالب ،لو كان حيا قرت عيناه ، من ينشدنا قوله ؟ فقام علي بن أبي طالب رضی اللہ عنہ فقال : يا رسول الله ﷺ كأنك أردت :

وأبيض يستسقى الغمام بوجهه
ثمال اليتامى عصمة للأرامل

يلوذ به الهلاک من آل هاشم
فهم عنده في نعمة و فواضل

كذبتم و بيت الله نبزي محمدا
ولما نقاتل دونه و نناضل

و نسلمه حتى نصرع حوله
و نذهل عن أبنائنا والحلائل

ایک اعرابی نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور عرض کی ، یا رسول

اللہ ﷺ ہم آپ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے ہیں کہ ہمارے اونٹ قحط سے بلبلانا چھوڑ گئے اور بچہ بھوک کی شدت سے رو نہیں سکتا۔ ہم آپ کی بارگاہ میں اس حالت میں آئے ہیں کہ افلاس کی وجہ سے جوان لڑکیاں کام کرنے پر مجبور ہو گئی ہیں اور محنت و مشقت کی وجہ سے ان کے سینے لہولہان ہو گئے ہیں اور صورت حال کی سنگینی نے لوگوں کو اس حد تک خودغرض بنا دیا ہے کہ ماں جیسی شفیق ہستی بھی اپنے بچے سے غافل ہو گئی۔ اور بھوک کی ناتونی نے بچے کو اتنا نڈھال کر دیا ہے کہ بے حس و حرکت گرا پڑا ہے اور اس کے منہ سے کوئی تلخ یا شیریں بات نہیں نکل رہی ہے۔ لوگ جو کچھ کھاتے ہیں اس میں سے ہمارے پاس کچھ نہیں ہے اور اگر کچھ ہے وہ آفت رسیدہ خراب تمہ ہے یا پھر خود رو بے کار گھاس۔ یارسول اللہ ﷺ! ہماری بھاگ دوڑ تو صرف آپ تک ہے اور لوگوں کی بھاگ دوڑ رسولوں کے سوا اور کہاں تک ہو سکتی ہے تو رسول اللہ ﷺ کھڑے ہوئے حتی کہ منبر مبارک پر تشریف فرما ہوئے، اور آسمان کی طرف ہاتھ مبارک اٹھائے اور کہا: اے اللہ ہمیں موسلا دھار خوشگوار اور زمین کو اچھی سرسبز و شاداب کرنے والی بارش عطا فرما جو بغیر تاخیر کے جلدی برسنے والی ہو نفع بخش ہو نقصان دہ نہ ہو جس سے مویشیوں کے شیر دان بھر جائیں کھیتیاں اُگ آئیں اور زمین مردہ ہونے کے بعد دوبارہ زندہ ہو جائے اور اسی طرح تم قبروں سے نکالے جاؤ گے قسم بخدا ابھی آپ ﷺ نے اپنے ہاتھ مبارک سینہ مبارک کی طرف واپس نہیں لوٹائے تھے کہ آسمان اپنی گرج چمک کے ساتھ بارش برسانے لگا اور اہل بطانہ: فریاد کرتے ہوئے دوڑے چلے آئے اور عرض کرنے لگے یا رسول اللہ ﷺ ہم غرق ہو گئے پھر آپ ﷺ نے اپنے مبارک ہاتھوں کو آسمان کی طرف بلند فرمایا اور یوں کہا: اے اللہ ہمارے گرد و نواح پر برسانہ

کہ ہم پر، تو اسی وقت بادل چھٹ گئے اور مدینہ منورہ کے اوپر سے ہٹ کر اس کو گھیرے میں لے لیا جیسے ایک بوٹی پہاڑ کے اطراف کو ڈھانپ لیتی ہے اور اس کو سرسبز کر دیتی ہے، تو رسول اللہ ﷺ اتنے مسکرائے کہ آپ ﷺ کے پچھلے دانت مبارک ظاہر ہو گئے پھر فرمایا: ابو طالب کو اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے وہ اگر آج زندہ ہوتے تو یہ دیکھ کر ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوتیں، کون ہے جو ان کے شعر ہمیں پڑھ کر سنائے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ اٹھے اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ آپ شاید یہ نعتیہ اشعار کے بارے فرما رہے ہیں۔ ان کے نورانی چہرہ سے بادل بارش مانگتا ہے، وہ مسکینوں کے فریادرس اور مددگار اور ان سے تکالیف و مشکلات دور ہٹانے والے ہیں ہلاکت کے کنارے بیٹھنے والے بنو ہاشم کے افراد ان کی پناہ لیتے ہیں وہ آپ کے پاس نعمتوں اور احسانات سے بہرہ مند ہوتے ہیں رب کعبہ کی قسم! تم نے جھوٹ کہا ہے کہ ہم محمد ﷺ کے گرد جنگ اور جاں بازی کے بغیر انہیں تمہارے حوالے کر دیں گے۔ اور یہ بھی تمہاری بھول ہے کہ ہم انہیں تمہارے سپرد کر دیں گے بلکہ ہم ان کے گرد اپنے خون کا آخری قطرہ بہا دیں گے اور اپنے بیٹوں اور اپنی بیویوں کو بھول جائیں گے۔[1]

حافظ ابن حجر نے فرمایا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث کی سند اگرچہ ضعیف ہے مگر یہ متابعت کی صلاحیت رکھتی ہے۔[2]

اور ابن هشام نے ''السیرۃ النبویۃ'' میں فرمایا کہ مجھ سے حدیث بیان کی کہ جو ثقہ ہے اس نے پھر یہی واقعہ بیان کیا۔[3]

---

① اخرجه البیهقی فی الدلائل ۱۴۱/۶۔
② فتح الباری ۲/۴۹۵۔
③ السیرۃ النبویۃ لابن هشام ۱۱۶/۲ وابن عبد البر فی التمهید ۲۲/۲۳-۲۶ وابن عدی فی الکامل ۳/۴۰۹ والأصبهانی فی دلائل النبوۃ ۱/۱۸۴۔

میں (مصنف) کہتا ہوں کہ "یستسقی الغمام بوجھہ" یہاں بعض بول کر کل مراد لیا جا رہا ہے، اور حضرت ابن عمر کا اس شعر کو پڑھنا یہ ثابت کرتا ہے کہ آپ توسل بالذات کے قائل تھے اور کلمہ "بوجھہ" دعا کا احتمال نہیں رکھتا بلکہ ذات کے معنی میں ہے۔

چوتھی دلیل:

اور گذری ہوئی دلیلوں کے ساتھ اس دلیل کو ملانا بھی ممکن ہے کہ جس کو امام بخاری اور امام مسلم نے حضرت ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا آپ فرماتے ہیں کہ:

کان رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا جائه السائل ،أو طلبت اليه حاجة قال: اشفعوا تؤجروا ،و يقضي الله على لسان نبيه صلی اللہ علیہ وسلم ما شاء۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں کوئی سائل آتا یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی حاجت طلب کی جاتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ سے فرماتے سفارش کرو اور اجر پاؤ اللہ تعالیٰ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پر اس کی حاجت پوری فرما دے گا۔[1]

الشیخ محمد حبیب اللہ الشنقیطی اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں۔

اس حدیث سے یہ اخذ کیا گیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے لیے اللہ کی بارگاہ میں مطلقاً توسل کو پسند فرماتے ہیں وہ دنیاوی زندگی میں ہو یا وفات کے بعد یا چاہے میدان حشر ہو، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض لوگوں کو بعض لوگوں کی سفارش پر ابھارا ہے، اور اس پر اجر کا وعدہ فرمایا ہے اور اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پر جو چاہتا ہے وہ سائل کو عطا کرواتا ہے پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے تشفع اللہ کی بارگاہ میں جواز اور مندوب کے لیے اور اجر کے ثبوت اور قضاء حوائج کے لیے زیادہ اولی و بہتر ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قدر و منزلت اللہ تعالیٰ کے ہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلق کی طرح عظیم ہے اور ان کے لیے مقام محمود ہے اور اللہ تعالیٰ اکرم مسئول ہے۔

---

[1] اخرجه البخاری فی الصحیح (۱۴۳۲)، ومسلم فی الصحیح (۲۶۲۷)

جیسا کہ میں نے اس کی طرف اپنی نظم ''حجج التوسل'' میں بیان کیا ہے:

هو کریم والنبی مکرم فمن توسل به لا یحرم

اللہ تعالیٰ کریم اور نبی اکرم ﷺ مکرم ہیں جو کوئی آپ ﷺ سے توسل کرے وہ محروم نہیں رہتا۔[1]

یارب تو کریمی و رسول توکریم صد شکر کہ ہستیم میان دوکریم

پانچویں دلیل:

عن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ ، أن وفد هوازن لما أتوا رسول الله ﷺ بالجعرانة وقد أسلموا. قالوا:انا أصل و عشيرة .وقد أصابنا من البلاء ما لا يخفى عليك .فامنن علينا من الله عليك ، وقام رجل من هوازن ، ثم أحد بنى سعد بن بكر. يقال له: زهير .يكنى بأبي صرد. فقال : يارسول الله ﷺ نساؤنا عماتك و خالاتك و حواضنك الاتي كفلنك .ولو أنا ملحنا (أي:أرضعنا) الحارث بن أبي شمر.والنعمان بن المنذر ، ثم نزل بنا منه الذي أنزلت بنا لو لرجونا عطفه و عائدته علينا ، وأنت خير المكفولين ، ثم أنشد رسول الله ﷺ شعرا فقال:

امنن علينا رسول الله في كرم فانك المرء نرجوه و ندخر

---

[1] زاد المسلم فیما اتفق علیہ البخاری و مسلم ۴/۴۴۵۔

امنن على بيضة قد عاقها قدر
مفرق شملها في دهرها غير
أبقت لنا الحرب هتافا على حزن
على قلوبهم الغماء والغمر
ان لم تداركهم نعماء تنشرها
يا أعظم الناس حلما حين يختبر
امنن على نسوة قد كنت ترضعها
اذ فوک يملؤه من محضها درر
اذ كنت طفلا صغيرا كنت ترضعها
واذيزينک ما تأتي وما تذر
لا تجعلنا كمن شالت نعامته واستبق منا

فقال رسول الله ﷺ :أبناؤكم و نساؤكم أحب اليكم أو أموالكم ؟ قالوا :يا رسول الله ﷺ خيرتنا بين أموالنا و نسائنا ،بل ترد علينا أموالنا و نساؤنا ،فقال :أما ما كان لي ولبني عبد المطلب فهو لكم ،فاذا صليت الظهر بالناس فقولوا : انا نستشفع(۱) برسول الله ﷺ الى المسلمين، وبالمسلمين الى رسول الله ﷺ في أبنائنا و نسائنا، فسأعطيكم عند ذلک و أسأل لكم فلما صلى رسول الله ﷺ بالناس الظهر ،قاموا فكلموه بما أمرهم رسول الله ﷺ ،فقال : أما ما كان لي ولبني

عبد المطلب فھو لکم وقال المھاجرون :ماکان لنا فھو لرسول اللہ ﷺ ،وقالت الأنصار مثل ذلک۔الحدیث۔

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ اقدس میں جب قبیلہ بنی ہوازن جعرانہ میں حاضر ہوا اور اسلام قبول کیا تو انہوں نے عرض کی ، یارسول اللہ ﷺ یہ ہم اور ہمارا قبیلہ و خاندان ہے ہمیں جو تکلیف پہنچی وہ آپ ﷺ سے مخفی نہیں ہے آپ ﷺ ہم پر کرم نوازی فرمائیں اللہ تعالیٰ آپ ﷺ پر مہربانی فرمائے گا ، ھوازن سے ایک شخص کھڑا ہوا پھر ایک بنی سعد بن بکر سے کھڑا ہوا جس کا نام زہیر اور کنیت ابوصرد تھی اس نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ ہماری عورتیں آپ ﷺ کی پھوپھیاں اور خالائیں ہیں اور آپ ﷺ کو دودھ پلانے والیاں کہ جنہوں نے آپ ﷺ کی کفالت کی اور اگر ہم مکہ کے رؤساء میں سے حارث بن ابی شمر یا نعمان بن منذر کے پاس بطور اسیران جنگ پیش کیے جاتے تو وہ ضرور ہم پر مہربانی کرتے اور ہمیں معاف کر دیتے ، یارسول اللہ ﷺ آپ ﷺ تو بہترین کفالت فرمانے والے ہیں ، پھر اس نے اپنا قصیدہ آقا کریم ﷺ کے سامنے پیش کیا۔ اے اللہ کے رسول ﷺ شیوہ کرم اختیار کرتے ہوئے ہم پر احسان فرمایئے آپ ﷺ ہی وہ ذات اقدس ہیں جن کے کرم کی امید رکھتے ہیں اور منتظر ہیں ایسے شرفاء پر احسان فرمایئے جن سے تقدیر بھی روٹھ گئی ہے علاوہ ازیں زمانے میں ان کا شیرازہ بکھر چکا ہے جنگ نے ہمارے لئے اندوہناک آہ و فغاں ہی چھوڑی ہے ان کے دلوں پر غموں اور دکھوں کا غلبہ ہے اگر آپ ﷺ نے بھی اپنے انعام و اکرم سے ان کی تلافی نہ فرمائی تو آپ انہیں منتشر کر

دیں گے۔ اے سب لوگوں سے زیادہ بردباری سے کام لینے والے جب بھی آزمایا جائے۔ ان عورتوں پر احسان فرمایئے جن کا آپ نے دودھ نوش فرمایا جب آپ کا دہن مبارک ان کے خالص دودھ سے بھر گیا جب آپ ﷺ چھوٹے بچے تھے آپ ان کا دودھ پیتے تھے جب آپ کو سجتا تھا جو آپ کرتے جو آپ چھوڑ دیتے۔ ہمیں ایسے شخص کی طرح نہ بنا دیجیے جس کی عزت جاتی رہی ہماری طرف بڑھئے ہم ایک تابندہ گروہ ہیں۔ تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تمہیں تمھارے بیٹے اور عورتیں پیاری ہیں یا مال و دولت یعنی عورتوں اور بچوں اور دولت میں سے ایک چیز کو اختیار کر لو انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ آپ نے ہمیں عورتوں اور مال میں سے ایک چیز کا اختیار دیا ہے بلکہ آپ ﷺ ہمیں ہمارے مال اور ہماری عورتیں اور بچے دونوں ہی واپس فرما دیں تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا، جو میرے اور بنو عبد المطلب کے حصہ میں آیا ہے میں وہ سب کچھ تمہیں واپس کرتا ہوں جب ظہر کی نماز پڑھ چکو تو یوں عرض کرنا، ہم رسول اللہ ﷺ کو اپنا سفارشی بناتے ہیں اپنے بیٹوں اور اپنی عورتوں کے سلسلہ میں مسلمانوں کی طرف اور مسلمانوں کو رسول اللہ ﷺ کی طرف تو میں اپنا حصہ تمہیں دے دوں گا اور دوسرے مسلمانوں سے تمہاری سفارش کروں گا پس جب رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کے ساتھ نماز پڑھی تو وہ قبیلہ والے کھڑے ہو گئے اور جو رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا تھا اس طرح انہوں نے کہا، تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو میرا حصہ اور بنی عبد المطلب کا حصہ ہے وہ میں نے تم کو دیا، تو مہاجرین نے عرض کی، جو کچھ ہمارا ہے وہ اللہ کے رسول ﷺ کے لیے

ہے اور انصار نے بھی اسی طرح کہا۔ الحدیث[1][2]

چھٹی دلیل:

نبی اکرم ﷺ کی حیات میں توسل کرنا ثابت ہے کہ جس میں کوئی شک وشبہ نہیں ان دلائل میں سے وہ دلیل ہے کہ جو حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آپ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

أن فاطمة بنت اسد عليها السلام أم علي بن أبي طالب علیہ السلام لما توفيت نزل النبى ﷺ في قبرها قبيل الدفن واضطجع فيه وقال: الله الذي يحي و يميت ،وهو حي لا يموت ،اغفر لأمي فاطمة بنت أسد ،ولقنها حجتها ،ووسع عليها مدخلها ،بحق نبيك ،والأنبياء الذين من قبلي ،فانك أرحم الراحمين۔

جب حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی والدہ ماجدہ حضرت فاطمہ بنت اسد کا انتقال ہوا تو رسول اللہ ﷺ دفن سے پہلے ان کی قبر میں تشریف فرما ہوئے (یعنی لیٹے) اور عرض کی اللہ وہ ہے جو زندہ کرتا اور موت دیتا ہے وہ زندہ ہے اس کو موت نہیں ہے (اے اللہ) میری امی کو بخش دے اور ان کو ان کی حجت تلقین فرمادے اور ان پر ان کی قبر کو وسیع فرمادے اپنے نبی ﷺ اور مجھ سے پہلے انبیاء کرام علیہم السلام کے صدقے بے شک تو ارحم الراحمین ہے۔[3]

---

[1] وفي النسائى "۔۔۔فقولوا انا نستعين برسول الله ﷺ۔۔۔" (سنن المجتبى ٦/ ٢٦٣ (٦٨٨) فى كتاب الهبة باب هبة المشاع، وفى السنن الكبرى ٤/ ١٢٠ (٦٥١٥)

[2] اخرجه ابن اسحاق فى المغازى كما فى الاصابة لابن حجر ٤/ ٢٠ والسيرة النبوية ٣ /٦٦٧-٦٦٨ واسناده حسن۔ ومن طريقه الطبرانى فى المعجم الكبير ٥ /٢٧٠-٢٧٢ والنسائى فى السنن المجتبى ٦/ ٢٦٣ (٢٦٨٨) وفى السنن الكبرى ١٢٠/٤)

[3] اخرجه الطبرانى فى الكبير ٢٤/ ٣١٥ (٨٧١) وفى الاوسط ١/ ١٥٢-١٥٣ وابو نعيم فى الحلية الولياء ٣/ ١٢١ ، اور امام ہیثمی نے مجمع الزوائد میں ٩/ ٢٥٧ میں کہا کہ اس میں روح بن صلاح ہے امام ابن حبان اور حاکم نے اس کو ثقہ کہا ہے اور اس میں ضعف ہے اور باقی تمام راوی صحیح کے راوی ہیں اور وہ ابن حجر کے نزدیک ثقہ ہے جیسا کہ تعلیق التغلیق کے حوالے سے گذرا)

اور یہ حدیث امام ابن حبان اور حاکم کی شرط کے مطابق صحیح ہے اور دیگر محدثین کے نزدیک حسن ہے اور ذات نبی ﷺ سے توسل کرنے کے جواز میں عام دلیل ہے آپ ﷺ کی حیات اور دیگر انبیاء کرام کے انتقال کے بعد بھی ان سے بھی توسل کرنا جائز ہے۔

جب حضرات انبیاء کرام علیہم السلام سے اس حالت میں توسل کرنا جائز ہے تو ان کے بغیر دیگر صالحین و اولیاء اللہ سے بھی توسل کرنا جائز ہے اور جب وفات شدگان سے توسل جائز ہے تو زندوں سے بھی جائز ہے کیونکہ تمام حالات میں اللہ تعالیٰ کا یہی مقصود ہے اور دعا میں حضرات انبیاء، و رسل اور اولیاء کا ذکر کرنا ہی توسل و استشفاع ہے اور اسباب کا اختیار کرنا ہے اور یہ امر مشروع ہے۔

ساتویں دلیل:

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ نبی اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

من خرج من بيته الى الصلاة فقال: اللهم اني أسألک بحق السائلين عليک، وأسألک بحق ممشاي هذا، فاني لم أخرج أشرا (افتخارا)، ولا بطرا (اعجابا)، ولا رياء، و لا سمعة، وخرجت اتقاء سخطک وابتغاء مرضاتک، فأسألک أن تعيذني من النار، وأن تغفرلي ذنوبي، انه لا يغفر الذنوب الا أنت أقبل الله عليه بوجهه، واستغفر له سبعون ألف ملک۔

جو شخص نماز کے لیے اپنے گھر سے نکلے اور یوں کہے اے اللہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں سوال کرنے والوں کے صدقے سے اور تجھ سے سوال کرتا ہوں اپنے چلنے کی جگہ کے صدقے سے نہ میں غرور تکبر کے لیے نکلا اور نہ ہی دکھلاوے کے لیے اور ریاکاری کے لیے اور میں محض تیرے غضب سے ڈرتے ہوئے اور

تیری رضا چاہتے ہوئے نکلا ہوں میں تجھ سے جہنم سے پناہ مانگتا ہوں اور تو میرے گناہوں کو بخش دے بے شک تیرے سوا ان کو کوئی نہیں بخشنے والا تو اللہ تعالیٰ اس کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور ستر ہزار فرشتے اس کے لیے مغفرت کرتے ہیں۔[1]

اس حدیث شریف میں اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ نے امت کے لیے تمام مومنین سائلین حضرات انبیاء و اولیاء زندہ، وفات شدگان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں توسل کی ترغیب دلائی ہے۔

اور سائلین وہ جو کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں خلوص کے ساتھ گریہ زاری کریں۔ وہ زندہ ہوں یا انتقال فرما گئے ہوں ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی جناب میں توسل کیا جائے۔

حضرت شیخ محمد زاہد الکوثری نے فرمایا:

اس حدیث میں عام اور خاص مسلمانوں سے توسل کو جائز جائز قرار دیا گیا ہے اور سوال کے دونوں مفعولوں میں سے ایک پر با کو داخل کرنا یہ سوال استعلامی (حصول علم کے لئے سوال) میں ہوتا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ

---

[1] اخرجه ابن ماجه ۱/۲۵۲ (۷۷۸) واحمد فی المسند ۳/۲۱ والطبرانی فی الدعاء ۱/۹۹۰ والبغوی فی مسند الجعد ۲۹۹ (۲۰۳۱-۲۰۳۲)، وابن ابی شیبة فی المصنف موقوفا ۱۰/۲۱۱ (۹۲۵۱) وابن السنی فی عمل الیوم واللیلة ۴۰ (۸۵) وابن المنذر فی الاقناع ۱/۹۱ والبیهقی فی الدعوات الکبیر (۴۸) وابن بشران فی امالیه ۳۲۵ (۷۵۴) اور بہت سارے محدثین نے اس کی تحسین فرمائی ہے ان میں سے حافظ دمیاطی نے "المتجر الرابح في ثواب العمل الصالح" ۴۷۱-۴۷۲ میں اور حافظ ابو الحسن المقدسی، الحافظ المنذری نے جیسا کہ الترغیب والترهیب ۲/۴۵۹ اور حافظ عراقی نے "تخریج الاحیاء" ۱/۲۹۱ میں اور حافظ ابن حجر نے امالی الاذکار ۱/۲۷۲ اور الحافظ البوصیری نے "المصباح الزجاجة" ۱/۹۸ میں فرمایا لیکن اس کو امام ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں "فضیل بن مرزوق کی سند سے بیان کیا اور یہ صحیح سند ہے۔ اور جن لوگوں نے اس پر تدلیس کی وجہ سے جرح کی ہے تو وہ صرف اس تالف روایت پر ہی ہوگی کہ جس میں متھم بالکذب الکلبی ہے کیونکہ اس پر اعتماد جائز نہیں۔

دیکھیے علامہ محدث محمود سعید ممدوح کی تالیف " رفع المنارة في تخريج احاديث التوسل والزيارة ۱۸۱-۱۹۰)

تعالیٰ ہے فاسأل بہ خبیرا (سورۃ الفرقان ۵۹) کسی جاننے والے سے اس کی تعریف پوچھ اور فرمایا سأل سائل بعذاب واقع (سورۃ المعارج ۱) اور جہاں تک سوال استعلامی (حصول عطا کے لئے سوال) کا تعلق ہے تو اس میں صرف متوسل بہ پر ہی باداخل ہوتا ہے تیرے سامنے دعائے ماثورہ ہیں تو اس جگہ مفعول ثانی پر با کے داخل کرنے کا تصور کرنا یہ کلام کو اپنی خواہش کے مطابق اس کے اصل طریقے سے نکالنے کے مترادف ہے اور ایک ایسا شور ہے جس کو سماعت سننا بھی گوارا نہیں کرتی۔

اور حق کا معنی اجابت نہیں ہے بلکہ اس سے مراد اللہ تعالیٰ کا وہ فضل ہے جس کے تضرع شعار سوالی مستحق ہوتے ہیں چنانچہ اس دعا کرنے والے کی مانگی ہوئی چیز (بحق السائلین) کو شمار کرنا (یعنی میں تجھ سے سائلین کی اجابت مانگتا ہوں) محض ایک فضول بات ہوگی خاص طور پر جب ہم حدیث میں جن الفاظ پر اس کو عطف کیا گیا ہے اس کو بھی ملحوظ رکھیں۔

اور یہ خیال کرنا کہ سیاق حدیث میں اس کے علاوہ کوئی چیز نہیں جس کو مانگا جا سکے تو یہ ایسا خیال ہے کہ جس پر انسان کی بے اختیار ہنسی نکل جاتی ہے اور اس کو یہ بات مذاق لگتی ہے۔ ایسا گمان کرنے والا (ان تعیذنی من النار) کے الفاظ کو کہاں لے جائے گا۔ کتنے ہی ایسے مواقع ہیں کہ فعل کو تاکید کے لئے مکرر لایا جاتا ہے پس آخری فعل میں جو سوال ہے وہی پہلے دونوں فعلوں میں بھی سوال ہے بلکہ اگر یہ افعال تاکید کے باب سے نہ ہوں تو تنازع کے باب میں داخل ہو جائیں گے پس تقدیر پر تمام افعال میں یہی قید معتبر ہوگی۔

آٹھویں دلیل:

نبی اکرم ﷺ سے توسل کرنے کے جواز پر الفاظ ''تشہد'' بھی دلالت کرتے ہیں جیسا کہ امام خرکوشی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے:

امام خرکوشی اپنی کتاب ''شرف المصطفی ﷺ'' میں بسند محمد بن کعب القرظی روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جتنے انبیاء و رسل مبعوث فرمائے ہیں سب کو حکم دیا کہ وہ اپنی امت پر پیش کریں۔

لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ۔۔[1]

اللہ کے لئے ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے۔

فرمایا کہ حضرت جبرائیل نے ندا دی، یارسول اللہ ﷺ (یا محمد) اپنے رب رحمن کی بارگاہ میں تحیہ بجالائیں، اللہ بلند ہے، تو میں نے کہا، اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّيِّبَاتُ، تو اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں تین چیزوں کا ذکر فرمایا، اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَ رَحْمَةُ اللّٰهِ وَ بَرَكَاتُهٗ، آپ ﷺ نی ایسا نہ چاہا کہ آپ ﷺ کو کوئی شان ملے اور اس میں امت کا حصہ نہ ہو تو آپ ﷺ نے عرض کیا: اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِيْنَ، تو جب فرشتوں نے یہ عزو شرف دیکھا کہ اللہ تعالیٰ بغیر کسی واسطہ کے آپ ﷺ سے کلام فرمارہا ہے تو ان میں سے ہر ایک نے کہا۔

اَشْهَدُ اَلَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ۔ (انتھی)[2]

میں (مصنف مدظلہ العالی) کہتا ہوں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندہ کو اپنے محبوب نبی ﷺ کی زبان مبارکہ سے سکھلایا کہ اس کا شکر کیسے ادا کرنا ہے اور کس طرح اس کا ذکر کرنا ہے یہ کہ وہ ان نعمتوں کو اپنی زبان سے تلاوت کے وقت ذہن میں حاضر رکھے یا اپنے افعال میں حرکات و سکنات کے وقت ان نعمتوں کا تصور رکھے۔ جب اپنے رب کے سامنے پیش ہو تو یوں عرض کرے ''التحیات المبارکات الصلوات الطیبات للہ تعالیٰ'' یعنی زبان حال سے کہے کہ تحیات کی نعمتوں پر اور برکات کی نعمتوں پر، رحمتوں کی نعمتوں اور پاکیزہ چیزوں کی نعمتوں پر میرے رب تیرا شکر ہے۔ جو کہ اے اللہ سب تیری طرف سے

---

[1] سورۃ البقرۃ ۲۸۴۔

[2] شرف المصطفی للامام الخرکوشي خ ط (۱۸۹ ب)۔

ہیں کیونکہ میری سعادت جو تو نے ان نعمتوں کے ضمن میں جاری فرمادی کہ جس سے میں پیار محبت اور عشق کرتا ہوں اے اللہ یہ سب کچھ تیری ہی طرف سے ہے اور یہی مبارک وسائل و اسباب ہیں میں ان سے تیری مدد طلب کرتا ہوں کہ مجھے اپنا قرب عطا فرمادے اور مجھے تیری محبت مل جائے اور سب سے بہتر مذکور میں تیرے ذکر کا وارث بن جاؤں۔

پس میں تیرے وجہ (چہرہ) مبارک کے نور سے سوال کرتا ہوں کہ تو میری روح کی آذان سن حتی کہ ان معانی کو میرے مظہر اور صروح میں لکھ دے تا کہ میں متقی پرہیز گار انسان بن جاؤں جس کی بنیاد پر قبولیت کی خلعت پہنائی جائے اور صدق و وصول سے عزت افزائی کی جائے۔ اور جب نبی اکرم ﷺ نے ''السلام علینا'' فرما کر جواب دیا تو اس سے بقا طلب کی برکت اور رحمت کی اصل کی کہ جن دونوں کو اللہ تعالیٰ نے مخصوص فرمایا ہے، پس رحمت اور برکت یہ دونوں اللہ کی طرف سے ہمارے آقا حضرت محمد ﷺ کے لیے ہدیہ ہیں۔

اور جب آپ ﷺ نے فرمایا ''السلام علینا و علی عباد اللہ الصالحین'' تو ان نعمتوں اور برکتوں میں انبیاء و مرسلین کو بھی داخل فرما لیا بغیر اصول و مفاتیح کے کیونکہ اس کی اصل نبی اکرم ﷺ کے پاس ہی ہے۔ اور ان کو جو کچھ ملتا ہے وہ ہمارے آقا ﷺ کی وساطت سے ہی ملتا ہے کیونکہ سلام کا معنی استسلام، امان، انقیاد اور ثبات ہے پس انبیاء و مرسلین اور صالحین و ملائکہ مقربین کے سلام کے ساتھ ان کے لیے انقیاد و اتباع ثابت ہو گئی۔ پس ان امتیازات سے ان کو سعادت مند بنانے کی تکمیل ہو جاتی ہے اور رحمت و برکت سے بھی اور اِس ادب سے بھی جس کا پہلے ذکر ہے اور اس سے مراد سلام ہے کیونکہ فرمانبرداری سلام سے ہی ظاہر ہوتی اور سلام ہی ادب ہے اور ادب کا مظاہرہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں انبیاء و مرسلین اور اللہ تعالیٰ کے صالحین بندوں کی بارگاہ کیا جاتا ہے۔ رحمت کا دوبارہ ذکر ہوا پہلی دفعہ وہ (الصلوات) کے قول سے وارد ہوئی دوسری بار (ورحمۃ اللہ) کے قول سے وارد ہوتی ہے اور تحیہ چار بار ہوئی۔ حبیب ﷺ کی طرف

سے مجیب جل جلالہ کے لئے (التحیات) کے قول کے ساتھ اور مجیب جل جلالہ کی طرف سے حبیب ﷺ کے لئے (السلام علیک ایھا النبی) کے قول کے ساتھ اور حبیب ﷺ کی طرف سے آپ ﷺ کی اپنی ذات اقدس کے لئے اور آپ ﷺ کی طرف سے انبیاء اور اللہ کے صالحین بندوں کے لئے اس طرح تحیہ چار بار وارد ہوئی۔

اللہ تعالیٰ نے الصلوات والطیبات اپنے پاس باقی رکھیں کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کے ذکر میں سے ہیں کیونکہ وہ اپنے نبی ﷺ پر درود بھیجتا ہے اور آپ ﷺ کی تعریف فرماتا ہے۔

جیسا کہ امام بخاری نے اپنی صحیح میں حضرت ابو العالیہ سے روایت کی آپ فرماتے ہیں:

"صلاة الله و ثناؤه عليه ،عند الملائكة ،و صلاة الملائكة ؛ الدعاء"

اللہ تعالیٰ کا آپ ﷺ پر درود بھیجنا فرشتوں کے سامنے آپ ﷺ کی تعریف فرمانا ہے اور فرشتوں کا درود بھیجنا آپ ﷺ کے لیے دعا کرنا ہے۔[1]

ہر وقت اور وہ اپنے حبیب ﷺ کا پاکیزہ ذکر ان صلوات کے ساتھ فرماتا ہے اور آپ ﷺ کی شان و عظمت بلند کرتا ہے اور اس میں حق نے ایک عظیم راز رکھا ہوا ہے کیونکہ اس نے اپنی چار نعمتوں کی تفصیل بیان فرمائی ہے، رحمات و برکات عالم اسباب کے ظہور کی اصل ہے اگر یہ نہ ہوتیں تو عالم وجود میں نہ آتا اور حق سبحانہ وتعالیٰ نے ان دونوں "الصلوات والطیبات" کو باقی رکھا کیونکہ دونوں عالم میں رحموت ورھبوت۔[2]

---

[1] اخرجه البخاری فی الصحیح ۱۸۰۲/۴۔

[2] امام بخاری نے اپنی صحیح میں اس کے ہم معنی الفاظ نقل فرمائے ہیں، کتاب التفسیر باب تفسیر سورۃ الانعام میں فرماتے ہیں "سورة و سورة ـ فملكوت ملك مثل رهبوت خير من رحموت (جلد ۴ صفحه ۱۶۹۲ برقم ۴۳۵۰، اور جلد ۵ صفحه ۲۳۲۷ برقم ۵۹۵۶ باب النوم على الشق الايمن ،ولا فيه سورة وسورة" اور اس کی مثل فيض القدير جلد ۲ صفحه ۴۹۲ اور فتوحات المكية جلد ۴ صفحه ۲۰۰۔۲۰۱)

کا قوام ہیں پس رحمات و برکات یہ دونوں ''الصلوات والطیبات'' پر قائم ہیں اور رحمات صلوات کے متعلق ہے اور برکات متعلقہ بالطیبات ہے رحمات صلوات کا تزکیہ ہیں یعنی اس کو ظاہر کرتی ہیں اور اس کی نشونما کرتی ہیں اور برکات طیبات کو نشونما دیتی اور اس کو ظاہر کرتی ہیں۔

رحمات کا راز صلوات پر قائم ہے اور برکات کا راز طیبات پر قائم ہے اور رحمت صلوات کے مظاہر میں سے ایک مظہر ہے اور برکت طیبات کے مظاہر میں سے ایک مظہر ہے اور یہ حق وحقیقت کے متقابل ہے پس رحمات یہ حقیقت ہے اور اس کا حق صلوات ہے اور برکات حقیقت ہے اور اس کا حق طیبات ہے اس مفہوم کی تائید امام فخر الدین الرازی نے اپنی تفسیر میں فرمائی ہے آپ فرماتے ہیں:

پس جب تو ان عقبات سے تجاوز کر جائیگا اور ان درکات کو پیچھے چھوڑ جائیگا تو تو درجات عالیہ تک پہنچے گا اور باقیات وصالحات کو پالے گا اور اللہ تعالیٰ جو کہ مدبر الارض والسموات ہے کے جلال تک رسائی حاصل کریگا تو اس وقت تو کہہ ''التحیات المبارکات الصلوات الطیبات للہ'' پس التحیات المبارکات زبان کے ساتھ کہہ اور صلوات ارکان کے ساتھ اور طیبات جنان وایمان کی قوت کے ساتھ پھر اس مقام پر تیری روح کا نور بلند ہوگا اور نبی اکرم ﷺ کی روح کے نور کا نزول ہوگا پس جب دونوں روحیں ملیں تو روح کو راحت وایمان ملے تو ضروری ہے کہ روح حضرت محمد ﷺ کے لیے حمد وتعریف وتحیت ہو تو پس اب تو کہہ ''السلام علیک ایھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ پس اس وقت آقا کریم ﷺ فرماتے ہیں ''السلام علینا وعلی عباد اللہ الصالحین'' اور گویا۔ کہ یہ تیرے لیے کیا جا رہا ہے پس یہ خیرات اور یہ برکات تو نے کس وسیلہ سے پائیں؟ اور تو کس طریقے سے یہاں تک پہنچا؟ تو تو کہہ اس قول کے وسیلہ اور طریقہ سے کہ ''اشھد ان لا الہ الا اللہ واشھد ان محمد عبدہ ورسولہ'' پس

تیرے لیے کہا گیا کہ بے شک حضرت محمد ﷺ نے تجھ کو یہ راہ دکھائی ان کی طرف تیری رہنمائی کس نے کی اور تو ان کے شکرانے کے لیے کیا کرتا ہے تو تو کہہ ''اللھم صل علی محمد و آل علی محمد'' تو کہا گیا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام وہ ہیں جنہوں نے اس محبوب ﷺ کے آنے کی رب سے دعا مانگی تھی رَبَّنَا وَابۡعَثۡ فِيۡهِمۡ رَسُوۡلًا مِّنۡهُمۡ تو ان کی کیا جزا اور صلہ ہے تو تو کہہ کہ ''کما صلیت علی ابراہیم وعلی آل ابراہیم'' تو تجھے کہا جائیگا کہ پس یہ ساری خیرات حضرت محمد ﷺ کی طرف سے ہیں یا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف سے یا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہی ہیں تو تو کہہ بلکہ ''حمید مجید جل جلالہ کی طرف سے تو اللہ نے یہ سب توفیق بخشی ہے۔[1]

نویں دلیل:

امام ابوداؤد نے ابوجری جابر بن سلیم سے روایت کی وہ کہتے ہیں کہ:

ثم رأيت رجلا يصدر الناس عن رأيه، لا يقول شيئا الا صدروا عنه، قلت: من هذا؟ قالوا: هذا رسول الله ﷺ، قلت: عليك السلام يا رسول الله، مرتين۔ قال: لا تقل عليك السلام، فان عليك السلام تحية الميت، قل: السلام عليك، قال: قلت: أنت رسول الله، قال: أنا رسول الله الذى اذ أصابك ضر فدعوته كشفه عنك، وان أصابك عام سنة فدعوته أنبتها لك، واذا كنت بأرض قفراء أو فلاة فضلت راحلتك فدعوته ردها عليك، قلت اعهد الي، قال: لا تسبن أحدا قال: فما سببت بعده حرا ولا عبدا ولا بعيرا ولا شاة، قال: ولا تحقرن شيئا من

---

[1] تفسیر الکبیر ۱/۲۷۸۔

المعروف ، وأن تكلم أخاک و أنت منبسط اليه وجهک ، ان ذلک من المعروف ، وارفع ازارک الى نصف الساق ، فان أبيت فالى الكعبين ، وایاک و اسبال الازار فانها من المخيلة ، وان الله لا يحب المخيلة ، وان امرؤ شتمک و عیرک بما يعلم فيک فلا تعيره بما تعلم فيه ، فانما وبال ذلک عليه۔

پھر ایک شخص کو دیکھا کہ لوگ اس کے جھنڈے سے برآمد ہو رہے تھے وہ کچھ نہ کہتا مگر اس سے صادر ہوتا، میں نے کہا کہ یہ کون ہے؟ بتایا گیا کہ یہ رسول اللہ ﷺ ہیں میں نے عرض کیا ''علیک السلام یارسول اللہ'' دو مرتبہ میں نے عرض کی تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا، علیک السلام'' نہ کہنا چاہیے کیونکہ علیک السلام مردوں کی تحیت اور سلام ہے بلکہ تو کہہ ''السلام علیک یارسول اللہ ﷺ ''میں نے کہا آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ ہیں تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا، میں رب کا رسول ہوں، جب تجھے کوئی مصیبت پہنچے تو تو اس سے دعا مانگ وہ تیری مصیبت ٹال دے گا اور تجھے قحط پڑے تو تو دعا کر وہ تیرے لیے زمین سے ہر چیز اگائے گا، اور اگر تو جنگل سنسان میں ہو اور تیری سواری گم ہو جائے تو تو اس کو پکار وہ تجھے واپس کر دے گا میں نے کہا مجھے نصیحت کیجیے فرمایا کسی کو گالی نہ دینا، کہا اس کے بعد میں نے کسی آزاد یا غلام کو نہ ہی کسی اونٹ یا بکری کو گالی نہیں دی اور آپ ﷺ نے فرمایا نیکی کو کبھی چھوٹی سنجھ کر نہ چھوڑنا اور اپنے بھائی سے مسکراتے ہوئے چہرے سے کلام کرنا کیونکہ یہ بھی ایک نیکی ہے اور اپنا آزار نصف ساق تک اٹھا کر رکھ ایسا نہیں تو ٹخنوں تک اور آزار کو نہ لٹکا کیونکہ کپڑے کو لٹکانا تکبر ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ متکبر اور مغرور کو پسند نہیں کرتا اور اگر کوئی شخص تجھے گالی دے دے اور تیرے ایسے عیب کو ظاہر کرے جس کو وہ جانتا ہے تو تو اس پر عیب نہ لگا جس کو تو جانتا

ہے کیونکہ اس کا وبال تجھ پر آئے گا۔[1]

اور امام احمد نے اپنی مسند میں ابو تمیمہ الہجیمی سے اور وہ اپنی قوم کے ایک آدمی سے روایت کرتے ہیں کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور کہا کیا آپ اللہ کے رسول ہیں؟ یا کہا آپ محمد ﷺ ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں، بولا آپ کس طرف بلاتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا اللہ جل جلالہ کی توحید کی طرف پس جب تجھے کوئی بھی تکلیف پہنچے تو تو اس کو پکار وہ تیری تکلیف دور کردے گا۔۔الحدیث[2]

مولوی خلیل سہارنپوری نے ابوداؤد کی روایت جو پیچھے گذری ہے کے تحت لکھا:

اسم موصول (الذی) یہ لفظ اللہ کی صفت ہے یا یہ (رسول) کی صفت ہے (فدعوتہ) پس اگر اس کو اللہ کی صفت مانا جائے تو خطاب کے صیغہ سے یعنی تو اللہ کو پکار گریہ زاری اور عاجزی سے اور اگر اس کو رسول کی صفت مانا جائے تو متکلم کے صیغہ سے ہوگا یعنی میں اللہ سے سوال کروں گا تو وہ تیری مشکل حل فرمادے گا (کشفہ) یعنی تجھ سے تکلیف دور کردے گا۔[3]

میں (مصنف مدظلہ العالی) کہتا ہوں کہ اس سے حدیث ابو تمیمہ رضی اللہ عنہ کے معنی واضح ہوگئے اگرچہ وہ ضعیف حدیث ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں التجا کرنا توسل کے ساتھ یہ محض توحید ہے جیسا کہ حدیث شریف میں الفاظ ہیں (یدعو اللہ وحدہ) اور تکلیف کے دور کرنے کیلیے اللہ تعالیٰ کی توجہ کرنا اور اسی طرح بارش کی طلب اور گمشدہ چیز کی بازیابی کے لیے اللہ کی طرف متوجہ ہونا یہ وسائل مشروعہ کے ساتھ ہی ہوسکتا ہے یا اللہ تعالیٰ کی طرف

---

[1] اخرجہ ابو داؤد فی السنن ۴/۵۶ والفظ لہ ، والبیہقی فی السنن الکبری ۱۰/۲۳۶ والشیبانی فی الاحاد والمثانی ۲/۳۹۲۔۳۹۳ والطبرانی ۷/۶۵ (۶۳۸۳)۔

[2] اخرجہ احمد فی مسندہ ۶۵/۴ ،وذکرہ الہیثمی فی المجمع الزوائد ۸/۷۲۔ اور اس میں الحکم بن فضیل ہے، ابوداؤد نے اس کو ثقہ کہا اور ابوزرعہ وغیرہ نے اس کو ضعیف کہا ہے اور باقی رجال صحیح کے رجال ہیں۔

[3] بذل المجہود ۱۶/۴۰۹ کتاب اللباس۔

سے رحمت اور اس کے احسان کے ساتھ اور اسی طرح شفا اللہ تعالیٰ کے حکم سے دوا کے ساتھ حاصل ہوتی ہے اور بعض اوقات محض رب کی رحمت اور اس کے احسان کے ساتھ ہوتی ہے یا پھر نیک دعا کے ساتھ جس کی قبولیت کی امید ہو اور بارش کا طلب کرنا اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں توسل سے ہی ہوتا ہے اور گمشدہ چیز کی بازیابی اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کے احسان کے ساتھ وسائل مشروعہ کے ساتھ ہوتی ہے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے:

اذا انفلتت دابة أحد کم فلینادیا عباد الله احبسوا۔

جب تم میں سے کسی کا جانور گم ہو جائے جنگل میں تو وہ یوں نداء کرے اے اللہ کے بندو اس کو روکو، اور یہ حدیث صحیح ہے۔[1]

پس یہ توسل کرنے والا اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر مؤکلین سے جانور کی واپسی کا مطالبہ نہیں کرتا بلکہ اللہ تعالیٰ کے لشکر سے طلب کے تحقق کا طلب گار ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اسی عرض کے لیے مخصوص فرمایا ہے جیسا کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام کو وحی کے نزول اور منکروں کے ملکوں کو تباہ کرنے کے ساتھ مخصوص فرمایا ہے اور حضرت میکائیل علیہ السلام کو رزقوں کے نزول اور حضرت ملک الموت کو ارواح کے قبض کرنے اور حضرت اسرافیل علیہ السلام کو ارواح کے خروج کے لیے صور پھونکنے کے لیے مخصوص فرمایا ہے،

اور مسلمانوں کی مدد کے لیے اللہ تعالیٰ نے یوم بدر آسمانوں سے ملائکہ کو نازل فرمایا۔ اللہ تعالیٰ یہ سب کچھ خود کرنے پر قادر ہے فرشتوں کے بغیر بھی لیکن اس کی حکمت کا تقاضہ یہی ہے کہ یہ کام فرشتے کریں لہذا اس بات سے چشم پوشی نہیں ہونی چاہیے کہ اگر بندہ ان ہستیوں کی طرف التجاء کرے اس نیت کے ساتھ کہ حکم اول آخر اللہ تعالیٰ کا ہی ہے اور اس امت میں اس مقتضی کے تحت نیت متحقق ہے بغیر کسی شک کے کتنے ہی عوام کو ہم دیکھا کہ جب ان سے اس بارے میں پوچھا جاتا ہے تو وہ کہتے ہیں کہ ہم جانتے ہیں فعال

---

[1] اخرجه ابو یعلی فی مسنده ۹/ ۱۷۷ (۵۲۶۹) والطبرانی فی الکبیر ۱۰/۲۱۷ (۱۰۵۱۸) وابن السنی فی عمل الیوم واللیلة (۵۰۹)۔

حقیقی اللہ تبارک وتعالیٰ ہی ہے لیکن ہم اس کا قرب اس کے مقبولین کے ذریعے حاصل کرتے ہیں کیونکہ ہمارے اعمال باوجود صحیح ہونے کے اللہ کی بارگاہ میں مقبول ہونے سے ہم جاہل ہیں ریا ودکھلاوا وغیرہ سے پاک نہ ہونے کے سبب اور اہل علم کی اس سلسلہ میں کئی مثالیں موجود ہیں مختلف اجتماعات اور مختلف ادوار میں اور یہ دیہاتی اللہ سبحانہ وتعالیٰ کو جانتا ہے اور یہ بھی جانتا ہے کہ التجاء اسی سے کرنی ہے لیکن تقرب کے طریقہ اور مقام رسالت ورسول اللہ ﷺ کے مقام سے واقف نہیں ہے، تو اس کے لیے سوال وجواب کے بعد یہ متاکد ہوگیا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے اوامر میں سے کسی امر کی مخالفت نہیں کرتا ضروری ہے کہ وہ رسول ہو اور اس سے یہ بھی سمجھ آتی ہے کہ وہ بادشاہوں کی بارگاہ میں داخل ہوا اور قبائل کے رؤسا کو دیکھا لیکن اب وہ ایک نیا اور عجیب کام دیکھتا ہے کہ قائد اللہ پر دلالت کرتا ہے حالانکہ اس سے پہلے لوگ اللہ تعالیٰ کے بارے میں متفرق ہو چکے تھے اور اس نے آپ ﷺ کے مقام کو اس طرح پہچانا کہ آپ اللہ تعالیٰ پر دلالت کرتے ہیں۔ لہذا اسی لیے فرمایا گیا ''لاتقل علیک السلام فان علیک السلام تحیۃ المیت''[1] کہ علیک السلام، نہ کہو کیونکہ یہ مردوں کی تحیت اور سلام ہے۔

اور اس سے ہمارے لیے یہ ظاہر ہوا کہ مسلمانوں کی قبور پر جا کر سلام کرنا اس طرح ہے کہ جس طرح اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا، سلام علیکم دار قوم مؤمنین'' کیونکہ وہ اپنی قبور میں زندہ ہیں جیسا کہ آقا کریم ﷺ نے حدیث مبارکہ میں فرمایا ہے، اس میں غور وفکر کرنا چاہیے،

آپ ﷺ کا ارادہ یہ ہے کہ حصر کی عبارت پر غور کیا جائے جو کہ مردوں کے لیے ہے اور یہ اس لیے ہے کہ خبر کی تقدیم حصر کے اسلوب میں شمار ہوتی ہے اور میت سلام اور امان کی محتاج ہوتی ہے، جبکہ زندہ اعمال ظاہری اور باطنی کی صلاح کی سلامتی وغیرہ کے

---

[1] أخرجه ابو داؤد فی السنن (۴۰۸۴) وابن ابی شیبة فی المصنف ۵/۱۶۶، والبیهقی فی السنن ۱۰/۲۳۶۔

محتاج ہوتے ہیں اور یہ مقرر ہے کہ سلام نماز کے انوار اور رفع خوف اور شعور کی سلامتی و آمان کے لیے ضبط کا کام دیتی ہے اسی لیے جب حضرات انبیاء کرام علیہم السلام پل صراط پر کھڑے ہونگے تو سلم، سلم فرمائیں گے کیونکہ اہل جنت کی جنت میں تحیت سلام ہوگی پس سلام اس کے لیے امان ہے کہ جو کسب کی زیادتی نہ چاہتا ہو اور جو کسب کی زیادتی کا طالب ہو عمل اور دعوت اور تربیت خلق اور اس کے تزکیہ کے ساتھ تو وہ تمام عطاؤں کا محتاج ہوتا ہے کہ جس کے بعد سلام ہو پس وہ اعمال کی قبولیت اور اعمال کے آخر میں امان چاہتا ہے، اسی لیے جب ہمارے آقا ﷺ دنیا میں ظاہری حیات کے ساتھ زندہ تھے تو ہم اپنی نمازوں میں کہتے تھے، السلام علیک، اور یہ وہ ہے جو ہم بالجملہ اللہ سے طلب کرتے ہیں اور یہ اس لیے نہیں کہ آپ سے امان کا خوف اٹھ جائے کیونکہ وہ امان آپ کی امت کی طرف ہے جن کا آپ ﷺ سے تعلق ہے ان کی طرف عائد ہے اور جو اس کے ساتھ متعلق ہے کیونکہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے امت کے لیے رحمت اور امان بنا کر بھیجا ہے وہ اپنی ذات اقدس کے لئے کسی چیز کے محتاج نہیں۔

پس رسول اللہ ﷺ نے قصد فرمایا کہ وہ یہ بیان فرما دیں کہ مقام رسالت شفاعت میں ماذون ہے اور یہ قطعی سنت کا بیان ہے اور اس میں صراحت ہے کہ قضائے حاجات کے لیے آپ کی طرف توجہ کرنے کا جواز ہے اس اعتقاد کے ساتھ کہ آپ اس میں سبب ماذون ہیں اور آپ کی تاثیر اصلی نہیں بلکہ مجازی ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ۔

کون ہے جو شفاعت کرے اس کے پاس مگر اس کی اجازت سے۔ [1]

اور فرمایا:

وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى۔

---

[1] سورۃ البقرۃ ۲۵۵۔

اور اے محبوب ﷺ وہ خاک جو تم نے پھینکی تم نے نہ پھینکی تھی بلکہ اللہ نے پھینکی۔ [1]

اور اگر تاکید کا مقصد یہ ہوتا کہ وہ اللہ کے رسول ﷺ ہیں اور ان اشیاء میں فاعل اللہ تعالیٰ ہے تو پھر شریعت اور عقیدہ کے بیان میں اور مقام احسان میں تاکید کی ضرورت نہ ہوتی اور اسم موصول کا اعادہ نہ ہوتا، کیونکہ وصف موصول کے ساتھ صادر کیا گیا ہے اور اس کو مضاف اور مضاف الیہ سب کے تابع رکھا گیا ہے اور اہل اصول کے نزدیک یہ بات طے شدہ ہے کہ عموم حقیقت کے اقرب المجازات سے ہے لہذا واجب ہے کہ اسی طرف جایا جائے، پس جب تابع مضاف کی طرف راجع ہوگا تو وہ سبب کی طرف راجع ہوگا کہ جس کو اللہ تعالیٰ نے اذن دیا ہوا ہے یعنی سبب کسبی یا سبب جلی اور جب مضاف الیہ کی طرف راجع ہوگا تو وہ مسبب الاسباب کی طرف راجع ہوگا اور کافی ہے اور یہی کافی ہے کہ مسبب الاسباب سبحانہ اپنے اوامر کو اسباب مقیدہ یا اسباب مکتسبہ کے ذریعے عمل میں لائے اور وہ اللہ کی رحمت ہے کہ جس کا عنوان اور سہرا رسول اللہ ﷺ ہیں۔

حضرت عارف باللہ سیدی ابوالحسن نے فرمایا:

ما أرسل الرحمن أو يرسل من رحمة تصعد أوتنزل

جو رحمن نے بھیجا یا وہ بھیجا جاتا ہے اللہ کی رحمت سے ہے او پر جاتا ہے اور نازل ہوتا ہے

في ملكوت الله أو ملكه من كل ما يختص أويشمل

اللہ تعالیٰ کے ملکوت وملک میں ہر جس کو مخصوص کیا جاتا ہے یا شامل ہوتا ہے

الا و طه المصطفى عبده نبيه مختاره المرسل

ہاں ہاں اور طہ مصطفی ﷺ ہیں اس کے بندہ اس کے نبی اور مختار و مرسل

واسطة فيها و أصل لها يعلم هذا كل من يعقل

---

[1] سورۃ الانفال ۱۷۔

ہر چیز کا واسطہ اور ہر چیز کی اصل اور یہ ہر کوئی عقلمند جانتا ہے

فلذبه في كل ما ترتجي فانه المقصد والمأمل

لہذا انہی کے ساتھ ہے کچھ بھی تو چاہتا ہے کیونکہ وہ مقصد اور وہی امید ہیں

وعذ به من كل ما تختشي فانه الملجأ والمعقل

انہی کے ساتھ نصیحت و وعظ ہر اس سے جس سے تو ڈرتا ہے پس وہی ملجاء و ماٗوا اور معقل ہیں۔

حضرت امام ابو الحسن الشاذلی نے اپنی ''صلاۃ المشیشیۃ'' میں فرمایا ہر شے اسی کے ساتھ قائم ہے اور ہر اسی کے راز کے ساتھ وابستہ ہے، اور اس قول کے ساتھ علت بیان فرمائی، اور اگر ہر صعود و ھبوط میں واسطہ نہ ہوتا تو سب کچھ چلا گیا ہوتا یعنی ختم ہو جاتا۔

پس ہمارے لیے یہ متحقق ہو گیا کہ ہم کہیں کہ موصول تابع للمضاف ہے کیونکہ دونوں جزؤں میں مضاف کا ہی اصدار ہے جیسا کہ صحیح روایات میں آیا ہے، اور پھر یہ اصول تاسیس کا تقاضا کرتا ہے کیونکہ حدیث کا مدار تاکید و تاسیس کے درمیان ہو تو اس کو تاسیس پر حمل کرنا اولی ہے کیونکہ یہ حکم کی زیادتی ہے اور تاسیس کا معنی یہ ہے کہ آپ ﷺ کے حق میں جو جائز ہے اس حیثیت سے کہ آپ شافع اور اللہ کے حکم سے رسول ہیں اور اللہ کی تاثیر کا اثبات نہیں ہے کیونکہ اس کی تاثیر تو بالبداہت معلوم ہے اور اگر حدیث کو بعض اجزائے مطلق پر حمل کیا جائے تو یہ لغو یا تحصیل حاصل ہو گی تو اس کو کیسے اس کی مدح قرار دیا جا سکتا ہے کہ جس کے ہاتھ میں ہر شی کی ملکیت ہو اور حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اس میں سبب ماذون ہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے مصالح اضافیہ محدودہ سے مقید ہیں۔[1]

اور اس کی تائید وہ روایت کرتی ہے کہ جس کو امام ابو داؤد و نسائی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے:

---

[1] یہ کلام برقرار رکھا فضيلة العلامة الشيخ الدكتور محمود عبد المتجلي خليفه اور فضيلة الشيخ الدكتور عبد الرب مقبل النظاري نے۔

اذا دخل أحد كم المسجد فليسم على النبي ﷺ، ثم ليقل: اللهم افتح لي أبواب رحمتک، واذا خرج فليقل: اللهم اني أسألک من فضلک۔

تم میں سے جب کوئی مسجد میں داخل ہو تو نبی اکرم ﷺ پر درود بھیجو اور اس کے بعد یوں کہے: اے اللہ میرے لیے اپنی رحمت کے دروازے کھول دے اور جب خارج ہو تو کہے اے میرے رب میں تجھ سے فضل کا سوال کرتا ہوں۔①

اور امام ابن السنی نے یہ الفاظ اور نقل فرمائے ہیں:

اذا خرج فليسم على النبی ﷺ وليقل: اللهم أعذني من الشيطان الرجيم۔

اور جب خارج ہو تو نبی اکرم ﷺ پر درود بھیجے اور کہے اے اللہ مجھے شیطان مردود سے بچا۔②

اور حضرت قاضی عیاض نے حضرت عمرو بن دینار سے اللہ تعالیٰ کے قول کے تحت نقل کیا:

فَإِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوْتًا فَسَلِّمُوْا عَلٰٓى أَنْفُسِكُمْ۔③

جب تم اپنے گھروں میں داخل ہو تو اپنوں کو سلام کہو۔

اور جب گھروں میں کوئی نہ ہو تو یوں کہو "السلام علی النبی ﷺ ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، وعلی عباد اللہ الصالحین، والسلام علی أہل البیت ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔④

---

①اخرجه ابو داؤد فی السنن ۱/۱۲۶ (۴۶۵) وابن ماجه فی السنن ۱/۲۵۴ (۷۷۲-۷۷۳)، والنسائی فی السنن الکبری ۲۷/۶ (۹۹۱۸)، وفی عمل الیوم واللیلة ۹۰۔

②اخرجه ابن السنی فی عمل الیوم واللیلة (۸۷)

③سورة النور ۶۱۔

④الشفاء للقاضی عیاض جلد ۲ صفحه ۵۷۔

میں (مصنف) کہتا ہوں کہ اس سے اخذ اور استنباط کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی روح مبارکہ مسلمانوں کے گھروں میں حاضر ہے اور اسی طرح صالحین کی ارواح بھی جیسا کہ امام قاضی عیاض نے اختیار کیا ہے اور اس کلام کو برقرار رکھا ہے۔[1]

دسویں دلیل:

امام احمد نے مسند میں حضرت ربیعہ بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت کی آپ فرماتے ہیں کہ، میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت کیا کرتا تھا اور دن رات آپ ﷺ کے کام کاج سر انجام دیتا تھا حتی کہ رسول اللہ ﷺ رات کو عشاء کی نماز پڑھتے تو میں آپ ﷺ کے دروازے کے باہر بیٹھ جاتا اور میں یہ سوچتا کہ ممکن ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو کسی چیز کی ضرورت پیش آجائے میں ہمیشہ سنتا کہ آپ ﷺ سبحان اللہ، سبحان اللہ، سبحان اللہ وبحمدہ فرماتے رہتے ہیں، جب مجھے نیند کا غلبہ ہوتا تو میں لیٹ جاتا ایک دن سرکار نے جب میری خدمت ملاحظہ فرمائی تو فرمایا:

سلني يا ربيعة أعطك ،قال فقلت :أنظر في أمري يا رسول الله ﷺ ثم أعلمك ذلک قال: ففكرت فی نسفی فعرفت ان الدنيا منقطعة زائلة، و أن لي فيها رزقا سيكفيني و يأتيني ، قال فقلت: أسأل رسول الله ﷺ لاخرتي ، فانه من الله عزوجل بالمنزل الذي هو به ، قال فجئت فقال : ما فعلت يا ربيعة ؟ قال فقلت :نعم يا رسول الله ﷺ أسألک أن تشفع لي الى ربک فيعتقنى من النار ، قال فقال: من أمرک بهذايا ربيعة ؟قال: فقلت : لا والله الذي بعثک بالحق ما أمرني به أحد، ولكنک لما قلت: سلني

---

[1] مترجم مدظلہ العالی فرماتے ہیں کہ حضرت امام ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ "اي لان روحه حاضرة في بيوت أهل الاسلام-شرح الشفاء للملا علی قاری ۳/۴۶۴۔

أعطك، وكنت من الله بالمنزل الذي أنت به، نظرت في أمري و عرفت أن الدنيا منقطعة و زائلة وأن لي فيها رزقا سيأتيني، فقلت: أسأل رسول الله ﷺ لآخرتي قال: فصمت رسول الله ﷺ طويلا ثم قال لي: اني فاعل فأعني على نفسك بكثرة السجود۔

اے ربیعہ مانگ ہم سے کیا مانگتا ہے ہم تجھے عطا فرماتے ہیں؟ کہا میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ آپ مجھے مہلت دے دیجیے میں سوچ کر آپ ﷺ کو بتادوں گا پھر میں نے سوچا اور اس نتیجہ پر پہنچا کہ دنیا تو ختم ہونے والی اور زوال پذیر ہونے والی ہے اور مجھے اتنا رزق تو مل ہی رہا ہے کہ جو میری کسمپرسی کے لیے کافی ہے یعنی بقدر ضرورت مل رہا ہے لہذا میں رسول اللہ ﷺ سے آخرت طلب کروں گا۔ اور اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے جو انہیں مقام ملا ہے وہ انہی کا حق ہے میں آپ ﷺ کے پاس حاضر ہوا تو آپ ﷺ نے مجھے فرمایا کہ، اے ربیعہ تو نے کیا کیا (سوچا) میں نے عرض کی ہاں یارسول اللہ ﷺ آپ ﷺ اپنے رب کے ہاں میری سفارش فرمادیجیے کہ وہ مجھے جہنم سے بچالے آپ ﷺ نے فرمایا، اے ربیعہ کیا تیری صرف یہی تمنا ہے؟ میں نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ مجھے اللہ تعالیٰ کی قسم کہ جس نے آپ ﷺ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے مجھے یہ کسی نے نہیں کہا لیکن جب آپ نے فرمایا، کہ مجھ سے مانگو میں تجھے عطا کروں گا؟ اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک جو آپ ﷺ کا مقام ہے وہ صرف آپ ﷺ ہی کے لیے ہے تو میں نے اپنے بارے غور وفکر کیا اور سوچا تو میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ دنیا ختم ہونے والی اور زائل ہو جانے والی چیز ہے اور میرے حصے کا رزق بھی مجھے ملے گا ہی تو میں نے سوچا کہ میں رسول اللہ ﷺ سے اپنی آخرت طلب کروں گا، رسول اللہ ﷺ

کافی دیر خاموش رہے اور پھر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا، میں یہ کروں گا یعنی (تیری سفارش کرونگا اور تجھے رب سے جنت لے کر دونگا) تم کثرت سجود سے میری مدد کرو۔ ①

اس حدیث مبارکہ سے ہمیں اس بات کا علم ہوا کہ نبی اکرم ﷺ کے لیے وہ شان و عظمت اور مقام ہے کہ وہ مومن کو نفع پہنچا سکتے ہیں اور اگر مقام وعزت نہ ہوتی تو آپ ﷺ سے نفع متحقق نہ ہوتا اور حضرت ربیعہ صحابی رسول ﷺ اس بات کو سمجھتے تھے اسی لیے تو انہوں نے آپ ﷺ سے ایسا سوال کیا، اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ سائل کوئی اعرابی و دیہاتی نہ تھا بلکہ راسخین فی الایمان صحابہ میں سے تھا کیونکہ اس نے آخرت کے بارے میں سوال کیا تھا، اور نبی اکرم ﷺ کا سوال کرنا اور استفسار فرمانا صحابی سے اس میں واضح دلالت ہے کہ معانی کو اس طرح سمجھنا ہر ایک کا کام نہیں بلکہ یہ وہی سمجھ سکتا ہے کہ جس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے وافر حصہ ملا ہو اور جس کا دل اللہ تعالیٰ نے ثابت قدم رکھا ہو اور جس کا سینہ ایمان کے لیے کھول دیا گیا ہو اور نبی اکرم ﷺ کی قدر و منزلت و مقام و مرتبہ کو سمجھتا ہو کہ وہ دنیا و آخرت میں نفع دیتے ہیں آپ ﷺ کی عظمت سے سوال کرنا قبولیت کی سند ہے لہذا اسی لیے تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ، (مجھ سے مانگو) اور یہ نہیں فرمایا کہ (اللہ سے مانگو) اس میں نبی اکرم ﷺ کی طرف سے واسطہ حقہ کی ضرورت کی تاکید کی گئی ہے اور یہ کہ وہ حقائق ایمان میں سے بڑی اہم حقیقت ہے کہ جس کے ساتھ حاجات پوری ہوتی ہیں اور کامیابی حاصل ہوتی ہے اور آپ ﷺ تو شان وعظمت میں اس سے بھی بلند تر ہیں جیسا کہ یہ حدیث ہمیں اس بات کا بھی پتہ بتاتی ہے کہ نبی اکرم ﷺ اپنی امت کی توفیق اور کامیابی اور اہل صدق و یقین متقین کے راستہ کی ہدایت میں کتنے حریص ہیں۔

---

① اخرجہ احمد فی مسندہ ۴/۵۹ واللفظ لہ۔ ومسلم (۴۸۹) مختصرا، والنسائی (۱۱۳۷)، و ابوداؤد فی السنن ۳۵/۲ (۱۳۲۰) وغیرھم۔

امام بخاری نے حضرت مصعب بن سعد سے روایت نقل کی کہ حضرت سعد اپنے آپ کو دوسروں سے افضل سمجھتے تھے تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

هل تنصرون الا بضعفائكم۔

کہ تمہاری مدد صرف تمہارے کمزور اور غریب لوگوں کے سبب ہوتی ہے۔[1]

میں (مصنف مدظلہ العالی) کہتا ہوں کہ صحابی رضی اللہ عنہ نے یہ اخذ کیا اور سمجھا کہ مقام کا توسل اور وسیلہ میں بہت بڑا اثر ہے، لہذا اسی لیے نبی اکرم ﷺ کا مقام و مرتبہ نافع ہے اور آپ ﷺ کی دعا کی قبولیت آپکے مقام و مرتبہ پر مترتب ہوتی ہے، اس سے ابن تیمیہ اور اس کی ذریت کا شبہ بے کار ہو جاتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے مقام و مرتبہ کو توسل کے ساتھ کوئی علاقہ نہیں ہے۔

اور اس کی مثل امام ابو داؤد نے حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت کی آپ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ ﷺ نے فرمایا:

ابغوني (اطلبوا لي) الضعفاء فانما ترزقون و تنصرون بضعفائكم

لاؤ میرے پاس ضعفاء کو کیونکہ تمہیں رزق انہی کے صدقے ملتا اور تمہاری مدد ضعفاء کے صدقے سے کی جاتی ہے۔

امام طبرانی نے اس کی مثل امیہ بن عبداللہ بن خالد رضی اللہ عنہ سے روایت کی انہوں نے فرمایا کہ:

كان رسول الله ﷺ يستفتح بصعاليك المهاجرين۔

کہ رسول اللہ ﷺ فقراء اور مہاجرین کے وسیلے سے فتح طلب فرماتے تھے۔[2]

---

[1] اخرجه البخاری فی الصحیح (۲۸۹۶)

[2] اخرجه ابو داؤد فی السنن (۲۵۸۷) والنسائی فی السنن (۳۱۷۹) والترمذی فی الجامع (۱۷۰۲) واحمد فی مسنده ۱۹۸/۵ وھو حدیث صحیح۔

اور ایک روایت اس طرح بھی ہے:

كان النبی ﷺ يستفتح ويستنصر بصعاليک المسلمين۔

کہ نبی اکرم ﷺ غریب اور ضعیف مسلمانوں کے وسیلے سے فتح اور مدد طلب فرمایا کرتے تھے۔[1]

حضرت علامہ ملا علی قاری اس کی شرح میں فرماتے ہیں:

قال ابن الملک :بأن يقول : اللهم انصرنا على الأعداء ، بحق عبادک الفقراء المهاجرين۔

امام ابن الملک نے کہا کہ آپ ﷺ یوں دعا فرمایا کرتے تھے: اے اللہ ہمیں دشمنوں پر مدد دے اپنے مہاجرین فقراء بندوں کے صدقے سے۔

اس صحیح حدیث میں ذوات صالحہ کے ساتھ توسل کے جواز کی صراحت ہے، جیسا کہ دلالت سے ظاہر ہے اور اسی طرح حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے بھی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

ليأتين على الناس زمان يخرج الجيش ،فيطلب الرجل من أصحابي ، فيقال :فيكم رجل من أصحاب محمد ﷺ؟ فيقولون :نعم ، فيستفتحون به فيفتح عليهم ، ثم يأتي على الناس زمان ، فيخرج الجيش ، فيقال: هل فيكم رجل من أصحاب محمد ﷺ؟ فيطلبونه فلا يجدونه ، فقال : هل فيكم أحد رأى أحدا من أصحاب محمد ﷺ ؟ فيطلبونه فلا يجدونه فلو كان رجل من أصحابي وراء البحر لأتوه۔

---

[1] اخرجه الطبرانی فی الكبير ۱/ ۲۹۲ ،اور امام ہیثمی نے مجمع الزوائد ۱۰/ ۲۶۲ میں فرمایا کہ پہلی روایت کے راوی صحیح کے راوی ہیں اور بغوی نے شرح السنة ۱۴/ ۲۶۴)

لوگوں پر ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ لشکر نکلے گا اور میرے صحابہ میں سے کسی شخص کو ڈھونڈا جائیگا اور کہا جائیگا کیا تم میں کوئی رسول اللہ ﷺ کا صحابی ہے؟ تو لوگ کہیں گے ہاں تو اس کے صدقے سے لوگ فتح طلب کریں گے تو ان کو فتح ملے گی پھر لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ لشکر روانہ ہوگا تو پوچھا جائے گا کیا تم میں کوئی صحابی رسول ﷺ ہے؟ پس لوگ ڈھونڈیں گے لیکن ان کو نہیں ملے گا پھر پوچھا جائیگا کیا تم میں کوئی تابعی ہے وہ تلاش کریں گے تو نہیں ملے گا، پس اگر میرے صحابہ میں سے کوئی انہیں سمندر پار بھی ملے تو اس کے پاس حاضر ہوں گے۔[1]

تو ان تمام احادیث میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ذوات مقدسہ سے توسل کے جواز کا بیان ہے۔ ان کی عزت کے لیے اور تعلیم کے لیے اور امت کی تنبیہ کے لیے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ذوات سے توسل جائز ہے تو ثابت ہوا کہ آپ ﷺ آپ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور آپ ﷺ کے اہل بیت اطہار کے ساتھ توسل افضل اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قبولیت کے لیے زیادہ امید کا باعث ہے۔

اور اس میں یہ بیان ہے کہ توسل بالذوات اصل ہے اور اگر یہ جائز نہیں تو توسل بالعمل الصالح کیسے جائز ہو سکتا ہے اگر یہ صحیح نہیں تو پھر وہ بھی صحیح نہیں ہے۔

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کی گئی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

أنزل الله علي أمانين لأمتي و ما كان الله ليعذبهم و أنت فيهم و ما كان الله معذبهم وهم يستغفرون [سورة الانفال ٣٣] اذا مضيت تركت فيهم الاستغفار الى يوم القيامة

---

[1] مرقاة المفاتيح ٥/٦١۔

اللہ تعالیٰ نے مجھ پر میری امت کے لیے دو امن نازل فرمائے ہیں جن کا بیان اس آیت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کو زیب نہیں کہ وہ ان کو عذاب دے جبکہ آپ ﷺ ان میں موجود ہوں اور اللہ تعالیٰ کو یہ بھی زیب نہیں کہ وہ ان کو عذاب کرے حالانکہ وہ استغفار کر رہے ہوں، تو میں جب جاؤں گا تو تم میں استغفار کو چھوڑ جاوں گا قیامت تک کے لیے۔[1]

اس آیت مبارکہ سے یہ ثابت ہوا کہ رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچنے کا وسیلہ ہیں اور استغفار امن وسلامتی کا ذریعہ ہے (اس آیت سے کچھ لوگوں نے یہ شبہ پیدا کرنے کی کوشش کی ہے کہ وسیلہ منقطع ہو گیا ہے اس کا مفصل بیان اسی کتاب میں آگے آرہا ہے۔

اور حدیث شفاعت میں بیان کیا گیا ہے کہ مخلوق کس طرح انبیاء رسل کے مقام و مرتبہ سے توسل کرتے ہوئے ان کی بارگاہ میں آئیگی امام ابن حجر نے فرمایا، اس حدیث میں ہے کہ لوگ قیامت کو دنیاوی حال میں ہونگے اور اللہ کی جناب میں اپنی حوائج میں انبیاء کرام علیہم السلام کے ساتھ توسل کریں گے اور اس کا باعث الہام ہوگا جو ان کو کیا جائیگا۔[2]

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

ما يزال الرجل يسأل الناس حتى يأتي يوم القيامة ليس في وجهه مزعة لحم، وقال: ان الشمس تدنو يوم القيامة حتى يبلغ العرق نصف الأذن ، فبيناهم كذلك استغاثوا بآدم ، ثم بموسى، ثم بمحمد ﷺ۔

---

[1] رواه الترمذي (٣٨٢)

[2] فتح الباری جلد ۱۱ صفحہ ۴۴۱ اور اس سے زیادہ ہم نے مقدمہ میں بیان کر دیا ہے ملاحظہ فرمائیں۔

پس آدمی سوال کرتا ہے یہاں تک کہ وہ قیامت کو اس حال میں آئے گا کہ اس کے چہرے پر گوشت نہ ہوگا اور فرمایا کہ قیامت کے دن سورج اتنا قریب ہوگا کہ پسینہ نصف کان تک پہنچ جائیگا تو جب لوگ اس حالت میں ہوں گے تو حضرت آدم علیہ السلام سے استغاثہ کریں گے پھر حضرت موسی اور حضرت محمد ﷺ کی بارگاہ میں استغاثہ کریں گے۔[1]

امام کرمانی نے فرمایا کہ:

قولہ ''بمحمد'' اس میں اختصار ہے جبکہ ان دونوں (حضرت آدم اور موسی علیہما السلام) کے علاوہ دیگر انبیاء کرام سے بھی استغاثہ کریں گے اور آپ ﷺ سے پہلے دیگر انبیاء کرام سے استغاثہ کرنے میں آپ ﷺ کی رفعت منزل اور بلند مرتبہ کا اظہار کرنا مقصود ہے تا کہ دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کا شفاعت کرنے سے عاجز ہونا معلوم ہو جائے۔[2]

حضرت علامہ ابن حجر عسقلانی نے فرمایا:

جن سے استغاثہ کیا جائیگا (یعنی حضرات انبیاء کرام) ان میں سے کسی کو بھی یاد نہ رہے گا کہ یہ مقام ہمارے نبی کریم ﷺ کے ساتھ مختص ہے اور اگر ان کو یاد ہوتا تو وہ پہلی بار ہی آپ ﷺ سے درخواست کرتے اور ان کو دیگر انبیاء علیہم السلام کے پاس جانے کی ضرورت نہ رہتی۔ لیکن اللہ تعالی ان کو یہ بھلا دے گا اس حکمت کے تحت کہ ہمارے نبی کریم ﷺ کی فضیلت وعظمت کا اظہار ہو۔[3]

---

[1] رواہ البخاری فی الصحیح (۱۴۷۵) وابن جریر الطبری فی تفسیرہ ۱۴۶/۱۵۔

[2] صحیح البخاری بشرح الکرمانی ۱۹/۸

[3] فتح الباری جلد ۱۱ صفحہ ۴۴۱

بارہویں دلیل:

یعنی حیوانات کا نبی اکرم ﷺ سے توسل کرنا۔ حضرت امام محمد بن یوسف الصالحی نے اپنی کتاب ”سبل الھدی والرشاد في سیرۃ خیر العباد“ میں ذکر کیا فرمایا کہ:

چوتھا باب: حیوانات کا آپ ﷺ کی حیات میں آپ ﷺ کے ساتھ توسل کرنے کا ذکر۔ امام ابن شاہین نے اپنی کتاب ”دلائل“ میں حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ سے روایت کی فرماتے ہیں کہ میں ایک دن آقا کریم ﷺ کے پیچھے سوار تھا آپ ﷺ نے مجھ سے ایک راز کی بات کہی اور فرمایا کہ کسی کو نہ بتانا، آپ ﷺ رفع حاجت کے لیے بلند ٹیلہ یا کھجوروں کا جھنڈ پسند کرتے تھے، آپ ﷺ ایک انصاری کے باغ میں داخل ہوئے وہاں ایک اونٹ تھا جب اس نے آپ ﷺ کو دیکھا تو بلبلانے لگا اور اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے وہ آپ ﷺ کے پاس آیا تو آپ ﷺ نے اس کی پیٹھ پر اور کانوں پر ہاتھ پھیرا تو وہ چپ ہو گیا۔ اور ایک روایت میں ہے کہ وہ ساکن ہو گیا پھر آپ ﷺ نے فرمایا: اس اونٹ کا مالک کون ہے یہ اونٹ کس کا ہے؟ تو انصار میں سے ایک نوجوان آیا اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ یہ میرا اونٹ ہے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا تو اس اونٹ کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتا کہ جس نے تجھے اس کا مالک بنایا وہ تیری شکایت مجھ سے کر رہا ہے کہ تو اس کو چارہ نہیں دیتا اور کام زیادہ لیتا ہے۔[1]

اور امام مسلم نے ”الی حائش نخل“ تک روایت نقل کی ہے محمد بن عبداللہ بن اسماء سے۔[2]

---

[1] سبل الھدی والرشاد ۱۲/۴۰۵

[2] رواہ مسلم فی الصحیح (۳۴۲)۔

حضرت امام ابو داؤد نے موسی بن اسماعیل عن مھدی بن میمون سے طویل حدیث ذکر کی ہے۔[1]

پھر امام صالحی نے فرمایا: اس موضوع پر احادیث بہت ساری ہیں اور ان میں سے بعض ہم نے پہلے ابواب میں معجزات میں ذکر کردی ہیں۔

تیرہویں دلیل:

حضرت امام بیہقی نے ''دلائل النبوۃ'' میں روایت کی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے آپ فرماتے ہیں کہ ہم ایک سفر میں نبی اکرم ﷺ کے ہمراہ تھے ہم ایک درخت کے پاس سے گذرے وہاں ایک چھوٹی سی سرخ چڑیا کے بچے تھے ہم نے ان کو پکڑ لیا تو چڑیا آقا کریم ﷺ کی بارگاہ میں آئی تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا اس چڑیا کے بچے کس نے پکڑے ہیں ہم نے عرض کی ہم نے یارسول اللہ ﷺ فرمایا ان دونوں بچوں کو واپس اسی جگہ رکھو، (اور دوسری روایت اس طرح ہے) ہم ایک سفر میں نبی اکرم ﷺ کے ساتھ تھے تو ایک شخص ہمارے پاس آیا اور اس نے ایک چڑیا کا انڈا اٹھایا تو وہ چڑیا آئی اور نبی اکرم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اوپر اڑنے لگی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس کا انڈا کس نے اٹھایا ہے تو ایک شخص نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ میں نے، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا اس کو واپس رکھو، ردہ، ردہ رحمۃ لھا۔[2]

ان دلائل سے ہمارے لیے یہ ظاہر ہوگیا کہ حیوانات و پرندے و نباتات سب کچھ آقا کریم ﷺ سے پناہ مانگتے اور آپ ﷺ ان کو پناہ دیتے ہیں۔

---

[1] رواہ ابو داود فی السنن (۲۵۴۲) و احمد فی مسندہ ۱/۲۰۴)

[2] رواہ البیہقی فی الدلائل ۶/۳۲-۳۳-و اخرجہ ابو داؤد ۴/۳۶۷ (۵۲۶۸) والحاکم فی المستدرک ۴/۲۶۷، اور کہا کہ یہ حدیث صحیح الاسناد ہے لیکن شیخین نے اس کو روایت نہیں کیا اور امام ذھبی نے بھی تلخیص میں کہا کہ یہ حدیث صحیح ہے۔

چودہویں دلیل:

آپ ﷺ کا اپنے چچا ابو طالب کی شفاعت فرمانا اور آپ ﷺ کے سبب سے ان کو فائدہ پہنچنا: امام بخاری نے اپنی صحیح میں عبد بن الحارث بن نوفل نے حضرت عباس بن عبد المطلب سے روایت کی وہ فرماتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا:

یا رسول اللہ ﷺ کیا آپ ابو طالب کو بھی کوئی نفع پہنچائیں گے کہ نہیں؟ جبکہ وہ آپ ﷺ کی حمایت کرتے تھے اور آپ کی خاطر غصے میں آتے تھے تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

نعم هو في ضحضاح من نار ولو لا أنا لكان في الدرك الأسفل من النار۔

ہاں وہ ٹخنوں تک آگ میں ہیں اور اگر میں نہ ہوتا تو وہ آگ کے سب سے نچلے درجے میں ہوتے۔[1]

یہ حدیث شریف واضح دلالت کرتی ہے کہ آپ ﷺ نے اپنے چچا کی حفاظت کی اور حضور ﷺ کی نفع رسانی کا معاملہ ان میں جانا پہچانا تھا اسی لئے حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ سے پوچھا کیا آپ ﷺ نے ابو طالب کو کوئی نفع پہنچایا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہاں۔۔۔۔۔۔الخ

آپ ﷺ کا یہ فرمان:

لو لا أنا لكان في الدرك الأسفل من النار۔

اور اگر میں نہ ہوتا تو وہ جھنم کے نچلے درجہ میں ہوتا۔[2]

---

① أخرجه البخارى فى الصحيح (٣٦٧٠) فى مناقب الأنصار و(٥٥٥٨) باب كنية المشرک، و مسلم فی الصحیح (٢٠٩) فی الایمان، واحمد فی مسنده ١/٢٠٦ وابو عوانة فی مسنده ١/٩١، والبزار فی مسنده ٤/١٣٧(١٣١١)۔

② أخرجه البخارى فى الصحيح (٣٦٧٠) فى مناقب الأنصار و(٥٥٥٨) باب كنية المشرک، و مسلم فی الصحیح (٢٠٩) فی الایمان، واحمد فی مسنده ١/٢٠٦ وابو عوانة فی مسنده ١/٩١، والبزار فی مسنده ٤/١٣٧(١٣١١)۔

اس حدیث کا ظاہر صریح دلالت کرتا ہے کہ آپ ﷺ نے اپنے چچا کو نفع پہنچایا جیسا کہ عام اہل علم نے اس کی صراحت کی ہے۔

حضرت ابی نے شرح صحیح مسلم میں آپ ﷺ کے فرمان: ''لعله تنفعه شفاعتي'' یہ آپ کے سبب اور برکت سے ہوا مجازی طور پر اس کو شفاعت کا نام دیا گیا ہے۔[1]

امام برزنجی نے اس حدیث سے استدال کیا ہے:

بے شک نبی کریم ﷺ ابو طالب کی شفاعت میں ابو طالب کو نفع پہنچایا حتی کے ان کو کفر سے بچایا پس وہ مسلمان موحد حق ہیں اور بہت سارے دلائل کے ساتھ اس مسئلہ پر استدلال کیا ہے امام الحرمین حضرت شیخ مشائخنا السید احمد بن السید زینی دحلان مکی نے اپنے رسالہ اسنی المطالب فی نجاۃ ابی طالب میں اور اس میں ابو طالب کی نجات ثابت کی ہے۔امام برزنجی اور امام دحلان نے اس کو اور جو کہ نبی اکرم ﷺ کفار کی شفاعت نہیں کریں گے۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

فَمَا تَنۡفَعُهُمۡ شَفٰعَةُ الشّٰفِعِيۡنَ۔

تو انہیں سفارشیوں کی سفارش کام نہ دے گی۔[2]

اور فرمایا:

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَنۡ يَّسۡتَغۡفِرُوۡا لِلۡمُشۡرِكِيۡنَ وَلَوۡ كَانُوۡۤا اُولِىۡ قُرۡبٰى۔۔الآیۃ

نبی اور ایمان والوں کو لائق نہیں کہ مشرکوں کی بخشش چاہیں اگر چہ وہ رشتہ دار ہی ہوں۔[3]

---

[1] اکمال اکمال المعلم ۱/۳۷۵، وفی نسخۃ ۱/۶۲۷

[1] سورۃ المدثر ۴۸

[3] سورۃ التوبۃ ۱۱۳

اور آپ کی شفاعت سے ابو طالب کو نفع پہنچا اور ان عذاب ہلکا ہو گیا اور ان کو جہنم کی گہرائیوں سے نکال کر اس کنارے چھوڑ دیا تو ضروری ہے کہ اہل کبائر میں سے ہو کافروں میں سے نہ ہو اور یہ ضروری ہے کہ ان کو جہنم سے نکالا جائے کیونکہ وہ گنہگار امتیوں میں ہو گئے وہ کہ جو درجہ علیا میں سے ہونگے اور جو ایسا ہو گا وہ جہنم سے خارج ہو کر جنت میں داخل ہو گا۔

اور یہی معنی ہے نبی اکرم ﷺ کے اس فرمان کا: ارجو من ربی کل خیر'' میں اپنے رب سے ہر خیر و بھلائی کی امید رکھتا ہوں۔

اس حدیث کو ابن سعد نے طبقات الکبری جلد ا صفحہ ۱۲۴ اور ابن عساکر نے تاریخ دمشق الکبیر جلد ٦٦ صفحہ ۳۳٦ میں روایت کیا ہے۔

سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہم سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی اکرم ﷺ سے پوچھا کہ آپ ﷺ ابو طالب کے بارے میں کیا فرماتے ہیں، تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ''کل الخیر أرجو من ربي'' میں اپنے رب سے ہر بھلائی و خیر کی امید کرتا ہوں اور ہر خیر تو مومن کے لیے ہی ہے اور یہ جائز نہیں کہ اس میں آپ ﷺ نے صرف تخفیف عذاب کا ارادہ کیا ہے کیونکہ خیر نہیں تو کل خیر کیسے' ہو گی یہ تو تخفیف شر ہے اور بعض شر بعض شروں سے کم تر ہوتی ہے، اور خیر جو کل الخیر ہو وہ جنت میں داخل ہونا ہے

اور تمام الرازی نے اپنے فوائد میں جلد ۴ صفحہ ۳۴۰ میں ایسی سند کے ساتھ روایت کی کہ جو مناقب میں قابل قبول ہے:

اذا كان يوم القيامة شفعت لأبي وأمى وعمي أبي طالب وأخ لي كان في الجاهلية۔

جب قیامت کا دن ہو گا تو میں اپنے والد اور اپنی والدہ اور اپنے چچا اور بھائی (جو کہ دودھ شریک تھا) کی شفاعت کروں گا۔

اس کو امام محب الطبری نے ذخائر العقبی میں ذکر کیا ہے، اور ابو نعیم نے اس کو روایت کیا اور صراحت کی کہ یہاں آپ ﷺ کا رضاعی بھائی ہی مراد ہے۔

میں (مصنف مدظلہ العالی) کہتا ہوں کہ حدیث تمام میں ولید بن سلمہ راوی ہے جو کہ منکر الحدیث ہے لہذا یہ حدیث ضعیف ہے مناقب اور شواہد میں معتبر ہوگی جیسا کہ برزنجی نے اس کو واضح کیا ہے اور زینی دحلان نے بھی اس پر اعتماد کیا ہے پھر بخاری کی حدیث ابو طالب کے بارے میں جو ہے وہ اس حدیث کے معنی کو مضبوط کرتی ہے اور اس سے یہ مفہوم واضح ہوتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ابو طالب کو شفاعت عظمی سے قبل نفع پہنچایا کہ جب حضرت عباس نے نبی اکرم ﷺ سے پوچھا کیا آپ نے ابو طالب کو کچھ نفع دیا تو اس بات کا جواب یہ دیا گیا کہ ہاں وہ ٹخنوں تک جہنم میں ہیں اور اگر ان کا یہ حال قیامت میں ہوگا تو سوال یوں ہوتا کہ کیا آپ ابو طالب کو نفع پہنچائیں گے تو اس کا جواب یوں ہوتا کہ ہاں میں اس کو نفع پہنچاؤں گا تو اس سے وہ معانی ظاہر ہوتے ہیں جو کہ امام برزنجی نے کیا ہے اور امام زینی دحلان نے فرمایا ہے۔[1]

بے شک یہ وہ شفاعت ہے جو ابو طالب نے برزخ میں پائی اور اس کو جہنم کی اتھاہ گہرائیوں سے نکال کر ٹخنوں تک کی آگ میں پہنچا دیا پس وہ کیسے ہوگا جو نبی اکرم ﷺ کی شفاعت عظمی سے حصہ پائے گا، اور وہ شفاعت جو کہ اس امت کے گنہگاروں کو پہنچے گی جیسے والدین کے نافرمان یا اسی جیسے دیگر جیسا کہ وہ عورت کہ جو بلی کی وجہ سے عذاب میں مبتلاء ہوئی تھی اور متکبر تو ابو طالب تو اس کا زیادہ حق دار ہے۔

اور یہاں اس حدیث کو بھی نہ بھولنا چاہیے کہ جس کو امام بخاری نے اپنی صحیح ۳/۱۴۰۹ (۳۸۸۵) و (۶۵۶۴) اور مسلم نے اپنی صحیح میں ۱/۱۹۵ (۲۱۰) حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے پاس ابو طالب کا ذکر کیا گیا (امام اسماعیل نے چچا کا لفظ بھی بڑھایا ہے) تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

---

[1] سداد الدین ۳۷۳۔۳۷۹۔ و أسنی المطالب ۴۔۶

لعله تنفعه شفاعتي يوم القيامة فيجعل في ضحضاح من النار۔۔۔الحديث

یعنی قیامت کے دن میری شفاعت ان کو نفع دے گی ان کو ٹخنوں تک کی آگ میں چھوڑا جائے گا۔۔۔الحدیث

اس حدیث مبارکہ میں نبی اکرم ﷺ نے دو چیزوں کی خبر دی۔

کہ ابو طالب نے آپ ﷺ کی شفاعت سے آگ کی گہرائیوں سے نجات پائی اور اس پر جزم نہیں کہ ابو طالب تمام شفاعت پا چکے اور نبی اکرم ﷺ کی شفاعت صرف ایک تو نہیں آپ ﷺ کی شفاعتیں تو بے شمار ہیں جب کہ صحیح احادیث میں ہے کہ پس جب آپ ﷺ کی امت کے اہل کبائر کے لیے آپ ﷺ کی شفاعت حق ہے تو ابو طالب اس کے بدرجہ اولی حقدار ہیں، اور اگر حدیث عباس رضی اللہ عنہ کہ جس میں ہے کہ انہوں نے ابو طالب سے کلمہ توحید سنا کو ضعیف بھی مانا جائے تو بھی آپ کا دل تو مطمئن اور یقین میں تھا اگر چہ آپ نے زبان سے اقرار نہ کیا اور اہل علم نے اس بات کو مقرر و ثابت رکھا ہے جیسا کہ علامہ برزنجی نے علماء کا اختلاف ذکر کیا ہے کہ زبان سے شہادتین کا اقرار ضروری ہے یا کہ نہیں،

کیا وہ ایمان کا حصہ ہے یعنی جزء ہے ایمان کا یا احکام کے اجراء کے لیے شرط ہے کہ اس پر احکام دنیویہ مترتب ہوتے ہیں اس لیے کہ وہ شطر ہے یعنی جزء ہے اور قدرت کے ہوتے ہوئے اس کا تارک کافر ہے اور ہمیشہ کے لیے جہنمی ہے اور اگر یہ صرف دنیوی احکام کے اجراء کے لیے شرط ہے تو پھر وہ ہمیشہ کے لیے جہنمی نہیں ہوگا۔

سفاقسی نے شرح التمهید میں کہا کہ ”ایمان فقط تصدیق کا نام ہے اور امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ سے صحیح روایت سے یہ ثابت ہے“۔

علامہ عینی نے شرح بخاری میں فرمایا، اقرار باللسان اجراء احکام کے لیے شرط ہے حتی کہ رسول اور جو وہ لیکر آئے ہیں کی تصدیق کرتا ہے تو وہ مومن ہے معاملہ اس کے اور

اللہ کے درمیان ہے اگر چہ وہ زبان سے اقرار نہ بھی کرے۔

اور امام نسفی نے کہا کہ یہ امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور اسی طرف امام ابو الحسن الاشعری گئے ہیں صحیح ترین روایت کے مطابق اور یہی قول ہے امام ابو منصور الماتریدی کا اور اسی کو ثابت و مقرر رکھا امام غزالی اور امام الحرمین نے اور امام باقلانی اور ابو اسحاق الاسفرائنی وغیرہم نے اور امام سعد الدین التفتازانی نے اس کی نسبت جمہور محققین کی طرف کی ہے اور اس پر احادیث سے استدلال کیا ہے ان میں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے:

من علم أن الله ربه و أني نبيه، صادق عن قلبه حرم الله لحمه على النار۔

جو یہ جانتا ہو کہ اللہ اس کا رب ہے اور میں اس کا نبی ہوں اور سچے دل سے اس کو مانے تو اس پر اللہ تعالیٰ جہنم کی آگ کو حرام فرما دے گا۔[1]

اس کو امام طبرانی نے المعجم الکبیر میں روایت کیا ہے۔

اور تفتازانی نے ''شرح مقاصد'' میں اور امام کمال بن الهمام نے ''المسايرة'' میں اور ابن حجر الهيتمی نے ''شرح الأربعین'' میں فرمایا کہ آخرت میں نجات کی شرط جب اس سے نطق بالشهادتین طلب نہ کی جائے اور اگر طلب کی جائے اور وہ عناد سے یا اسلام کو ناپسند کرتے ہوئے یعنی اسلام سے انکار کے ساتھ اگر اقرار نہیں کرے گا تو اس کی نجات نہیں ہوگی۔

---

[1] اس کو طبرانی نے ''المعجم الکبیر ۱۸ / ۱۲۴ (۲۵۳)'' میں روایت کیا، اور امام بخاری نے اس کو تاریخ الکبیر میں ۶ / ۴۰۸ میں اور خطیب بغدادی نے تاریخ بغداد میں ۱۱ / ۳۰۷ میں حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت کیا لیکن ان کے الفاظ یہ ہیں ''من علم أن الله ربه وأني نبيه، صادق من قلبه واوما بيده الى جلدة صدره حرم الله لحمه على النار۔ ارشد مسعود غفرلہ)

اس قید سے یہ مفہوم ظاہر ہوتا ہے کہ اگر مطالبہ کے بعد وہ اقرار باللسان نہیں کرتا لیکن انکار اور عناد کی وجہ سے نہیں بلکہ عذر صحیح کی وجہ سے لیکن اس کا دل مطمئن ہو ایمان کے ساتھ تو وہ کافر نہیں ہوگا اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ اور اس کے درمیان ہوگا، بلکہ زبان سے اگر کفر بھی بول دے لیکن اس کا دل ایمان پر ثابت قدم ہو تو اس کو نقصان نہیں ہوگا۔ (یعنی عذر کی وجہ سے مجبوری کے ساتھ لیکن عام حالت میں شوقیا یا ویسے ہی زبان سے کفر بولے گا تو کافر ہو جائے گا جبکہ حالت اضطرار نہ ہو۔ مترجم مدظلہ العالی)

جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ۔[1]

سوائے اس کے جو مجبور کیا جاوے اور اس کا دل ایمان پر جما ہوا ہو۔

اور امام نووی نے شرح صحیح مسلم میں اہل سنت کے محدثین اور فقہاء و متکلمین کا اتفاق نقل فرمایا ہے اور اس اتفاق کی حکایت پر ان پر اعتراض کیا گیا ہے۔

امام ابن حجر نے شرح الاربعین میں فرمایا:

راجح یہ ہے کسی خاص معروف لفظ کے ساتھ اقرار باللسان شرط نہیں ہے ایمان بغیر لفظ معروف کے منعقد ہو جاتا ہے اور برزنجی نے اس کو برقرار رکھا ہے اور امام حلیمی کی منہاج سے اسی طرح نقل کیا ہے، پھر برزنجی فرماتے ہیں جیسا کہ سداد الدین میں ہے جب تجھے اس کا علم ہو گیا تو اب ہم کہتے ہیں کہ متواتر احادیث سے یہ ثابت ہے کہ ابو طالب نبی اکرم ﷺ کے ساتھ پیار و محبت کرتے تھے اور ان کی مدد کرتے تھے اور ان کی حفاظت کرتے تھے اور دین کی تبلیغ پر آپ ﷺ کے ساتھ تعاون فرماتے تھے اور جو آپ ﷺ فرماتے وہ اس کی تصدیق کرتے اور اپنی اولاد جیسے حضرت جعفر و حضرت علی رضی اللہ عنہما

---

[1] سورۃ النحل ۱۰۶

کو آپ ﷺ کی اتباع کا حکم کرتے تھے اور اپنے اشعار میں نبی اکرم ﷺ کی مدح کرتے تھے جو کہ آپ کی تصدیق پر دلالت کرتے ہیں اور وہ کلام کرتے کہ آپ ﷺ کا دین حق ہے اور آپ کے معروف کلام میں سے یہ ہے:

ولقد علمت بأن دين محمد من خير أديانِ البرية دينا

اور میں جانتا ہوں کہ محمد ﷺ کا دین تمام کائنات کے ادیان سے بہتر دین ہے۔

پھر اس طرح فرمایا:

ألم تعلموا أنا وجدنا محمدا رسولا كموسى صح ذلک في الكتب

کیا تم نہیں جانتے کہ ہم نے محمد ﷺ کو رسول پایا جیسا کہ حضرت موسی علیہ السلام رسول ہیں اور یہ کتابوں میں صحیح ہے۔[1]

اور اسی طرح امام ابن عساکر نے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت کی فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

ان لأبي طالب عندي رحما سأبلها ببلالها۔

ابوطالب کے لیے میرے پاس رحمت ہے اس کو اس کی تری پہنچے گی۔[2]

اور آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا جیسا کہ مشہور حدیث مبارکہ میں ہے:

أنا و كافل اليتيم كهاتين في الجنة۔

میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا یوں جنت میں ہونگے جیسے دونوں انگلیاں۔[3]

---

[1] سداد الدین ۳۷۳۔۳۷۹۔

[2] أخرجه ابن عساكر في تاريخ مدينة دمشق ۶۶/۳۳۶۔

[3] أخرجه مسلم فى الصحيح (۷۳۹۴) فى الزهد والقائق بلفظ "كافل اليتيم له أو لغيره، أنا وهو كهاتين فى الجنة۔ عن ابى هريرة۔ وابن حبان فى الصحيح ۲/۲۰۷ (۴۶۰) بلفظ: أنا و كافل اليتيم فى الجنة هكذا، وأشار بالسبابة والوسطى۔ عن سهل بن سعد۔ وذكره الهيثمى فى المجمع الزوائد ۸/۱۶۲ بلفظ: انا و كافل اليتيم فى الجنة كهاتين۔ عزاه الى الطبرانى، عن ابى امامة۔

اور عجب بات تو یہ ہے کہ ابن باز اور اس کے چیلے ہر وادی میں اور ہر جگہ پکارتے پھرتے ہیں کہ ہر مسئلہ جس میں حکم نہ ہو اور اس کو نبی اکرم ﷺ نے کیا بھی نہ ہو تو وہ باطل ہے اور اصول و قاعدہ کو بھول جاتے ہیں اور دور پھینک دیتے ہیں کہ عدم نقل نقل عدم نہیں ہوتا اور اور اس تقریر میں خود اپنے آپ ہی تناقص میں پڑ جاتے ہیں کہ جب ابن باز نے تبرک کے جواز کو نبی اکرم ﷺ کے ساتھ خاص کر دیا ہے اور اس کو چاہیے تھا کہ وہ اس مخصص پر دلیل لاتا اور جیسے وہ اہل حق سے دلیل کا طالب ہوتا ہے ایسے ہی خود بھی دلیل دیتا اور اگر وہ سنت کو دیکھیں تو کوئی دلیل و حکم اس کی تخصیص کا نہ پائیں گے۔ اور اسی طرح آقا کریم ﷺ کی میلاد اور معراج وغیرھا مباح امور کہ جن پر اہل حق کتاب وسنت اور اجماع و قیاس سے استدلال لاتے ہیں جس کو ہم نے اپنی کتاب ''البدعۃ أصل من أصول التشریع'' میں بیان کیا اور اسی طرح کتاب ''الاحتفاء بمولد المصطفی ﷺ''[1] میں بھی کھول کر بیان کر دیا ہے ہاں ملاحظہ فرمائیں۔

سبحان اللہ کیا وہ عقل نہیں کرتا کہ جو وہ اپنے مخالف پر لازم کرتا ہے اپنے پر لازم کیوں نہیں کرتا۔ پس یہ دور کی گمراہی ہے۔

اور یہ حافظ ابن حجر ہیں کہ جنہوں نے ابن باز اور اس کے چیلوں کا رد امام اسماعیلی سے نقل کر کے فرمادیا ہے کہ ''اور امام اسماعیلی نے اس حدیث شریف سے صالحین و اہل خیر کے آثار سے تبرک حاصل کرنے کے جواز پر استنباط کیا ہے، اگر چہ سائل غنی ہی کیوں نہ ہو۔''[2]

میں (مصنف مدظلہ العالی) کہتا ہوں کہ برکت کو صرف نبی اکرم ﷺ کے ساتھ مخصوص کرنا اور دیگر سے نفی کرنا جائز نہیں کیونکہ یہ کتاب وسنت سے متصادم ہے جیسا کہ ہم نے اس کتاب کے کئی مقامات پر بیان کر دیا ہے، قرآن مجید میں وارد ہے:

---

[1] کتاب ھذا قبلہ مترجم مدظلہ العالی کے ترجمہ اور فقیر کے تتمہ کے ساتھ مکتبۃ المدینۃ المنورہ حافظ آباد۔ لاہور۔ سے شائع ہو چکی ہے، ارشد مسعود عفی عنہ۔

[2] فتح الباری جلد ۳ صفحہ ۱۸۰

وَنَزَّلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَاءً مُّبَارَكًا

اور ہم نے آسمان سے برکت والا پانی نازل کیا،

لَلَّذِي بِبَكَّةَ مُبَارَكًا وہ جو کہ برکت والا مکہ شریف ہے

۔۔۔إِلَى الْمَسْجِدِ الْأَقْصَى الَّذِي بَارَكْنَا حَوْلَهُ

مسجد اقصی تک کہ جس کے اردگرد برکتیں ہم نے رکھیں ہیں۔

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان: وَجَعَلَنِي مُبَارَكًا أَيْنَمَا كُنتُ

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان: بُورِكَ مَن فِي النَّارِ وَمَنْ حَوْلَهَا

اور جو آگ میں ہے اس کو برکت اور جو اس کے اردگرد ہے۔

یہاں برکت کا غیر نبی پر اطلاق کیا گیا ہے جیسا کہ واضح ہے اور صحیح بخاری شریف کی حدیث مبارکہ میں وارد ہے کہ جب حضرت موسی علیہ السلام کی وفات کا وقت قریب ہوا تو انہوں نے اپنے رب سے دعا مانگی کہ انہیں ارض مقدسہ کے قریب پتھر پھینکنے کی دوری پر دفن کیا جائے۔ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ایک دوسرے سے تبرک حاصل کرنا تیرے سامنے ہے۔ جیسا کہ حدیث حضرت جریر میں ثابت ہے کہ انہوں نے مسواک کی اور بعد میں مسواک پانی میں رکھ دی اور اپنے گھر والوں کو حکم فرمایا کہ مسواک کا بچے ہوئے پانی سے تبرک حاصل کریں۔

اور جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دوسروں کو چھوڑ کر برکت مخصوص کر دی جائے گی تو یہ جائز نہیں ہے اور یہ بغیر دلیل کے نص میں تحکم اور سینہ زوری ہے بلکہ یہ غلو میں حد سے بڑھنا ہے۔ جب وہ اپنے مخالف پر یہی تہمت لگاتا ہے جبکہ وہ موحدین پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی اور سے تبرک حاصل کرنے پر شرک کا اطلاق کرتا ہے اور یہ کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے تبرک حاصل کرنا شرک نہیں ہے اس طرح منطق کا نتیجہ یہ ہوا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب تک بشر ہیں ان سے تبرک شرک ہے اور جب وہ الوہیت میں داخل ہو جائیں گے تو شرک نہیں رہے گا۔ نعوذ باللہ من عثرۃ اللسان وزلۃ الاقلام۔

میں (مصنف مدظلہ العالی) کہتا ہوں کہ اس سے یہ بات ثابت ہوئی کہ تبرک اور توسل ذوات کے ساتھ مشروع ہے، حضرت عبداللہ بن عبداللہ بن ابی سلول کا آقا کریم و کی بارگاہ میں التجا کرنا اور مصطفے کریم ﷺ سے استغاثہ کرنا آپ ﷺ کی قمیص اور آپ ﷺ کا لعاب دہن پاک ابن ابی کے منہ میں ڈالنا جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے اس امید پر کہ اللہ تعالیٰ نبی اکرم ﷺ سے اس کے لیے استغفار اور آپ ﷺ کی شفاعت امام المنافقین کے حق میں قبول فرمائے گا۔

حضرت عبداللہ نے نبی اکرم ﷺ کے کرم کا طمع کرتے ہوئے اور آپ ﷺ کی شان وعظمت ومقام جو اللہ کی بارگاہ میں ہے اس کو جانتے ہوئے ایسا کیا اور نبی اکرم ﷺ کا اس کو قبول فرمانا حضرت عبداللہ کا اپنے باپ کے بارے دل کو خوش کرنے کے لیے تھا، جیسا کہ علامہ عینی نے شرح صحیح البخاری جلد ۸ صفحہ ۵۴ میں فرمایا، حتی کہ آپ ﷺ نے حضرت عمر کی بات کو رد فرما دیا جیسا کہ حدیث شریف میں ہے کہ ''أنا بين خيرتين استغفر لهم أولا تستغفر لهم'' اور جیسا کہ دیگر اسناد کے ساتھ مروی ہے ''لأ ستغفرن لهم سبعين وسبعين و سبعين'' میں ان کے لیے کئی ستر مرتبہ استغفار کروں گا۔

اور جیسا کہ حضرت عروہ بن زبیر اور مجاھد بن جبر اور قتادہ بن دعامہ سے روایت ہے کئی اسناد کے ساتھ، حضرت ابو عبداللہ بن کیران الفاسی فرماتے ہیں، اس سے یہ حاصل ہوا کہ شفاعت اذن مخصوص پر ہی موقوف نہیں ہے اس کے اطلاق اور شافع کے لیے اس کی اباحت میں لیکن وہ موقوف ہے اللہ تعالیٰ کی رضا کے ساتھ کہ وہ اس کو قبول فرمائے اور اس کے لیے اس کو اختیار فرمائے۔۔۔۔ پھر فرمایا

ہم کہتے ہیں کہ احتیاج استغفار کے وقوع پر ہے نہ کہ اس کے برقرار رہنے پر اور تقریر کا ہونا اور اس کا عدم یہ وقوع پر قدر زائد ہے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے، مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ اس میں استفہام انکاری ہے جو کہ نفی عام کے معنی میں ہے استثناء مفرغ کی دلیل کے ساتھ گویا کہ کہا گیا ہے کہ کوئی اس کے ہاں شفاعت نہ کرے گا

مگراس کے حکم سے اور اگر اس کواس کے ظاہر پر حمل کیا جائے تو یہ نفی عام کی خبر ہوگی جو کہ منافی للوقوع ہے اور اگر اس کو رضی پر حمل کیا جائے تو یہ منافات ختم ہو جائیں گے اور اگر اس کو استفہام علی معنی النفی پر حمل کیا جائے تو یہ سابقہ ولاحقہ کے مطابق صحیح نہیں ہوگی تو لازم ہے کہ یہ نہی سابقہ ہو جو کہ عبداللہ بن ابی کے قضیہ میں ہے کیونکہ وہ ''۹'' ہجری میں مرا جیسا کہ کتب تفسیر وسیرت میں ہے اور سورہ بقرہ مدینہ منورہ میں شروع کے ایام میں نازل ہوئی اگرچہ اس کی نظیر ایک آیت مکہ میں بھی نازل ہو چکی تھی جو کہ سورہ یونس میں ہے مَا مِنْ شَفِيعٍ اِلَّا مِنْ بَعْدِ اِذْنِہٖ کون ہے جو شفاعت کرے مگر اس کے اذن کے ساتھ۔

اور محال ہے کہ آپ ﷺ نہی کو سمجھتے بھی ہوں اور منہی کی طرف پیش قدمی کریں۔

امام عینی نے فرمایا، اگر تو کہے کہ واقدی کی روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے جس کو قمیص عطا فرمائی وہ عبداللہ بن ابی ہے اور بخاری کی روایت میں ہے کہ وہ اس کا بیٹا تھا اور حضرت جابر کی روایت میں ہے کہ اس کو قبر سے نکال کر آپ نے قمیص پہنائی تھی۔ تو میں (عینی) کہتا ہوں کہ واقدی کی روایت بخاری کے مقابلہ کی نہیں ہے اور دونوں روایتوں میں موافقت اس طرح ہو سکتی ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں جو الفاظ ہیں کہ آپ نے عطا فرمائی تو اس سے مراد ہے کہ انعام فرمایا اور وعدہ پر عطیہ کا اطلاق کیا گیا ہے[1] اور ابن جوزی نے فرمایا کہ، یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپ ﷺ نے دو قمیص عطا فرمائی ہوں۔

اور امام قسطلانی نے فرمایا کہ:

اور جو وارد ہوا یہ اس چیز پر دلالت کرتا ہے کہ اس کے بیٹے نے یہ اپنے باپ کا وعدہ پورا کرتے ہوئے کیا تھا۔

پس عبدالرزاق نے معمر سے اور طبری نے سعید سے روایت کی ان دونوں نے قتادہ سے روایت کی انہوں نے کہا عبداللہ بن ابی نے نبی اکرم ﷺ کے حضور پیام بھیجا آپ ﷺ

---

[1] عمدۃ القاری جلد ۸ صفحہ ۵۴

تشریف لائے تو اس سے فرمایا کہ تجھے یہود کی محبت لے ڈوبی اس نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ میں نے اس لیے آپ ﷺ کو بلایا کہ آپ ﷺ میرے لیے بخشش کی دعا کیجیے اور اس لیے نہیں کہلا بھیجا کہ آپ مجھے ملامت کریں پھر اس نے آپ ﷺ سے قمیص مانگی تا کہ اس کا کفن بنایا جائے، (فتح میں ابن حجر نے کہا) یہ روایت مرسل ہے لیکن اس کے راوی سب ثقہ ہیں اور اس کی تائید وہ روایت بھی کرتی ہے کہ جس کو طبرانی نے عن عکرمہ عن ابن عباس روایت کیا ہے انہوں نے کہا کہ، جب عبداللہ بن ابی بیمار ہوا تو وہ نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ اقدس میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ مجھ پر مہربانی واحسان فرمایئے اور مجھے اپنی قمیص میں کفن دے کر میرا جنازہ پڑھایئے گا۔ (1)

صاحب ''الدراری'' نے کہا کہ، پہلی روایت بخاری جو کہ گذری ہے اور اس میں کوئی تعارض نہیں ہے کیونکہ ان روایات میں قمیص عطا فرمانے کا ذکر نہیں ہے بلکہ صرف اس کے سوال کا ذکر ہے پس نبی اکرم ﷺ نے اس کے مرنے کے بعد اس کے بیٹے کی استدعا پر قمیص عطا فرمائی تھی لہذا ان احادیث میں تعارض نہیں ہے سوائے بخاری کی دونوں روایتوں کے اور جو اس کا جواب انہوں نے دیا تو سندی مذکور کا ایراد ہمیشہ رہا اور ممکن ہے کہ اس سے مراد آپ ﷺ کا اس کے جنازہ کے ساتھ چلنا ہو اس وقت کہ جب اس کو دوبارہ قبر سے نکالا گیا شروع سے آپ ﷺ جنازہ کے ساتھ نہ گئے ہوں جیسا کہ ابھی پیچھے گذرا کیونکہ ان کو آپ ﷺ کی مشقت کا خوف تھا لہذا انہوں نے آپ ﷺ کی تشریف آوری سے قبل ہی اس کو لحد میں اتار دیا تھا اور حدیث ابن عباس عن عمر رضی اللہ عنہما بھی بخاری کی کتاب التفسیر میں آئیگی کہ جس میں آپ ﷺ کا اس کے ساتھ جانے کا ذکر نہیں ہے۔ (2)

---

(1) ارشاد الساری لشرح صحیح البخاری جلد ۳ صفحہ ۳۴۲

(2) لامع الدراری علی صحیح البخاری جلد ۴ صفحہ ۳۹۲

اور امام عینی نے فرمایا:

اگر اعتراض ہو کہ آپ ﷺ کا اس کو قمیص دینے میں کیا حکمت تھی جبکہ وہ منافقین کا سردار تھا؟

تو میں کہوں گا اس کے کئی جوابات دیے گئے ہیں۔

① یہ کہ اس کے بیٹے کی دل جوئی واکرام کے لیے آپ ﷺ نے ایسا کیا تھا۔

② چونکہ آپ ﷺ سے جب بھی سوال ہوا تو آپ ﷺ نے اس کے جواب میں ''نہیں،، نہیں فرمایا۔

③ آقا کریم ﷺ جانتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کے حضور میری قمیص اس منافق کو کوئی فائدہ نہیں دے گی لیکن آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں امید کرتا ہوں کہ اس سے کئی منافقین اسلام قبول کرلیں گے اور ایسا ہی ہوا کہ ایک ہزار منافقین نے جب دشمن کے ساتھ ایسی کرم نوازی دیکھی اور اپنے سردار سے جب یہ دیکھا کہ وہ آپ ﷺ کی قمیص کے ساتھ استشفاء کررہا ہے تو وہ اسلام لے آئے۔

④ اور اکثر علماء نے یہ فرمایا کہ آپ ﷺ کا اس کو قمیص عطا فرمانا روز بدر کا بدلہ چکانا تھا کہ جب عبداللہ بن ابی نے اپنی قمیص حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو پہنائی تھی کیونکہ حضرت عباس بہت جوان تھے اور ان کے لمبے جسم پر کسی کی قمیص پوری نہیں آتی تھی اور عبد اللہ بن ابی کی قمیص پوری آئی تھی تو آپ ﷺ نے اس کا بدلہ دنیا میں ہی دے دیا تاکہ قیامت کے دن مطالبہ نہ کرسکے۔

عبد بن حمید نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم سے روایت کی ہے کہ:

أن النبی ﷺ لم یخدع انسانا قط غیر أن ابن أبي قال یوم الحدیبیة کلمة حسنة وھي أن الکفار قالوا لو أنت طفت بالبیت فقال لا لي في رسول اللہ ﷺ أسوۃ حسنة فلم یطف۔

نبی اکرم ﷺ نے کبھی بھی کسی انسان سے دھوکہ نہیں کیا مگر بات یہ تھی کہ عبد

اللہ بن ابی نے حدیبیہ کے دن ایک اچھی بات کہی تھی کہ جب کفار نے اس سے کہا تھا کہ تو طواف کر لے تو اس نے کہا تھا کہ نہیں میں طواف نہیں کروں گا میری لیے رسول اللہ ﷺ ہی بہترین نمونہ ہیں لہذا اس نے طواف نہ کیا۔ [1][2]

امام قسطلانی نے فرمایا کہ، اور مہلب کا قول کہ، یہ امید کرتے ہوئے کہ کیونکہ وہ اسلام کی بعض چیزوں کا معتقد تھا اس لیے ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو اس سے نفع دے تو اس پر ابن المنیر نے تعقب کیا اور کہا کہ یہ ظاہر ھفوات وخرافات میں سے ہے، کیونکہ اسلام میں تبعیض نہیں ہے کہ کچھ کو مانے اور کچھ کو نہ مانے عقیدہ شے واحد ہے ہاں بعض معلومات بعض میں شرط ہیں اور اللہ تعالیٰ نے اس چیز کا انکار فرمایا ہے کہ بعض چیزوں پر ایمان لائیں اور بعض سے کفر کریں جیسا کہ تمام کا انکار کفر ہے ایسے ہی اسلام کی بعض چیزوں کا انکار بھی کفر ہے۔ [3]

امام بخاری نے (باب من رجب الدفن فیی الارض المقدسة أو نحوها) میں روایت کی ہے:

حدثنا عبدالرزاق اخبرنا معمر عن ابن طاوس عن ابی هریره رضی اللہ عنہ قال: ارسل ملک الموت الی موسی علیہ السلام فلما جائه صکه فرجع الی ربه فقال ارسلتنیی الی عبدلا یرید الموت: فردالله عینه وقال: ارجع فقل له یضع یده علی متن ثور ،فله بکل ما عظت به یده بکل شعرة سنة: قال: ای رب۔ثم ماذا؟ قال: ثم الموت، قال فالآن، فسأل الله ان یدنیه من الرض المقدسة رمیة بحجر قال: قال رسول الله ﷺ فلو کنت ثم لأ ریتکم قبره الی جانب الطریق عند الکثیب الاحمر۔

---

[1] أخرجه ابن حزم فی المحلی ۱۲/۱۴۰ مسألة ۲۲۰۳۔من طریق عبدبن حمید

[1] عمدة القاری جلد ۸ صفحه ۵۴۔

[3] ارشاد الساری جلد ۳ صفحه ۳۴۲۔

بسند مذکور۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت ملک الموت کو حضرت موسی علیہ السلام کے پاس بھیجا گیا جب وہ آپ کے آئے تو حضرت موسی علیہ السلام نے ان کو تھپڑ رسید کیا۔ وہ آپنے رب کی طرف لوٹ کر گئے اور عرض کی کیا آپ نے مجھے ایسے شخص کی طرف بھیجا جو موت نہیں چاہتا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی آنکھ واپس کر دی (درست کی) اور فرمایا واپس جاؤ اور موسی علیہ السلام سے کہو کہ وہ ایک بیل کی پیٹھ پر ہاتھ رکھیں جتنے بال ہاتھ کے نیچے آئیں اتنے سال عمر اور دے دی جائیگی حضرت موسی نے کہا اے رب اس کے بعد فرمایا اس کے بعد پھر وفات۔ تو حضرت موسی نے کہا پھر ابھی سہی تو انہوں نے اللہ سے سوال کیا انہیں پتھر کی مقدار تک ارض مقدسہ کے قریب کر دیا جائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر میں وہاں ہوتا تو میں تم کو سرخ ٹیلے کے پاس حضرت موسی کی قبر دکھلاتا۔[1]

اور امام بخاری نے اپنی صحیح میں (۱/ ۴۳۵) برقم (۱۲۳۳) میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت کی وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری عیادت کو تشریف لائے۔ حجۃ الوداع کے سال۔ فرمایا:

(اللھم امض لاصحابی ھجرتھم و لا اعقابھم ,لکن البائس سعدبن خولہ) یرثی لہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان مات: بمکتہ۔

---

[1] امام بخاری نے اس کو (۱۳۳۹) کتاب الجنائز باب من احب الدفن فی الارض المقدسہ، و (۳۴۰۷) کتاب الانبیاء باب وفات موسی، ومسلم (۱۱۸/۴-۱۱۹) فی الجنائز باب نوع آخر فی التعزیتہ۔ و ابن ابی عاصم فی السنتہ (۰۹۹) والبیھقی فی (الاسماء والصفات) ص (۴۹۲) عن معمر ،عن ھمام ،عن ابی ھریرۃ موقوفا۔ و اخرجہ عبد الرزاق فی مصنفہ (۲۰۵۳۰) واخرج احمد (۲/۳۳) والطبری فی التاریخ (۱/۴۳۴) من طرق عن حماد بن سلمتہ۔ واخرجہ ابن حبان فی صحیحہ (۱۱۳/۱۴) برقم (۲۲۲۳)۔

اے میرے اللہ میرے صحابہ کو ہجرت کی برکت عطا فرما اور ان کو ان کی ایڑیوں کے بل نہ لوٹا لیکن افسوس ہے سعد بن خولہ پر رسول اللہ ﷺ نے ان کے مکہ شریف میں فوت ہونے پر افسوس کیا۔

کیونکہ وہ مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کا شرف حاصل نہ کر سکے اور مدینہ منورہ کی ہمسائیگی کی برکت سے محروم رہے۔

یہ حدیث اس پر نص ہے کہ بے شک نبی اکرم ﷺ ایسے مستغاث اور رحمت ہیں کہ مشکلات میں آپ کی طرف رجوع کیا جاتا ہے جیسا کہ حضرت عبد اللہ بن عبد اللہ بن ابی اپنے والد کیلئے آپ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے تھے حالانکہ ان کا والد منافق تھا کہ جس کا نفاق ظاہر تھا۔ ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ کی شفاعت عطا ہو جائے۔ (آمین)

تیسری مبحث:

نبی اکرم ﷺ کے رفیق اعلیٰ کی طرف منتقل ہونے کے بعد آپ ﷺ کے ساتھ توسل کرنا

پہلا مطلب: حیاۃ الانبیاء فی قبورھم

آپ ﷺ کی ظاہری حیات کے بعد آپ ﷺ کی ذات مبارکہ کے ساتھ توسل کرنے کے دلائل پر غور وخوض کرنے سے پہلے ہم ان بعض مسائل کے جوابات واضح کرنا چاہتے ہیں جو کہ مسئلہ توسل پر وارد ہوتے ہیں۔

① کیا موت فناء محض کا نام ہے؟ یا یہ ایک گھر سے دوسرے گھر کیطرف منتقل ہونا ہے؟

② زندہ اور مرنے والے میں قدرت اور اس کے عدم میں کیا فرق ہے؟

③ کیا زندہ میت سے فائدہ حاصل کر سکتا ہے؟ یا صرف میت ہی زندہ سے فائدہ حاصل کر سکتی ہے۔ جیسا کہ زندہ میت کے لیے اس کے مرنے کے بعد دعا کرتا ہے۔

④ کیا نبی یا صدیق اور ولی یا نیک آدمی کی عزت وکرامت انتقال کے بعد منقطع ہو جاتی ہے؟

اب ہم ان سوالات کے جوابات بتوفیق اللہ تعالیٰ دیتے ہیں۔

اہلسنت و جماعت کے نزدیک موت کا مفہوم یہ ہے کہ دار فانی سے دار البرزخ کی طرف منتقل ہونا۔

حجۃ الاسلام حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب الاحیاء میں فرماتے ہیں:

اس پر قابلِ اعتبار طرق گواہ ہیں اور اس کی گواہی آیات واحادیث دے رہی ہیں کہ موت کا معنی صرف تغیّرِ حالت ہے کیونکہ روح جسد سے جدا ہونے کے بعد باقی رہتی ہے چاہے عذاب کی حالت میں ہو یا انعام کی حالت میں۔ [1]

اور حضرت امام سیوطی نے بشری الکئیب میں فرمایا:

علماء نے فرمایا کہ موت عدم محض کا نام نہیں اور نہ صرف فنا کا نام ہے بلکہ یہ صرف روح کا تعلق بدن سے ٹوٹنے کا نام ہے۔ [2]

اور اسی طرح انباء الاذکیاء فی حیاۃ الانبیاء میں فرمایا:

قبر میں نبی اکرم ﷺ کی حیات اور تمام انبیاء کی حیات ہمارے نزدیک قطعی علم کے ساتھ معلوم ہے اور ہمارے پاس اس کے دلائل قائم ہیں اور احادیثِ متواترہ ہیں جو کہ اس بات پر دلالت کرتی ہیں۔ [3]

اور مرقاۃ الصعود میں فرمایا:

انبیاء کرام کی حیات پر متواتر احادیث موجود ہیں۔ [4]

اور اسی کی مثل امام الماوردی اور ابنِ تیمیہ نے اپنے فتاویٰ میں لکھا۔

اور ابنِ قیم نے کتاب الروح میں کہا:

اور آپ ﷺ کا جسد اقدس قبر میں تروتازہ ہے اور اس کا ہمیں ضروری علم حاصل ہے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے آپ ﷺ سے پوچھا! یا رسول اللہ آپ پر ہمارا سلام کیسے پہنچے گا جبکہ آپ مٹی کے ساتھ مل چکے ہوں گے تو آپ ﷺ نے فرمایا:

---

[1] احیاء علوم الدین (۴/۴۹۳)

[2] بشری الکئیب مع شرح الصدور ۳۳۴ الحاوی للفتاوی ۲/۱۴۷)

[3] انباء الاذکیاء فی حیاۃ الانبیاء ۳۴)

[4] مرقاۃ الصعود۔۔۔

ان اللہ حرم علی الأرض أن تأكل أجساد الأنبياء۔

اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ وہ انبیاء کرام علیہم السلام کے اجسام کو کھائے۔[1][2]

اور امام قرطبی نے فرمایا:

ہمارے شیخ امام احمد بن عمر نے فرمایا ہے کہ موت عدم محض کا نام نہیں ہے یہ تو فقط ایک حالت سے دوسری حالت میں منتقل ہونا ہے اس پر دلیل یہ ہے کہ شہداء کرام قتل ہونے کے بعد بھی اپنے رب کے ہاں زندہ ہیں، رزق دیئے جاتے ہیں خوش ہیں اور مبارک دیتے ہیں۔ اور یہ دنیا میں زندہ لوگوں کی صفات ہیں تو جب یہ شہداء میں پائی جاتی ہیں تو حضرات انبیاء کرام تو ان صفات کے بدرجہ اولیٰ احق ہیں اوراس کے ساتھ ساتھ یہ بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ زمین انبیاء کے اجسام کو نہیں کھاتی۔[3]

---

[1] کتاب الروح ۱۱۱، وفی نسخة ۱۳۹)

[2] اخرجه النسائی فی السنن ۳/۹۱ (۱۳۷۴)، و ابو داود فی السنن ۱/۲۷۰ کتاب الصلوٰۃ (۱۰۴۰)، و ابن ماجه فی السنن (۱۰۸۵)، و احمد مسند ۴/۸ (۱۶۱۶۲)، و ابن ابی شیبه فی المصنف ۲/۵۱۶، و ابن ابی عاصم فی الاحاد و المثانی ۳/۲۱۷ (۱۵۷۷)، و الدارمی ۱/۳۶۹ (۱۵۸۰)، و القاضی اسماعیل بن اسحاق فی فضل الصلوة علی النبی ۲۲، و ابن خزیمة فی الصحیح ۳/۱۹۸ (۱۷۳۳ و ۱۷۳۴)، و الطبرانی فی الکبیر ۱/۱۸۶ (۵۸۹)، و الحاکم فی المستدرک ۱/۲۷۸ و ۴/۵۶۰، و ابن حبان فی الصحیح ۳/۷۸ (۹۱۰)، و ابو نعیم فی المعرفة ۲/۳۵۴ (۹۸۶)، و فی الدلائل ۵۶۷، و البیهقی فی السنن الکبری ۳/۲۴۸، و فی فضائل الاوقات (۲۷۵)، وفی السنن الصغیر ۱/۲۱۵، و فی الشعب الایمان ۲/۱۱۰، وفی حیاة الانبیاء ۱۵، و الحکیم الترمذی فی نوادر الاصول ۳۸۶، و ابن عساکر فی تاریخ دمشق ۹/۴۰۲، و ابو بکر المروزی فی کتاب الجمعة و فضلها (۱۳) اس حدیث مبارکہ کی تصحیح علماء و محدثین کی ایک جماعت نے کی ہے۔ جیسا کہ شیخ مجد الدین محمد یعقوب الفیروزآبادی صاحب قاموس نے کہا ''ونص علی صحته جماعة من الحفاظ'' (الصلاة والبشر ۷۴) (ارشد مسعود غفرلہ)

[3] سیأتی تخریجه۔

اور نبی اکرم ﷺ معراج کی رات تمام انبیاء کے ساتھ مسجدِ اقصیٰ میں اکٹھے ہوئے اور پھر آسمانوں پر بھی بالخصوص حضرت موسیٰ علیہ السلام۔ [1]

اور نبی اکرم ﷺ کا ارشاد اس پر دلالت کرتا ہے کہ آپ کے لئے اللہ تعالیٰ نے آپ کی روح واپس لوٹا دی ہے یہانتک کہ آپ ہر سلام بھیجنے والے کو جواب دیتے ہیں۔ [2]

اور اسی طرح دیگر دلائل ہیں کہ جن سے یہ حاصل ہوتا ہے کہ انبیاء کرام کی وفات کی حقیقت صرف اتنی ہے کہ وہ ہماری آنکھوں سے غائب ہیں ہم ان کا ادراک نہیں رکھتے اگرچہ وہ زندہ اور موجود ہیں۔ اور ان کا حال فرشتوں کی طرح ہے وہ بھی زندہ اور موجود ہیں لیکن ہم ان کو دیکھ نہیں سکتے مگر جن کو اللہ تعالیٰ نے یہ کرامت عطا فرمائی ہو وہ دیکھ سکتے ہیں۔ [3]

اور حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی حیات طیّبہ پر بے شمار دلائل میں آیات واحادیث اور آثار ہیں:

قرآن مجید سے دلائل

پہلی دلیل:

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ۔

اور جو اللہ کی راہ میں مارے گئے ہرگز انہیں مردہ خیال نہ کرنا بلکہ وہ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں روزی پاتے ہیں۔ [4]

---

[1] مسلم ۴/۱۸۴۵ (۲۳۷۵)، و ۱/۱۵۶ (۱۷۲)

[2] سیأتی تخریجه۔

[3] التذکرۃ فی احوال الآخرۃ للقرطبی ۱/۱۹۹)

[4] سورۃ آل عمران ۱۶۹۔

دوسری دلیل:

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ بَلْ اَحْيَاءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ۔

اور جو اللہ کی راہ میں مارے جائیں انہیں مردہ نہ کہو بلکہ وہ زندہ ہیں ہاں تمہیں خبر نہیں۔ ①

پس یہ دونوں آیتیں ان لوگوں کی حیات پر دلالت کرتی ہیں کہ جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں قتل کر دیئے گئے اور اللہ کی راہ میں قتل ہونا عام ہے جو کہ میدان جنگ میں اور اس کے سوا کو بھی شامل ہے۔ جیسا کہ احادیث اور آثار اس پر دلالت کرتے ہیں پس جب یہ حال شہداء کا ہے تو پھر عام انبیاء کرام علیہم السلام کا کیا ہوگا اور پھر خاص کر ہمارے آقا و مولا حضرت محمد ﷺ کا کیا حال ہوگا، جبکہ آپ ﷺ کے لیے اللہ تعالیٰ نے نبوت و شہادت دونوں رتبے جمع فرما دیئے ہیں اور اس میں کوئی شک نہیں دیگر حضرات اس خصوصیت کے حامل نہیں ہیں۔

حضرت امام ابو جعفر الطبری نے فرمایا:

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اور وہ مردہ ہے کیونکہ میری مخلوق سے میت وہ ہے کہ جس کی زندگی میں نے سلب کر لی ہے اور اس کے حواس معدوم کر دے وہ کوئی لذت نہیں پاتا اور نہ ہی نعمت کا ادراک پاتا پس تم میں سے اور میری تمام مخلوق میں سے جو میری راہ میں قتل کر دیا گیا، وہ میرے حضور زندہ ہے نعمت والی زندگی کے ساتھ اور خوشگوار زندگی اور مبارک رزق اس کو ملتا ہے اور جو میں نے ان کو اپنے فضل سے عطا فرمایا ہے، وہ اس پر خوش ہیں۔ ②

---

① سورۃ البقرۃ ۱۵۴۔
② تفسیر الطبری ۲/۴۲

اور حضرت امام قرطبی نے اپنی تفسیر میں فرمایا:

اور جس نے شھداء میں یہ تاویل کی کہ ان کو زندہ کیا جائے گا تو یہ معنی سراسر بعید ہے اس کو قرآن اور احادیث رد کرتی ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان: بَلْ اَحْیَآءٌ ان کی حیات پر دلیل ہے اور وہ رزق دیئے جاتے ہیں اور رزق تو صرف زندہ ہی کھاتا ہے۔[1]

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ان المیت یعرف من یحملہ و من یغسلہ و من یدلیہ فی قبرہ۔

بے شک مرنے والا جانتا ہے جو اسے اٹھاتا ہے جو اسے غسل دیتا ہے اور جو اسے قبر میں رکھتا ہے۔[2]

اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

---

[1] تفسیر القرطبی ۴/۲۷۰۔

[2] اخرجه احمد فی مسنده ۳/ ۳ (۱۱۰۱۰)، و ۳/۶۲-۶۳ (۱۱۶۲۲)، والطبرانی فی الاوسط ۷/۲۵۷ (۷۴۳۸) وفی نسخة ۸/۲۱۱، وابونعیم فی تاریخ اصبهان ۱/۲۰۸، والخطیب فی تاریخه ۱۲/۲۱۲، وفی موضح اوهام الجمع والتفریق ۲/ ۲۶۴ (۳۱۸)، والقزوینی فی التدوین فی اخبار قزوین ۲/ ۴۶۷-۴۶۸، و ۳/۳۰۳، والدیلمی فی الفردوس الاخبار ۴/۲۴۰ (۶۷۲۱)، وابن ابی الدنیا فی المنامات ۱۰-۱۱ (۲)۔ وقال الهیثمی فی مجمع الزوائد ۳/۲۱: رواه احمد والطبرانی فی الاوسط: فیه رجل لم اجد من ترجمه۔ میرے خیال میں امام ہیثمی کا فرمانا "فیه رجل لم اجد من ترجمه" یہ معاویہ بن فلاں یا فلاں بن معاویہ کے بارے میں ہے کیونکہ اس کے علاوہ مسند امام احمد کے باقی تمام راویوں کی توثیق کی گئی ہے۔ لیکن طبرانی اور اخبار قزوین میں اس کا متابع موجود ہے جو کہ: عطیہ بن سعد ہے گو کہ اکثریت نے اس کی تضعیف کی ہے جیسا کہ امام ثوری، ہشیم، یحیی، احمد، رازی، نسائی وغیرہم مگر یحیی بن معین سے ایک روایت مروی ہے کہ ان سے اس کی حدیث کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا کہ صالح ہے اور امام ابن سعد نے بھی اس کو ثقہ کہا ہے الفاظ یہ ہیں" وکان ثقة انشاء اللہ له احادیث صالحة ومن الناس من لا یحتج به۔ (انظر: الجرح والتعدیل ۶ / ۳۸۲، وتهذیب التهذیب ۷/۲۰۱، والطبقات الکبری ۶ / ۳۰۴) (ارشد مسعود غفرلہ)

العبد اذ وضع فی قبره وتولي وذهب اصحابه، حتی انه لیسمع قرع نعالهم۔ أتاه ملكان فأقعداه فيقولان له: ما كنت تقول فی هذا الرجل، محمد ﷺ؟ فيقول: أشهد أنه عبد الله ورسوله، فيقال: انظر الى مقعدک من النار، أبدلک الله به مقعدا من الجنة قال النبی ﷺ: يراهما جميعا، و أما الكافر، أو المنافق، فيقول: لا أدرى، كنت أقول ما يقول الناس، فيقال: لا دريت ولا تليت، ثم يضرب بمطرقة من حديد ضربة بين أذنيه، فيصيح صيحة يسمعها من يليه الا الثقلين۔

جب بندہ کو قبر میں رکھا جاتا ہے اور اس کو دفنانے والے جب واپس مڑتے ہیں تو وہ ان کے جوتوں کی آواز سنتا ہے تو اس کے بعد دو فرشتے اس کے پاس آتے ہیں اور اس کو بٹھاتے ہیں پھر اس کو کہتے ہیں تو اس شخصیت حضرت محمد ﷺ کے بارے میں کیا کہتا تھا تو وہ کہتا ہے میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں تو اس کو کہا جاتا ہے کہ تو اپنی جگہ کی طرف دیکھ جو کہ جہنم میں تھی اللہ تعالیٰ نے اس کو جنت میں تبدیل فرما دیا ہے آپ ﷺ نے فرمایا وہ دونوں کو مکمل دیکھتا ہے۔ اور کافر یا منافق کہتا ہے میں نہیں جانتا، جیسا لوگ کہتے تھے میں بھی کہہ دیا کرتا تھا تو اس سے کہا جاتا ہے کہ تو نے نہ جانا نہ پڑھا، پھر اس کو لوہے کی گرز کے ساتھ دونوں کانوں کے درمیان مارا جاتا ہے تو وہ ایسی چیخ مارتا ہے کہ سوائے جنوں اور انسانوں کے اس کو ہر چیز سنتی ہے۔[1]

[1] رواہ البخاری (۱۳۳۸)، ومسلم (۲/۵۲۷)

دوسرا مطلب

احادیث سے حیاۃ الانبیاء کا ثبوت

پہلی دلیل:

امام احمد اور امام ابوداود نے بسند صحیح حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

مَامِنْ اَحَدٍ یُسَلِّمُ عَلَیَّ اِلاَّ رَدَّ اللهُ رُوْحِیْ حَتّٰی اَرُدَّ عَلَیْهِ السَّلَامَ۔

جب بھی کوئی مجھ پر سلام بھیجتا ہے تو اللہ تعالیٰ میری روح کو میری طرف لوٹا دیتا ہے یہاں تک کہ میں اس کے سلام کا جواب دیتا ہوں۔[1]

دوسری دلیل:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

الانبیآء احیاء فی قبورھم یصلون۔

---

[1] أخرجه ابو داؤد ۱/۲۸۶ کتاب المناسک باب زیادة البقور (۲۰۳۴)، و اسحاق بن راھویه فی مسنده ۱/۴۵۳ (۵۲۶)، و احمد بن حنبل فی مسنده ۲/۵۲۷، و البیهقی فی السنن الکبریٰ ۵/۲۴۵، وفی الدعوات الکبیر ۱/۱۴۰ (۱۵۸)، وفی حیاة الانبیاء فی قبورھم ۹۷، وفی الشعب الایمان ۲/۲۱۷، وفی السنن الصغیر ۲/۲۱۰، والطبرانی فی المعجم الاوسط ۳/ ۳۸۷ (۳۱۱۴) و ابو نعیم فی تاریخ اصبهان ۲/۳۵۳، و فی الحلیة الاولیاء ۶/۳۹۲، و ابو القاسم فی الرسائل القشیریه ۱۶، والمقدسی فی فضائل الاعمال (۷۹۰)۔ وقال الحافظ : فی فتح الباری ۶/۴۸۸، رواته ثقات۔ وزرقانی فی شرح الموطا ۴/۳۵۷، اخرجه ابو داؤد و رجاله ثقات۔ وقال العجلونی۔ فی کشف الخفا ۲/۲۵۳، رواه ابو داؤد عن ابی هریرة رفعه وهو صحیح۔ وقال عمر بن علی الاندلسی فی تحفة المحتاج ۲/۱۹۰، رواه ابو داؤد باسناد علی شرط الصحیح لا جرم ذکره ابن الموطا فی سننه الصحاح و حمید بن زیاد المذکور فی اسناده اخرجه له مسلم و قال احمد لیس به باس واختلف قول ابن معین فیه۔

حضرات انبیاء کرام اپنی قبور میں زندہ ہیں اور نمازیں پڑھتے ہیں۔[1]

اور اس کی شاہد حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مررت علی موسی لیلة أسری بی عند الکثیب الاحمر وھو قائم یصلی فی قبرہ۔

کہ جس رات مجھے معراج کرائی گئی میں حضرت موسی کے پاس سرخ ٹیلے کے قریب آیا تو وہ اپنی قبر میں کھڑے نماز پڑھ رہے تھے۔[2]

حضرت امام ابو العباس احمد بن عمر القرطبی فرماتے ہیں:

یہ حدیث دلالت کرتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حقیقی طور پر بیداری میں نماز پڑھتے دیکھا اور حضرت موسیٰ اپنی قبر میں زندہ ہیں اور اس میں نماز پڑھتے ہیں جیسا کہ ظاہری زندگی میں نماز پڑھتے تھے اور یہ سب کچھ ممکن ہے اس میں کوئی استحالہ نہیں ہے اور یہ نص صحیح سے ثابت ہے کہ شہدا کرام زندہ ہیں اور رزق دیے جاتے ہیں اور ان میں سے کئی حضرات کو سالوں بعد بھی قبروں میں تروتازہ پایا گیا اور ان کے اجسام میں سے کچھ بھی متغیر نہ پایا گیا تو جب یہ شہداء کے لیے ہے تو پھر انبیاء کرام تو اس کے زیادہ حقدار اور مستحق ہیں اور اگر کہا جائے کہ وہ انتقال کے بعد کیسے نماز پڑھتے ہیں حالانکہ وہ دار العمل نہیں بلکہ دار الجزا ہے۔

---

[1] رواہ أبو یعلی ٦/١٤٧ (٣٤٢٥)، قال الھیثمی فی مجمع الزوائد ٨/٢٢١: رواہ أبو یعلی والبزار، ورجال أبی یعلی ثقات۔ وصححه البیھقی فی جزء حیاۃ الأنبیاء فی قبورھم، ووثق رجال روایة البیھقی و أبو یعلی الحافظ ابن حجر فی فتح الباری ٦/٤٨٧۔ وأخرجه البیھقی فی حیاۃ الانبیاء ٧٠، ٧٢، والبزار فی مسندہ (کشف الاستار عن زوائد البزار ٣/١٠١) و ابن عساکر کمافی تھذیب تاریخ دمشق ص ٤/٢٣) و تمام بن محمد الرازی فی فوائدہ ٤٢٦:٤ و ابن عدی فی الکامل ٢:٧٣٩، و ابو نعیم اصبھانی فی تاریخ اصبھان ٣/٨٣)۔

[2] رواہ مسلم في الصحیح (٢٣٧٥) و ابن حبان في الصحیح ١/٢٤١-٢٤٢ (٤٩) والنسائي في السنن (١٦٣١) وأحمد في مسندہ ٣/١٢٠)

تو اس کا جواب یہ ہے کہ:

یہ نماز تکلیف کے حکم میں نہیں بلکہ یہ ان کے لیے اکرام وشرف کے حکم میں ہے اور یہ اس لیے ہے کہ وہ دنیا میں عبادت الٰہی سے محبت فرماتے تھے اور نماز پر ہمیشگی فرماتے تھے پھر وہ اسی حالت میں اس دار فانی سے رحلت فرما گئے تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کو وفات کے بعد یہ شرف عطا فرمایا کہ وہ جس سے وفات سے قبل محبت کرتے تھے اور جس کے ساتھ پہچانے جاتے تھے تو اسی پر ان کو قائم رکھا پس ان کی یہ عبادت تکلیفی نہیں بلکہ عبادت الہامی ہے جیسا کہ ملائکہ کی عبادت الہامی ہے اور حضرت امام ثابت بنانی رضی اللہ عنہ عنہ کے لئے اسی طرح قبر میں عبادت کرنا ثابت اور واقع ہو چکا ہے کیونکہ وہ نماز سے محبت کرتے تھے وہ دعا مانگا کرتے تھے۔

اللّٰھم ان کنت اعطیت احدا یصلی لک فی قبرہ فأعطنی ذلک، فرآہ ملحدہ بعد ما سوی علیہ لحدہ قائما یصلی فی قبرہ۔

اے اللہ! اگر تو نے کسی کو اس کی قبر میں نماز پڑھنے کی توفیق دی ہے تو باری تعالیٰ یہ سعادت مجھے بھی دینا تو ان کو جب دفن کر دیا گیا تو دفن کرنے والے نے دیکھا کہ آپ اپنی قبر میں کھڑے نماز پڑھ رہے ہیں۔☆ [1]

حضرت امام سیوطی نے شرح سنن نسائی میں فرمایا: حضرت امام بدر الدین بن الصاحب نے اپنی کتاب حیاۃ الانبیاء میں فرمایا:

---

[1] المفہم مما اشکل من کتاب صحیح مسلم (۶/۱۹۲)

★(قلت) حضرت ثابت بنانی کے قبر میں نماز پڑھنے والے واقعہ کو روایت کیا ہے امام ابونعیم نے حلیۃ الاولیاء ۲/۳۱۹، وعیون الاخبار لابن قتیبۃ ۲/۳۴۳، والسیر اعلام النبلاء للذہبی ۵/۲۲۲۔ احوال القبور لابن رجب ۳۶، امام سبکی نے اس کی تصحیح کی ہے۔ (شفاء السقام ۱۸۷)۔(ارشد مسعود غفرلہ)

یہ حدیث حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قبر میں زندہ ہونے کی صریح دلیل ہے کیونکہ کھڑے ہوکر نماز پڑھنے کے ساتھ موصوف کیا گیا ہے اور صرف روح کو اس کے ساتھ موصوف نیں کیا جاتا اس عمل کے ساتھ جسد کو ہی موصوف کیا جاتا ہے اور قبر کے ساتھ اس کی تخصیص اس پر دلیل ہے۔ حضرت امام سبکی نے اس حدیث کے تحت فرمایا اور نماز زندہ جسم کا تقاضہ کرتی ہے اور قبر میں حیات حقیقی ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان کے ابدان کو جیسے دنیا میں کھانے پینے کی احتیاج تھی وہ قبر میں بھی ہو یا اسی طرح دیگر صفات جو کہ اجسام کی ہیں جیسا کہ جسم ملاحظہ و مشاہدہ کرتے ہیں بلکہ ان کا قبور میں دوسرا حکم ہے۔[1]

حضرت امام ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں:

امام قاضی عیاض نے فرمایا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرات انبیاء کرام کو دیکھنا جیسا کہ احادیث میں ذکر ہوا، اگر تو یہ خواب میں ہو تو اس پر کوئی اشکال نہیں ہے اور اگر یہ روایت بیداری میں ہے تو پھر اس پر اشکال وارد ہوتا ہے۔

اور ابن عون کی روایت گذر چکی ہے انہوں نے مجاہد سے اور انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی جس میں یہ زیادت ہے۔

واما موسی فرجل آدم جعده علی جبل احمر، مخطوم بخلبة، کأنی أنظر الیه اذا انحدر فی الوادی۔

اور حضرت موسیٰ علیہ السلام تو وہ پتلے سے آدمی تھے اور سرخ اونٹ پر تھے اور ان کی سواری کی نکیل کھجور کی چھال کی تھی گویا میں انہیں دیکھ رہا ہوں کہ وہ اس وادی میں اُتر رہے ہیں۔[2]

---

① شرح السیوطی علی سنن النسائی ۳/۲۱۵-۲۱۶

② أخرجه البخاری فی الصحیح (۳۱۷۷، و۵۵۶۹) و مسلم فی الصحیح (۴۲۱) فی الایمان، واحمد ۱/۲۷۶، وابن ابی شیبة فی المصنف ۷/۴۸۹

تو یہ اشکال کو مزید پختہ کرتی ہے تو اس کے کئی جوابات دیئے گئے ہیں

نمبر(۱) حضرات انبیاء کرام شہداء سے افضل ہیں اور شہداء کرام اللہ تعالیٰ کے نزدیک زندہ ہیں تو اسی طرح انبیاء کرام بھی زندہ ہیں تو یہ بعید نہیں کہ وہ نمازیں پڑھیں اور حج کریں اور اپنی استطاعت کے مطابق رب عظیم کا قرب حاصل کریں جب تک یہ دنیا باقی ہے جو کہ دار تکلیف ہے

نمبر(۲) آپ ﷺ کو ان کی وہ حالت دکھائی گئی جس حالت پر وہ اپنی مبارک زندگیوں میں ہوتے تھے ان کو آپ ﷺ کے سامنے مثالی صورت میں پیش کیا گیا کہ دنیا میں وہ کیسے تھے۔ اور وہ کیسے حج کرتے تھے اور کیسے تلبیہ پڑھتے تھے اور اسی طرح ابو العالیہ کی روایت حضرت ابن عباس سے جو مسلم میں ہے اس کے الفاظ اس طرح ہیں۔

کانی انظر الی موسی و کانی انظر الی یونس

گویا کہ میں حضرت موسی کو دیکھ رہا ہوں اور گویا کہ میں حضرت یونس کو دیکھ رہا ہوں

نمبر(۳) آپ ﷺ نے اس بارے میں خبر دی جو ان انبیاء علیہم السلام کے امور اور معاملات آپ ﷺ کی طرف وحی کئے گئے۔

لہذا حرف تشبیہ کو روایت میں داخل کیا گیا ہے تو اس کو اس پر محمول کیا جائے گا۔

اور حضرت امام بیہقی نے حیاۃ الانبیاء فی قبورھم میں ایک بڑی خوبصورت کتاب تصنیف کی ہے۔[1]

اس میں انہوں نے حدیث حضرت انس رضی اللہ عنہ

الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون۔

---

[1] مترجم غفرلہ نے اس کتاب کی اردو زبان میں مفصل اور مدلل شرح بنام (آپ ﷺ زندہ ہیں واللہ) لکھی ہے جو کہ تقریباً پانچ سو صفحات پر محیط ہے جو مکتبۃ المدینۃ المنورۃ لاہور۔ حافظ آباد سے شائع ہو چکی ہے۔ ارشد مسعود غفرلہ)

اس سند کے ساتھ روایت کی ہے، یحیی بن ابی کثیر۔ یہ صحیح بخاری کا راوی ہے عن مستلم بن سعید (اس کی توثیق امام احمد اور ابن حبان نے کی ہے) عن الحجاج بن الاسود اور وہ ابن ابی زیاد بصری ہے (اس کو امام احمد ابن معین اور ابن حبان نے ثقہ کہا ہے) عن ثابت عن انس۔

اور امام بیہقی نے حضرت امام ثابت سے دوسرے الفاظ کے ساتھ بھی یہ روایت کی ہے

ان الانبیاء لایترکون فی قبورھم بعد اربعین لیلة ولکنھم یصلون بین یدی اللہ عزوجل حتی ینفخ فی الصور۔

انبیاء کرام اپنی قبروں میں چالیس روز کے بعد نہیں چھوڑے جاتے مگر یہ کہ وہ اللہ عزوجل کے حضور صور پھونکنے تک (یعنی قیامت تک) نماز پڑھتے ہیں۔[1]

امام بیہقی نے فرمایا:

حضرت سعید بن مسیب عن ابی ھریرہ کی حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے ان (انبیاء کرام) سے بیت المقدس میں ملاقات فرمائی نماز کا وقت ہوا تو ہمارے آقا ﷺ نے ان سب کو نماز پڑھائی اور پھر ان سب کو بیت المقدس میں جمع کیا گیا۔[2]

اور حضرت ابی ذر اور مالک بن صعصہ کی حدیث میں واقعہ معراج میں ہے کہ آپ انبیاء کرام علیہم السلام کی جماعت سے آسمانوں میں ملے تھے آپ نے ان سے کلام کیا اور انہوں نے آپ ﷺ سے کلام کیا۔ یہ تمام اسناد صحیح ہیں۔ تو یہ احتمال ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قبر میں کھڑے نماز پڑھتے دیکھا ہو اور پھر وہ آپ کے ساتھ آسمانوں کی طرف تشریف لے گئے ہوں کیونکہ ان کا ذکر آسمانوں والوں میں ہے آپ ﷺ نے ان سے ملاقات کی پھر ان کو بیت المقدس میں اکٹھا کیا گیا ہو اور آپ نے ان کو نماز پڑھائی ہو اور مختلف جگہوں اور مختلف اوقات میں نماز پڑھنے کو عقل رد نہیں کرتی۔

---

[1] أخرجه البیہقی فی حیاۃ الانبیاء ۷۵(۴) والدیلمی فی الفردوس الاخبار ۱/۲۷۳ والحاکم فی التاریخ کذافی کنز العمال ۱۱/۴۷۴۔۴۷۳)

[2] حیاۃ الانبیاء للبیہقی ۸۴۔ وذکرہ الحافظ فی فتح الباری ۶/۴۸۷)

جبکہ نقل سے یہ ثابت ہے پس معراج النبی کی رات ان کا نماز پڑھناان کے زندہ ہو نے کی دلیل ہے اور اس کو عقل کے ساتھ ساتھ نظر بھی تقویت دیتی ہے کیونکہ شہداء نص قرآن سے زندہ ثابت اور حضرات انبیاء کرام ان سے افضل ہیں۔

اور جو روایت حضرت ابوہریرہ سے ابوداود کے حوالے سے گزر چکی ہے، یعنی مَامِنْ اَحَدٍ یُسَلِّمُ عَلَیَّ اِلاَّ رَدَّاللّٰہُ رُوْحِیْ حَتّٰی اَرُدَّ عَلَیْہِ السَّلَامُ۔ ورواتہ ثقات۔

پر اشکال وارد ہوتا ہے اور وجہ اشکال یہ ہے کہ ظاہری طور پر روح کا جسد کی طرف لوٹنا اس کے انفصال کا تقاضہ کرتا ہے اور انفصال روح تو موت ہے تو کیا بار بار آپ پر روح لوٹائی جاتی ہے؟

تو علمائے کرام نے اس کے کئی جوابات دیئے ہیں:

جواب نمبر(۱) آپ ﷺ کے فرمان

''رداللہ علی روحی'' سے مراد یہ ہے کہ آپ کی روح مبارکہ دفن کے بعد ہی آپ کی طرف لوٹادی گئی ہے یہ نہیں کہ بار بار لوٹائی جاتی ہے اور پھر قبض کی جا تی ہے۔

نمبر(۲) ہم بالفرض محال اس کو تسلیم کر بھی لیں تو یہ روح کا نکالنا موت نہیں بلکہ اس میں کوئی مشقت نہیں ہوتی۔

نمبر(۳) یہاں روح سے مراد سلام پہنچانے والا فرشتہ ہے کہ جس کی ڈیوٹی لگی ہوئی ہے۔

نمبر(۴) روح سے مراد نطق ہے یعنی اس میں ایسے خطاب کی طرف سے اشارہ ہے جو کہ ہم سمجھ سکیں۔

نمبر(۵) آپ کریم ملاءاعلیٰ کے امور میں مشغول ہوتے ہیں تو جب آپ پر سلام بھیجا جاتا ہے تو آپ اس کو سمجھنے کے لیے اس طرف متوجہ ہوتے ہیں تا کہ سلام کہنے والے کا جواب دیں اور اس میں ایک اور جہت سے اشکال پیدا کیا جاتا ہے اور

وہ یہ ہے۔

کیونکہ یہ استغراق زمانے کو لازم ہے کیونکہ آپ ﷺ پر زمین کے اقطار میں ہمہ وقت درود وسلام پڑھا جارہا ہے اور اس کثرت کا احاطہ نہیں کیا جا سکتا۔

تو اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ آخرت کے امور کا عقل ادراک نہیں کرسکتی اور برزخ کے احوال آخرت کے احوال کے مشابہ ہیں واللہ اعلم۔[1]

تیسری دلیل:

انبیاء کرام کے حیاۃ فی القبر ہونے کے دلائل میں سے وہ روایت ہے جو حضرت اوس بن اوس رضی اللہ عنہ سے روایت کی گئی ہے۔

آپ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

ان افضل ایامکم یوم الجمعة فيه خلق آدم وفيه قبضو فيه النفخة وفيه الصعقه، فاكثروا عليمن الصلوة فيه فان صلاتكم معروضة على فقال رجل يارسول الله: ﷺ كيف تعرض صلاتنا عليك ۔وقد ارمت يقولون بليتفقال ان الله قد حرم على الارض ان تاكل اجساد الانبياء۔

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا تمہارے دنوں میں افضل دن جمعہ کا ہے اس دن حضرت آدم علیہ السلام پیدا ہوئے اسی دن انہوں نے انتقال فرمایا اور اسی دن صور پھونکا جائے گا اسی دن دوبارہ اٹھنا ہے اس لیے اس روز مجھ پر کثرت سے درود پڑھا کرو اس لیے کہ تمہارا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ہمارا درود آپ پر کیسے پیش ہوگا؟ جبکہ آپ تو وفات پا چکے ہوں گے یعنی مٹی میں مل گئے تو آپ ﷺ نے فرمایا یقینا اللہ

[1] فتح الباری ۶/۴۸۶-۴۸۸ باختصار۔

تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ وہ انبیاء کرام علیہم السلام کے اجسام کو کھائے اس کو ابوداوٗد سجستانی نے سنن ابی داوٗد میں روایت کیا ہے اور اس کے کئی شواہد ہیں۔[1]

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ نے فرمایا:

(والذی نفسی ابی القاسم بیده لینزلن عیسی بنمریم اماما مقسطا وحکما عدلاً فلیکسرن لصلیب ولیقتلن الخنزیر ولیصلحن ذات البین ولیذهبن الشحناء ولیعرضن علیه المال فلا یقبله، ثم لئن قام علی قبری فقال: یا محمد لا جیبنه۔

اس ذات اقدس کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم کی جان ہے۔ البتہ ضرور حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ اسلام امام منصف اور حاکم عادل

---

[1] رواه ابو داؤد فی السنن ۱/۱۵۷ (۱۰۴۰)، والنسائی فی المجتبیٰ ۱/۲۰۳ (۱۳۷۳) وابن ماجه فی السنن ۷۶ (۱۰۸۵)، وابن ابی شیبه ۲/۵۱۶، وفی نسخة ۲/۲۵۳، وابن ابی عاصم فی کتاب الصلوٰة علی النبی ۵۰ (۶۳) واحمد فی مسنده ۴/۸، والحاکم فی المستدرک ۴/۵۴ و ابن خزیمة فی الصحیح ۳/۱۸، وابن حبان فی الصحیح ۳/۷۸، والدارمی فی السنن ۱/۳۰۷ باب فی فضل الجمعة، والبیهقی فی السنن الکبریٰ ۳/۲۴۸، وفی السنن الصغیر ۱/۲۳۵ وفی الشعب الایمان ۲/۱۱۰، وفی حیاة الانبیاء ۸۸ (۱۰) والنسائی فی السنن الکبریٰ ۱/۵۱۹، والطبرانی فی المعجم الکبیر ۱/۲۱۷ (۵۸۹) و فی الاوسط ۵/۹۷، والبزار فی مسنده ۸/۴۱۱ (۲۴۸۵) وابو نعیم فی الدلائل النبوة ۲/۵۶۷ (۵۰۹)، وفی المعرفة الصحابه ۲/۳۵۴، والشیبانی فی الآحاد والمثانی ۳/۲۱۷، وابن عساکر فی التاریخ دمشق الکبیر ۹/۴۰۲، والحکیم الترمذی فی نوادر الاصول ۳۸۶، واسماعیل القاضی فی فضل الصلوٰة ۱۱ (۲۲)۔ اس حدیث مبارکہ کی بھی محدثین کی ایک جماعت نے تصحیح فرمائی ہے حتی البانی نے بھی کہا کہ ''وقد صححه جماعة'' هداية الرواية ۲/۹۴ (۱۳۱۰) ارشد مسعود غفرلہ۔ دلیل نمبر (۴)

بن کر نازل ہوں گے یقیناً صلیب توڑیں گے اور خنزیر کو قتل کریں گے لوگوں کے آپس کے معاملات درست فرمائیں گے اور لوگوں کی ایک دوسرے سے دشمنیاں ختم کر دیں گے اور مال پیش کریں گے تو کوئی اس کو نہ لے گا پھر اگر وہ میری قبر پر کھڑے ہو کر کہیں گے یا محمد ﷺ تو میں ضرور بہ ضرور ان کو جواب دوں گا۔[1]

چوتھی دلیل:

امام دارمی نے حضرت سعید بن المسیب بن عبدالعزیز سے روایت کی ہے کہ آپ فرماتے ہیں:

لما كان ايام الحرة لم يوذن فى مسجد النبى ﷺ ثلاثا، لم يقم ولم يبرح سعيد بن المسيب من المسجد، وكان لا يعرف وقت الصلاة الا بهمهمه يسمعها من قبر النبى ﷺ۔

جب حرہ کے دن تھے تو مسجد نبوی شریف میں تین دن تک آذان واقامت نہ ہوئی تو سعید بن المسیب مسجد سے باہر نہ نکلے وہ نماز کا وقت قبر نبی سے (آنے والی) ایک دبی دبی آواز سے معلوم کرتے تھے۔[2]

اس حدیث کی ایک اور سند بھی ہے جو کہ ضعیف ہے جس کو ابن سعد نے ابو حازم سے روایت کیا ہے انہوں نے کہا میں نے حضرت سعید بن المسیب سے سنا انھوں نے شیخ (عیسیٰ بن مانع) نے کہا کہ سعید بن عبدالعزیز کا سماع سعید بن المسیب سے ثابت نہیں۔

---

[1] اخرجه ابو يعلى فى مسنده ۱۱/۴۶۲ (۶۵۸۴)، باسناد صحيح، والحاكم فى المستدرك بنحوه ـو صححه وسلمه الذهبى (۲/۵۹۵) ـ وقال الهيثمى فى مجمع الزوائد ۸/۲۱۷، قلت هو فى الصحيح باختصار، رواه ابو يعلى ورجاله رجال الصحيح۔

[2] رواه الدارمى فى سننه ۱/۴۴ رجاله ثقات۔ میں (مترجم غفرلہ) کہتا ہوں کہ اس میں نظر حضرت سعید بن مسیب کی وفات بقول واقدی ۹۴ھ اور بقول ابونعیم ۹۳ھ (تہذیب الکمال ۷/ ۳۰۳) اور امام یحییٰ بن معین کے قول کے مطابق ان کی وفات ۱۰۰ھ ہے (تہذیب التہذیب ۴/۸۶)

جبکہ سعید بن عبدالعزیز کی ولادت حسن بن بکار بن بلال کے قول کے مطابق ۸۳ھ ہے لہٰذا کم از کم دس سال اور زیادہ سے زیادہ سترہ سال کا عرصہ ہے کیا اتنے سالوں میں آدمی دوسرے سے ملاقات نہیں کرسکتا؟ اور سند کے اتصال کے لیے امکان لقاہی کافی ہے (جیسا کہ اصول کی کتب میں تفصیل موجود ہے) جبکہ یہاں اس کا قوی قرینہ موجود ہے۔ (رضوی غفرلہ)

ارشاد فرمایا:

لقد رأیتنی لیالی الحرة ومافی المسجد احد من خلق اللہ غیری، و ان اهل الشام لیدخلون زمرا زمرا یقولون: انظروا الی هذا الشیخ المجنون، وما یأتی وقت صلاة الا سمعت اذانا فی القبر، ثم تقدمت فأقمت فصلیت، وما فی المسجد احد غیری۔

ایام حرہ کی راتوں میں میں نے خود کو یوں پایا کہ مسجد نبوی میں میرے سوا کوئی نہیں تھا اور یہ کہ اہل شام مسجد میں گروہ درگروہ آتے اور کہتے کہ اس پاگل بوڑھے کو دیکھو۔ جب بھی نماز کا وقت ہوتا تو مجھے قبر نبوی ﷺ سے آذان کی آواز آتی تو میں آگے بڑھ کر اقامت کہتا اور نماز پڑھ لیتا اور میرے سوا مسجد نبوی میں کوئی نہ ہوتا تھا۔[1]

پس حضرات انبیاء اکرام علیہم الصلوۃ اپنی قبور مین زندہ ہیں حیاۃ برزخی کے ساتھ اور یہ حیات شھدا کی حیات سے افضل و اعلیٰ ہے اور ان کے اجساد فنا نہیں ہوتے بلکہ تروتازہ رہتے ہیں اور اس پر اجماع منعقد ہو چکا ہے جیسا کہ بہت سارے علماء نے اس کا

---

[1] رواه ابن سعد فی الطبقات الکبری ۵/۱۳۲، وله طرق آخر ذکره ابن سعد ایضا۔ و أخرجه اللالکائی فی کرامات الاولیاء ۱/۱۲۶)

ذکر فرمایا ہے ان میں سے ابن حزم [1] اور ابن تیمیہ نے اپنے فتاویٰ الکبریٰ [2] میں بیان کیا اور امام سخاوی نے القول البدیع [3] میں ذکر کیا اور ان کے علاوہ دیگر حضرات نے بھی اس کا ذکر کیا ہے اور اس پر بے شمار نصوص صریحہ اور دلائل قاطعہ موجود ہیں۔

امام سیوطی نے جیسا کہ گذرا ''انباء الاذکیاء بحیاۃ الانبیاء'' میں فرمایا:

نبی اکرم اور دیگر انبیاء اکرام کی حیاۃ فی القبر ہمارے نزدیک قطعی طور پر معلوم ہے۔ ہمارے نزدیک اس پر دلائل قائم ہیں اور اس پر احادیث متواتر دلالت کرتی ہے۔ اور جس نے ان کے اجسام کے فنا ہونے کا قول کیا تو اس نے اجماع کے خلاف کیا اور اس کا خلاف کیا جو کہ رسول ﷺ سے صحیح طور پر ثابت ہے۔

اور حدیث جوتوں کی آواز سننا اور مردے کی چیخنے والی حدیث یہ دونوں حدیثیں دراصل روح اور اس کی حقیقت اور قدرت پر دلالت کرتی ہیں اور اس کے سامنے صرف جسد ہی رکاوٹ ہے نہ کہ جیسا کہ بعض کہ وہم ہوا ہے کہ روح جب جسم سے جدا ہوتی ہے تو وہ کمزور ہو جاتی ہے اور اس کی قدرت وقوت سلب کر لی جاتی ہے۔ وہ عاجز ہو جاتی ہے اور زندوں سے دعا اور مدد کی منتظر رہتی ہے۔

ابن قیم نے کتاب الروح میں کہا:

پس وہ روح جو بدن کی قید سے اور اس کے علائق اور مشاغل سے آزاد ہو اس کو جو تصرف، قوت نفاذ اور ہمت حاصل ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف جو سرعتِ صعود اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ جو تعلق حاصل ہوتا ہے وہ ایسا ہے جو

---

[1] المحلی ۱/۳۰۔

[2] الفتاوی الکبری ۱/۳۳۰۔

[3] القول البدیع ۲۲۵، وقال: و نحن و نصدق بانه ﷺ حي یرزق فی قبره و ان جسده الشریف لا تأکله الأرض والاجماع علی هذا۔

علائق بدن اور مشاغل، بدن میں محبوس روح کو حاصل نہیں ہوتا اور جب کسی روح کو محبوس ہونے کی حالت میں بھی یہ کمالات حاصل ہو جائیں تو جب وہ بدن سے الگ اور جدا ہو جائے اور اس میں اس کی ساری قوتیں جمع ہو جائیں اور وہ اپنی اصل بلند و پاکیزہ عالی ہمت والی حالت میں ہو تو پھر اس کا کیا حال ہو گا پس بدن سے جدا ہو کر تو اس کی شان ہی انوکھی ہو گی اور اس کے افعال ہی مختلف ہوں گے۔ [1]

جاننا چاہیے کہ وہاں میت تکلیفات سے فارغ ہو جاتی ہے جیسا کہ نماز روزہ اور طلب معاش وغیرہ وہاں ایسے اعمال ہیں کہ جن میں زندہ مردہ مشترک ہو جاتے ہیں۔

جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان مبارک ہے:

اذا مات الانسان انقطع عنه عمله الا من ثلاثة: الا من صدقة جارية، او علم ينتفع به، او ولد صالح يدعو له۔

جب انسان فوت ہوتا ہے تو اس کے تمام اعمال سوائے تین کے منقطع ہو جاتے ہیں صدقہ جاریہ، نفع بخش علم، یا صالح اولاد کہ اس کیلئے وہ دعا کرتا ہے۔ [2]

تو جیسے زندہ زندہ سے ان اعمال کے ساتھ فائدہ حاصل کرتا ہے اس طرح وہ میت سے بھی فائدہ حاصل کرتا ہے وہ اس علم سے نفع اٹھاتا ہے کہ جو مرنے والا لوگوں کے درمیان چھوڑ گیا یا کنواں یا صدقہ جاریہ اور یہ اعمال بہت وسیع ہیں بلکہ زندہ ان اشیاء کا میت سے زیادہ محتاج ہوتا ہے کیونکہ میت کیلیے ان اعمال میں اجر اور ثواب ہے جبکہ زندہ کی زندگی ہی ان سے قائم ہے اور یہ میت کیطرف سے زندہ کی مدد ہے اس کو آپ ﷺ کے اس فرمان کی طرف مضاف کرنا چاہیے کہ:

---

[1] کتاب الروح ۲۳۷۔

[2] تقدم تخریجه۔

من فرج عن مسلم کربة فرج الله عنه کربة من کرب یوم القیا مةو من ستر مسلما ستره الله یوم القیامة۔

جس نے مسلمان کی تکلیف دور کی اللہ تعالیٰ اس کی مصیبت قیامت کے دن دور فرمائے گا اور جس نے مسلمان کی پردہ پوشی کی اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی پردہ پوشی فرمائے گا۔[1]

اور اس کے سوا دیگر عمومات شرع کہ جس سے مخالف دلیل نہیں لے سکتا اس کی تخصیص حیات کے ساتھ کرنے پر کیونکہ زندہ میت کی وصیت سے نفع حاصل کرتا ہے یا اس کے وقف سے فائدہ حاصل کرتا ہے، بلکہ ابن القیم نے کہا:

بنی آدم میں سے ایسی متواتر خوابیں بیان کی گئی ہیں کہ ارواح نے آدمی کی وفات کے بعد وہ کام کیے جو کہ بدن کے ساتھ اتصال کے وقت وہ نہ کر سکتے تھے جیسا کہ بڑے بڑے لشکروں کو ایک یا دو آدمیوں کے شکست دینا یا تھوڑے سے لشکر سے بڑے لشکر کو شکست دینا اسی طرح دیگر افعال اور کتنے لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کو خواب میں دیکھا اور جبکہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ آپ کے ساتھ ہیں اور ان کی ارواح طیبات نے کفار اور ظالموں کے لشکروں کو شکست دے دی یہ لشکر باوجود کثرت کے شکست کے ساتھ مغلوب ہوئے اور مومنین باوجود قلت اور کمزوری کے غالب آئے۔[2]

امام ابن اثیر نے ''تاریخ الکامل'' میں ذکر فرمایا کہ:

جب طارق بن زیاد سمندر میں سوار ہوا تو اس کی آنکھ لگ گئی تو اس نے نبی اکرم ﷺ کو دیکھا اور آپ کے مہاجرین و انصار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تھے اور وہ تمام اسلحہ سے لیس تھے، تو نبی کریم ﷺ نے طارق بن زیاد سے فرمایا:

---

① رواہ البخاری (۲۴۴۲)، و مسلم (۲۵۸۰)

② کتاب الروح (ص ۲۳۷)

اے طارق قدم بڑھاو اور مسلمانوں کے ساتھ نرمی سے پیش آنا اور وعدے پورے کرو اور طارق بن زیاد نے دیکھا کہ آپ ﷺ صحابہ سمیت اندلس میں ان کے آگے آگے داخل ہو رہے ہیں۔ تو طارق بن زیاد خوشی کے ساتھ بیدار ہوا اور اپنے ساتھیوں کو بشارت دی اور اپنے آپ کو مضبوط کیا اور اس کو فتح میں کوئی شک نہیں تھا۔ [1]

اور محمد تاج الدین (جو کہ علمائے اسکندریہ میں سے ہیں) نے اپنے (اپنی تصنیف) الرسالۃ الرملیہ میں فرمایا:

اور انبیاء کی برزخی زندگی شہداء کی حیاۃ سے کم نہیں بلکہ ضروری ہے کہ انبیاء کرام کی حیاۃ تمام سے اتم ہو اور سنت میں صحیح اسناد سے یہ ثابت ہے کہ آپ ﷺ پر امت کے اعمال پیش کیے جاتے ہیں اور آپ ان کے لیے استغفار فرماتے ہیں اس میں کئی احادیث وارد ہیں اور صالحین کی حیاۃ میں جو وارد ہوا کہ ان پر اعمال پیش کیے جاتے ہیں۔ اور جو احادیث مسند احمد میں ہیں وہ تمام ابن تیمیہ کے نزدیک مقبول ہیں (جو کہ منکرین و مانعین کے امام ہیں) آپ ﷺ کا فرمان:

ان اعمالکم تعرض علی اقاربکم وعشائرکم من الأموات، فان کان خیرا استبشروا به، وان کان غیر ذلک قالوا: اللھم لا تمتھم حتی تھدیھم کما ھدیتنا۔

بے شک تمہارے اعمال تمہارے قریب والوں اور رشتہ داروں پر پیش کیے جاتے ہیں اگر وہ اچھے ہوں تو وہ خوش ہوتے ہیں اور اعمال برے ہوں تو دعا کرتے ہیں کہ اے اللہ ان کو فوت نہ کرنا جب تک کہ تو ان کو ایسے ہی ہدایت نہ دے دے جیسی ہمیں ہدایت دی ہے۔ [2]

---

[1] الکامل فی التاریخ: ۴/۲۶۸۔

[2] رواہ احمد فی مسندہ ۳/۱۶۳ عن انس بن مالک و فیہ رجل لم یسم۔

اور اس روایت کی موئید وہ روایت ہے کہ جس کو امام ابن ابی الدنیا وغیرہ نے روایت کیا ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

تعرض اعمالکم علی الموتی، فان رأوا حسنا استبشروا، وان سوءا قالوا: اللھم راجع بینھم۔أی: ارجعھم الی طاعتک۔

تمہارے اعمال مرنے والوں پر پیش کیے جاتے ہیں اگر تو اچھے ہوں تو وہ خوش ہوتے ہیں اور اگر برے ہوں تو دعا کرتے ہیں۔اے اللہ! ان کو اپنی اطاعت کی طرف پھیر دے۔[1]

اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

ما من احد مر بقبر اخیه المؤمن کان یعرفه فی الدنیا فیسلم علیه، الا عرفه ورد علیه السلام۔

جو کوئی شخص اپنے مومن بھائی کی قبر پر سے گزرے اور وہ دنیا میں اس کو جانتا ہو پس وہ اس پر سلام کرے تو وہ اس کو پہچانتا ہے اور اس کے سلام کا جواب دیتا ہے۔۔۔۔[2]

---

[1] رواہ ابن ابی الدنیا فی کتاب المنامات (۸) موقوفاً علی ابی ایوب ولفظه: تمہارے اعمال مرنے والوں پر پیش کیے جاتے ہیں اگر وہ ان کو اچھا دیکھتے ہیں تو خوش ہوتے ہیں اور کہتے ہیں اے ہمارے اللہ یہ بندے پر تیری نعمت ہے اور اگر وہ ان کو برا دیکھتے ہیں تو کہتے ہیں؛ اے اللہ ان کو توبہ کی توفیق دے، اور ص نمبر (۷) پر حضرت ابوہریرہ سے مرفوع روایت کی گئی ہے۔جس کہ الفاظ یہ ہیں اپنے مردوں کو برے اعمال کے ساتھ شرمندہ نہ کرو کیونکہ یہ تمہارے اولیاء پر پیش کیے جاتے ہیں اور اس کی سند ضعیف ہے جیسا کہ امام عراقی نے تخریج احادیث احیاء (۴/۴۹۸) میں ذکر فرمایا ہے لیکن یہ روایات بھی ایک دوسرے کو تقویت کرتی دیتی ہیں لہذا یہ حسن لغیرہ کے درجہ تک پہنچ جاتی ہے۔)

[2] رواہ ابن عبد البر مصححا کما ذکرہ ابن کثیر فی تفسیرہ ۳/۴۳۹، وقال المناوی فی فیض القدیر ۵/۴۸۷: افاد الحافظ العراقی ان ابن عبد البر خرجه فی التمهید والاستذکار باسنا صحیح من حدیث ابن عباس، وممن صححه عبد الحق الاشبیلی۔(اخرجه ابن عبد البر فی الاستذکار ۲/۱۶۰ (۱۸۵۸) وذکرہ عبد الحق فی العاقبة ۱۱۸ (۲۶۵)

یہاں تک کہ کہا (محمد بن تاج الدین نے) ان دلائل سے ثابت ہوا کہ عام قدرت اللہ مجدہ الکریم کی حکمت تامہ ہے اور اس کی حکمت تامہ یہ ہے کہ نوع انسانی کو دیگر حیوانات سے موت کے بعد ممتاز کیا جائے جیسا کہ اس کو دنیاوی زندگی میں عزت وتکریم دے کر اور مکلف بنا کر ممتاز فرمایا ہے تو اس کے لیے دنیا سے انفصال کے بعد حیات برزخی بنائی جو کہ دونوں زندگیوں یعنی دنیاوی اور اخروی کے درمیان ہے تا کہ وہ اپنے اعمال کے مقدمات کی مقدار میں جزا کا ذائقہ حاصل کرے ثواب یا عتاب میں سے لہذا وہ اس حیات میں اپنے زائر کو پہچانتا ہے اور اس کے سلام کا جواب دیتا ہے جیسا حضرت عبداللہ بن عباس کی سابقہ حدیث میں گذرا ہے اور صالحین اموات اپنے اقارب اور خاندان والوں کیلئے اسطرح دعا مانگتے ہیں۔

"اللھم اھدھم کما ھدیتنا"

اے ہمارے اللہ ان کو ایسے ہی ہدایت عنایت فرما جیسی ہمیں ہدایت دی ہے۔[1]

اور میت اس کی اہل ہے کہ اس کو مخاطب کے صیغے سے سلام کہا جائے اور وہ بھی اسی طرح سلام کا جواب دے اور اس میں شک نہیں کہ سلام کا جواب دینا دعا ہے کیونکہ وہ خوف سے امن طلب کرنے سے عبارت ہے اور یہ دعا میت کی طرف سے زائر کیلئے تحیت کی استدعا ہے تو اس دعا کی استدعا اور اس میں کہ میرے لیے دعا کیجیے کوئی فرق ہے؟ بالخصوص کہ اس کیلئے وہ چیز بھیجنے کے بعد یہ کیا جائے جو کہ اس کیلئے زیادہ نفع بخش مجرد تحیت سلام سے مکافات کے لحاظ سے اولیٰ ہے یعنی استغفار اور قراۃ اس کیلئے صدقہ کرنے کے بعد بالخصوص یہ اس التجا اس ھدیہ کے بعد کی جائے جو کہ اس کیلئے مجرد تیحت

---

[1] مر فی روایۃ أحمد بلفظ: اللھم لا تمتھم حتی تھدیھم کما ھدیتنا "وفی روایۃ أبی داؤد الطیالسی باسناد ضعیف: اللھم الھمھم ان یعملو ابطاعتک۔

کے مکافات سے اولیٰ وانفع ہو یعنی استغفار اور قراۃ اور اس کی روح کیلئے صدقہ کرنا اور اس کیلئے متوجہ ہو اس وقت کہ جب اس کے اور زائر کے درمیان سلام کا تبادلہ ہو جب تک وہ رابطہ اور توجہ کہ جو میت کو سلام کرنے میں پہل کرے اور اس کی طرف سے جواب دینے کے وقت حاصل ہوتی ہے وہ منقطع نہ ہوئی جس میں کہ اس نے میت کیلئے استغفار کیا اور ذکر اور تلاوت کی بالخصوص وہ ذات مقدسہ کہ جو ارواح کے لحاظ سے اقویٰ اور نفوس کے لحاظ سے اصفیٰ ہیں جیسا کہ حضرات انبیاء کرام شھداء عظام اور اولیاء صالحین کہ ان کو دار دنیا میں عزت وتکریم عطا کی گئی بہت ساری خصوصیات کے ساتھ حضرات انبیاء کرام کے لیے خرق عادات معجزات کی شکل میں اور ان کے بعد اولیاء کے لیے کرامات کی شکل میں جو نفوس کی تربیت اور ارواح کے تزکیہ میں انبیاء کے نائب ہیں پس وہ اس درمیانی حیات کہ جس میں نیکیاں کرنے والوں کی جزا اور مقربین کے اکرام کی ابتداء ہوتی ہے تو وہاں یہ اولیٰ ہے کہ ان کے اکرام میں سے ان کی ارواح طاہرہ کا اتصال کیا جائے اور ان کی امداد ظاہرہ کا اتصال ہو اور ان کی دعا قبول کی جائے اور جو ان کے توسل کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ کی طرف متوجہ ہوں دنیاوی زندگی میں ایسا ہے تو برزخی زندگی میں بدرجہء اولیٰ وہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے قریب ہوتے ہیں اور وہاں کرامات کے زیادہ حقدار اور خصوصیات کے ساتھ مختص ہوتے ہیں جبکہ برزخی زندگی میں بھی فرق ہے اور اللہ کے قرب کے لحاظ سے برزخی زندگی رکھنے والوں میں بھی فرق ہے یہاں تک کہ ان میں کچھ ایسے ہیں کہ ان کو جو وہ چاہیں رزق دیا جاتا ہے اور دنیاوی زندگی کی طرح ان پر نعمتیں دی جاتی ہیں۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے اس قول سے مستفاد ہے:

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ۔ فَرِحِيْنَ بِمَا اٰتَاهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَ يَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ.

اور جو اللہ کی راہ میں مارے گئے ہرگز انہیں مردہ خیال نہ کرنا بلکہ وہ اپنے
رب کے پاس زندہ ہیں روزی پاتے ہیں شاد ہیں اس پر جو اللہ نے انہیں
اپنے فضل سے دیا اور خوشیاں منا رہے ہیں اپنے پچھلوں کی جو ابھی ان سے
نہ ملے کہ ان پر نہ کچھ اندیشہ ہے نہ کچھ غم۔ [1]

کیا یہ عزت ان کی دعائیں قبول ہونے سے کم ہے اور ان کی طرف متوجہ ہو کر اپنی قضاء حاجات کے لیے اسکے وسیلے سے اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہونے سے کم ہے۔ اور کتنے نفحات اور توجہات اور امداد ان مقامات کے حامل لوگوں کی بارگاہ میں بسب زیارات وتوسلات مشاہدہ کیے گئے ہیں۔ امام شیخ محمد تاج الدین کا کلام ختم ہوا۔ [2]

اور میت کی کرامت اور عزت تو اس میں اھل فن کا مذہب یہ ہے کہ موت کے بعد کرامت باقی رہتی ہے جیسا کہ نبوت وفات کے ساتھ منقطع نہیں ہوتی اور وہاں اللہ تعالیٰ ان نیک لوگوں کو عزت وتکریم عطا فرماتا ہے اس پر بہت سارے دلائل ہیں انہی دلائل میں یہ ہے:

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے جس کو امام ابوداود نے باب فی النور عند قبر الشہید میں روایت کیا ہے آپ نے فرمایا:

لما مات النجاشی کنا نتحدث انه لا یزال یری اہل قبرہ نور۔

جب حضرت نجاشی کا انتقال ہوا ہم کہا کرتے تھے اس کی قبر پر ہمیشہ نور دکھائی دیتا ہے۔ [3]

اسی لیے میت کی قبر پر بیٹھنے اور اس کی ہڈی توڑنے سے نہی وارد ہوئی ہے حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

---

[1] آل عمران ۱۶۹۔ ۱۷۰۔

[2] الرسالة الرملیه فی فصل الخلاف بین اھالی الرمل ودعاة الوھابیة ۷۔ ۱۱۔

[3] ابو داؤد (۲۵۱۵) وھو حدیث حسن۔

لان يجلس احدكم علٰى جمرة فتحرق ثيابه فتخلص الى
جلده، خير له من ان يجلس علٰى قبر۔

تم میں سے کوئی شخص انگارے پر بیٹھے وہ اس کے کپڑے جلا دے اور اس کے جسم تک پہنچے تو یہ اس سے بہتر ہے کہ وہ قبر پر بیٹھے۔[1]

اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے:

کسر عظم المیت ککسرہ حیًا

میت کی ہڈی توڑنا یوں ہی ہے کہ اس کی ظاہرہ زندگی میں اس کی ہڈی توڑنا ہے۔[2]

پس میت کی عزت عظیم وکبیر ہے تو اللہ تعالیٰ کے مقربین کی عزت کیسی ہوگی جیسا کہ حضرات انبیاء کرام اور اولیاء عظام۔ یقیناً ان کی عزت وکرامت تو اس سے زیادہ اور اشد ہوگی اور دعا کرنے والا جب اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہے تو اور سوال کرتا ہے کہ اس کی دعا کو ان لوگوں کی عزت اور جو اللہ کے پاس ان کی قدر ومنزلت ہے اسکے سبب اس کی دعا قبول کی جائے۔

حاشا اللہ تعالیٰ اس کے سوال کو کبھی بھی رد نہیں کرے گا جب اللہ تبارک وتعالیٰ اس میت کی عزت وقدر اور اس کی صلاحیت کو جانتا ہے۔

---

[1] رواہ مسلم (۹۷۱)، وابو داؤد (۳۲۳۰)، وغیرھما۔

[2] رواہ ابو داؤد (۱۶۴۲) وابن ماجہ (۱۶۱۶) واحمد (۶/۵۸) وابن حبان (۳۱۶۷)۔ اور امام عجلونی نے کشف الخفاء (۲/۱۴۴) میں فرمایا ابن دقیق العید نے اس کو حسن علیٰ شرط مسلم کہا اور دارقطنی نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے اور اس میں یہ الفاظ زیادہ ہیں "فی الاثم" گناہ میں ایسے ہی ہے جیسے زندہ کی ہڈی توڑنا ہے اور امام مالک نے موطا میں اس کو حضرت عائشہ پر بلاغاً موقوف بیان کیا ہے اور ابن ماجہ نے اس کو حضرت ام سلمہ سے روایت کیا ہے حافظ ابن حجر عسقلانی نے تلخیص الحبیر ۳/ ۵۴ میں فرمایا، اس کو ابن القطان نے حسن کہا ہے، اور قشیری نے مسلم کی شرط پر ذکر کیا اور ابن ماجہ کی ام سلمہ رضی اللہ عنہا والی روایت کو حسن اور ابن ملقن نے خلاصۃ البدر المنیر ۲/۹۹ میں۔

المطلب الثانی:

نبی اکرم ﷺ کے رفیق اعلیٰ کی طرف تشریف لانے کے بعد آپ سے توسل کے دلائل

تمہید

یہ جاننا چاہیے کہ نبی اکرم ﷺ کی ذات سے توسل کرنا اس میں آپ کی زندگی اور وفات میں کچھ فرق نہیں ہے اس کے باوجود ایک قوم گمراہ ہوگئی کہ جن کے دلوں میں محبت رسول نہیں ہے وہ آپ ﷺ کی ذات اقدس کے ساتھ توسل کو ناجائز کہتے ہیں اور اس کا انکار کرتے ہیں اور ان کی دلیل یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی وفات کے بعد کی تاثیر بعد از وفات منقطع ہوچکی ہے لہذا ایسی ذات کے ساتھ توسل ایسی شئے کے ساتھ توسل ہوگا کے جس میں قطعاً تاثیر نہیں اور یہ دلیل جیسا کہ تو نے دیکھا قائل کی جہالت پر دلالت کرتی ہے کیا رسول ﷺ کی ظاہری حیات میں آپ کی تاثیر اشیاء میں اپنی ذاتی تھی؟

کہ ہم وفات کے بعد اس تاثیر کے چلے جانے میں بحث کریں؟

مسلمانوں میں کوئی بھی اللہ تعالیٰ کے غیر کے لیے اشیاء میں ذاتی تاثیر کا قائل نہیں ہے اور جو اس کے خلاف اعتقاد رکھے گا وہ بالاجماع کافر ہوگا تو آپ ﷺ کی ذات یا آپ کے آثار کے ساتھ توسل کرنا آپ کی طرف تاثیر حقیقی کی اسناد کرنا نہیں ہے العیاذ باللہ تعالیٰ آپ سے توسل تو اس لیے کیا جاتا ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے نزدیک افضل الخلائق علی الاطلاق ہیں اور اللہ کی رحمت ہیں اس کے بندوں کے لیے تو یہ توسل آپ ﷺ کے ان کے رب کے پاس قرب سے توسل ہے اور آپ کی رحمت کبریٰ مخلوق کے لیے ہے

اس سے توسل ہے اور انہیں معنوں میں نابینا صحابی رضی اللہ عنہ کا آپ ﷺ سے توسل کرنا ہے کہ اس کی بصارت لوٹا دی جائے تو اللہ تعالیٰ نے اس کی بصارت لوٹا دی اور انہیں معنوں میں صحابہ کرام آپ ﷺ کے آثار اور فضلات سے توسل کرتے تھے بغیر کسی انکار کے لہذا علماء کرام نے نیک لوگوں اور اصحاب تقویٰ و اہل بیت نبوت سے استسقاء میں استشفاع طلب کرنے کو مستحب فرمایا ہے اور اس پر جمہور علمائے امت کا اجماع ہے۔

ان میں سے امام ابن قدامہ حنبلی، صنعانی، شوکانی وغیرھم ہیں لہذا آپ ﷺ کی حیات ووفات میں اس بیان کے بعد فرق کرنا عجیب وغریب خلط ہے کہ جس کی طرف کوئی راستہ نہیں ہے۔

محمد بن عبدالوھاب نجدی نے کہا:

جو کوئی حضرت معروف کرخی یا شیخ عبدالقادر جیلانی کی قبر پر آئے اور ان کے توسل سے سوال کرے۔ اس میں مسلمانوں میں کوئی اختلاف نہیں ہے اختلاف تو اس میں ہے کہ ان سے اللہ کو چھوڑ کر مانگا جائے جیسا کہ اس کا بیان آگے آئے گا۔

قلت میں (مصنف مدظلہ العالی) کہتا ہوں کہ مسلم وکافر میں یہ فرق نہیں کہ وہ بندے سے مانگتے ہیں یا اس کی ذات کے لیے واسطہ بنا کر سوال کرتے ہیں اللہ کے سوا سے بلکہ مسلمان اور کافر میں فرق یہ ہے کہ مسلمان ایسے واسطے سے مانگتا ہے کہ جو واسطہ مشروع ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ماذون ہے اور کافر ایسے واسطے سے مانگتا ہے کہ جو واسطہ غیر مشروع ہے اور حقیقت یہ ہے کہ اہل سنت کا اجماع ہے کہ بلکہ دیگر فرقے بھی یہی کہتے ہیں کہ توسل جو کہ اللہ کے اذن کے بغیر ہو وہ کفر ہے کیونکہ واسطہ بذاتہ نفع ونقصان کا مالک نہیں ہے۔

اور تحقیق حضرت علامہ الصالح الشیخ عبید اللہ الکردی المدنی رحمۃ اللہ علیہ نے مسئلہ توسل کے بارے میں مخالفین کے ساتھ مباحثہ کے دوران وضاحت فرمائی کہ اللہ تعالیٰ

کے کلمات سے توسل جائز ہے اور ان کے سامنے حق سبحانہ کا وہ ارشاد گرامی پیش کیا جس میں اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسی ابن مریم کے بارے میں ارشاد فرمایا:

و کلمته القاها الیٰ مریم و روح منه۔

اور اس کا ایک کلمہ کہ مریم علیہا السلام کی طرف بھیجا اور اس کے یہاں کی ایک روح۔ ①

تو ان کی دلیل ذوات صالحہ سے توسل کے عدم پر ساقط ہوگئی اور ان کے لئے ذوات کے ساتھ توسل کا جواز ثابت ہوگیا۔ اس گفتگو میں آپ ﷺ کے انتقال کے بعد آپ سے توسل (توسل بعد از وصال النبی ﷺ) کے دلائل۔ یہ باب ان دلائل پر ہے کہ کسی منصف مزاج شخص کے لیے اس کے جواز میں ادنیٰ شک بھی نہیں رہ جاتا اور اس سے علیحدہ (اس کا مخالف) نہیں ہوگا مگر جو اصول حدیث اور قواعد علماء سے جاہل ہوگا اور اللہ کے رسول ﷺ کا کیا سچا فرمان ہے:

من یرد الله به خیرا یفقهه فی الدین۔

اللہ تعالیٰ جس کی بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے تو اس کو دین کی سمجھ عطا کر دیتا ہے۔ ②

پہلی دلیل:

حضرت مالک الدار جو کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے خازن یعنی وزیر خوراک تھے ان سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں:

اصاب الناس قحط فی زمن عمر بن الخطاب، فجاء رجل الی قبر النبی ﷺ، فقال: یا رسول الله ﷺ، استسق الله لأمتک فانهم قد هلکوا، فأتاه رسول الله ﷺ فی المنام، فقال: ائت عمر

---

① سورۃ النساء ۱۷۱۔

② البخاری ۱/۳۹ (۷۱) و مسلم ۲/۷۱۸ (۱۰۳۱) و غیرهما۔

فأقرئه السلام، وأخبره أنكم مسقون، وقل له: عليك الكيس الكيس، فأتى الرجل عمر فأخبره، فبكى عمر، ثم قال: يا رب لا آلو الا ما عجزت عنه۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے دور میں لوگوں پر قحط پڑا تو ایک شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر منورہ پر آیا اور عرض کی یا رسول اللہ اپنی امت کے لیے بارش مانگیں اللہ تعالیٰ سے کیونکہ وہ ہلاک ہونے لگی ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم خواب میں تشریف لائے اور فرمایا عمر کے پاس جاؤ اور ان کو میرا سلام کہنا اور ان کو کہو کہ دانشمندی اور فراست سے کام لیجئے تو وہ شخص حضرت عمر کے پاس آیا اور آپ کو خبر دی تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ رونے لگے اور فرمایا اے میرے رب میں ہرگز سستی سے کام نہیں لیتا مگر جس سے عاجز آجاؤں۔[1]

حضرت امام ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اس کو سیف نے فتوح میں روایت کیا ہے کہ جس شخص نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا جیسا کہ اس حدیث میں مذکور ہے تو وہ حضرت بلال بن الحارث المزنی رضی اللہ عنہ ہیں۔[2]

اس حدیث کو حافظ ابن حجر[3] اور حافظ ابن کثیر نے صحیح کہا ہے[4] سیف اگر ضعیف بھی ہو تو اس کو تائیداً پیش کرنے میں حرج نہیں ہے۔

---

[1] رواه ابن ابی شیبه فی المصنف ۷/۴۸۲ (۳۲۰۰۲)، وابن ابی خیثمة کذافی الاصابة لابن حجر ۱۰/۹۰۸، وفی نسخة ۶/۲۷۴، والبیهقی فی الدلائل النبوۃ و لفظ له ۷/۳۷، و الخلیلی فی الارشاد (۱/۳۱۳-۳۱۴) وابن عبد البر فی الاستیعاب ۳/۱۱۴۹)

[2] فتح الباری ۲/۴۹۶۔

[3] فتح الباری ۲/۴۹۵۔

[4] البداية والنهاية لابن کثیر ۷/۱۱۱۔

اور اس میں دلیل یہ ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے عمل سے اس کا اقرار فرما لیا ہے اور اس کے کرنے سے منع نہیں کیا بلکہ اس کو نبی اکرم ﷺ کے ساتھ بعد از وفات توسل کر کے اور انکار نہ کر کے اس کو برقرار رکھا ہے بلکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بولے اور عرض کی "یارب ما آلو الا ما عجزت عنہ" اے میرے رب میں نے کوتاہی نہیں کی مگر جس سے میں عاجز ہوں۔

اور وہ روایات کہ امام ابن کثیر نے اپنی کتاب البدایۃ والنھایۃ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نماز استسقاء کی کیفیت کے بارے نقل فرمائی ہیں وہ تمہارے سامنے پیش کی جاتی ہیں۔
سیف بن عمر نے کہا اور سہیل بن یوسف السلمی سے روایت کی انھوں نے عبدالرحمن بن کعب بن مالک سے روایت کی انہوں نے کہا: قحط کا سال سن سترہ کے آخر اور اٹھارہ کے شروع میں واقع ہوا، اہل مدینہ اور اس کے اردگرد کے لوگ قحط میں گرفتار ہوئے۔
بہت سارے لوگ ہلاک ہو گئے حتیٰ کہ وحشی جانور انسانوں کی طرف بھاگے لوگ اسی حالت میں تھے اور حضرت عمر یوں تھے کہ وہ ممالک سے محصور کر دیئے گئے ہوں۔
یہانتک کہ حضرت بلال بن الحارث المدنی رضی اللہ عنہ حضرت عمر کے پاس آئے اور حضرت عمر سے اجازت طلب کی اور فرمایا: میں رسول اللہ ﷺ کا تمہاری طرف قاصد ہوں نبی اکرم ﷺ نے آپ کو حکم فرمایا ہے کہ میں نے تجھ سے عقل مندی کا عہد لیا تھا تو ابھی تک اس پر ہے تیرا کیا معاملہ ہے حضرت عمر نے پوچھا تو نے کب دیکھا یہ خواب؟ تو انھوں نے کہا آج رات۔ پس حضرت عمر نکلے اور ندا کروائی "الصلاۃ الجامعہ، پھر لوگوں کے ساتھ نماز پڑھی پھر کھڑے ہوئے اور فرمایا اے لوگو میں تمہیں اللہ کی قسم دیتا ہوں کیا آپ مجھ سے بھلائی کے سوا کوئی اور عمل دیکھتے ہیں سب نے کہا واللہ نہیں تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: بلال بن حارث ایسا خیال رکھتا ہے، انہوں نے کہا بلال نے سچ فرمایا: اللہ سے مدد مانگو اور پھر مسلمانوں سے تو آپ نے ان کی طرف آپ کو بھیجا اور حضرت عمر محصور تھے تو حضرت عمر نے فرمایا اللہ اکبر مصیبت اپنی مدت کو پہنچی اور چھٹ گئی اور کسی قوم کو دعا کی اجازت نہیں دی گئی مگر اس

سے تکلیفوں اور مصیبتوں کو اٹھالیا گیا۔
اور دیگر ممالک کے امراء کو حکم نامہ جاری کیا کہ وہ اہل مدینہ اور اردگرد کے لیے دعا مانگیں اور وہ بہت مشقت میں پڑے ہوئے ہیں۔
اور لوگوں کو نماز استسقاء کے لیے نکالا اور خود بھی نکلے اور لوگوں کے ساتھ حضرت عباس بن عبدالمطلب بھی پیدل نکلے پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خطبہ دیا پھر نماز پڑھی اور پھر حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے گھٹنوں کے پاس بیٹھ کر عرض کی:
" اللھم ایاک نعبد و ایاک نستعین اللھم اغفرلنا و ارحمنا و ارض عنا"
اے اللہ ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھی سے مدد طلب کرتے ہیں،
اے باری تعالیٰ ہم کو بخش دے اور ہم پر رحم فرما اور ہم سے راضی ہو جا۔
پھر واپس پلٹے ابھی گھروں تک نہیں پہنچے تھے کہ موسلا دھار بارش ہوئی۔
میں کہتا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا فرمان: "ما اذن لقوم بالطلب الا وقدر فع عنہم الا ذی والبلاء" اس عبارت میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا حضرت بلال بن حارث کے فعل کا اقرار کرنا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت بلال کے خواب میں تشریف لاتے ہیں۔
تا کہ بلال رضی اللہ عنہ حضرت عمر کے پاس جائیں ان سے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کا مطالبہ کریں اس کی بارگاہ میں توسل کے ساتھ التجا کرتے ہوئے۔
نماز استسقاء اور دعا کے ضمن میں تو اس سے شارع علیہ السلام اور حضرت عمر سے انکار نہیں پایا جاتا۔
اور شارع علیہ السلام کے فرمان:
"الکیس الکیس" اس میں اشارہ ہے کہ اس حکم کو صرف سمجھدار ہی سمجھ سکتا ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ تک معاملہ کو محدود رکھنے سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم یہ چاہتے تھے کہ اس معاملہ کو صرف کسی عقل مند کے سامنے ہی

پیش کیا جائے کیونکہ یہ اندیشہ تھا کہ دوسرا اس کو نہ سمجھ سکے گا اور نہ وہ متعدد مشروع وسائل کے ساتھ تضرع، عاجزی اور انکساری کر کے واحد یکتا رب کا شکر بجالائے گا۔

پس منکر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قول وغیرہ اشارات بلیغہ سے حجت لیتا ہے فعل اور عمل سے حالانکہ معترض کے لیے اس میں کوئی دلیل نہیں ہے واللہ اعلم۔

پھر سیف نے مبشر بن الفضیل سے انھوں نے جبیر بن صخر سے انھوں نے عاصم بن عمر بن خطاب سے روایت کی ہے کہ

''مزینہ قبیلے کے ایک شخص کو اس کے گھر والوں نے کہا کہ ان کے لیے ایک بکری ذبح کر دے تو اس نے کہا کہ ان بکریوں میں کچھ بھی نہیں (یعنی گوشت نہیں ہے) جب انھوں نے اصرار کیا تو اس نے بکری ذبح کی تو دیکھا کہ اس کی ہڈیاں سرخ ہیں (یعنی ان پر گوشت بالکل نہیں ہے) تو اس نے پکارا ''یا محمداہ'' جب رات ہوئی تو اس نے خواب میں دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے فرما رہے ہیں زندگی کی خوشخبری سنا دے حضرت عمر کے پاس جاؤ اور ان کو میرا اسلام کہو اور ان کو کہو میں نے تیرے ساتھ وعدہ کیا تھا اور تو وعدہ نبھانے میں بڑا شدید ہے تو عقلمندی سے کام لو: پس وہ آیا اور حضرت عمر کے دروازے پر پہنچا اور آپ کے خادم کو کہا اللہ کے رسول کے قاصد کے لیے اجازت طلب کر تو حضرت عمر کے پاس حاضر ہوا اور آپ کو خبر دی تو حضرت عمر پریشان ہو گئے پھر حضرت عمر منبر پر تشریف فرما ہوئے اور لوگوں سے کہا تمہیں اللہ کی قسم جس نے تمہیں اسلام کی ہدائت دی کیا تم مجھ سے کوئی ایسی چیز دیکھتے ہو جو تم کو اچھی نہ لگتی ہو؟ سب نے کہا اللہ کی قسم نہیں اور وہ کیا ہے؟

تو آپ نے ان کو حضرت المزنی کی بات بتائی یعنی بلال بن حارث المزنی کچھ سمجھے اور کچھ نہ سمجھ سکے تو انہوں نے کہا کہ سب کے ساتھ نماز استسقاء پڑھیں تو آپ نے لوگوں

میں اعلان کروایا آپ نے بلیغ خطبہ دیا دو رکعت نماز پڑھی پھر فرمایا:

باری تعالیٰ ہم اپنے انصار، اپنے اردگرد اور خوراک سے عاجز آ گئے حتیٰ کہ اپنی جانوں سے ''لاحول ولاقوۃ الا باللہ'' اے اللہ! ہمیں بارش عطا فرما اور بندوں اور شہروں کو زندہ فرما۔

اور حضرت امام بیہقی نے کہا ہم کو خبر دی ابونصر بن قتادہ وابوبکر الفارسی ان دونوں نے کہا ہم سے حدیث بیان کی ابوعمر بن مطر نے ان سے ابراہیم بن علی الذھلی نے ان سے یحیٰ بن یحیٰ نے اس سے ابومعاویہ نے اس سے امام اعمش نے اور ان سے ابوصالح اور وہ مالک سے روایت کرتے ہیں انہوں نے کہا:

حضرت عمر کے زمانہ میں لوگ قحط میں مبتلا ہو گئے تو ایک شخص نبی اکرم ﷺ کی قبر منورہ پر آیا اور عرض کی یا رسول اللہ اپنی امت کیلیے بارش طلب فرمایئے وہ تو ہلاک ہو چکی تو رسول اللہ ﷺ اس کے خواب میں تشریف لائے اور فرمایا عمر رضی اللہ عنہ کے پاس جاؤ اور اس کو میرا اسلام کہو اور ان کو خبر دو کہ وہ بارش دیئے جائیں گے اور حضرت عمر سے کہو عقلمندی عقلمندی تو وہ شخص آپ کے پاس حاضر ہوا اور اس بات کی آپ کو خبر دی تو حضرت عمر نے عرض کی، اے میرے رب میں تقصیر نہیں کرتا مگر اس سے کہ جس سے میں عاجز ہوں۔ اور یہ سند صحیح ہے۔

اور امام طبرانی نے کہا:

حدثنا ابو مسلم الکشی حدثنا ابو محمد الانصاری، حدثنا ابی عن ثمامہ بن عبد اللہ بن انس عن انس:

کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نماز استسقاء کے لیے نکلے اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ ان کے ساتھ نماز کے لیے نکلے حضرت عمر نے دعا مانگی: اے اللہ! جب ہم پر تیرے نبی کریم ﷺ کے عہد مبارک میں قحط آتا تو ہم اپنے نبی کریم ﷺ سے توسل

کرتے اب ہم اپنے نبی ﷺ کے چچا سے توسل پیش کرتے ہیں۔

اور حضرت امام بخاری نے حسن بن محمد عن محمد بن عبداللہ کی سند سے یہ روایت ان الفاظ کے ساتھ بیان کی وہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں آپ فرماتے ہیں: جب قحط پڑتا تو حضرت عمر حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے توسل کرتے ہوئے یوں دعا مانگتے تھے: اے اللہ ہم تیری بارگاہ میں اپنے نبی کے توسل سے مانگتے تو تو ہمیں بارش دیتا تھا اب ہم تیری بارگاہ میں اپنے نبی کے چچا سے توسل کرتے ہیں تو ہم کو بارش دے تو بارش ہوئی۔ ①

تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس معنی سے کیا مراد لیا یہی نا کہ آپ ﷺ کی ذات سے صراحتاً توسل کیا جبکہ آپ ﷺ ان کے درمیان ظاہر تھے، اور جب آپ ﷺ اپنے رب کریم کے جوار رحمت میں تشریف فرما ہو گئے تو حضرت عمر نے محسوس کیا کہ ایسی شخصیت جس کا تعلق نبی اکرم ﷺ کی ذات کے ساتھ ذاتی اور روحی ہو وہ کون ہو سکتی ہے تو آپ کو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کے چچا کے سوا کوئی نہ ملا کیونکہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی عزت اور قدر و منزلت آقا کریم ﷺ کے نزدیک والد کی تھی ان کے معاملہ میں آپ محمد کریم ﷺ کو نگاہ میں رکھتے تھے جب کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے صحیح اثر مروی ہے آپ نے فرمایا:

ارقبوا محمدا ﷺ فی اهل بیته

محمد کریم ﷺ کو پیش نظر رکھو آپ کے اہل بیت کے معاملہ میں۔ ②

اور قرب کی صفات اس وقت جو حضرت عباس رضی اللہ عنہ میں تھیں وہ اور کسی میں نہ تھیں۔ اس میں شک نہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بڑی فضیلت ہے لیکن وہ آپ ﷺ کے چچا سے مقدم نہیں، جبکہ بزرگی اور بڑھاپا کی تعظیم و توقیر بھی اپنی جگہ مسلم ہے اور یہ بھی معلوم ہے کہ نبی اکرم ﷺ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا والد کی طرح احترام فرمایا کرتے تھے۔

---

① البدایة والنهایة ۷/۹۱۔۹۲۔

② اخرجه البخاری فی الجامع الصحیح ۳/۱۳۶۱ (۳۷۵۱، ۳۷۱۳)

جیسا کہ ابن عساکر کی روایت میں بالخصوص آیا ہے کہ

''حضرت عمر رضی اللہ عنہ اہل بیت میں سے حضرت عباس رضی اللہ عنہ حضرت علی اور حسنین کریمین کو مقدم کیا کرتے تھے''[1] (و کبر رجالہ) واللہ اعلم۔

[1] تاریخ مدینہ دمشق ۲۶/۳۶۳۔

شبهات اوران کارد

حدیث بلال بن حارث کے بارے میں ابن باز کے شبھات کارد۔

شیخ محدث محمود سعید ممدوح اپنی کتاب ''رفع المنارۃ لتخریج احادیث التوسل والزیارۃ'' میں فرماتے ہیں۔

شیخ عبدالعزیز بن باز ''فتح الباری'' کی تعلیق میں حضرت بلال بن حارث کے اثر پر جرح کرتے ہوئے لکھتا ہے:

''یہ اثر اگر اس کی صحت فرض کر لی جائے کہ شارح نے کہا ہے تو اس میں نبی اکرم ﷺ کی ذات کے ساتھ آپ ﷺ کی وفات کے بعد استسقاء کے جواز پر کوئی دلیل نہیں ہے کیونکہ اس میں سائل مجہول ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عمل اس کے خلاف ہے اور وہ سب لوگوں سے زیادہ شریعت کے عالم ہیں ان میں سے کوئی بھی آپ کی قبر پر بارش وغیرہ کے سوال کے لیے حاضر نہیں ہوا، بلکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے توسل کے ساتھ بارش مانگ کر اس کا الٹ کیا ہے اور کسی ایک صحابی نے بھی اس کا انکار نہیں کیا جس سے معلوم ہوا کہ یہی حق ہے اور جو اس شخص (بلال بن حارث) نے کیا وہ منکر ہے اور شرک کی طرف لے جانے والا ہے بلکہ اہل علم نے اس کو شرک کی قسم میں شمار کیا ہے اور سائل کا نام جو سیف کی مذکورہ روایت میں ''بلال بن حارث'' آیا ہے تو اس کی صحت میں نظر ہے اور شارح نے سیف کی سند ذکر نہیں کی اور اگر اس کی صحت مان بھی لی جائے تو پھر بھی یہ حجت نہیں ہو سکتی کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عمل اس کے خلاف ہے اور دوسروں کی بنسبت رسول اللہ ﷺ

اور آپ ﷺ کی شریعت کے زیادہ جاننے والے ہیں، واللہ اعلم۔

قلت (ابن باز) میں کہتا ہوں کہ

''سائل مجہول ہے۔ یہ کلام البانی کا ہم معنی ہے جو کہ اس نے اپنی کتاب ''التوسل صفحہ ۱۲۳'' میں کیا ہے اس نے کہا:

''اگر یہ قصہ صحیح ہے تو اس میں حجت پھر بھی نہیں ہے کیونکہ اس کا مدار ایسے شخص پر ہے کہ جس کا نام نہیں لیا گیا اور سیف کی روایت میں بلال کا نام آنا کوئی حیثیت نہیں رکھتا کیونکہ سیف کے ضعیف ہونے پر اتفاق ہے''۔

اللہ تعالیٰ کی توفیق کے ساتھ میں نے اس کا جواب اس طرح دیا ہے۔

قبر شریف کی طرف آنے والا صحابی ہو یا کہ تابعی اس میں کوئی فرق نہیں پڑتا کیونکہ اس میں حجت اور دلیل یہ ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اس کو برقرار رکھا ہے جبکہ آپ نے اس پر عمل کیا ہے اس کے اس فعل کا انکار نہیں کیا اور اس کو اس کے کرنے سے منع نہیں فرمایا بلکہ آپ رضی اللہ عنہ روئے اور فرمایا: اے اللہ میں کوتاہی نہیں کرتا مگر اس سے جس سے میں عاجز ہوں (واللہ اعلم)

قولہ: اس کا کہنا کہ ''صحابہ کرام کا عمل اس کے خلاف ہے''

قلت: میں کہتا ہوں کہ اس کا حکم ترک کا حکم ہے، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اقرار اس آنے والے کے لیے اس میں پڑھنے والے کے لیے غور و فکر کی دعوت دیتا ہے اور پڑھنے والے کو نظر آرہا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عمل اس کے خلاف نہیں ہے۔

اور اس کی مثل حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا اثر ہے کہ جس میں روضہ منورہ کے اوپر سوراخ کرنے کا حکم ہے تو یہ دونوں اس میں نص ہیں۔

قولہ: اس کا کہنا کہ جو اس شخص نے کیا وہ منکر ہے اور شرک کی طرف لے جانے والا ہے، بلکہ بعض اہل علم نے اس کو شرک کی اقسام میں شمار کیا ہے۔

قلت: میں کہتا ہوں کہ تو نے غلطی کی اور صحیح نہیں کیا اس اثر کی صحت کے تسلیم کرنے کے

بعد کیا تیرے خیال میں حضرت امیر المؤمنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اس شخص کو شرک پر برقرار رکھا، اللہ کی پناہ اس خیال اور رائے سے۔

پھر پڑھنے اور دیکھنے والے کے لیے اس میں تعجب ہے اور سوال کرنا ہے کیا ہم دین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے حاصل کریں؟ یا ہم تمہارے (نجدیوں) کے اعمال کو دیکھیں اور ان پر حکم دیں ہم دیکھتے ہیں کہ یہ غیر مسلمہ قواعد میں سے ہے اور اسی طرح تو نے تعلیقات میں اکثر کیا ہے۔

اہل علم کا راستہ تو یہ ہے کہ جو آثار صحیحہ اور عمل صحابہ کے خلاف ہو اس کو چھوڑ دیتے ہیں اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر منورہ پر آنا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کرنا یہ شرک نہیں ہے، اور اس واقعہ کا تو ابن تیمیہ نے بھی اعتراف کیا ہے۔[1]

تو تیرے خیال میں ابن تیمیہ نے شرک کو برقرار رکھا؟ یا معلق اس کے بارے بحث نہیں کرتے آخر کیوں؟ ہم اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں اس خبط اور تناقض سے اور بدعت و شرک کے مرض سے۔

قولہ: اس کا کہنا کہ: اگر اس کی صحت کو تسلیم کر لیا جائے تب بھی اس میں دلیل نہیں ہے کیونکہ صحابہ کرام اس کے مخالف ہیں اور دوسروں کی بنسبت شریعت کے زیادہ عالم ہیں

قلت: میں کہتا ہوں کہ: دلیل و حجت تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے قول میں ہے کہ انہوں نے اس فعل کو برقرار رکھا اور پھر کبار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عمل صغار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عمل میں مخالفت ہوتے ہوئے حجت نہیں جیسا کہ علم اصول میں موجود ہے اور یہاں کلام اس سے زیادہ کا احتمال رکھتا ہے اور اگر طوالت کا خوف نہ ہوتا تو ہم صاع کے بدلے صاع پورا تول تولتے، واللہ المستعان۔۔[2]

---

[1] دیکھیے اقتضاء الصراط المستقیم صفحہ ۳۷۳ و بعد۔

[2] دیکھیں کتاب "رفع المنارۃ للشیخ محمود سعید ممدوح صفحہ ۲۶۲۔۲۷۸" اس حدیث شریف پر طویل گفتگو کی ہے اور تمام اعتراضات کے جوابات دیے ہیں۔

قلت: میں کہتا ہوں کہ ہم نے اس اشکال کا جواب دے دیا اور اس کتاب میں شبہ کا ابطال کر دیا ہے اور اجمالی طور پر اس کلام کا خلاصہ ابھی آئے گا اس سے پہلے کہ ہم اس کا خلاصہ پیش کریں، ہم چاہتے ہیں کہ یہاں شیخ سید علامہ مفسر محمد متولی شعراوی کی وہ عبارت پیش کر دیں جو انہوں نے ابن باز کے اس اشکال کے رد میں لکھی ہے کہ جو اس نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے ذریعے بارش کی دعا مانگنے پر وارد کیا تھا وہ کہتے ہیں کہ

''ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یا اولیاء اللہ کے ساتھ توسل کرنے والوں کو کافر کہنے والوں سے کہتے ہیں کہ اس قلیل قول کی تھذیب کرو اس قول جیسے قول کا حدوث قلت وعدم فہم کا نتیجہ ہے، جو شخص اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یا کسی ولی کو وسیلہ بنا کر پیش کرتا ہے وہ یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ اس نبی یا ولی کی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عزت ومنزلت ہے کیا کوئی یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ ولی اس کو دلا دے گا جو اس کے لیے اللہ کے پاس نہیں ہے؟

یقینا ایسا نہیں ہے۔

اور پھر یہاں یہ جو کہا جاتا ہے کہ زندہ کے ساتھ توسل کرنا ممکن ہے اور اموات کے ساتھ ممنوع ہے۔

ہم اس کو کہتے ہیں کہ تو نے امر وسیع کو تنگ کر دیا ہے کیونکہ زندہ کی زندگی اس کے لیے توسل کے ساتھ مدخل نہیں ہے اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جناب کا توسل اللہ کی بارگاہ میں لیا جائے تو گویا کہ تو نے اپنی اس محبت کو توسل بنایا ہے کہ جس سے تجھے یہ معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تجھ سے زیادہ اللہ جل مجدہ الکریم کے قریب ہیں پس تیری محبت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے وہ شفاعت کرنے والی ہے اور اس بدگمانی سے بچو کہ وہ تیرے لئے وہ کچھ لائے گا جس کا بھی تو مستحق نہیں۔

اور وہ جماعت جو کہتی ہے کہ یہ جائز نہیں ہے کہ ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے توسل

کریں کیونکہ نبی اکرم ﷺ رفیق اعلی کی طرف منتقل ہو چکے ہیں۔

ہم ان کو کہتے ہیں کہ تھوڑی دیر انتظار کرو اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے فرمان سے خبر دار ہو جاؤ کہ آپ نے فرمایا:

نبی اکرم ﷺ کے مبارک دور میں جب ہم سے بارش روک لی جاتی تھی تو ہم رسول اللہ ﷺ کے توسل سے بارش طلب کرتے تھے اور جب رسول اللہ ﷺ انتقال فرما گئے تو ہم آپ ﷺ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے توسل کرتے تھے وہ کہتے ہیں کہ اگر نبی اکرم ﷺ کے انتقال کے بعد آپ ﷺ سے توسل کرنا جائز ہوتا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے عدول کیوں کیا وہ نبی اکرم ﷺ کو چھوڑ کر آپ ﷺ کے چچا سے توسل کرنے کیوں چلے گئے۔

کیا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا کہ ہم تیرے نبی سے توسل پکڑتے تھے اور اب ہم حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو تیری بارگاہ میں وسیلہ بناتے ہیں؟

یا آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ اور اب ہم تیری طرف وسیلہ بناتے ہیں تیرے نبی ﷺ کے چچا کو؟

اور اسی لیے وہ لوگ جو اس سے منع کرتے ہیں وہ اپنے کو مشقت میں ڈالتے ہیں کیونکہ توسل صرف نبی کی ذات سے ہی فقط نہیں ہے بلکہ اس شخص سے بھی ہو سکتا ہے جو کہ نبی اکرم ﷺ کے ساتھ رشتہ رکھتے ہوئے فوت ہو گیا پس ایک گھڑی توسل ایک سے دوسرے کی طرف ہوتا ہے یعنی وہ اعتقاد رکھتا ہے کہ وہ جس کے ساتھ توسل کر رہا ہے وہ کسی پر قادر نہیں میں توسل کر کر رہا ہوں اس کے ساتھ غیر کی طرف کیونکہ میں پہچانتا ہوں کہ وہ میرا مطلوب مجھے دینے پر قادر نہیں ہے تو اس طرح ہم مسئلہ شرک سے دور ہو گئے ہیں۔

اور ہم کہتے ہیں کہ ہم اس کو غیر کی طرف وسیلہ بناتے ہیں کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ جس کی طرف وسیلہ ڈھونڈا جا رہا ہے وہ قادر ہے اور متوسل بہ وہ حقیقت ہے اور متوسل الیہ وہ اضافت کا امیدوار ہے اور متوسل بہ اضافت کے ساتھ محل رضا و امید ہے اور یہی منتھی

الایمان اور منتھی الیقین ہے۔[1]

لیکن متوسل بہ کبھی نفع اٹھاتا ہے اور کبھی نہیں اور جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے توسل کیا تو وہ بارش کے سبب تھا اور اس حالت میں بارش سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بظاہر کوئی نفع نہیں تھا۔

لہذا حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس لیے اہل بیت میں سے کسی ایک کے پاس آئے اور گویا کہ وہ کہہ رہے تھے۔اے رب تیرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا پیاسے ہیں ہم ان کے سبب پانی طلب کرتے ہیں۔

جب حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا جان سے توسل کیا تو یہ مانعین توسل کے خلاف کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کے رفیق اعلی کی طرف مراجعت کے بعد جائز نہیں۔دلیل ہے حتی کہ ہم کو اختلاف سے نکالتی ہے ہم کہتے ہیں کہ عمل صالح متمثل ہے ایسا کرو اور ایسے نہ کرو اور یہ خاص وسیلہ ہے اور اس طرح ہم اختلاف سے بچ جاتے ہیں اور بھٹکنے میں نہیں پڑتے (شعراوی کا کلام ختم ہوا)۔[2]

اور اللہ تعالیٰ امام سبکی پر رحمت فرمائے کہ انہوں نے اپنی کتاب ''شفاء السقام'' میں فرمایا:

اور میں کہتا ہوں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ توسل ہر حالت میں جائز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے پہلے بھی اور ولادت کے بعد بھی دنیا میں حالت حیات میں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد برزخ میں اور قیامت کی ہولنا کیوں اور جنت میں۔[3]

---

[1] نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حارثہ سے پوچھا، ہر شیء کی حقیقت ہوتی ہے تیرے ایمان کی حقیقت کیا ہے؟ (اخرجه البیهقی فی الزهد الکبیر ۲/۳۵۵ والطبرانی فی المعجم الکبیر ۳/۲۶۶ (۳۳۶۷) والبزار فی مسنده کشف الاستار عن زوائد البزار ۱/۲۶ (۳۲) اور ابن رجب حنبلی نے جامع العلوم والحکم ۱/۳۶ میں کہا کہ روی من وجوه مرسلة وروی متصلا، والمرسل أصح۔)

[2] تفسیر القرآن للشیخ الشعراوی ۳۱۰۷-۳۱۰۸۔

[3] شفاء السقام صفحہ ۱۶۱۔

اور اس پر کلام کتاب کے مقدمہ میں گذر چکا ہے۔

خلاصہ الکلام یہ ہے کہ مانعین کے آثار ایسا لمبا چوڑا دعوی ہے کہ جس کے ساتھ وہ کم عقل اور احمقوں کے ساتھ جھگڑتے ہیں اور عوام پر اپنے ان اقوال سے تلبیس ڈالتے ہیں کہ حضرت بلال بن حارث اور حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہما نے مسئلہ توسل میں کبار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا خلاف کیا ہے، اے وہ شخص کہ جس نے اپنے نفس کو باطل کے ساتھ ذلیل کر لیا ہے یہ کلام مردود ہے بالکل صحیح نہیں ہے، ایک صحابی کا اجتہاد دوسرے صحابی پر حجت نہیں ہے اور اہل علم میں اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے اور پھر حضرت بلال بن حارث اور حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہما کا عمل صحابہ کے سامنے ہوا لہذا اس پر اجماع سکوتی ہے۔

یہ تفصیل وتفسیر ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عموما تکالیف پر صبر کیا کرتے تھے، اللہ تعالیٰ کے ہاں بلند درجات کی امید کرتے ہوئے اور پھر دعا میں جلد بازی سے کام لینا اللہ تعالیٰ کے ساتھ ادب کے خلاف خیال فرماتے تھے اور توکل کے خلاف سمجھتے تھے اور اس کو انبیاء ومرسلین کی سیر کے خلاف سمجھتے تھے کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کو اس کا حکم فرماتے تھے۔

امام بخاری نے اپنی صحیح میں (۳۶۱۲) حضرت ابو عبد اللہ خباب بن الأرت رضی اللہ عنہ سے روایت کی انہوں نے فرمایا کہ:

شکونا الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وھو متوسد بردۃ له في ظل الكعبة، فقلنا: ألا تستنصر لنا؟ ألا تدعو لنا؟ فقال: قد كان من قبلكم يؤخذ الرجل فيحفر له في الأرض فيجعل فيها، ثم يؤتى بالمنشار فيوضع على رأسه فيجعل نصفين، ويمشط بأمشاط الحديد ما دون لحمه و عظمه ما يصده ذلك عن دينه، والله ليتمن الله هذا الأمر حتى يسير الراكب من صنعاء الى حضر موت لا يخاف الا الله والذئب على غنمه، ولكنكم تستعجلون۔

ہم نے رسول اللہ ﷺ سے شکایت کی اور آپ ﷺ کعبہ شریف کے سائے
میں اپنی چادر کو ٹانگوں اور کمر کے گرد باندھ کر ٹیک لگا کر بیٹھے تھے، ہم نے
عرض کی کیا آپ ﷺ ہماری مدد نہیں فرمائیں گے؟ کیا آپ ﷺ ہمارے
لیے دعا نہیں فرمائیں گے؟ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم سے پہلی امتوں
میں ایک شخص کو پکڑا جاتا اس کے لیے زمین میں گڑھا کھودا جاتا اس کو اس
میں گاڑا جاتا اور پھر آرا لایا جاتا اور اس کے سر پر رکھا جاتا اور اس کو چیر کر دو
ٹکڑے کر دیا جاتا اور لوہے کی کنگھی سے ان کا گوشت ان کی ہڈیوں سے
علیحہ کر دیا جاتا لیکن ظلم وستم ان کو دین سے باز نہ رکھ سکے اور اللہ تعالیٰ اس
کام (دین) کو پورا فرمائے گا حتی کہ صنعاء سے ایک سوار چلے گا اور حضرموت
تک جائے گا اسے اللہ تعالیٰ کے خوف کے سوا کوئی ڈر نہیں ہو گا۔ اور بھیڑیا
بکریوں پر حملہ نہیں کرے گا لیکن تم جلدی کرنے لگے ہو۔

پس اس سے رسول اللہ ﷺ کا حال معلوم ہوا اور جب مدینہ منورہ میں قحط پڑا نبی
اکرم کے دور میں تو آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے اس کے رفع کے لیے دعا میں جلدی نہیں
فرمائی اور کوئی صحابی بھی رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں اس سلسلہ میں حاضر نہیں ہوا تو جب
اللہ تعالیٰ نے ان کا مصائب پر صبر ملاحظہ فرمایا اور ان کا عظیم توکل اپنے پر دیکھا تو
اعرابیوں میں سے ایک شخص کو بھیجا جو کہ مسجد میں صفوں کو چیرتا ہوا آیا اور جبکہ نبی اکرم ﷺ
منبر پر تشریف فرما تھے اس نے پکارا، یا رسول اللہ ﷺ اپنی امت کے لیے پانی طلب
فرمایئے تو رسول اللہ ﷺ نے ابھی اپنے ہاتھ نیچے نہیں کیے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو
موسلا دھار بارش سے نوازا، نبی اکرم ﷺ اللہ تعالیٰ کی طرف اس لیے متوجہ نہ ہوئے اور
نہ ہی کسی صحابی نے آپ ﷺ سے اس سلسلے میں سوال کیا کہ وہ رب کی بارگاہ میں ہاتھ
پھیلائیں حتی کہ وہ اعرابی آیا اس نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ آپ ﷺ ہاتھ اٹھا
کر اللہ تعالیٰ سے سوال کریں۔

تو اس کے ساتھ کیا کوئی گمان کرنے والا گمان کرے گا کہ کبار صحابہ کرام اور تابعین عظام رضی اللہ عنہم نے ایسا نہیں کیا، جیسا کہ ہم نے کہا کہ صحابہ میں سے ایک صحابی کا فعل ثابت ہو جائے تو عمل کے لیے یہی کافی ہے۔

جبکہ توسل میں تو کئی صحابہ کرام کا فعل ثابت ہے تو اس کا منکر بغیر دلیل کے مکابرہ کرتا ہے۔

كناطح صخرة يوما ليوهنها فلم يضرها وأوهى قرنه الوعل

جیسا کہ ایک دن کوئی مینڈھا کسی چٹان کو سینگ مارنے لگا تا کہ اس کو کمزور کرے اس نے چٹان کا تو کچھ نہ بگاڑا اپنا سینگ کمزور کرلیا۔

اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے توسل کرنا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کہ وہ قبر میں ہیں توسل کرنے سے منع پر دلیل نہیں بن سکتا۔

کیونکہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے ساتھ توسل کا سبب حضرت بلال بن حارث رضی اللہ عنہ کا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ توسل کرنا تھا۔

کیونکہ حضرت بلال بن حارث رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ توسل کرنے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم قبر منورہ میں تھے تو حضرت بلال نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بارش کا سوال کیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس جاؤ اور ان کو میرا اسلام کہو اور ان سے کہو کہ وہ بارش دیے جائیں گے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہو کہ عقلمندی سے کام لیں اور ایک روایت میں ہے کہ میں نے تجھ سے عقلمندی کا وعدہ لیا تھا تو اسی پر تھا اب کیا ہوا؟ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ تو نے یہ خواب کب دیکھا تو انہوں نے کہا کہ صبح کو تو حضرت عمر نکلے اور لوگوں کے لیے نماز کا اعلان کر دیا اور ان کے ساتھ دو رکعت نماز ادا کی۔۔۔۔ الحدیث

اس روایت کے آخر میں یہ الفاظ ہیں اللہ اکبر مصیبت اپنے انجام کو پہنچی اور رفع کر دی گئی لوگوں کو طلب حکم تبھی ہوا کہ ان سے مصیبت اور تکلیف اٹھالی گئی۔[1]

---

[1] البدایة والنهایة لابن کثیر ۷/۹۱۔

تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت بلال کے توسل کی تائید کی اور اس کو برقرار رکھا اور اس کو اس پر تنبیہہ نہیں کی بلکہ ان کے موقف کی تعظیم کی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صرف نماز استسقاء پر ہی اکتفاء نہیں فرمایا بلکہ اہل بیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قدر و منزلت بھی ظاہر کرنے کا سوچا پس آپ رضی اللہ عنہ حضرت عباس، حضرت علی اور حضرات حسنین کریمین کے ساتھ آئے اور ان کو آگے کیا جیسا کہ ابن عساکر کی روایت (۲۶ / ۳۶۲) میں ہے اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑا اور اپنے ساتھ منبر پر بٹھایا اس عزت و قدر کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے کہ جو حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں تھی کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو اپنے والد کی جگہ سمجھتے تھے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑ کر ان سے اللہ جل مجدہ الکریم کی بارگاہ میں متوجہ ہونے کا کہا اور ان سے توسل کیا تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

"اللھم انھم توسلوا بي الیک لقربي من نبیک"

اے اللہ! انہوں نے میرے ساتھ توسل کیا آپ کی بارگاہ میں جو مجھے تیرے کریم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قرب ہے اس کی وجہ سے۔[1]

اور امام ابن عساکر نے ایسی سند کے ساتھ کہ جو اصول میں حسن لذاتہ ہے لیکن شواہد اور متابعات میں صحیح ہے، ابو صالح وہ ابو طالب عبد القادر بن محمد بن یوسف سے انہوں نے ابراہیم بن عمر سے روایت کی۔

دوسری سند:

حدثنا ابو المعمر المبارک بن احمد الأنصاری، أخبرنا المبارک بن عبد الجبار، أخبرنا علي بن عمر بن الحسن، و ابراھیم بن عمر قالا: أخبرنا محمد بن العباس، حدثنا عبید اللہ بن عبد الرحمن حدثنا أبو محمد بن قتیبة، قال في حدیث العباس ابن عبد المطلب

---

[1] سورۃ الکہف ۸۲۔

أن عمر خرج يستسقي به فقال: اللهم انا نتقرب اليک بعم نبيک وبقية آبائه و كبر رجاله فانک تقول و قولک الحق وأما الجدار فكان لغلامين يتيمين في المدينة و كان تحته كنز الهما و كان أبوهما صالحا[1] فحفظتهما لصلاح أبيهما فاحفظ اللهم نبيک في عمه، فقد دلونا به اليک، مستشفعين و مستغفرين ثم أقبل على الناس فقالفقلت استغفروا ربكم انه كان غفارا، يرسل السماء عليكم مدرارا ويمددكم بأموال و بنين ويجعل لكم جنات و يجعل لكم أنهارا[2] قال ورأيت العباس وقد طال عمر و عيناه ينضحان و سبائبه تجول على صدره الحديث

۔۔۔حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے ساتھ نکلے اور ان کے توسل سے بارش طلب کی اور کہا، اے اللہ! ہم تیرا قرب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بقیہ آباء اور اکابر مردوں کے صدقے چاہتے ہیں، بے شک تو نے فرمایا اور حق فرمایا ہے ''اور یہ دیوار اس شہر کے دو یتیم بچوں کی ہے اور اس کے نیچے ان دونوں کے لیے خزانہ ہے اور ان کا باپ صالح تھا۔تو

---

[1] سورۃ نوح ۱۰۔۱۱۔۱۲۔

[2] تاریخ مدینۃ دمشق لابن عساکر جلد ۲۶ صفحہ ۳۶۳۔اس کی سند کے رجال یہ ہیں، عبداللہ بن مسلم بن قتیبہ: ابن حجر نے کہا صدوق سچا ہے اور خطیب نے کہا کہ ثقہ اور فاضل ہے (لسان المیزان جلد ۴ صفحہ ۱۵۸، تاریخ بغداد جلد ۱۰ صفحہ ۱۷۰) عبید اللہ بن عبدالرحمن: خطیب بغدادی نے کہا کہ ثقہ ہے (تاریخ بغداد جلد ۱۰ صفحہ ۳۵۱) محمد بن عباس بن نجیح: خطیب نے کہا کہ ہمیں بتایا گیا کہ وہ حافظ تھا اور کیا کہ یہ ثقہ تھا (تاریخ بغداد ۳/ ۴۲۲) علی بن عمر بن احمد بن جعفر بن حمدان: اس کی احادیث مستقیم ہیں (تاریخ بغداد جلد ۱۲ صفحہ ۴۲) مبارک بن عبدالجبار: امام ذھبی نے میزان جلد ۳ صفحہ ۴۳۱ اور ابن حجر عسقلانی نے لسان المیزان جلد ۵ صفحہ ۵۹۱ میں ثقہ کہا ہے۔ مبارک بن احمد الانصاری: امام ذھبی نے سیر جلد ۲ صفحہ ۲۶۰ میں کہا کہ ابن نقطہ نے کہا کہ ثقہ ہے اور التقیید محمد بن عبدالغنی البغدادی جلد ا صفحہ ۴۴۰ میں ہے یہ ثقہ صالح ہے، عبدالقادر بن محمد بن یوسف: خطیب بغدادی نے کہا کہ یہ اہل امانت وصدق میں سے ہے ''تاریخ بغداد ۱۱ / ۱۴۱ اور ذھبی نے کہا ''سیر ۹ / ۳۸۶''سمعانی نے کہا کہ شیخ صالح ثقہ دین ہے اور روایت میں تبحر ہے۔)

نے ان کے نیک باپ کی وجہ سے اس خزانہ کی حفاظت فرمائی اے باری تعالیٰ اپنے نبی ﷺ کے صدقے آپ ﷺ کے چچا کی حفاظت فرما ہم ان کو تیری طرف شفاعت طلب کرتے اور استغفار طلب کرتے ہوئے پیش کرتے ہیں پھر آپ لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا۔ تو میں نے کہا اپنے رب سے معافی مانگو وہ بڑا معاف فرمانے والا ہے تم پر شراٹے کا منیہ بھیجے گا مال اور بیٹوں سے تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے لیے باغ بنادے گا اور تمہارے لئے نہریں بنائے گا، اور کہا میں نے دیکھا حضرت عباس رضی اللہ عنہ بڑھاپے میں ہیں ان کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے ہیں اور ان کی داڑھی شریف کے بال ان کے سینہ پر ادھر ادھر ہل رہے ہیں ---------- الحدیث۔

اور امام لالکائی نے ''کرامات اولیاء'' میں بسند ضعیف روایت کی جس کے الفاظ اس طرح ہیں۔

انا نتشفع بک والیک بوجه عم نبیک ---

ہم آپ سے استشفاع چاہتے ہیں اور تیری بارگاہ میں تیرے نبی ﷺ کے چچا کے وسیلہ سے حاضر ہوتے ہیں۔[1]

اور اس سند کی علت یہ ہے کہ اس میں ایک راوی مبھم ہے اگر ایسا نہ ہوتا تو یہ سند حسن ہوتی۔ اس کے باوجود شواہد و متابعات میں یہ سند اب بھی حسن کا درجہ رکھتی ہے۔

اور اوپر والی روایت کے معنی کی تائید کرتی ہے اور ذات نبی ﷺ کے ساتھ توسل میں نص ہے اور منکرین کے قول کی بیخ کنی کرتی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے الفاظ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کے ساتھ توسل میں تقدیر محذوف ہیں یعنی یہ توسل حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی دعا کے ساتھ ہے نہ کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی ذات کے ساتھ اور دو وجھوں سے یہ کلام مردود ہے،

---

[1] (کرامات اولیاء جلد ۱ صفحہ ۱۳۶)

پہلی وجہ: کہ یہ لغت عرب کی مخالفت ہے کیونکہ تقدیر المحذوف (حذف المضاف) مقید بشروط ہوتا ہے، مضاف کا حذف ایسے قرینہ کے قیام کے لیے ہوتا ہے جو اس پر دلالت کرتا ہو، اور مضاف اس کے مقام پر قائم ہوتا ہے جیسا کہ: وَجَآءَ رَبُّكَ یعنی تمہارے رب کا حکم آیا۔[1] یا جیسا کہ وَاسْأَلِ الْقَرْيَةِ ای اهل القرية۔ یعنی بستی والوں سے پوچھا۔[2] یا جیسا کہ وَأُشْرِبُوا فِي قُلُوبِهِمُ الْعِجْلَ أي حب العجل۔ یعنی بچھڑے کی محبت۔[3]

محمد بن مالک نے اپنے خلاصہ میں کہا،

وما يلي المضاف يأتي خلفا عنه في الأعراب اذا ما حذفا[4]

جب مضاف کو حذف کر دیا جائے تو مضاف کا مابعد اعراب میں اس کا نائب ہوتا ہے۔

اور جیسا کہ وہ اعراب میں اس کے قائم مقام ہوتا ہے اسی طرح تذکیر میں بھی قائم مقام ہوتا ہے، جیسا کہ حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے فرمایا،

يسقون من ورد البريص عليهم بردى يصفق بالرحيق السلسل

جو بریص کے مقام پر آتے ہیں تو وہ ان کو دریائے بردی کا پانی پلاتے ہیں جس میں خالص رواں شراب کی آمیزش کی گئی ہوتی ہے، یعنی دریائے بردی کا پانی اسی طرح تانیث میں بھی۔

مرت بنا في نسوة خولة والمسک في أردانها نافحة

---

[1] سورة الفجر ۲۲۔

[2] سورة يوسف ۸۲۔

[3] سورة البقرة ۹۳۔

[4] شرح ابن عقيل على ألفية ابن مالک ۳/۳۷۔۳۸ البيت ۴۱۳ و شرح الأشمونى لألفية ابن مالک مع حاشية الصبان ۲/۲۷۸۔

عورتوں کے ساتھ خولہ ہمارے پاس سے گذری تو اس کے آستین کے کناروں سے کستوری کی خوشبو اُٹھ رہی تھی۔

اي رائحة المسك ۔یعنی کستوری کی خوشبو، اور اسی طرح حکم میں بھی، جیسا کہ حکم ہے۔

ان هذين حرام علی ذکور امتي ''[1] یہ دونوں میری امت کے مردوں پر حرام ہیں ۔ أي استعمال هذين ۔ یعنی دونوں کا استعمال حرام ہے۔ اور کبھی مضاف مضاف کی طرف ہوتا ہے تو ان دونوں کو حذف کر دیا جاتا ہے اور ان کی جگہ تیسرا پہلے کے قائم مقام ہوتا ہے، جیسا کہ :

وَتَجۡعَلُوۡنَ رِزۡقَكُمۡ اَنَّكُمۡ تُكَذِّبُوۡنَ ۔[2]

اور اپنا حصہ یہ رکھتے ہو کہ جھٹلاتے ہو،

یعنی تجعلون بدل شکر رزقکم تکذیبکم۔

یعنی تم اپنے رزق پر شکر کرنے کی بجائے تکذیب کرتے ہو۔

اور جیسا کہ:

تَدُوۡرُ أَعۡيُنُهُمۡ كَالَّذِيۡ يُغۡشٰى عَلَيۡهِ مِنَ الۡمَوۡتِ ۔[3]

یعنی اس کی آنکھیں اس شخص کی طرح گھوم رہی ہیں کہ جس پر موت چھا رہی ہو۔[4]

اور اس کے ساتھ زمخشری نے تفسیر بیان کی:

---

[1] من حديث علي بن أبي طالب: أخرجه ابن أبي شيبة في مصنفه ۵/۱۵۲، و أبو داؤد في السنن ۶۱۵ (۴۰۵۷) و النسائي في السنن ۷۳۳ (۵۱۴۶) و في الكبرى ۵/۴۳۶ (۹۴۴۵) و ابن ماجه في السنن ۵۴۴ (۳۵۹۵) و ابن حبان في الصحيح ۱۲/۲۵۰ (۵۴۳۴) و المقدسي في المختارة ۲/۲۰۶۔۲۰۷۔۲۰۸۔

[2] سورة الواقعة ۸۲۔

[3] سورة الاحزاب ۱۹۔

[4] الاشمعونی علی الالفية مع حاشية الصبان جلد ۲ صفحه ۲۷۹۔

أَوْ كَصَيِّبٍ مِّنَ السَّمَآءِ فِيهِ ظُلُمَاتٌ وَّ رَعْدٌ وَّ بَرْقٌ يَجْعَلُونَ أَصَابِعَهُمْ فِي آذَانِهِمْ۔

یا جیسے آسمان سے اترتا پانی کہ اس میں اندھیریاں ہیں اور گرج اور چمک اپنے کانوں میں انگلیاں ٹھونس رہے ہیں۔[1]

یجعلون میں واؤ اصحاب الصیب کی ضمیر ہے اگرچہ محذوف ہے لیکن اس کا معنی باقی ہے جیسا کہ شاعر نے یصفق کی ضمیر ماء بردی کی طرف راجح کی ہے حالانکہ وہ مذکور نہیں ہے اور لفظ اس طرح ہونگے ''أو کمثل ذوي صیب''[2]

اور اسی طرح اوس بن حجر کا قول:

فهل لكم فيها الي فانني طبيب بما أعيى النطاسي حذيما

ان میں مضاف کا حذف ہے اور وہ ہے لفظ ''ابن'' اور ابن سکیت کے یہاں طبیب

حذیم ہے اس کا بیٹا نہیں اور فیروز آبادی نے ایسا ہی قاموس میں لکھا ہے پس اس میں حذف نہیں ہے اور اس پر کوئی دلیل نہیں ہے۔[3]

اور خوارزمی نے الصلتان العبدی کے بیت میں حذف کا انکار کیا ہے،

أرى الخطفى بذاالفرزدق شعره ولكن خيرا من كلاب مجاشع

اور کہا کہ باب متعدی میں سے ہے اب سے ابن کی طرف قلب ہے

جیسا کہ اس کے شعر میں ہے۔

فانک اذ ترجو تميما و نفعها كراجي الندى والعرف عند المذلق

أي ابن المذلق۔ یعنی مذلق کا بیٹا۔[4]

---

[1] سورۃ البقرۃ ۱۹۔ [2] الکشاف جلد ۱ صفحہ ۲۰۹۔

[3] خزانۃ الأدب لعبد القادر البغدادی ۳۷۰/۴۔

[4] خزانۃ الادب لعبد القادر البغدادی ۳۷۰/۴۔۳۷۱۔

میں کہتا ہوں کہ یہ ممکن ہے کہ اس کے بہت سارے شواہد ہیں کہ مضاف کو حذف کیا جاتا ہے،

جیسا کہ ذی الرمہ کا کہنا ہے،

عشية فر الحارثيون بعدما قضى نحبه في ملتقى القوم هوبر

أي ابن هوبر۔ یعنی ھوبر کا بیٹا۔

اور شاعر کا قول:

صبحن من كاظمة الخص الخرب يحملن عباس بن عبد المطلب

اس سے مراد ان کے صاحبزادے حضرت عبد اللہ ہیں۔

اور یہ جس پر منکرین توسل برسول اللہ ﷺ نے حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ کی حدیث کی تاویل میں عمارت کھڑی کی ہے حدیث میں الفاظ اس طرح ہیں،

اللهم اني أسألک و أتوجه اليک بنبيک نبي الرحمة يا محمد اني أتوجه بک الى ربک۔۔۔الخ

اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں تیرے نبی، نبی رحمت کے توسل سے یا رسول اللہ ﷺ میں آپ کے رب کی بارگاہ میں متوجہ ہوں۔

اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے توسل کر کے بارش طلب کرنے والی حدیث میں الفاظ اس طرح ہیں،

اللهم انا كنا نتوسل اليک بنبينا ﷺ و تسقينا، و انا نتوسل اليک بعم نبينا فاسقنا۔۔۔الخ

اے اللہ! ہم تیرے نبی کے وسیلہ سے دعا مانگتے تھے تو تو ہمیں بارش دیتا تھا اب ہم اپنے نبی ﷺ کے چچا کے وسیلہ سے مانگتے ہیں ہمیں بارش عطا فرما۔

جب منکرین نے ان دونوں حدیثوں کی اسناد میں اپنا مطمع نظر نہ پایا تو ان کے متن میں اپنا مطمع نظر یہ گمان کرتے ہوئے ڈھونڈنے لگے کہ شائد کوئی علت مل جائے کہ جو ان

کی گردنوں پر دلیل کا طوق ڈال دیا گیا ہے تا کہ وہ اس کو اتار سکیں۔ افسوس ہے ان کی اس سوچ پر۔

یہ دونوں احادیث تو مضبوط سیسہ پلائی دیوار اور ان منکرین پر حق واضح کرنے والی اور ان پر علم کی دلیل کو بند کرنے والی ہیں جب وہ اس سے نکلنا چاہتے ہیں تو پھر اسی میں لوٹ آتے ہیں یعنی ان احادیث صحیحہ کا ان کے پاس کوئی جواب نہیں ہے اور یہ دونوں حدیثیں ان پر حجت قاطع ہیں جن سے جان چھڑانا ان کے لیے مشکل ہے۔

اور مضاف کا حذف تو باوجود واقع ہونے کے بالکل قلیل ہے اور اس کے اسباب و شروط ہیں اور اس کی شرائط میں ضرورت کا پایا جانا ہے۔

ابن عصفور نے ''المقرب'' میں کہا:

مضاف کا حذف کرنا اور مضاف الیہ کو اس کا قائم مقام بنانا اعراب وغیرہ میں جائز ہے جبکہ کلام اس کا مشعر ہو اور کلام اگر اس کا مشعر نہ ہو تو حذف جائز نہیں ہے مگر ضرورت کے وقت، جیسا کہ اس کا قول ہے:

عشية فر الحارثيون بعد ما قضى نحبه في ملتقى القوم هوبر

شام کے وقت جب حارثی فرار ہو گئے اس کے بعد کہ ہوبر نے قوم کے مقابلہ کی جگہ پر اپنی نذر پوری کر دی۔

اور خوارزمی کا اس حذف المضاف کی قسم پر اعتراض گذر چکا ہے کیونکہ اس میں باپ کا لقب بیٹے کی طرف متعدی ہوتا ہے لہذا اس پر کوئی دلیل نہیں ہے۔ [1]

علامہ ابن صبان نے ''حاشیہ علی الاشمونی'' میں کہا:

جب مضاف کو حذف کیا جائے کسی قرینہ کی وجہ سے تو کبھی تو وہ مطروح ہوگا اور کبھی وہ اس کی طرف ملتفت ہوگی اور اس کا علم اس کی طرف لوٹنے والی ضمیر سے ہوگا۔

---

[1] المقرب لابن عصفور ۱/ ۲۱۴۔

اور یہ دونوں اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں جمع ہیں:

وَكَمْ مِنْ قَرْيَةٍ أَهْلَكْنٰهَا فَجَآءَهَا بَأْسُنَا بَيَاتًا أَوْهُمْ قَآئِلُوْنَ

اور کتنی ہی بستیاں ہم نے ہلاک کیں تو ان پر ہمارا عذاب رات میں آیا یا جب وہ دوپہر کو سوتے تھے۔[1]

تو اس میں پہلی ضمیر قریہ کی طرف لوٹ رہی ہے جو کہ مضاف کے لیے مطروح ہے اور دوسری اس کی طرف ملتفت ہے اس کو یاسین نے کہا۔

پھر فرمایا اس کا کہنا ''ایسے قرینہ کا قیام جو اس پر دلالت کرے'' تو اگر قرینہ نہیں پایا جائے گا تو مضاف کا حذف کرنا منع ہوگا اور یہ اس کے منافی نہیں جو کہ نحو میں کہا جاتا ہے، ''جاء زید نفسہ'' مضاف کی نیت کے توھم کو دفع کرنا ہے اور اگرچہ دمامینی نے اس پر اعتراض کیا ہے کیونکہ توہم کا باب بڑا وسیع ہے یہ متوھم کے ارتکاب کے جواز کا مقتضی نہیں ہے اور کئی مرتبہ عقل سامع پر قرینہ کا وجود مخفی رہتا ہے۔۔۔۔یہاں تک کہ اس نے کہا:

بہت سارے اس طرف ہیں کہ جو ذکر کیا گیا اس میں حذف نہیں ہے اور کہا گیا ہے ''قریہ'' کو یہاں مجازاً استعمال کیا گیا ہے۔[2]

اور اس کی تانیث اس کے لفظ کے اعتبار سے ہے اور دلیل یہ ہے کہ جب احتمال پایا جائے تو اس سے استدلال باطل ہو جاتا ہے۔

اور میں امالی ابن شجری میں مضاف کے حذف پر واقف نہیں ہوا اس کے باوجود کہ اس نے اسماء و افعال جملوں اور حروف کے محذوفات ذکر کیے ہیں اور اس کی طرف حذف المضاف ذکر کیا گیا ہے۔[3]

---

[1] سورۃ الاعراف ۴۔

[2] دیکھیئے حاشیہ السبان علی الأشمونی ۲/۲۷۸۔۲۷۹۔

[3] الامالی ابن الشجری ۱/۳۱۹۔

اوراس کا اس کو ترک کرنا شائد اس کے نزدیک اس کا ضعف ہے، اور میں نے دیکھا کہ مضاف کے حذف کے جواز کی شرائط اس کی طرف ضرورت ہے اور ایسے قرینہ کا قیام ہے کہ جو اس پر دلالت کرے جیسا کہ ان شرائط میں سے التباس سے بچنا ہے یہ کہ وہ ضرورت سے معلوم ہو اور یہاں قرینہ دالہ علیہ کے مقابل صارف نہیں ہے۔

زمخشری نے قرآن کریم کی اس آیت:

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْآن۔[1]

رمضان کا مہینہ جس میں قرآن اترا۔

کے تحت کہا اگر تو کہے کہ جب تسمیہ مضاف اور مضاف الیہ کے ساتھ واقع ہو تو کیا وجہ ہے جو کہ احادیث میں آیا ہے جیسا کہ آپ ﷺ کا فرمان ہے۔

من صام رمضان ایمانا و احتسابا"[2]" من ادرک رمضان فلم یغفر له[3]

تو میں کہتا ہوں کہ یہاں حذف التباس سے بچنے کے باب سے ہے۔ اور ابن سکت اور فیروز آبادی کا قول میں نے سنا کہ:

---

[1] سورة البقرة ١٨٥۔

[2] من حديث أبي هريرة رواه البخاري في الصحيح (٣٨) في الايمان ومسلم في الصحيح ٣٥١ (١٧٦٨) وابن الجارود في المنتقى (٤٠٤) وابن خزيمة في الصحيح ٣/١٩٥ (١٨٩٤) وابن حبان في الصحيح ٨/٢١٨ وغيرہم۔

[3] من حديث كعب بن عجرة، ورواه الحاكم في المستدرك ٤/١٧٠ (٧٢٥٦)، والطبراني في الكبير ١٩/١٤٤ (٣١٥) والبخاري في التاريخ الكبير ٢٢٠/٧ وغيرہم۔ ومن حديث عمار بن ياسر، رواه البزار في مسنده ٤/٢٤١ (١٤٠٥) وابن شاهين في فضائل شهر رمضان ٢٦۔ ٢٧ (٢) وغيرہم۔ ومن حديث ابن عباس رواه الطبراني في الكبير ١١/٨٢ وابن شاهين في فضائل شهر رمضان ٢٥۔٢٦ (١) وفي الباب عن أنس بن مالك و جابر بن عبد الله 1 وغيرہم من أصحاب النبي۔

طبیب حذیم ہے اور دونوں مذکور حدیثوں میں محزوف کی طرف شعر کوئی چیز نہیں ہے نہ لفظا نہ معنا اور نہ ہی سیاق اس کا تقاضہ کرتا ہے اور نہ ہی اس میں ضرورت ہے کہ جو اس کے حذف کی متحمل ہو سکے۔ اور نہ ہی ان میں اس کے اسباب ہیں اور نہ یہاں مقام اختصار ہے کیونکہ یہ مقام تو اللہ تعالیٰ کی ثناء کا مقام ہے اور اس کی طرف اپنی حاجات پیش کرنے کا مقام ہے اور بیان کی حاجت قائم ہے۔ کیونکہ یہ کلام نبوی ﷺ اور وحی سماوی کی تشریح ہے۔

اور حضرت عمر و حضرت عباس رضی اللہ عنہما دونوں کا کلام بھی اسی کا مؤید ہے اور حضرت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا کلام "هذا هو والله الوسيلة الى الله عز وجل والمكان منه" اور حضرت عباس کا کلام "اللهم ان القوم ---" اور قرائن جلیہ وضاحت کے ساتھ اس طرف اشارہ فرما رہے ہیں کہ حدیث رسول ﷺ کی مراد لفظ منطوق ہی ہیں اور اسی طرح حضرت عمر اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما کے کلام میں بھی ---

اور جہت لفظ سے تو یہ مجرور بالباء ہے اور اگر با نہ ہوتی تو اس میں عمل محذوف کے بقاء کی وجہ ہو سکتی تھی۔ جیسا کہ شاعر کا قول:

أكل امرىء تحسبين امرء ا و نار توقد بالليل نارا

اور جہت معنی کے لحاظ سے تو کلام معصوم میں محذوف مقدر نہیں ہو گا مگر معنی کی استقامت کی ضرورت کے سوا حذف کے حکم کی طرف اور یہاں ہرگز اس کی ضرورت نہیں ہے اور اگر حذف کو مقدر مان لیا جائے تو التباس سے غیر مامون ہو گا، کیونکہ اس کے سوا بھی صحیح ہے اور الفاظ مستقیم ہیں اور قائل کے لیے کوئی دلیل نہیں ہے کیونکہ امت میں سے اس سے پہلے کسی نے بھی یہ نہیں کہا۔

دوسری وجہ: اگر بالفرض محال ہم یہاں محذوف تسلیم بھی کر لیں تو یہاں محذوف توسل بوجہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ ہو گا، اور وجہ (چہرہ) ذات کی ہی تفسیر کرتا ہے اور اس پر اہل لغت اور اہل علم کا اجماع ہے اور اس سے سوائے راہ حق سے بھٹکے ہوئے کے کوئی انکار نہیں کرتا۔

اور لالکائی کی روایت میں محذوف کی تصریح موجود ہے جو کہ اس شخص کے زعم کا

ابطال کرتی ہے کہ جس نے یہ کہا کہ اس میں محذوف حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی دعا ہے۔

امام لالکائی نے کہا:

أخبرنا علي بن محمد بن عمر [1] قال أخبرنا عبد الرحمن بن أبي حاتم [2] قال حدثنا محمد بن عزيز [3] قال حدثني بالاجماع [4] (سلامه) عن عقيل [5] عن زيد بن أسلم [6] و أبي اسحاق [7] عمن أخبرهما عن ابن عباس، وبعضهم زاد في الحديث على بعض قال: لما كان عام الرمادة استسقى عمر بن الخطاب بالناس فأخذ بيد العباس بن عبد المطلب ثم قال: اللهم انا نستشفع بك واليك بوجه عم نبيك۔۔۔ الحديث

بسند مذکور جب قحط کا سال آیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو اکٹھا کیا اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑا اور کہا:

---

(1) علی بن محمد بن عمر: اس بنا پر ثقہ ہے کہ اس فن کے علماء نے اس پر نص قائم فرمائی ہے کہ جب مستور الحال راوی دو ثقہ راویوں کے درمیان واقع ہو تو وہ ثقہ ہوتا ہے۔ دیکھیے مجمع الزوائد جلد ۱ صفحہ ۸ اور اس کو تقویت دی ہے تھانوی نے ''قواعد في علوم الحديث'' صفحہ ۲۰۵۔۲۰۶ میں یہ کہتے ہوئے کہ سخاوی کی فتح المغیث میں حافظ ابن حجر سے نقل ہے کہ جب مجہول الحال راوی پر جرح اور تعدیل میں سے کچھ بھی وارد نہ ہو اور اس کا شیخ اور راوی عنہ ثقہ ہوں اور اس کی کوئی حدیث منکر بھی نہ ہو تو وہ ابن حبان کی نزدیک ثقہ ہے، اور تھانوی نے صفحہ ۲۲۷ میں حافظ سے یہ بھی نقل کیا ہے کہ جس کا معنی یہ ہے کہ ہر وہ راوی جو لسان میں نہ ہو اور نہ ہی ''تھذیب التھذیب'' میں تو یا وہ ثقہ ہو گا یا مستور۔ دیکھیے لسان المیز ان کا آخر جلد ۹ صفحہ ۵۷۱)

(2) عبد الرحمن بن ابی حاتم ثقہ ہے (السیر جلد ۱۳ صفحہ ۲۶۳)۔۔۔۔۔۔

(3) محمد بن عزیز۔ اس میں ضعف ہے اور اس کے اپنے چچا سلامہ سے سماع میں کلام کیا گیا ہے گیارھویں طبقہ سے ہے ۶۷ ہجری کو فوت ہوا۔ التقریب صفحہ ۵۶۹ برقم ۶۱۳۹ اور ذھبی نے میزان میں جلد ۶ صفحہ ۲۵۹ میں کہا کہ انشاء اللہ سچا ہے۔۔۔ اور کہا کہ ابن ابی حاتم نے کہا کہ صدوق (سچا) ہے لیکن آج کل جو نسخہ ہمارے پاس ہے اس میں ابن ابی حاتم نے اس کے لیے یہ حکم ذکر نہیں کیا اور محب الدین الطبری اور ابن سعد اور محدثین کی ایک جماعت کے نزدیک ابن ابی حاتم جب کسی راوی کے بارے میں سکوت کریں تو وہ ثقہ ہوتا ہے۔

(4) بالاجماع بن روح بن خالد۔ امام ابن حجر نے تقریب میں ۲۶۱ میں اس کے بارے میں کہا کہ صدوق له اوهام۔

(5) عقیل بن خالد۔ ثقہ اور ثبت ہے۔ التقریب صفحہ ۳۹۶ برقم ۴۶۶۵۔

(6) زید بن اسلم، ثقہ ہے، التقریب صفحہ ۲۶۵ برقم ۲۱۱۷)

(7) ابو اسحاق، عمرو بن عبد الله السبيعي: ثقہ ہے تیسرے طبقہ سے ہے اس سے ایک جماعت نے روایت لی ہے۔ التقریب صفحہ ۴۲۳ برقم ۵۰۶۵۔

اے اللہ! ہم تیرا اکرم چاہتے ہیں اور تیری بارگاہ میں تیرے نبی ﷺ کے چچا کو وسیلہ بناتے ہیں۔۔۔۔الحدیث [1]

تو اس میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی فقاہت کی عظیم فضیلت ظاہر ہوتی ہے جو کہ انہوں نے حضرت بلال بن الحارث رضی اللہ عنہ کے قول "الکیس ، الکیس" کو سمجھا یہ تو اہل فضل پر ہی مہربانی ہوتی ہے اور اہل مہربانی پر اللہ تعالیٰ کی نعمت کا اظہار ہوتا ہے کہ شرع حکیم ان سے نماز استسقاء کا مطالبہ کر رہی ہے۔

ان احادیث سے یہ ظاہر ہوا کہ طرق توسل میں نبی اکرم ﷺ کی مرقد منورہ اور نسب شریف اور ذات مبارکہ کے توسل کی انگلیوں سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں تبتل و تذلل اور آہ و زاری کا بہت بڑا حصہ ہے یعنی حضرت بلال بن حارث رضی اللہ عنہ کا نبی اکرم ﷺ کی قبر منورہ سے توسل کرنا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اس کو برقرار رکھنا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا بغیر کسی انکار کے اس پر عمل کرنا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے توسل کرنا اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا نبی اکرم ﷺ کی قربت سے سچی دعا کے ساتھ توسل کیا، تو اس سے ثابت ہوا کہ نبی اکرم ﷺ کی حیات اور بعد از انتقال اور آپ ﷺ کی ذات مبارکہ اور آپ ﷺ کی روح مبارکہ قبر مبارکہ میں اور صالحین کی دعاؤں کے ساتھ تمام طرق مشروعہ کے ساتھ جائز ہے۔

جیسا کہ گذرا اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

يَبْتَغُوْنَ اِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِيْلَةَ

اپنے رب کی طرف وسیلہ ڈھونڈتے ہیں۔

اس میں الف لام عموم کے لیے ہے اس میں حصر نہیں ہے یہاں مجھے قائل کا یہ قول یاد آرہا ہے:

ما أجمل أن ترى شبهة الباطل تتضاءل افتضاحا، وما أروع أن تلقى حجة الحق تتبختر اتضاحا۔

---

[1] کرامات اولیاء صفحہ ۱۴۴-۱۴۵۔

کتنی خوبصورت بات ہے کہ تو شبہ باطل کو دیکھے کہ اس کی چمک دمک ماند پڑ گئی اور کتنی مناسب بات ہے کہ تو حق کی دلیل کو پائے کہ اس کی وضاحت کھل کر سامنے آ گئی۔

والحمد لله رب العالمين الهادي الى طريق المتقين۔

دوسری دلیل:

حضرت امام دارمی نے ابو الجوزاء اَوس بن عبد اللہ سے روایت کی انہوں نے فرمایا کہ:

قحط اهل المدينة قحط شديدا فشكوا الى عائشة رضی اللہ عنہا فقالت: انظروا قبر النبی ﷺ فاجعلوا منه كوى الى السماء، حتى لا يكون بينه و بين السماء سقف قال :ففعلوا، فمطرنا مطرا حتى نبت العشب و سمنت الابل حتى تفتقت من الشحم، فسمي عام الفتق۔

اہل مدینہ پر شدید قحط پڑا تو وہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی بارگاہ میں پیش ہوئے تو آپ نے ارشاد فرمایا، نبی اکرم ﷺ کے روضہ انور کو دیکھو اور اس میں آسمان کی طرف ایک سوراخ کر دو یہانتک کہ قبر منورہ اور آسمان کے درمیان چھت نہ رہے تو انہوں نے ایسا ہی کیا تو بہت بارش ہوئی یہانتک کہ خوب سر سبزہ اگا اور اونٹ خوب موٹے تازے ہو گئے اور ان میں چربی بھر گئی تو اس سال کا نام عام الفتق پڑ گیا (یعنی خوشحالی کا سال)۔ [1]

یہ نبی اکرم ﷺ کے انتقال کے بعد آپ ﷺ سے توسل کرنے کی دلیل ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اہل مدینہ کے لیے بارش طلب کی تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کو بارش کے ساتھ نوازا۔ اور ان میں نبی اکرم ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی تھے تو انہوں نے اس فعل کو برقرار رکھا کیا ہم اس کے بعد حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کہ جنہوں نے اس فعل کو برقرار رکھا پر شرک کا فتوی دیں گے؟

اس سے اللہ تعالیٰ کی پناہ۔

---

(1) سنن الدارمی جلد ۱ صفحہ ۴۳۔ ۴۴، اسناده حسن۔
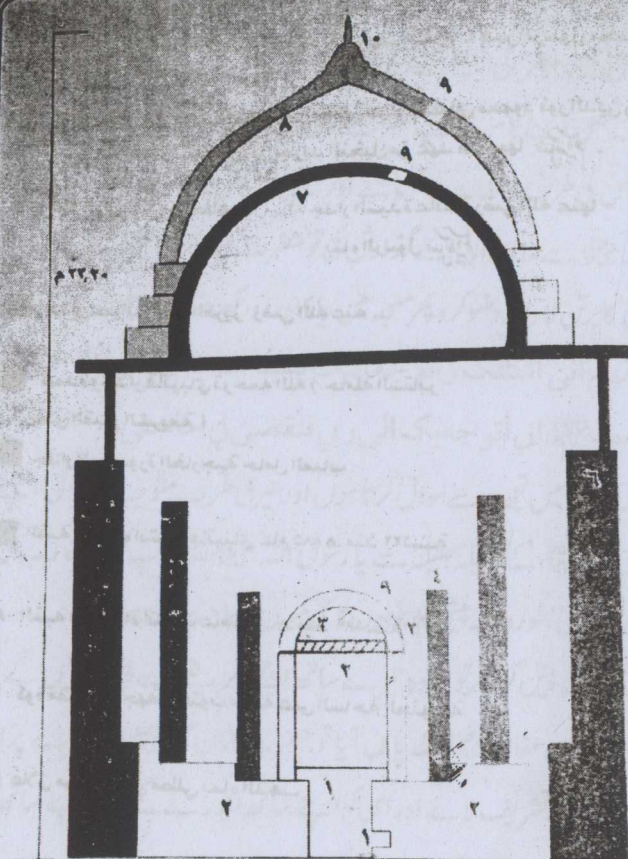
نموذج مبسط رأسي مارا من أعلى هلال القبة الخضراء وحتى قاع القبر الشريف بارتفاع كامل ٢٠ ٣٢ متراً ـ تم هذا في ١٤١٧ هـ عبد الرحيم الخولي ١٩٩٦ م

مخطط الكوى التي جُعلت في القبر الشريف

١- اللحد الذي يضم الجسد الطاهر الشريف ﷺ ١ قبر الرسول محمد ﷺ

٢- رصاص مصبوب حول القبور الشريفة في عهد السلطان محمود نور الدين زنكي

٢ - سقف الحجرة الطاهرة من جريد النخيل من عهد صاحبها ﷺ .

٣- قبة فوق القبور الطاهرة ٢- جدار السيدة عائشة رضي الله عنها بناء الرسول ﷺ .

■ جدار عمر بن عبد العزيز رضي الله عنه .

■ أعمدة وجدار قاتيباي ترحمه الله (حاملة الستاير على القبور الشريفة) .

■ جدار المقصورة الخارجية حامل القباب .

■ القبة الزرقاء أنشئها قاتيباي عام ٨٨٥ هـ منذ ٥٢٢سنة .

٨- القبة الخضراء أنشئت عام ١٢٢٨ هـ منذ ١٨٩ سنة .

٩- كوة مفتوحة جهة الجنوب مطلة على الساحة الجنوبية .

■ هلال من النحاس مطلي بماء الذهب

تیسری دلیل:

حضرت امام طبرانی رحمۃ اللہ نے روایت نقل کی کہ:

ایک شخص اپنے کام کے لیے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی بارگاہ میں جاتا لیکن حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اس کی طرف التفات نہ فرماتے اور نہ ہی اس کی حاجت سنتے تو وہ حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ سے ملا اور ان سے گذارش کی تو حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ نے اس سے فرمایا پانی کا برتن لاؤ اور وضو کرو پھر مسجد میں جاؤ اور دو رکعت نماز پڑھو پھر یوں دعا مانگو۔

اللھم انی أسئلک و أتوجه الیک بنبینا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نبي الرحمة، یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اني أتوجه بک الی ربي فتقضي لي حاجتي۔

اے اللہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں اپنے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ جلیلہ سے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں آپ کو اپنے رب کی بارگاہ میں بطور وسیلہ پیش کرتا ہوں تا کہ میری یہ حاجت روا ہو جائے۔

پھر اپنی حاجت پیش کر پھر تو جا وہ تیرے ساتھ اچھے طریقے سے پیش آئیں گے۔ پھر وہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے پاس آیا تو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ دروازے پر اس کے استقبال کے لیے تشریف لائے اور اس کو اپنے ساتھ اندر لے گئے اور اپنے ساتھ تخت پر بٹھایا اور پوچھا کیا کام ہے؟

تو اس نے اپنی حاجت بتائی اور آپ رضی اللہ عنہ نے اس کو پورا کیا اور پھر فرمایا ابھی مجھے آپ کا یہ کام یاد آیا تھا اور پھر فرمایا، تجھے جب بھی کوئی کام ہو تو بتایا کرنا پھر وہ شخص حضرت عثمان غنی کے دربار سے باہر نکلا تو حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ سے ملا اور آپ سے کہا اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ میری طرف التفات نہیں فرماتے تھے جب تک کہ آپ نے ان سے میری شفارش نہ کی تھی، تو حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا واللہ میں نے تو ان سے کلام بھی نہیں فرمایا لیکن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی

بارگاہ اقدس میں تھا کہ آپ ﷺ کے پاس ایک نابینا شخص آیا اور آپ کی بارگاہ میں اپنی بینائی چلے جانے کی شکایت کی تو نبی اکرم ﷺ نے اس کو ارشاد فرمایا، صبر کر۔ اس نے عرض کی، یارسول اللہ ﷺ مجھے راستہ دکھانے والا اور لے کر چلنے والا کوئی نہیں ہے مجھے اس سے بڑی تکلیف ہوتی ہے تو نبی اکرم ﷺ نے اس کو ارشاد فرمایا۔ پانی کا برتن لو اور خوب اچھی طرح وضو کرو پھر دو رکعت نماز پڑھو پھر یہ دعا مانگو۔۔۔

حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ اللہ کی قسم ابھی زیادہ وقت نہیں گذرا تھا اور اس بات کو ابھی تھوڑا ہی وقت ہوا تھا کہ وہ شخص ہمارے پاس آیا گویا کہ اس کو کبھی بھی کوئی تکلیف نہیں تھی۔ [1]

ہمارے فاضل بھائی محدث ڈاکٹر شیخ محمود سعید ممدوح نے کہا کہ:

اس حدیث شریف کی تصحیح کرنے والے محدثین میں سے امام ابن خزیمہ کہ انہوں نے اس کو اپنی صحیح میں روایت کیا اور امام ترمذی اور ابو اسحاق راوی ابن ماجہ اور امام طبرانی اور امام حاکم اور امام بیہقی ان کے ساتھ ساتھ امام

---

[1] اخرجه الطبرانی فی المعجم الکبیر جلد ۹ صفحه ۳۰ برقم ۸۳۱۱ وفی الصغیر جلد ۱ صفحه ۳۰۶ برقم ۵۰۸ وقال والحدیث صحیح، و فی الدعاء جلد ۲ صفحه ۱۲۸۹ و الترمذی فی الجامع جلد ۵ صفحه ۵۶۹ برقم ۳۵۷۸ وقال حدیث حسن صحیح غریب، والنسائی فی السنن الکبری جلد ۶ صفحه ۱۶۸ برقم ۱۰۴۹۴ و۱۰۴۹۵ وابن خزیمة فی الصحیح جلد ۲ صفحه ۲۲۵ برقم ۱۲۱۹ واحمد فی مسنده جلد ۴ صفحه ۱۳۸، وابن ماجه فی السنن جلد ۱ صفحه ۴۴۱ برقم ۱۳۸۵ والحاکم فی المستدرک جلد ۱ صفحه ۴۵۸ برقم ۱۱۸۰، وقال صحیح علی شرط البخاری و اقره الذهبی، و جلد ۱ صفحه ۷۰۰ برقم ۱۹۰۹ وقال هذا حدیث صحیح الاسناد، وجلد ۱ صفحه ۷۰۷ برقم ۱۹۳۰، وقال صحیح علی شرط البخاری و اقره الذهبی، واخرجه عبد بن حمید فی مسنده جلد ۱ صفحه ۱۴۷ برقم ۳۷۹ والبخاری فی التاریخ الکبیر جلد ۶ صفحه ۲۰۹ برقم ۲۱۹۲ وابن خیثمه فی تاریخه۔ والبیهقی فی الدلائل النبوة جلد ۶ صفحه ۱۶۶ وقال بآخره و روینافی کتاب الدعوات باسناد صحیح، و فی الدعوات الکبیر جلد ۱ صفحه ۱۵۱۔

منذری نے، الترغیب والترھیب جلد ۱ صفحہ ۲۷۳ میں بموافقت امام طبرانی صحیح کہا اور امام حافظ ہیثمی نے مجمع الزوائد میں جلد ۲ صفحہ ۲۷۹ اور اسی طرح اس کو صحیح کہا ابو عبداللہ المقدسی صاحب ''المختارۃ'' نے اور امام الحافظ عبدالغنی المقدسی نے کتاب ''النصیحۃ'' میں اور امام نووی نے ''الاذکار'' میں اور امام سخاوی نے ''القول البدیع'' میں اور امام سیوطی نے ''الخصائص الکبریٰ'' میں جبکہ ابن تیمیہ نے اپنی کتب میں کئی مقامات پر اس کو صحیح کہا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ مصنف مدظلہ العالی نے یہاں پر اس حدیث کے تمام طرق کے حوالہ جات کو ذکر کیا ہے جبکہ اس روایت کو بعض محدثین نے مختصرا بیان کیا جیسا کہ ابن ماجہ وغیرہ نے اس کا صرف آخری حصہ ہی بیان کیا ہے یعنی کہ نابینا کا بارگاہ مصطفوی ﷺ میں حاضر ہونا اور ایسا کرنا اس میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ والے واقعہ کا ذکر نہیں ہے البتہ امام طبرانی اور بیہقی وغیرہ نے اس کو بھی بیان کیا ہے اور اس کو بھی صحیح کہا ہے۔ ارشد مسعود عفی عنہ۔ واللہ ورسولہ اعلم جل جلالہ و ﷺ

ابن ابی خیثمہ کی روایت کہ اسکی سند میں حماد بن سلمہ ہیں جو کہ ثقہ حافظ ہیں انہوں نے یہ الفاظ بھی روایت کیے ہیں۔ فان کانت لک حاجۃ فافعل مثل ذلک۔ تجھے جب بھی کوئی حاجت پیش آئے تو ایسا کر لیا کرنا۔ یہ زیادت ثقہ کی زیادت ہے پس یہ صحیح ہے اور مقبول ہے جیسا کہ علم حدیث میں معلوم ومشہور ہے۔ یہ روایت عموم پر دلالت کرتی ہے اور آپ ﷺ کی حیات میں اور آپ ﷺ کے انتقال کے بعد قیامت تک کے لیے حدیث پر عمل کرنا چاہیے۔

چوتھی دلیل:

امام بزار نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

حیاتي خیر لکم تحدثون و یحدث لکم ،ووفاتي خیر لکم

تعرض علي أعمالكم ، فما رأيت من خير حمدت الله عليه ، وما رأيت من شر استغفرت لكم۔

میری زندگی تمھارے لیے بہتر ہے تم مجھ سے باتیں کرتے ہو اور میں تم سے باتیں کرتا ہوں اور میری وفات بھی تمہارے لیے بہتر ہے تمہارے اعمال مجھ پر پیش ہونگے تو اگر میں ان کو اچھا دیکھوں گا یا پاؤں گا تو اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کروں گا اور اگر وہ برے ہوئے تو تمہارے لیے اللہ تعالیٰ سے استغفار کروں گا۔ ①

پس جب آپ ﷺ کی حیات ووفات سراپا خیر ہے اور جب آپ ﷺ کی حیات میں آپ ﷺ سے توسل جائز ہے تو پھر اسی طرح آپ ﷺ کی وفات کے بعد بھی توسل جائز ہونا چاہیے۔

پانچویں دلیل:

امام احمد اور حاکم نے داؤد بن صالح سے روایت کی کہ:

---

① اخرجه البزار فی مسنده جلد ۵/۳۰۸ (۱۹۲۵) وقال الهيثمی فی المجمع الزوائد ۹/۲۴، رواه البزار و رجاله رجال الصحيح ـ وقال الحافظ العراقی فی طرح التثريب ۳/۲۹۷ اسناده جيد ـ وقال الحافظ محمد بن عبد الباقی الزرقانی فيشرح الزرقانی علی الموطا ۱/۹۷، رواه البزار باسناد جيد ـ و صححه السيوطی فی الخصائص الكبری ۲/۴۹۱ ـ واخرجه القاضی اسماعيل فی فضل الصلاة علی النبی 1 بسند صحيح مرسلا عن بكر بن عبد الله المزنی ۱۲۶ ـ ۱۲۶ برقم ۲۵ ـ ۲۶ والحارث فی مسنده كذا فی بغية الباعث فی زوائد مسند الحارث صفحه ۲۸۸ برقم ۹۵۷ وابن سعد فی الطبقات الكبری ۲/۱۹۴ وابن عدی فی الكامل ۳/۹۴۵ والحكيم فی نوادر الاصول صفحه ۴۰۹ والديلمی فی فردوس الاخبار ۲/۴۱۹ نقله السيوطی فی الرياض الانيقة صفحه ۱۶۴ وقال بسند صحيح و ابن الجوزی فی الوفاء صفحه ۸۱۰ ـ والمرسل حجة عند اكثر الفقهاء والمحدثين۔

أقبل مروان يوما فوجد رجلا واضعا وجهه على القبر، فقال: أتدري ما تصنع ؟ فأقبل عليه فاذا هو أبو أيوب الأنصاري فقال نعم جئت رسول الله ﷺ ولم آت الحجر سمعت رسول الله ﷺ يقول: لا تبكوا على الدين اذا وليه أهله، ولكن ابكوا عليه اذا وليه غير أهله۔

ایک دن مروان آیا تو اس نے قبر انور پر ایک شخص کو سر رکھے پایا تو اس نے کہا کہ جانتا ہے تو کیا کر رہا ہے وہ کھڑا ہوا تو وہ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ تھے آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہاں میں جانتا ہوں میں رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ اقدس میں حاضر ہوا ہوں کسی پتھر کے پاس نہیں آیا میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا آپ ﷺ فرماتے کہ دین پر اس وقت نہ رونا جب وہ اہل کے سپرد کیا گیا بلکہ اس وقت رونا جب غیر اہل کے سپرد کر دیا گیا۔[1]

اس حدیث شریف میں جلیل القدر صحابی حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ میں التجا ہے حالانکہ رسول اللہ ﷺ اس وقت قبر انور میں تھے اور اس حدیث شریف میں اس بات کا بھی ثبوت ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نبی اکرم ﷺ کے مخاطب کرنے اور آپ ﷺ کی بارگاہ میں التجائیں کرنے (اور اپنی حاجتیں پیش کرنے میں) آپ ﷺ کی ظاہری زندگی کہ جب آپ ﷺ ان میں ظاہری طور پر موجود تھے اور جب آپ ﷺ قبر انور میں تشریف لے گئے میں فرق نہیں کرتے تھے۔ اور حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے اس فرمان (جئت رسول اللہ ﷺ) میں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے

---

[1] اخرجه الامام احمد فی مسنده ۵ / ۴۲۲ ومن طريقه ابن عساكر فی تاريخه جلد ۵۷ صفحه ۲۴۹ ،و رواه من طريقين آخرين جلد ۵۷ صفحه ۲۴۹ ـ ۲۵۰ والحاكم فی المستدرک جلد ۴ صفحه ۵۱۵ وقال: صحيح الاسناد، ووافقه الذهبي، واسناده فيه ضعف يسير ولكنه يزول بالمتابعة۔)

پاس آیا ہوں، میں غور وفکر کرو اور پتھر جو اس روایت میں مذکور ہوا تو وہ پتھر وہ ہے جو رسول اللہ ﷺ کی قبر پر رکھا ہوا ہے۔ کیا کوئی انسان اس مسئلہ میں حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی طرف شرک منسوب کر سکتا ہے؟

چھٹی دلیل:

حافظ ابن کثیر جو کہ ابن تیمیہ کے شاگردوں میں سے ہے نے نقل کیا کہ:

عن عاصم بن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ، أن رجلا من مزنية، سأله أهله أن يذبح لهم شاة عام الرمادة (۱۸ھ) فقال :ليس فيهن شيء ،فألحوا عليه بذبح شاة ،فاذا عظامها حُمُر ، فقال :يا محمداه۔ فلما أمسى أري في المنام أن رسول الله ﷺ يقول له:أبشر في الحياة۔

عاصم بن عمر بن الخطاب سے روایت ہے کہ ایک شخص مزنیہ قبیلہ سے اس کے گھر والوں نے قحط کے سال کہا کہ ان کے لیے بکری ذبح کرے تو اس نے کہا کہ کمزوری کی وجہ سے اس میں گوشت وغیرہ کچھ بھی نہیں پس جب اس نے بکری ذبح کی تو صرف سرخ ہڈیاں تھیں تو وہ پکارا: یا محمداہ۔ پس جب رات کو سویا تو اس نے خواب میں دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ اس کو فرما رہے ہیں تجھے زندگی کی خوشیاں مبارک ہوں۔[1]

ساتویں دلیل:

جنگ یمامہ کا دن مسلمانوں پر بڑا سخت دن تھا کیونکہ مسلیمہ کذاب کے ساتھی اس دن ایسا لڑے کہ کبھی بھی اس کی مثل نہیں لڑے تھے بہت سارے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شہید ہو گئے:

---

[1] اخرجه الطبری فی تاریخه جلد ۲ صفحه ۵۰۹ و ذکره ابن کثیر في البداية والنهاية جلد ۷ صفحه ۹۷)

حتی ناد خالد بن ولید بشعار المسلمین۔

حتی کہ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے ندادی اور پکار کر کہا کہ مسلمانوں کا شعار پکارو۔

حافظ ابن کثیر نے کہا کہ اس دن مسلمانوں کا شعار تھا ''محمداہ''[1]

آٹھویں دلیل:

امام ابن سعد نے ''طبقات الکبری'' میں عبد الرحمن بن سعد سے روایت کی انہوں نے کہا کہ:

کنت عند ابن عمر فخدرت رجلہ فقلت: یا أبا عبد الرحمن ما لرجلک ؟ قال: اجتمع عصبها من هاهنا؟ قال: قلت: ادع أحب الناس الیک، قال: یا محمد، فبسطها۔

میں حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے پاس تھا آپ کا پاؤں سن ہو گیا میں نے پوچھا اے ابو عبد الرحمن آپ کے پاؤں کو کیا ہوا ہے کہا یہاں سے ناڑیں اکٹھی ہو گئی ہیں تو میں نے کہا آپ کو جو سب لوگوں سے زیادہ پیارا ہے اس کو پکاریں تو انہوں نے کہا: یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ تو آپ رضی اللہ عنہ کا پاؤں کھل گیا یعنی کہ درست ہو گیا۔[2]

اس حدیث شریف کو امام نووی نے اپنی کتاب ''الاذکار'' میں باب: مایقول اذا خدرت رجلہ'' کے تحت ذکر کیا ہے اس کتاب کو امام نووی نے اس لیے جمع کیا ہے تا کہ مسلمان ان اذکار وصلوات اور دعاؤں کو یاد کریں اور ان پر مداومت کرتے ہوئے انہیں پڑھیں۔ اور عجیب وغریب بات یہ ہے کہ اس حدیث کو ابن تیمیہ نے اپنی کتاب ''الکلم الطیب'' صفحہ ۱۲۰ میں وارد کیا ہے یہ اس کے واضح تناقضات میں سے ہے

---

[1] اخرجه الطبری فی تاریخه ۲/۲۸۱ و ذکره ابن کثیر فی البدایة والنهایة ۶/۳۲۴۔

[2] اخرجه ابن سعد فی الطبقات الکبری جلد ۴ صفحه ۱۵۴ وعلی بن جعد فی مسنده جلد ۱ صفحه ۳۶۹ والبخاری فی الادب المفرد جلد ۱ صفحه ۳۳۵ وابن السنی فی عمل الیوم واللیلة صفحه ۱۴۲ برقم ۱۷۲ ونقله المزی فی تهذیب الکمال ۱۸/۱۴۲)

نویں دلیل:

امام بیہقی نے شعب الایمان میں ابو اسحاق قرشی سے روایت نقل کی وہ فرماتے ہیں کہ

كان عندنا رجل بالمدينة، اذا رأى منكرا لا يمكنه أن يغيره، أتى القبر فقال:

أيا قبر النبي و صاحبيه ألا يا غوثنا لو تعلمونا[1]

ہمارے ہاں مدینہ منورہ میں ایک شخص تھا جب وہ کوئی برائی دیکھتا اور اس کو بند کرنے کی استطاعت نہ رکھتا تو نبی اکرم ﷺ کے روضہ انور پر آتا اور آ کر کہتا۔

حافظ ابن عبد البر نے کہا کہ:

ہیثم بن عدی نے ذکر کیا بنو عامر بصرہ میں اپنے کھیتوں پر بکریاں چراتے تھے حضرت ابو موسی اشعری رضی اللہ عنہ نے ان کو بلانے کے لیے کسی کو بھیجا، تو وہ بلند آواز سے پکار رہے تھے، اے آل عامر۔ حضرت نابغہ جعدی رضی اللہ عنہ نکلے، اور ان کے ساتھ ان کا گروہ تھا اور حضرت ابو موسی اشعری رضی اللہ عنہ نے پوچھا تجھے کس نے نکالا؟ اس نے کہا کہ میں نے سنا ہے کہ کوئی میری قوم کو بلا رہا ہے کہا کہ اس کو کوڑوں کے ساتھ مارو۔

تو اس میں نابغہ جعدی رضی اللہ عنہ نے کہا:

رأيت البكر بكر بني ثمود و أنت أراك بكر الأشعرينا

بنی ثمود کا اُونٹ میں نے دیکھا ہے، لیکن میں دیکھ رہا ہوں کہ آپ ''اشعریوں'' کے اُونٹ ہیں۔

---

[1] شعب الایمان جلد ۳ صفحہ ۴۹۵ رقم ۴۱۷۷۔

فان تک لابن عفان أمینا فلم یبعث بک البر الأمینا

اگر آپ عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے طرف سے حاکم بنا کر بھیجے گئے ہیں تو انہوں نے کوئی امین اور خیر خواہ حاکم نہیں بھیجا۔

فیا قبر النبي و صاحبیه ألا یا غوثنا لو تسمعونا

پس اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہم کی قبر! اے ہمارے مددگار! اگر آپ ہماری بات سنیں۔

ألا صلی الھکم علیکم ولا صلی علی الأمراء فینا ①

اللہ تعالیٰ آپ پر رحمتیں نازل فرمائے لیکن ہمارے امراء پر نہ فرمائے۔

اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہوا تو لوگ دہشت زدہ ہو گئے اور ان کی عقول گم ہو گئیں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ثابت قدم رہے وہ آئے اور ان کی آنکھیں آنسوں سے بہارہی تھیں وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر جھکے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ انور سے کپڑا اٹھایا اور آپ کو مس کیا اور پیشانی اقدس پر بوسہ دیا اور روتے ہوئے کہا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر میرے ماں باپ قربان آپ صلی اللہ علیہ وسلم زندگی میں بھی پاکیزہ اور وفات کے بعد بھی پاکیزہ ہیں ۔۔۔۔اے آقا اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہمارے اختیار میں ہوتی تو ہم اپنی جانیں آپ کی زندگی پر قربان کر دیتے یا رسول صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رب کے پاس ہمارا ذکر بھی کرنا ہم بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ملیں۔ ②

دسویں دلیل:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ توسل کے دلائل میں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آثار سے تبرک حاصل کرنے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ میں اور بعد از وفات

---

① الاستیعاب لابن عبد البر ۴/۱۵۱۸۔

② دیکھیں الروض الانف ۴/۴۴۵، والاکتفاء بما تضمنه من مغازی رسول اللہ والثلاثة الخلفاء ۲/۴۳۳، والمواہب اللدنیة مع شرح الزرقانی ۸/۳۲۲۔

کے جواز پر قیاس کرنا ہے، حضرت امام بخاری اور امام مسلم وغیرھما نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے نبی اکرم ﷺ کے آثار کے ساتھ تبرک حاصل کرنے کی اور ان کے ساتھ شفا حاصل کرنا اور عنایت و توفیق طلب کرنے کی اور اسی طرح کی دیگر بہت ساری صورتیں روایت کی ہیں۔

ان میں سے کچھ یہ ہیں:

① امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی کہ

کانت تحتفظ بشعرات من شعر النبي ﷺ في جلجل لها، فكان اذا أصاب أحدا من الصحابة عين أو أذى، أرسل اليها اناء فيه ماء، فجعلت الشعرات في الماء، ثم أخذوا الماء يشربونه توسلا للاستشفاء والتبرك به۔

حضرت ام المؤمنین رضی اللہ عنہا نے نبی اکرم ﷺ کے موئے مبارکہ میں سے کچھ بال مبارک سنبھال کر رکھے ہوئے تھے جو کہ ایک زیزی میں تھے تو جب کبھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی کو کوئی تکلیف پہنچتی یا کسی کو نظر لگ جاتی تو وہ آپ ﷺ کے پاس پانی کا برتن بھیجتے تو ان موئے مبارکہ کو اس پانی میں ڈبو کر نکالتیں پھر وہ اس پانی کو لیتے اور شفا کے لیے اور تبرک سمجھتے ہوئے اس کو پیتے۔[1]

② امام مسلم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے آپ فرماتے ہیں:

كان النبي ﷺ يدخل بيت أم سليم، فينام على فراشها وليست فيه، قال: فجاء ذات يوم فنام على فراشها، فأتيت فقيل لها: هذا النبي ﷺ نام في بيتك على فراشك، قال فجائت وقد عرق واستنقع عرقه على قطعة أديم على الفرش، ففتحت عتيدتها، فجعلت تنشف ذلك العرق، فتعصره في قواريرها، ففزع النبي ﷺ فقال: ما تصنعين يا أم سليم؟ فقالت: يا رسول الله ﷺ نرجو بركته لصبياننا، قال: أصبت۔

---

[1] رواہ البخاری ۵۸۹۶، بالمعنی، ملخصا۔

نبی اکرم ﷺ حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لاتے اور جب وہ گھر میں نہ ہوتیں تو آپ ﷺ ان کے بستر پر آرام فرماتے تو ایک دن آپ ﷺ تشریف لائے اور اس کے بستر پر سو گئے جب وہ آئیں تو انہیں بتایا گیا کہ تمہارے گھر میں تیرے بستر پر نبی اکرم ﷺ آرام فرما رہے ہیں وہ آئیں تو دیکھا کہ آپ ﷺ کو پسینہ آ رہا ہے اور وہ پسینہ بستر کے ایک حصہ پر پڑ رہا ہے تو انہوں نے اپنی صندوقچی کھولی اور جو پسینہ نچڑ رہا تھا اس کو اپنی شیشی میں نچوڑنا شروع کیا آپ ﷺ بیدار ہوئے تو پوچھا اے ام سلیم یہ کیا کر رہی ہو تو انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ہم اس کو اپنے بچوں کے لیے برکت کے طور پر استعمال کریں گے تو آپ ﷺ نے فرمایا صحیح ہے۔[1]

۳ اور انہی میں سے صحیحین میں جو آیا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ ﷺ کے وضو کا بقیہ حاصل کرنے میں ایک دوسرے سے سبقت حاصل کرنے کی کوشش کیا کرتے تھے تا کہ اس کو اپنے چہروں پر ملیں اور آپ ﷺ کے آثار کے ساتھ تبرک حاصل کرنے میں تو بہت سارے دلائل ہیں جیسا کہ آپ ﷺ کے لباس سے اور اس پیالے سے کہ جس میں آپ ﷺ پانی پیا کرتے تھے۔

تو جب آپ ﷺ کے مادی آثار کا یہ حال ہے تو آپ ﷺ کی عزت وقدر ومنزلت جو کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہے اس سے توسل کا کیا کہنا اور پھر آپ ﷺ کی ذات مبارکہ کیساتھ توسل کرنا کیسا ہوگا جبکہ آپ ﷺ رحمۃ للعالمین ہیں؟

توسل اور تبرک دونوں کلمے متوسل کے لیے خیر اور برکت کے التماس پر دلالت کرتے ہیں، اور ہر وہ توسل جو آپ ﷺ کی ذات اقدس سے کیا جائے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں یا آپ ﷺ کے آثار وفضلات یا کپڑوں سے توسل کیا جائے تو یہ افراد وجزئیات سب مطلق توسل کی قسم میں داخل ہوں گے جس کا حکم احادیث صحیحہ میں ثابت ہو چکا ہے۔

---

[1] رواہ مسلم فی الصحیح برقم ۲۳۳۱۔

میرے ساتھ تھے تو ہمیشہ میری مدد کی گئی اور میں فتح مند ہوا۔[1]

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے موئے مبارکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں حجۃ الوداع کو کیوں تقسیم فرمائے۔

فتوح الشام میں ہے کہ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

ان رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم لما حلق رأسه في حجة الوداع، أخذت من شعره شعرات، فقال لي: ما تصنع بهؤلاء يا خالد؟ فقلت: أتبرك بها يا رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم وأستعين بها على قتال أعدائي، فقال لي النبي صلی اللہ علیہ وسلم لا تزال منصورا ما دامت معك، فجعلتها في مقدمة قلنسوتي، فلم ألق جمعا قط الا انهزموا ببركة رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم۔

جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر اپنا سر اقدس منڈوایا تو میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بالوں میں سے چند بال مبارک لے لیے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا تو ان کو کیا کرے گا، میں نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں ان سے تبرک حاصل کروں گا اور اپنے دشمن کے خلاف ان سے مدد لوں گا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب تک یہ تیرے پاس رہیں گے تجھے مدد ملتی رہے گی تو میں نے ان کو ٹوپی کے اگلے حصہ میں رکھ لیا میں جب بھی کسی لشکر کے ساتھ لڑا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے وہ شکست خوردہ ہو کر بھاگ گیا۔[2]

---

[1] الاصابة في تميز الصحابة ۲ / ۲۵۳۔۲۵۴، و رواه ابو يعلي في مسنده ۱۳/۱۳۸ برقم ۷۱۸۳ و عمر بن ابي جرادة في بغية الطلب في تاريخ حلب ۷ /۳۱۴۸ و الواقدي في فتوح الشام ۱/۲۲۰ و ذكره الامام احمد في مسائله ۱/۱۲۰ و ابن كثير في البداية و النهاية ۷/۱۴۳ و ابن الجوزي في صفة الصفوة ۱/۲۵۳ و المنتظم في تاريخ الملوك و الأمم ۴/۳۱۴۔ یہ حدیث ابن حجر کے اصول کے مطابق "حسن" ہے۔ التقریب جلد ۱ صفحہ ۳۳۳ برقم ۳۷۵۶ اور ابن سعد اور علی بن مدینی اور طبری کے اصول کے مطابق صحیح ہے دیکھیے میزان الاعتدال جلد ۴ صفحہ ۲۰۴ برقم ۲۷۷۴)

[2] فتوح الشام جلد ۱ صفحہ ۲۲۰۔

اور حق تعالیٰ نے اس کا حکم دیا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

فَانْظُرْ اِلٰی آثَارِ رَحْمَتِ اللّٰہِ۔ (1)

اللہ کی رحمت کے آثار کی طرف دیکھو۔

پس رحمت کا ادراک اثر کے ساتھ تعبیر کیا گیا ہے اور جب اثر کو رحمت حاصل ہوتی رہتی ہے تو آثار پاک و بابرکت ہو جاتے ہیں۔

اور اس باب میں اسلام تبرک اور توسل بالذات کی رغبت دلاتا ہے کیونکہ یہ حقائق ہیں حضرت علامہ ابن حجر عسقلانی ''الاصابہ'' میں فرماتے ہیں

سعید بن منصور نے کہا کہ ہمیں حدیث بیان کی ہیثم نے ان سے عبد الحمید بن جعفر نے انہوں نے اپنے باپ سے سنا کہ:

أن خالد بن الوليد فقد قلنسوة يوم اليرموک، فقال: اطلبوها، فلم يجدوها، فلم يزل حتى وجدوها، فاذا هي خلفه، فسئل عن ذلک فقال: اعتمر النبي فحلق رأسه، فابتدر الناس شعره، فسبقتهم الى ناصيته، فجعلتها في هذه القلنسوة، فلم أشهد قتالا وهي معي الاتبين لي النصر۔

جنگ یرموک میں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی ٹوپی گم ہوگئی آپ نے فرمایا اس کو ڈھونڈو وہ نہ ملی پس وہ اس کو ڈھونڈتے رہے یہانتک کہ اس کو پالیا وہ آپکے پیچھے پڑی ہوئی تھی پس آپ سے اس کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرہ کیا اور سر کا حلق فرمایا تو لوگ آپ کے بال بطور تبرک لینے کے لیے دوڑے میں نے سبقت کر کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشانی کے بال حاصل کیے میں جب بھی کسی جنگ میں گیا تو وہ بال مبارک

(1) سورۃ الروم ۵۰۔

حدثنا محمد بن عبد الله بن المخرمي ، حدثنا حسين بن محمد ، حدثنا عبد العزيز بن عبد الله ابن ابي سلمة ، وحدثني ابراهيم ابن هاني، حدثنا عبيد الله بن موسى، عن رجل، جميعا عن محمد بن المنكدر عن سفينة ، مولى كان لرسول الله ﷺ قال: كنا في سفينة تجارا في البحر فانكسرت السفينة فرمى بنا البحر فخرجت أمشي لا أدري أين أتوجه ، فكان أول شيء رأيت الأسد فقلت: أي أبا الحارث أنا مولى رسول الله ﷺ فهمهم فدفعني برأسه فجعلت أدفعه حتى أوقفني على الطريق۔

بسند مذکور حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم سمندر میں تاجروں کی کشتی میں سوار تھے کشتی ٹوٹ گئی اور ہمیں سمندر نے کنارے پر پھینک دیا میں پیدل چلتا ہوا باہر نکلا اور مجھے کچھ معلوم نہیں تھا کہ میں کس طرف جا رہا ہوں جو چیز میں نے سب سے پہلے دیکھی وہ ایک شیر تھا میں نے اس کو کہا اے ابو الحارث میں رسول اللہ ﷺ کا غلام ہوں پس وہ بڑبڑایا اور اپنے سر کے اشارے سے مجھے لے کر چلا میں اس کو دور رکھتا حتی کہ اس نے مجھے راستے پر لا کھڑا کیا۔[1]

اور صاحب ''اظہار العقوق'' صفحہ ۱۵ نے کتاب ''النجم الثاقب'' سے یہ زیادہ نقل کی ہے کہ حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ نے کہا: میں تجھے رسول اللہ ﷺ کی قسم دیتا ہوں کہ تو ٹھہر جا تو وہ ٹھہر گیا۔

---

[1] اخرجه الحاكم في المستدرك ٣/ ٦٠٦ و قال: حديث صحيح على شرط مسلم ولم يخرجاه ،ووافقه الذهبي ، وابو نعيم في الدلائل ٢١٢ و في الحلية ١/٣٦٩ وفي المعرفة الصحابة ٣/ ١٣٩٢ برقم ٣٥١١ والالكائى في كرامات اولياء ١٧٣ برقم ١١٤ و ابن عساكر في تاريخ دمشق ٢٦٩/٤ والبيهقى في الدلائل النبوة ٦/٤٥ و ابن كثير في البداية والنهاية ٣١٦/٥۔

میں کہتا ہوں کہ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''ببرکۃ رسول اللہ ﷺ'' رسول اللہ ﷺ کی برکت یہ نہ فرمایا کہ بالوں کی برکت سے کیونکہ رسول اللہ ﷺ ہی وہ ذات کریمہ ہیں کہ جنہوں نے ان بالوں میں برکت ڈالی تھی اور اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو برکت عطا فرمائی تھی پس سنہ تبرک صریح خالص ایمان ہو گیا۔

گیارھویں دلیل:

حضرت سفینہ رسول اللہ ﷺ کے غلام نے رسول اللہ کے ساتھ توسل کیا جبکہ درندے نے ان پر جنگل میں حملہ کرنا چاہا اور یہ توسل زمان ومکان دونوں لحاظ سے ہے۔

حضرت امام بغوی نے ''معجم الصحابۃ'' میں روایت کی کہ:

حدثنا هارون بن عبد الله، حدثنا علي بن عاصم، قال: هدثني أبو ريحانة، عن سفينة مولى رسول الله ﷺ، قال: لقيت الأسد فقلت: أنا سفينة مولى رسول الله ﷺ، قال: فضرب بزنبه الأرض وقعد۔

بسند مذکور رسول اللہ ﷺ کے غلام حضرت سفینہ سے روایت ہے کہ میرا آمنا سامنا شیر کے ساتھ ہو گیا تو میں نے اس سے کہا میں رسول اللہ ﷺ کا غلام سفینہ ہوں تو اس نے اپنی دم زمین پر رکھی اور بیٹھ گیا۔ (1)

اور ابن المنکدر کے طریق سے بھی بیان کی گئی ہے جو کہ اس طرح ہے:

---

(1) اخرجه البغوی في المعجم الصحابة جلد ۳ صفحه ۳۳۵، والبزار فی مسنده کما في کشف الاستار جلد ۳ صفحه ۲۷۱ والطبراني في المعجم الكبير جلد ۱ صفحه ۹۴، و زاد: وهمهم فظننت انه یودعني، و کان ذلک آخر عهدي به۔ قال الهیثمی: رواه البزار والطبرانی بنحوه ورجاله وثقوا، مجمع الزوائد جلد ۹ صفحه ۲۳۶-۲۳۷، وابو نعيم في المعرفة جلد ۳ صفحه ۱۳۹۲ برقم ۳۵۱۱)

حضرت ضمرہ بن ثعلبہ سلمی رضی اللہ عنہ جلیل القدر صحابی کا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگوں اور غزوات میں ہر زمانے اور مکان میں مدد مانگنا۔ حضرت ضمرہ بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أنه أتى النبي صلی اللہ علیہ وسلم و عليه حلتان من حلل اليمن فقال: يا ضمرة أترى ثوبيک هذين مدخليک الجنة؟ فقال: لئن استغفرت لي يا رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم لا أقعد حتى أنزعهما عني فقال صلی اللہ علیہ وسلم اللهم اغفر لضمرة بن ثعلبة فانطلق سريعا حتى نزعهما عنه۔

وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے تو ان پر دو یمنی حلے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اے ضمرہ کیا تو دیکھتا ہے کہ تیرے دو کپڑے تجھے جنت میں داخل کر دیں گے تو انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر آپ میرے لیے بخشش کی دعا مانگیں تو میں بیٹھنے سے پہلے ان دونوں کو اتار دوں گا تو آپ نے ارشاد فرمایا، اے اللہ ضمرہ بن ثعلبہ کو بخش دے تو وہ جلدی سے گئے اور دونوں حلوں کو اتار دیا۔[1]

اور انہی سے روایت ہے کہ:

أنه أتى النبي صلی اللہ علیہ وسلم فقال: ادع الله لي بالشهادة فقال النبي صلی اللہ علیہ وسلم: اللهم حرم دم ابن ثعلبة على المشركين والكفار۔ قال: فكنت أحمل في عرض، وفي الطبراني: عظم القوم فيتراءى لي النبي صلی اللہ علیہ وسلم خلفهم فقالوا: يا ابن ثعلبة انک لتغرز (وفي المجمع الزوائد للهيثمي: لتغرر) فتحمل على القوم فقال: ان النبي صلی اللہ علیہ وسلم يتراءى لي خلفهم فأحمل عليهم حتى أقف عنده ثم يتراءى لي أصحابي فأحمل حتى أكون مع أصحابي قال: فعمر زمنا طويلا من دهره۔

[1] اخرجه احمد في مسنده ۳۳۸/۴ والطبراني في الكبير ۳۰۹/۸، وقال: المنذري في الترغيب والترهيب ۸۳/۳: ورواته ثقات الا بقية۔ ومثله قال الهيثمي في مجمع ۱۳۶/۵)

اے میرے پڑھنے والے بھائی حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ کے اس قصہ والی حدیث میں تیرے لیے ظاہر ہو گیا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں اور بعد از وفات آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے توسل کیا کرتے تھے۔ پس یہ حضرت سفینہ کہ جب شیر نے ان پر حملہ کرنا چاہا تو آپ نے اس کو فرمایا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا غلام ہوں تو شیر نے پہچان لیا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام ہیں حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ نے اسے صرف یہ کیوں نہیں فرمایا کہ میں سفینہ ہوں اور پھر چپ کیوں نہیں ہوئے؟ بلکہ آپ نے فرمایا کہ میں سفینہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا غلام ہوں اور دوسری روایت میں ہے کہ انا مولی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعنی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تجھ سے پناہ مانگتا ہوں۔

اور صاحب "النجم الثاقب" نے اس کے معنی کی تفسیر کی ہے جیسا کہ "رویانی"[1] کی روایت بھی اس معنی کی تائید کرتی ہے اگرچہ اس میں ضعف ہے یہ معنی کی تفسیر کر رہی ہے جیسا کہ اکثر اہل علم نے اس پر اعتماد کیا ہے۔

پس اگر ان کے لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صحبت اور غلامی کا رشتہ نہ ہوتا تو شیر سے اس شرف صحبت اور معرفت کے سبب پناہ نہ مانگتے پس یہ معنی متحقق ہو گیا کہ حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ نے ذات رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جو ان کی صحبت اور خدمت کا واسطہ ہے اس کے سبب سے مدد مانگی، اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ تعالیٰ سے۔

---

[1] اخرجه الرویانی فی مسنده ۱/۴۳۷ قال حدثنا احمد بن یوسف حدثنا هشام بن عمار، حدثنا ابراهیم بن اعین، عن بحر السقاء عن محمد بن المنکدر قال: قلت لسفینة مولی النبی صلی اللہ علیہ وسلم: الخ بسند مذکور حضرت محمد بن المنکدر رفرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ سے کہا، تمہارا نام سفینہ کیوں ہوا ہے۔ تو انہوں نے کہا کہ میں تجھے اس سے بھی زیادہ عجیب بات نہ بتاؤں ایک ذمی کے پیچھے ایک کالا کتا پڑ گیا وہ شخص سمندر میں کود گیا تا کہ اس سے چھٹکارا حاصل کر سکے اور کتا اس کا کنارے پر انتظار کرنے لگا تو اس شخص نے کہا، اے کتے میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمہ ہوں تو کتا اس کا پیچھا چھوڑ کر چلا گیا۔ امام ابن حجر عسقلانی نے کہا کہ بحر السقاء ضعیف ہے ساتویں طبقہ سے "تقریب ۷ ۶۳" اور ابراهیم بن اعین الشیبانی نویں طبقہ سے ضعیف ہے "تقریب ۱۵۴ اور امام ابن حبان نے اس کو ثقات میں ذکر کیا ہے، ۸/۵۷)

انہیں ان کے صدق اور زہد فی الدنیا کے سبب ملی کہ جب نبی اکرم ﷺ نے ان سے کپڑے اتارنے کا حکم دیا تو انہوں نے کپڑے اتار دیے گویا کہ وہ دونوں جہاں سے باہر آگئے وہ سوائے رب کے کچھ بھی نہیں پہچانتے تھے اسی کی طرف مشتاق تھے حتی کہ شہادت کے طالب ہوئے، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، اے اللہ ابن ثعلبہ کا خون کفار و مشرکین پر حرام کر دے تو نبی اکرم ﷺ کی دعا نے حضرت ابن ثعلبہ رضی اللہ عنہ کی مدد فرمائی اور مطلق مدد نبوی نے ان کو شرف و اکرام بخشا اور جب آپ ﷺ نے ان میں کمال اہلیت اور مکمل خیر اور ان کی معرفت ربانی کو دیکھا تو ان کو ایسی خصوصیت سے سرفراز کر دیا کہ ابن ثعلبہ نے اس سے وہ کچھ پالیا کہ اوراق جس کو اپنے اندر سما نہیں سکتے۔ چنانچہ ان کا دل ایمان سے معمور ہو گیا اور ان کا وجود صاحب مقام ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہو گیا۔

تو حضرت ابن ثعلبہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں قوم کے عرض سے ان پر حملہ کرتا یعنی وہ لشکر کے ایک طرف سے آتے اور مجاہدین کی عادت ہوتی ہے کہ وہ لشکر کے سامنے سے حملہ کرتے ہیں تو اس میں خصوصیت کا کیا معنی و مطلب ہے؟

اس خصوصیت کا مطلب یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ اس کو لشکر کے پیچھے نظر آئے تو آپ نے اس لشکر پر حملہ کر دیا یہاں تک کہ وہ آپ ﷺ تک جا پہنچے اور آپ ﷺ کے پاس جا کر کھڑے ہو گئے پھر جب انہوں نے نبی اکرم ﷺ کو اپنے ساتھیوں کے پاس دیکھا تو وہ چلے یہاں تک کہ وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ آملے۔

تو نبی اکرم ﷺ کی بیداری میں زیارت کرنے اور آپ ﷺ کی روح مقدسہ سے مدد مانگنے کی وجہ سے اور آپ ﷺ کے اس جگہ جہاد کے وقت ظہور کی برکت نے اس صحابی کو مجاہد بنا دیا حتی کہ آپ نے اپنی نذر کو پورا کر لیا۔ جیسا کہ حدیث کے معنوں میں ثابت ہے۔ فعمر زمنا طویلا من دھرہ۔

وہ نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور عرض کی، اے اللہ ابن ثعلبہ کا خون مشرکین اور کفار پر حرام فرما دے تو کہا کہ میں ایک جنگ میں تھا، طبرانی کے الفاظ اس طرح ہیں، بہت سارے لوگ تھے کہ مجھے ان کے پیچھے رسول اللہ ﷺ نظر آئے تو انہوں نے کہا کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کو ان کے پیچھے دیکھا تو میں نے حملہ کر دیا حتی کہ میں آپ ﷺ کے پاس کھڑا تھا پس انہوں نے طویل زمانہ تک عمر گذاری۔[1]

یہ حدیث شریف کئی معاملات اور عظیم دلالات پر روشنی ڈالتی ہے۔ ان میں سے اہم ترین یہ ہیں۔

① نبی اکرم ﷺ کی بیداری میں زیارت یہ اس معنی سے اور اس دلیل سے ان لوگوں کے منہ میں لگام ہے کہ جن کے دلوں میں بیماری ہے اور جو جہالت، جھگڑا اور تکبر کے ساتھ اس کا انکار کرتے ہیں۔

② دوسری دلالت۔ یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے صدق واعتقاد کی دلیل ہے جو کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے بارے میں رکھتے تھے کہ بے شک آپ ﷺ مددگار ہیں اور ان سے ان کی حیات اور بعد از وفات مدد مانگی جاتی ہے، بالخصوص اس جلیل القدر صحابی رضی اللہ عنہ کے لیے رسول اللہ ﷺ کی تقریر اور فرمان کہ جب اس نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں شھادت طلب کی تھی تو آپ ﷺ کی روشن نگاہ نبوت نے اس صحابی کے مقام کا ادراک کر لیا اور ان کے رب کے ہاں جو ان کی خصوصیت حاصل تھی اس کو بھی جان لیا اور امداد نبوت کی درخواست کے سبب اللہ تعالیٰ کے ہاں جو ان کو عزت نصیب ہو گئی تھی اس کا بھی ادراک کر لیا حتی کہ نبی صادق ﷺ کے اپنے رب کے جوار میں جانے کے بعد بھی ان کو امداد نبوت حاصل رہی، وہ اسی طرح رہی اور یہ سعادت

---

[1] اخرجه الطبراني في المعجم الكبير ۸/۳۰۹ و في مسند الشاميين ۲/۲۹۸ (۱۳۷۸) وقال الهيثمي في مجمع الزوائد ۹/۳۷۹ رواه الطبراني واسناده حسن۔)

انہیں فرمار ہے ہیں کہ ”ماھذہ الجفوۃ یابلال“ اے بلال یہ کیا زیادتی ہے کہ تو میری زیارت کو نہیں آتا تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ روتے ہوئے غمگین حالت میں ڈرتے ہوئے بیدار ہوئے اور سواری پر سوار ہوئے اور مدینہ منورہ کی طرف چل نکلے نبی اکرم ﷺ کی قبر منورہ پر پہنچے اور روتے ہوئے اپنے چہرے کو قبر منورہ پر مل رہے تھے کہ حضرات حسنین کریمین تشریف لائے آپ نے ان دونوں شہزادوں کو اپنے ساتھ لپٹایا اور ان کے بوسے لیے ان دونوں شہزادوں نے کہا اے بلال ہم تجھ سے وہ آذان سننے کے متمنی ہیں جو تو رسول اللہ ﷺ کے لیے سحر کے وقت دیتا تھا۔ پس حضرت بلال رضی اللہ عنہ مسجد کے چھت پر گئے اور اسی جگہ کھڑے ہوئے جہاں کھڑے ہو کر آذان دیا کرتے تھے پس جب آپ نے کہا۔

الله اكبر الله اكبر ارتجت المدينة، فلما أن قال: أشهد أن لا اله الا الله زاد تعاجيجها، فلما أن قال: أشهد أن محمدا رسول الله خرج العواتق من خدورهن، فقالوا: أبعث رسول الله ﷺ؟ فما رئي يوم أكثر باكيا ولا باكيه بعد رسول الله ﷺ من ذلك اليوم۔

اللہ اکبر اللہ اکبر تو مدینہ منورہ گونج اٹھا اور جب انہوں نے کہا اشھد ان لا الہ الا اللہ تو گونج اور زیادہ ہوگئی، پس جب انہوں نے کہا اشھد ان محمد ارسول اللہ، تو پردہ دار خواتین گھروں سے باہر نکل آئیں، ہر طرف شور تھا کیا رسول اللہ ﷺ تشریف لے آئے؟ تو اس دن سے زیادہ مردوں اور عورتوں کو روتے ہوئے نہیں دیکھا گیا رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد۔

محمد بن المنکدر اور استغاثہ بقبر النبی ﷺ

امام ابن عساکر نے ”تاریخ دمشق“ میں روایت نقل کی:

تیسرا مطلب:

قبر نبوی ﷺ سے استغاثہ اور توسل کرنا

اے مسلمان بھائی! بعض واقعات تجھے بتاتا ہوں کہ جن میں آپ ﷺ سے آپ کے صحابہ نے توسل کیا یا آپ ﷺ کی قبر شریف سے مدد طلب کی اور یہ واقعات ان واقعات کے علاوہ ہیں کہ جن کو کہ اس کتاب میں پیچھے ہم بیان کر آئے ہیں۔

جیسا کہ حضرت امام عتبی کا واقعہ کہ جس میں یہ بیان ہے کہ ایک اعرابی نبی اکرم ﷺ کی قبر منورہ پر آیا اور اپنے گناہوں کی معافی کے لیے قبر منورہ کو اللہ کی بارگاہ میں وسیلہ بنایا اور اس کے مطلب کی اس کو بشارت دی گئی یا جیسا کہ وہ واقعہ کہ جس کو مالک الدار نے روایت کیا ہے اس شخص کے بارے میں کہ جو نبی اکرم ﷺ کی قبر منورہ پر بارش طلب کرنے کے لیے آیا تھا یا وہ واقعہ کہ جس میں لوگوں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے شدید قحط کی شکایت کی تو آپ نے ان کو حکم دیا کہ وہ روضہ رسول ﷺ پر حاضر ہوں اور آسمان کی طرف اس میں ایک سوراخ کر دیں، اور حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کا قبر نبوی شریف پر آنا۔۔۔۔ وغیرھا۔

یہ واقعات جو ہم نے نقل کیے ہیں تو ان کو آئمہ دین حنیف نے ذکر کیا ہے کہ جن کے صدق وامانت وثقاہت پر لوگوں کا اجماع ہے۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا دمشق سے حاضری کے لیے آنا:

امام ابن عساکر نے ''تاریخ دمشق'' میں روایت کی کہ:

حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم ﷺ کو خواب میں دیکھا کہ آپ ﷺ

عن اسماعيل بن يعقوب التيمي قال: كان محمد بن المنكدر يجلس مع أصحابه، قال: فكان يصيبه صمات، فكان يقوم كما هو حتى يضع خده على قبر النبي ﷺ، ثم يرجع، فعوتب في ذلك، فقال: انه يصيبني خطرة، فاذا وجدت ذلك استغثت بقبر النبى ﷺ وكان يأتي موضعا من المسجد في السحرم يتمرغ فيه و يضطجع، فقيل له في ذلك، فقال: اني رأيت رسول الله ﷺ في هذا الموضع، أراه قال: في النوم۔

امام اسماعیل بن یعقوب تیمی نے کہا کہ محمد بن منکدر اپنے اصحاب کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے، ان کو پیاس نے تنگ کیا وہ اسی وقت کھڑے ہو گئے اور اپنی گال (چہرہ) نبی اکرم ﷺ کی قبر منورہ پر رکھا پھر واپس لوٹے تو انہیں اس عمل پر ٹوکا گیا تو آپ نے فرمایا، مجھے خطرہ پیدا ہوا اور جب بھی مجھے خطرہ پیدا ہوتا ہے تو میں نبی اکرم ﷺ کی قبر منورہ [illegible] ہوں، اور وہ صبح سحری کے وقت مسجد نبوی ﷺ میں ایک جگہ آتے اور وہاں اپنا چہرہ رگڑتے اور لیٹتے جب انہیں اس بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا میں نے رسول اللہ ﷺ کو اس جگہ دیکھا پوچھا گیا کیا آپ نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا؟ فرمایا کہ خواب میں دیکھا۔[1]

مہمان رسول ﷺ کو تنگ نہ کریں:

اسی طرح روایت کی ابو القاسم ثابت بن احمد بن الحسین بغدادی سے کہ

---

[1] رواه ابن عساكر في تاريخ دمشق جلد ۷ صفحه ۱۳۷، علامہ شوکانی نے کہا کہ اس کی سند جید ہے "نیل الاوطار جلد ۵ صفحہ ۱۸" وابو الحسن محمد بن الفيض الغسانی في كتاب اخبار و حكايات صفحه ۴۵-۴۶۔

انہوں نے ایک شخص کو نبی اکرم ﷺ کے مدینہ منورہ میں دیکھا کہ صبح کے وقت نبی اکرم کی قبر کے قریب آذان دی اور اس میں کہا: الصلاۃ خیر من النوم۔ نماز نیند سے بہتر ہے، تو مسجد کے خدام میں سے ایک خادم آیا اور اس نے اس شخص کو تھپڑ مارا اس شخص نے روتے ہوئے عرض کیا، یا رسول اللہ ﷺ آپ ﷺ کی بارگاہ میں اس نے میرے ساتھ یہ کیا؟ تو خادم کو اسی وقت فالج ہو گیا اسکو اٹھا کر اس کے گھر لے گئے وہ تین دن تک اسی طرح رہا پھر مر گیا۔[1]

حضرت امام ابن عساکر نے فرمایا کہ،

ابو الفرج محمد بن عبداللہ بن المعلم نے ذکر کیا اور میں نے اپنے باپ سے سنا ہمیں خبر دی محمد بن الحسن بن ھبۃ اللہ بن عبداللہ بن الحسین نے (امام ابن عساکر کے والد) انہوں نے ذکر کیا کہ ہمارے اور اس کے درمیان قرابت داری تھی اور ہماری وہ جگہ جو بیت سابا میں تھی وہ اس کی تھی اور وہ جگہ اس سے ہمیں وراثت میں ملی تھی میں اپنی صغر سنی کی وجہ سے اس سے اپنی وجہ قرابت نہ پوچھ سکا تو ابو الفرج نے ذکر کیا کہ اس نے ایک کہف (غار) تین سو ستر ہجری میں بنانی شروع کی اور کہا اللہ کی قسم وہ جھوٹ نہیں بولتا تھا اور اس نے کہا کہ میں سچ بتاتا ہوں، میں نے حضرت جبرائیل امین علیہ السلام کو دیکھا تو آپ نے مجھے فرمایا کہ، اللہ تعالیٰ نے تجھے حکم دیا ہے کہ تو ایک ایسی مسجد بنا اور اس

---

[1] تاریخ دمشق جلد ۵۶ صفحہ ۵۰۔۵۱ اور امام ذھبی نے اس کو سیر اعلام النبلاء میں ذکر کیا ہے اور اس پر تعقب نہیں کیا اور اس سند میں اسماعیل بن یعقوب التیمی ہے ابو حاتم نے اس کو جرح و التعدیل میں ۲ / ۲۰۴ میں ضعیف کہا اور ابن حبان نے اس کو کتاب الثقات میں ۸ / ۹۳ میں ذکر کیا اور جرح جب غیر مفسر ہو تو اس پر تعدیل راضح ہوتی ہے اور پھر اس قصہ کے اسلاف سے شواہد ملتے ہیں جو کہ اس کے ثبوت کو مؤکد کرتے ہیں اور کم از کم اس سند کو آپ سند حسن کہہ سکتے ہیں۔ واللہ اعلم)

میں اس کا ذکر کر اور نماز پڑھ اور وہ یہ ہے میں نے کہا وہ جگہ کہاں ہے؟[1]

پس وہ اسی جگہ گیا جس کا نام کہف جبرائیل رکھا گیا تھا۔ میں نے کہا کہ اس کے بارے میں مجھے بتائیں۔ فرمایا اللہ تعالیٰ تیرے لئے کسی کا انتظام کر دے گا جو تیری مدد کرے گا ابو الفرج نے کہا کہ میں اس کو کہف جبرائیل اور مسجد محمد کہا کرتا ہوں کیونکہ میں نے خواب میں اس جگہ حضرت جبرائیل اور حضرت محمد ﷺ کو دیکھا ہے اس جگہ اور جبل دمشق کی اس طرف کبھی کوئی درخت نہیں ہوتا تھا اور نہ ہی اس میں پھل لگتا تھا پس جب سے میں نے یہاں حضرت جبرائیل اور حضرت محمد ﷺ کو دیکھا تو اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کی برکت سے یہاں درخت پیدا فرما دیا اور اس میں پھل بھی لگ گیا۔ اور لوگوں نے اس کو کھایا جو پہلے کبھی نہیں کھایا تھا پس یہ مسجد اللہ تعالیٰ کی مساجد میں سے بن گئی کہ اس میں اللہ تعالیٰ کا ذکر ہوتا ہے یہاں اگر میں ٹھہروں تو اسی میں ٹھہرتا ہوں میں چاہتا ہوں کہ اسی میں دفن ہوں اور اسی میں میرا حشر ہو، فرمایا کہ جس کو کوئی حاجت ہو تو پانی کے ساتھ غسل کر کے اچھے کپڑے پہنے پھر اس کی طرف نماز کے لیے آئے اور یہاں دو رکعت نماز پڑھے ہر رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد سات مرتبہ قل ھو اللہ احد پڑھے اور جب نماز سے فارغ ہو تو سات بار یہ کہے:

اللھم صل علی جبریل الروح الأمین ،وعلی محمد خاتم النبیین،

پھر سجدہ کرے اور کہے

اللھم انی أتوسل الیک بجبریل الروح الأمین ، و بمحمد خاتم النبیین، الا قضیت حاجتی

---

[1] تاریخ دمشق لابن عساکر جلد ۱۱ صفحہ ۱۰۴۔ سند اس طرح ہے اخبرنا ابو الفتح نصر اللہ بن محمد، حدثنا نصر بن ابراھیم، املاء، حدثنی أبو القاسم ثابت بن أحمد بن الحسین البغدادی، بہ، ابو الفتح کے بارے میں امام سمعانی نے کہا کہ امام مفتی فقیہ اصولی متکلم دین دار شخص ہے اور ذھبی نے کہا کہ شیخ امام مفتی اصولی شیخ دمشق ہے۔ اور ابن عساکر نے اس کی تعریف کی ہے "تبیین الکذب المفتری صفحہ ۳۳۰، وسیر اعلام النبلاء ۲۰ / ۱۱۸۔۱۱۹۔ اور ثابت بن احمد وہ ابن عساکر کے شیخ اور استاذ ہیں ان کا ترجمہ تاریخ دمشق ۱۱ / ۱۰۴ میں ہے)

اور پھر اپنی حاجت کا ذکر کرے تو اللہ تبارک وتعالیٰ اس کی حاجت کو پورا فرما دے گا، ان شاء اللہ تعالیٰ۔[1]

اور اسی طرح رزام مولی خالد بن عبداللہ القسری سے روایت کیا انہوں نے کہا کہ مجھے منصور نے جعفر بن محمد بن علی بن الحسین کی بارگاہ میں بھیجا اور ان کی والدہ فروہ بنت قاسم بن محمد بن ابی بکر تھیں کہا کہ میں جب ان کے پاس پہنچا اس وقت منصور حیرہ میں تھا اور ہم نجف میں حضرت امام جعفر صادق بن محمد باقر اپنی سواری سے اترے اور وضو فرمایا پھر قبلہ کی طرف منہ کر کے دو رکعت پڑھی پھر ہاتھ اٹھائے رزام کہتے ہیں میں آپ کے قریب ہوا تو آپ فرما رہے تھے۔ اللهم بک أستفتح ، وبک أستنجح ، وبمحمد عبدک ورسولک أتوسل ، اللهم سهل حزونته ، وذلل لي صعوبته ، وأعطني من الخير أكثر مما أرجو ، واصرف عني من الشر وأكثر مما أخاف۔

اے اللہ! میں تیری رحمت کے ساتھ فتح مانگتا ہوں اور تیری ذات کے ساتھ نجات طلب کرتا ہوں اور حضرت محمد ﷺ تیرے بندے اور تیرے رسول ﷺ کے ساتھ توسل کرتا ہون اے اللہ اس کے غم دور فرما دے اور میری مشکل حل فرما دے میری طلب سے زیادہ مجھے بھلائی عطا فرما اور میرے خوف سے زیادہ مجھ سے خوف دور فرما دے، پھر آپ سواری پر سوار ہوئے پس جب منصور کے دروازے پر جا ٹھہرے اور اس کے مقام کو جانا تو دروازے کھل گئے اور پردے ہٹ گئے اور جب آپ منصور کے قریب ہوئے تو وہ آپ کے لیے کھڑا ہوا اور آپ سے ملا آپ کا ہاتھ پکڑا اور اپنی بیٹھنے کی جگہ لایا اور آپ کو وہاں بٹھایا پھر آپ کی طرف متوجہ ہوا آپ کا حال پوچھنے کیلیے اور حضرت امام جعفر نے اس کے لیے دعا فرمائی۔[2]

---

[1] تاریخ دمشق الکبیر جلد ۲ صفحہ ۳۳۷-۳۳۸۔

[2] تاریخ دمشق لابن عساکر ۱۸/۱۳۵-۱۳۴ وفي الاسناد رجل مبهم۔

امام ابن ابی الدنیا عبداللہ بن محمد نے ''کتاب القبور'' میں روایت کیا ہے۔

حدثني سعيد بن عثمان الجرجاني، حدثني ابن أبي فديك قال: سمعت بعض من أدركت يقول: بلغنا أنه من وقف عند قبر النبي ﷺ فتلا هذ الآية اِنَّ اللهَ وَ مَلَائِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَ سَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا (احزاب ۵۶)

بسند مذکور ابن ابی فدیک نے کہا کہ میں نے بزرگوں سے سنا جن کو میں نے پایا انہوں نے کہا۔ ہمیں یہ بات اسلاف سے پہنچی ہے کہ جو کوئی نبی اکرم ﷺ کی قبر منورہ کے پاس کھڑا ہو کر آیت کریمہ ''بے شک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے نبی اکرم ﷺ پر درود بھیجتے ہیں اے ایمان والو تم بھی خوب خوب آپ ﷺ پر درود و سلام بھیجو'' پڑھے اور یوں کہے:

صَلَّى اللهُ عَلَيْكَ يَا مُحَمَّدُ ﷺ۔ یہاں تک کہ اس کو ستر بار کہے تو ایک فرشتہ اس کو ندا دیتا ہے اور پکار کر کہتا ہے، اے فلاں تجھ پر رب کی رحمتیں ہوں تیری حاجت پوری ہوگئی۔[1]

امام ابن عبدالبر نے ''الاستیعاب'' میں فرماتے ہیں:

ابن عیینہ نے اسماعیل بن ابی خالد سے روایت کی وہ فرماتے ہیں کہ، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت ام کلثوم بنت ابی بکر کو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے ذریعے پیغام نکاح دیا تو جب وہ چلی گئیں تو لڑکی نے کہا کہ آپ میرا نکاح حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کر رہی ہیں حالانکہ آپ ان کی غیرت اور زندگی کی

---

[1] نقله السهمي في تاريخ جرجان ۱/۲۲۰۔ والاسناد صحيح الى ابن ابی فديک الثقة المتقن۔ و رواه البيهقی في الشعب الايمان ۳/۴۹۲ برقم ۴۱۶۹، و ابن بشکوال في القربة الى رب العالمين صفحه ۱۲۰۔۱۲۱ و ابن النجار في الدرة الثمينة في اخبار المدينة صفحه ۱۵۷۔۱۵۸)

خشونت جانتی ہیں، اللہ تعالیٰ کی قسم اگر آپ نے یہ کیا تو میں رسول اللہ ﷺ کی قبر انور پر جا کر چیخوں گی، بے شک میں کسی ایسے قریشی جوان سے شادی کرنا چاہوں گی جو میرے اوپر دنیا کی ریل پیل کر دے۔ پس حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے پاس ایک قاصد بھیجا اور ان کو خبر دی تو حضرت عمرو رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں تمہاری کفایت کروں گا۔ تو عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے کہا: اے امیر المؤمنین اگر میں کسی عورت کا آپ سے رشتہ جوڑ دوں تو؟ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہوسکتا ہے تمہیں ان دنوں یہ صورت پیش آئی ہو اور پوچھا امیر المؤمنین کا ذکر کس نے کیا ہے؟ تو انہوں نے بتایا کہ ام کلثوم بنت ابی بکر نے اور کہنے لگے آپ کو اس لڑکی سے کیا نسبت جو صبح شام آپ کو اپنے والد کی وفات کا دکھ بتاتی ہے حضرت عمر نے پوچھا کیا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے تجھے اس بات کا حکم دیا تو وہ کہنے لگے ہاں چنانچہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے شادی کا ارادہ ترک کر دیا راوی کہتا ہے پھر طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ نے ان سے شادی کی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا محمد کریم ﷺ کے صحابہ میں سے سب سے جوان آدمی نے ان سے شادی کی ہے۔[1]

حضرت امام نووی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''تھذیب الأسماء واللغات'' میں ذکر فرمایا: کہ حضرت عقبہ بن عامر مشہور صحابی رضی اللہ عنہ سات دن میں مدینہ شریف پہنچے اور وہاں سے شام میں ڈھائی دن میں پہنچے اس دعا کے صدقے سے جو کہ انہوں نے قبر رسول اللہ ﷺ کے سامنے مانگی اور اس شفاعت کے ساتھ جو انہوں نے اپنے راستہ کو قریب کرنے کے لئے کی تھی۔[2]

---

① الاستیعاب لابن عبد البر ۴/۱۸۰۷-۱۸۰۸۔ معلقا عن ابن عیینة، وھو ثقة ثبت مثل شیخه اسماعیل۔

② تھذیب الأسماء ۱/۳۰۹۔

حضرت علامہ محدث سیدی عبداللہ بن صدیق الغماری نے فرمایا:

حافظ ابوبکر بن المقری نے ''مسند اصفہان'' میں فرمایا کہ میں، امام طبرانی اور امام ابوالشیخ مدینۃ النبی ﷺ میں حاضر تھے ہم پر سختی کا وقت تھا جب عشاء کا وقت ہوا تو میں نبی اکرم ﷺ کی قبر انور پر حاضر ہوا اور عرض کی یا رسول اللہ ﷺ بھوک۔ تو مجھے طبرانی نے کہا کہ بیٹھ جاؤ یا رزق ملے گا یا (فاقے سے) موت پس میں اور امام ابوالشیخ اٹھے تو دروازے پر ایک علوی کھڑا تھا ہم نے اس کے لیے دروازہ کھولا تو دیکھا کہ اس کے ساتھ دو غلام ہیں کہ جن کے پاس دو تھیلے ہیں جن میں بہت ساری اشیاء تھیں تو اس نے فرمایا۔ اے لوگوں تم نے رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں شکایت کی تھی تو میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا آپ ﷺ نے مجھے حکم فرمایا کہ میں تم کو یہ اشیاء پہنچاؤں۔

اس واقعہ کو امام سخاوی نے القول البدیع میں نقل فرمایا اور اس کو ذکر کیا امام ابن الجوزی نے اپنی کتاب ''الوفا باحوال المصطفیٰ ﷺ'' میں۔[1]

---

[1] القول البدیع للسخاوی صفحہ ۱۶۰، اور اس کو علامہ محدث عبداللہ بن صدیق الغماری نے اپنی کتاب ''اتحاف الاذکیاء'' صفحہ ۴۱۔۴۲ میں اس کو برقرار رکھا اور امام ذھبی نے سیر اعلام النبلاء ۱۶/ ۴۰۱ اور تذکرۃ الحفاظ ۳/ ۹۷۴ میں اس کو ذکر کیا اور محقق ''شعیب الأرنؤوط'' نے کہا یہ کہنے والے پر مردود ہے اگر یہ اس سے ثابت ہے تو کیونکہ اہل علم میں اس پر اختلاف نہیں ہے کہ سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی سے استغاثہ اور سوال کرنا جائز نہیں ہے۔ اور کتنا عجب ہے یہ دھوکہ فریب اور جھوٹ جو کہ تکبر اور اندھے پن میں اہل علم پر بولا گیا کیونکہ کتنے ہی بڑے بڑے اہل علم رسول اللہ ﷺ سے استغاثہ پیش کرتے رہے ہیں اور اس کا کوئی بھی مخالف نہیں سوائے اس کے کہ جس کے دل میں بیماری ہو اور شائد محقق انہیں میں سے ہے اور وہ جاہل اتنا بھی نہیں جانتا کہ لفظ استغاثہ مترادفات میں سے ہے نہ کہ اضداد میں سے اس کا معنی توسل ہی ہے اور اللہ تعالیٰ وسیلہ نہیں بنتا لیکن اس کی طرف وسیلہ پکڑا جاتا ہے اور یہ یہاں اہل توحید کے لیے بسیط نہیں ہے کہ جو انبیاء کرام سے استغاثہ پیش کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کے سوا وہ صرف انبیاء و اولیاء کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ماذون تصور کر کے ان کو وسائط و وسائل بتاتے ہیں تا کہ اللہ تعالیٰ ان کی دعا جلدی قبول فرماتے اور وہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو بالذات نافع و ضار نہیں جانتے۔ از مصنف)

امام ابن المقری، امام ابوالشیخ اور امام طبرانی تمام مشہور حفاظ حدیث میں سے ہیں۔

حضرت امام سخاوی نے ہی ذکر فرمایا امام عبد الرحمن السلمی سے کہ، ابوالخیر الاقطع زاہد سے انہوں نے فرمایا کہ، میں فاقہ کی حالت میں مدینہ طیبہ میں داخل ہوا اور پانچ دن تک میں نے کوئی چیز بھی نہیں چکھی پس میں قبر منورہ پر حاضر ہوا اور آقا کریم ﷺ اور حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما پر سلام عرض کیا، اور عرض کی یا رسول اللہ ﷺ میں آج رات آپ ﷺ کا مہمان ہوں اور ہٹ کر منبر کے پیچھے سو گیا تو میں نے رسول اللہ ﷺ کو خواب میں دیکھا کہ ان کے دائیں طرف حضرت ابوبکر صدیق جبکہ بائیں طرف حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما تھے جبکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے سامنے تھے تو مجھے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ہلایا اور فرمایا رسول اللہ ﷺ تشریف لائے ہیں آپ ﷺ کو اٹھ کر سلام پیش کرو پس میں آپ ﷺ کی طرف کھڑا ہوا اور آپ ﷺ کی پیشانی کو بوسہ دیا تو آپ ﷺ نے مجھے روٹی عطا فرمائی میں نے ابھی آدھی روٹی کھائی تھی کہ میں بیدار ہو گیا تو بقیہ آدھی روٹی میرے ہاتھ میں تھی۔ [1]

اور حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے اپنی کتاب ''ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء'' میں ذکر فرمایا:

> روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مدائن کسریٰ کی طرف لشکر بھیجا اور اس کا امیر حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو بنایا اور لشکر کا قائد حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو مقرر کیا تو جب وہ دجلہ کے کنارے پہنچے اور وہاں کوئی کشتی نہ پائی تو حضرت سعد اور خالد رضی اللہ عنہما آگے بڑھے اور دونوں نے کہا: اے دریا تو اللہ کے حکم سے چلتا ہے پس حضرت محمد ﷺ کی عزت کے صدقے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ خلیفۃ اللہ کے عدل کے صدقے ہمیں راستہ دے دے تاکہ ہم عبور کریں پس لشکر اپنے گھوڑوں اور اونٹوں اور پیدل آدمیوں کے ساتھ دریا پار کر گیا اور کسی کے قدم بھی گیلے نہ ہوئے۔ [2]

---

[1] القول البدیع صفحہ ۱۶۰۔ [2] ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء ۲/۹۴۔

سنت مبارکہ سے دیگر دلائل:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے فرماتے ہیں:

سمعت رسول الله ﷺ يقول من كان له فرطان من أمتي أدخله الله بهما الجنة، فقالت له عائشة: فمن كان له فرط من أمتك؟ قال ومن كان له فرط يا موفقة، قالت: فمن لم يكن له فرط من أمتك؟ قال: فأنا فرط أمتي- لن يصابوا بمثلي-

میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا آپ ﷺ نے فرمایا کہ جس کے دو بچے بچپنے میں وفات پا جائیں اللہ تعالیٰ ان کے صدقے اس کو جنت میں داخل فرمائے گا۔ تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ آپکی امت میں سے جس کا ایک بچہ فوت ہوا ہو تو؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ جس کا ایک بچہ بھی فوت ہوا ہو اس کو بھی جنت میں بھیجے گا تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی جس کا ایک بچہ بھی فوت نہ ہوا ہو تو؟ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اس کا پیش رو اور بخشانے والا میں ہوں گا اور میری مثل ان کے کوئی بھی کام نہیں آئے گا۔[1]

اس حدیث شریف میں واضح دلیل موجود ہے کہ واسطہ پر اعتبار کیا جاتا ہے اور یہ کہ اس کے لیے قیامت کے دن مقام اور دولت ہوگی۔

---

[1] اخرجه الترمذي في الجامع ۳/۳۷۶ اور فرمایا کہ یہ حدیث حسن غریب ہے اس کو ہم عبداللہ بن بارق کے سوا نہیں پہچانتے اور اس سے کئی آئمہ نے روایت لی ہے۔ و في الشمائل ۲۸۰ واحمد في مسنده ۱/۳۳۴، وابو یعلی في مسنده ۵/۱۳۸ والطبراني في الكبير (۱۲۸۸۰) والبيهقي في السنن الكبرى ۴/۶۸ و في الشعب الايمان ۷/۱۳۴ و الحكيم الترمذي في نوادر الاصول ۱/۳۳۱ اور اس میں یہ الفاظ زیادہ کیے ہیں "أدخله الله الجنة بفضل رحمته اياهم"۔

جیسا کہ صحیح بخاری شریف کی حدیث میں آیا ہے کہ حضرت مصعب بن سعد رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ انہوں نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ ان کو دوسرے سے فضیلت ملی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ''هل تنصرون الا بضعفائکم'' تمہاری مدد تمہارے ضعیفوں کی وجہ سے کی جاتی ہے۔[1]

تو یہ مرتبہ حاصل نہیں ہوتا مگر مومنین کے اس صدق قدم کے ساتھ جو ان کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ہے یہ رتبہ پانے والا شخص اللہ تعالیٰ کی جناب میں عاجزی وانکساری اور اس کے لیے زلت اختیار کرتا ہے تاکہ اس کے درجات بلند کرے اور گنہگاروں اور اپنی جانوں پر ظلم وستم کرنے والوں کے بوجھ اتار دے پس اللہ تعالیٰ ان کی امیدوں کو پورا فرماتا ہے کیونکہ یہ سب کچھ اسی کی مہربانی اور عنایت سے ہے جس کا اس نے اذن دیا اور اسی کی رحمت ومہربانی ہے جوکہ اس کے بھائیوں میں سے سبقت لے گئے اس پر ظاہر کرتا ہے پس وہ یہ منزل اللہ تعالیٰ سے پاتے اور کے لیے جنت واجب ہو جاتی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے وارد ہے کہ:

أن الرجل الصالح يشفع في أربعين من آل بيته، أو في سبعين أو اكثر من ذلك۔

نیک آدمی اپنے گھر والوں میں سے چالیس افراد کی شفاعت کرے گا یا ستر افراد کی شفاعت کرے گا۔[2]

---

[1] اخرجه البخاري في الصحيح برقم ۲۸۹۶۔

[2] حضرت ابودرداء سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ شہید اپنے گھر والوں میں سے ستر افراد کی شفاعت کرے گا۔ اخرجہ ابوداؤد في السنن ۳/ ۱۵ (۲۵۲۲) وابن حبان في الصحيح ۱۰/ ۵۱۷ (۴۶۶۰) والبيهقي في السنن الكبرى ۹/ ۱۶۴ اور ابن ماجہ نے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ، پھر انبیاء کرام شفاعت فرمائیں گے پھر علماء اور پھر شہداء۔ ۲/ ۱۴۴۳ برقم ۴۳۱۳۔ تفصیل کے دیکھیں میری کتاب ''شفاعت مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم'' ارشد مسعود عفی عنہ)

اس سے بھی زیادہ کی، مختلف روایات ہیں اور حدیث شریف گذر چکی کہ جس میں ہے کہ جس کے دو بچے فرط یعنی شفاعت کرنے والے ہوں گے تو اس کو بخش دیا جائے گا تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا کہ جس کا ایک بچہ فوت ہوا ہو تو؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اس کو بھی بخش دیا جائے گا پھر اس کے بعد سوال کیا کہ جس کا ایک بھی نہ ہوا تو؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ میں اپنی امت کا شفیع ہوں اور میری مثل وہ کسی کو بھی نہیں پائیں گے۔

اور امام بخاری نے باب ''کراهیۃ السخب بالاسواق'' میں محمد بن سنان عن یسار کے طریق سے روایت کی کہ میں حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے ملا کہا کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت سناؤ جو تورات میں ہے فرمایا کیوں نہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات جو قرآن کریم میں موجود ہیں وہ تورات میں بھی موجود ہیں۔ اے غیب کی خبریں دینے والے ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حاضر و ناظر اور خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا اور ان پڑھ لوگوں کے لیے جائے پناہ، آپ میرے بندے اور رسول ہیں۔[1]

امام بخاری نے اس کی مثل کتاب التفسیر میں روایت نقل کی ہے:

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی بھی شفاعت فرمائیں گے اپنی امت میں سے جس کا کوئی شفیع نہیں ہوگا، اس وسیلہ اور واسطہ سے جو کہ خاص کر انہی کو اللہ تعالیٰ نے مرحمت فرمایا ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم عرش پر سجدہ کرتے ہوئے وہ محامد کریں گے جو کہ اللہ تعالیٰ ان کو الہام فرمائے گا تو رب تعالیٰ فرمائے گا اے میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم سر اقدس اٹھائیے جو مانگو گے دوں گا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمائیں گے میں اس وقت تک جنت میں داخل نہیں ہوں گا جب تک میرا ایک امتی بھی جہنم میں ہوگا۔

---

[1] اخرجہ البخاری فی الصحیح جلد ۳ صفحہ ۱۳۹۔

اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو یہ عطا فرمائے گا یہاں تک کہ آپ ﷺ راضی ہو جائیں گے۔

اللہ تعالیٰ کے اس قول کی تصدیق ہوگی

ولسوف يعطيك ربك فترضى

اے محبوب ﷺ تیرا رب تجھے اتنا دے گا کہ تو راضی ہو جائے گا۔

پس اب یہ حدیث شریف دلیل ہے اور اس میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ جس کی کوئی عزت نہیں اس کا کوئی وسیلہ نہیں اور جس کا کوئی وسیلہ نہیں اس کی کوئی عزت نہیں اگر نبی اکرم ﷺ کی عزت وقدر نہ ہوتی تو وہ پھر اس کے شفیع نہ بنتے کہ جس کا کوئی شفاعت کرنے والا نہیں کیونکہ نبی اکرم ﷺ مومنوں کی جانوں سے بھی زیادہ احق واقرب ہیں۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے

النبي أولى بالمؤمنين من أنفسهم

یہ نبی ﷺ مومنوں کی جانوں سے بھی زیادہ احق واقرب ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ ﷺ مدینہ منورہ یا مکہ مکرمہ میں ایک باغ کے قریب سے گذرے تو آپ ﷺ نے دو انسانوں کی آوازیں سنیں کہ جن کو ان کی قبروں میں عذاب ہو رہا تھا تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا، ان دونوں کو عذاب ہو رہا ہے اور عذاب کسی بڑے گناہ پر نہیں ہو رہا، ہاں ان میں سے ایک پیشاب کے چھینٹوں سے نہیں بچتا تھا جبکہ دوسرا چغلی اور غیبت کرتا تھا پھر ایک لکڑی منگوائی پھر اس کو توڑ کر دو حصوں میں تقسیم کیا اور دونوں قبروں پر ایک ایک گاڑ دی تو پوچھا گیا یا رسول اللہ ﷺ آپ ﷺ نے یہ کیوں کیا؟ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تک یہ خشک نہ ہونگی اس وقت تک ان پر قبر کا عذاب نہیں ہوگا۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آپ فرماتے ہیں کہ، نبی اکرم ﷺ لکڑی کے ایک تنے کے ساتھ ٹیک لگا کر خطبہ دیا کرتے تھے جب لوگوں کی کثرت ہو گئی تو فرمایا میرے لیے ایک منبر بناؤ، تو آپ ﷺ کے لیے ایک منبر بنایا گیا کہ جس کے دو

درج تھے پس جب آپ ﷺ منبر پر خطبہ کے لیے کھڑے ہوئے تو وہ تنا رسول اللہ ﷺ کے فراق میں رونے لگا حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں مسجد میں تھا میں نے سنا کہ وہ اتنا روتا ہے جیسے بچہ ماں سے بچھڑ کر روتا ہے وہ اس وقت تک روتا رہا جب تک رسول اللہ ﷺ اس کے پاس تشریف نہیں لائے، حضرت امام حسن (راوی) حدیث فرماتے ہیں کہ خشک لکڑی کا تنا رسول اللہ ﷺ کے عشق وشوق میں اس مقام کی وجہ سے جو آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملا ہے تو اے مومن تم تو زیادہ حق دار ہو کہ آپ ﷺ کی زیارت کے شوق میں آنسو بہاؤ۔ ①

پس یہ نبوی ہدایت ہے کہ جس سے یہ دلیل اخذ ہوتی ہے اور یہ واضح ہوتا ہے کہ زندہ ذوات کا اثر ارواح پر ہوتا ہے، آپ ﷺ کا فرمان ''لعله أن يخفف عنهما مالم تيبسا'' ان پر عذاب کم کیا جائے گا جب تک کہ یہ لکڑیاں خشک نہیں ہو جاتیں۔ اور یہ آپ ﷺ کے اس فرمان کی تفسیر ہے کہ جس میں آپ ﷺ نے فرمایا، ''في كل ذات كبد رطبة أجر'' کہ ہر جاندار میں اجر ہے۔ ②

کیونکہ وہ دونوں لکڑیاں جب تک ہری رہیں ان میں حیات تھی اور ہر زندہ بوٹی اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتی ہے تو میت کو ان کی تسبیح سے فائدہ ہوتا ہے کیونکہ تسبیح نزول رحمت خداوندی کا سبب بنتی ہے سبزی حیات لیے ہوئے ہوتی ہے اور تری اجر کے ساتھ ماجور ہوتی ہے فائدہ لیتی اور پہنچاتی ہے اور یہی اثر حقیقت ہے ذوات کے ساتھ توسل کرنے کی اور جس پر علمائے کرام نے نص فرمائی ہے۔

---

① اخرجه البخاري في الصحيح ١/ ٨٨ (٢١٣) وابن خزيمة في الصحيح ١/٣٢ (٥٥) والنساء في السنن ١٠٦/٤ و في السنن الكبرى ١/٢٦٣) (٢) (اخرجه ابن حبان في الصحيح ١٤/٤٣٦ وأحمد في مسنده ٣/ ٢٢٦ وأبو يعلى في مسنده ٥/ ١٤٢ والبيهقي في دلائل النبوة ٥٥٩/٢ والأصبهاني في الدلائل النبوة ٤٦/١ وابو نعيم في دلائل النبوة ١٤٢/٢-١٤٣)

② مختصر الحديث الذي أخرجه البخاري في الصحيح ٢/٨٧٠ (٢٣٣٤) و ٥ /٢٢٣٨ (٥٦٦٣) و ابن حبان في الصحيح ٢/٣٠١ و أبو داؤد في السنن ٣/ ٢٤ (٢٥٥٠) و مالك في الموطأ ٢/٢٢٩ والبيهقي في السنن الكبرى ٤/ ١٨٥ عن أبي هريرة رضي الله عنه أن النبي ﷺ قال بينما رجل بطريق، اشتد عليه العطش --- الحديث۔

جیسا کہ امام عینی ہم ان کے کلام کا خلاصہ پیش کرتے ہیں۔

شاید یہ عذاب کی تخفیف نبی اکرم ﷺ کے تبرک اور آپ ﷺ کی دعا تخفیف کا اثر ہو۔[1]

اور حضرت امام ابن حجر عسقلانی نے بھی ایسے ہی طرطوسی سے نقل فرمایا ہے یعنی یہ آپ ﷺ کے ہاتھ کی برکت کا خاصہ ہے۔[2]

اور علامہ ابن حجر اور علامہ عینی کا قول کہ

ان دونوں ٹہنیوں نے نبی اکرم ﷺ کی ہتھیلی مبارک سے نفع حاصل کیا اور ان کی اپنی ذات میں بھی ذکر خداوندی کی وجہ سے فائدہ تھا ایک ذات آپ ﷺ کی اور ایک ذات شاخ کی تھی تو اس سے حاصل ہوا کہ بطریق سریان انسان (نبی اکرم ﷺ) سے اور نبات (شاخوں) سے استمداد حاصل ہوئی آپ ﷺ کے اس فرمان کے مطابق "مالم ییبسا" کہ جب تک یہ خشک نہیں ہوتیں۔

پس ہری شاخ سے نفع اس حالت میں ہے کہ وہ خشک نہ ہو اور جب خشک ہوگئی تو اس کی حقیقت ختم ہوگئی جیسا کہ جمادات کا حال کہ جب تک وہ خارجی برکت کو اپنے آپ میں جذب نہ کرلیں جیسا کہ "صخرۃ الاسریٰ" "حجر الأسود" یا جیسا کہ اس ستون کا حال ہے کہ جس کے ساتھ آقا کریم ﷺ خطبہ کے وقت ٹیک لگاتے تھے تو جب اس میں نبی اکرم ﷺ

---

① عمدة القاری شرح صحیح البخاري جلد ۳ صفحہ ۱۱۷۔

② فتح الباری جلد ۱ صفحہ ۳۲۰) اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے فرمایا کہ حدیث کا سیاق اس پر قطعی دلیل نہیں کہ ان کو آپ ﷺ نے اپنے ہاتھ کے ساتھ خود گاڑا تھا بلکہ احتمال ہے کہ آپ ﷺ نے اس کا حکم دیا ہو۔ امام عینی نے عمدۃ القاری جلد ۳ صفحہ ۱۲۱" میں فرمایا یہ کلام بالکل ردی ہے انہوں نے یہ کیسے کہہ دیا جبکہ حدیث شریف میں صراحت ہے کہ "پھر آپ ﷺ نے شاخ منگوائی اور پھر اس کو دو ٹکڑے کیا اور ہر قبر پر ایک ایک ٹکڑا رکھا اور یہ صریح ہے کہ آپ ﷺ نے یہ دونوں شاخیں اپنے دست اقدس سے رکھیں تھیں اور اس کے سوا احتمال بہت بعید ہے۔)

کی برکت سرایت کر گئی تو اس میں روح پیدا ہوگئی اور اس میں حیات آگئی پس وہ رویا جبکہ اس کو آپ ﷺ نے چھوڑ دیا۔ اور جب آپ ﷺ نے اس سے سوال کیا تو وہ مخاطب ہوا ہے۔

پس یہ جامد ذات ہے کہ جس نے نبی اکرم ﷺ کا اثر قبول کیا تو ان دلوں کا کیا حال ہوگا کہ جن میں روح اور حیات باقی ہے۔

چوتھی مبحث:

انبیاء اور صالحین سے توسل کرنا

اس میں تین مطالب ہیں:

پہلی بات انبیاء اور صالحین کی ذات سے توسل کرنا

حضرات انبیاء اور صالحین سے توسل کرنا بہت سارے شرعی دلائل سے ثابت ہے، اور وہ یہ ہے کہ انسان اس طرح کہے، اے اللہ میں تجھ سے بجاہ فلاں یا بحق فلاں مانگتا ہوں کہ تو مجھ پر رحمت فرما یا میں تجھ سے فلاں کے صدقے سوال کرتا ہوں کہ تو میری حاجت پوری فرمادے یا اسی طرح دیگر سوالات اور اس پر بہت سارے دلائل موجود ہیں۔

پہلی دلیل:

حضرت امام بخاری نے اپنی صحیح میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ جب قحط پڑا تو حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے وسیلہ سے بارش کی دعا کی پس کہا:

اللھم انا کنا نتوسل الیک بنبینا فتسقینا، وانا نتوسل الیک بعم بنبینا فاسقنا۔ قال: فیسقون۔

اے اللہ ہم تجھ سے تیرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے بارش طلب کرتے تھے تو

تو ہمیں بارش دیتا تھا اب ہم تیرے نبی کے چچا کے وسیلہ سے بارش طلب کرتے ہیں، ہم کو بارش عطا فرما۔ تو ان پر بارش نازل ہوتی۔ (1)

حضرت امام ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں کہ

حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے واقعہ سے اہل خیر و نیک لوگوں اور اہل بیت کرام سے استشفاع کا استحباب مستفاد ہوتا ہے اور اس میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی فضیلت اور ان کے ساتھ تواضع سے پیش آنے میں اور ان کے حق کی معرفت میں سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی فضیلت کا اظہار ہوتا ہے۔ (2)

فضیلۃ الشیخ محدث علامہ محمود سعید ممدوح فرماتے ہیں

اس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے توسل سے ترک نہیں ہے دلائل کی عمومیت کی وجہ سے زیادہ سے زیادہ اس میں یہی ہے کہ توسل ترک کرنا جائز ہے اور جواز اور اس کے سوا میں فرق ہوتا ہے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے توسل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا میں کیا کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی عزت و اکرام فرمایا کرتے تھے اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی بڑی فضیلت ہے۔ (3)

اور امام حاکم ''مستدرک'' میں حضرت سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں انہوں نے فرمایا کہ، قحط کے سال حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے وسیلہ سے بارش کی دعا مانگتے ہوئے کہا:

اللھم ھذا عم نبیک العباس، نتوجه الیک به فاسقنا

---

(1) رواه البخاري في الصحيح (١٠١٠) والبغوي في شرح السنة ٣/٤٠٩ و ابن خزيمة في الصحيح ٢/٣٣٧ (١٤٢١) و ابن حبان في الصحيح ٧/ ١٠ والبيهقي في دلائل النبوة ٦/١٤٧ وفي السنن الكبرى ٣/٣٥٢ وابن سعد في الطبقات الكبرى ٤/٢٨-٢٩۔

(2) فتح الباری ٢/٤٨٧۔

(3) رفع المنارة لتخريج أحاديث التوسل والزيارة ٩١۔

اے اللہ یہ تیرے نبی ﷺ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ ہیں ان کے وسیلہ سے
تیری بارگاہ میں ہم پیش ہوتے ہیں تو ہمیں بارش عنایت فرما۔

تو دوران دعا ہی بارش ہونے لگی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

اے لوگوں بے شک رسول اللہ و حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو والد کا درجہ دیتے تھے آپ کی عزت واحترام کرتے تھے اور ان کے ساتھ حسن سلوک فرماتے تھے تو اے لوگو رسول اللہ ﷺ کی اقتدا کرو حضرت عباس رضی اللہ عنہ، آپ ﷺ کے چچا کے بارے میں اور ان کو وسیلہ بنالو تم پر رحمتیں نازل ہونگیں۔ (1)

حضرت علامہ ابن حجر ''فتح الباری'' میں ارشاد فرماتے ہیں کہ

زبیر بن بکار نے ''انساب'' میں اس واقعہ میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی دعا اور جس وقت یہ وقوع پذیر ہوا اس کو باسند واضح کیا ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے دعا مانگتے ہوئے عرض کی:

اللھم انه لا ینزل بلاء الا بذنب ، ولم یکشف الا بتوبة ، وقد توجه القوم بي الیک لمکاني من نبیک ، وھذه أیدینا الیک بالذنوب، ونواصینا بالتوبة، فاسقنا الغیث۔

اے اللہ! بلائیں نازل نہیں ہوتیں مگر گناہوں کے سبب اور یہ دور نہیں ہوتیں مگر توبہ کے سبب لوگ مجھے تیری بارگاہ میں تیرے نبی ﷺ کے ساتھ جو میری عزت ہے کی وجہ سے بطور توسل پیش کررہے ہیں یہ ہمارے گناہگار ہاتھ تیری طرف اٹھے ہوئے ہیں اور ہماری پیشانیاں توبہ کے ساتھ جھکی ہوئی ہیں پس ہمیں بارش عطا فرما پس بادل آسمان پر پہاڑوں کی طرح اٹھ آئے

---

(1) اخرجه الحاکم في المستدرک ۳/۳۳۴ والزبیر بن بکار في الأنساب کما في الفتح ۲/۴۹۷ و اخرجه ابن عساکر في تاریخ دمشق الکبیر من طریق الزبیر بن بکار به ۲۶/۳۲۸۔۳۲۹۔

یہانتک کہ زمین زرخیز ہوگئی اور لوگ خوشی سے زندگی بسر کرنے لگے۔[1]

اور ابن عساکر کی روایت میں یہ الفاظ ہیں

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا:

اللهم انا توجهنا اليک بعم نبيک وصنوا أبيه، فاسقنا الغيث ولا تجعلنا من القانطين، ثم قال عمر: قل يا أبا الفضل، فقال العباس: اللهم انه لم ينزل بلاء الا بذنب، ولم يكشف الا بتوبة، وقد توجه بيالقوم اليک لمكاني من نبيک، وهذه أيدينا اليک بالذنوب، ونواصينا بالتوبة، فاسقنا الغيث۔

اے اللہ! ہم تیری طرف متوجہ ہوتے ہیں، تیرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا کے وسیلہ سے جن کو نبی اکرم وباپ کی جگہ سمجھتے تھے تو ہمیں بارش عطا فرما اور ہمیں نا امیدوں میں سے نہ کر پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اے ابوالفضل کہیے تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے عرض کی، اے اللہ! بلائیں تو گناہوں ہی کے سبب نازل ہوتی ہیں اور توبہ سے رفع ہوتی ہیں قوم نے تیری بارگاہ میں مجھے اس عزت کے سبب بطور وسیلہ پیش کیا ہے جو مجھے تیرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے ہمارے گنہگار ہاتھ اور توبہ کرتی ہوئی پیشانیاں تیری بارگاہ میں حاضر ہیں ہم کو بارش عطا فرما۔

پس آسمان پر بادل بڑے بڑے پہاڑوں کی طرح گھر آئے اور پہاڑوں کی چو ٹیاں بارش سے بھر گئیں اور زمین ذرخیز ہوگئی اور لوگ جی اٹھے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''ھذہ الوسیلۃ الی اللہ، والمکان منہ''۔

یہ ہے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں وسیلہ اور اس کی طرف سے اس وسیلہ کی عزت۔[2]

---

[1] فتح الباری ۲/۴۹۷۔

[2] تاریخ دمشق الکبیر ۳۵۹/۲۶۔۳۶۰۔

اور ایک روایت میں ہے کہ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے وسیلے سے بارش کی دعا مانگی قحط کے سال میں اور کہا:

اللھم ان ھؤلاء عبادک وبنو عبادک و بنو امائک أتوک راغبین متوسلین الیک بعن نبیک علیہ الصلاۃ والسلام، فاسقنا سقیا نافعة تعم ابلاد و تحیي العباد ،اللھم انا نستسقي وقال ابن طاؤس:نستسقیک بعم نبیک و نستشفع الیک بشیبته، فسقوا۔

اے اللہ! یہ تیرے بندے اور تیرے بندوں کے بیٹے اور تیری لونڈیوں کے بیٹے تیری طرف تیرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا کے وسیلہ سے راغب ہوئے ہیں ان کو ایسی بارش عطا فرما جو تمام شہروں کے لیے ہو اور تیرے بندوں کو زندگی دے دے اے اللہ ہم تجھ سے بارش مانگتے ہیں۔ اور ابن طاؤس نے کہا ہم تیرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا کے ساتھ تجھ سے بارش طلب کرتے ہیں اور ان کی بزرگی کو تیری بارگاہ میں سفارشی بناتے ہیں بارش عطا فرما تو ان کو بارش عطا فرمائی گئی۔ [1]

تو حضرت عباس بن عتبہ بن ابی لہب نے اسی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا:

بعمي سقا الله الحجاز و أهله عشية يستسقي بشيبته عمر
توجه بالعباس في الجدب راغبا اليه فما ان رام حتى اتى المطر
و منا رسول الله فينا تراثه فهل فوق هذا للمفاخر مفتخر

---

[1] تاریخ دمشق الکبیر جلد ۲۶ صفحہ ۳۶۱۔۳۶۲۔

میرے چچا کے صدقے اللہ تعالیٰ نے حجاز اور حجاز والوں کو بارش دی، گھرے بادلوں سے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کی بزرگی کے صدقے بارش کی دعا کرتے تھے وہ قحط میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے واسطے سے اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوئے پس آپ دعا کرتے رہے حتی کہ بارش آگئی اور ہم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور ان کی تہذیب ہم میں ہے کیا کسی فخر کرنے والے کے لیے اس سے بڑا فخر ہوسکتا ہے۔

اور حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے دوسری روایت اس طرح ہے، ہمیں قحط کا سال پہنچا ہم نے بارش طلب کی لیکن بارش نہ برسی پھر ہم نے بارش کی دعا کی لیکن بارش نہ برسی پھر ہم نے بارش کی دعا کی لیکن بارش نہ برسی۔

توحضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"لأستسقين غدا بمن يسقيني الله ، فقال الناس :بمن ،بعلي ، بحسن ، بحسين ؟ فلما أصبح غدا الى منزل العباس فدق عليه فقال : من ِ فقال عمر قال : ماحاجتک ؟ قال اخرج حتى نستسقي الله بک ، قال اقعد فأرسل الى بني هاشم أن تطهروا والبسوا من صالح ثيابكم ، فأتوه فأخرج اليهم طيبا فطيبهم ، ثم خرج و علي أمامه بين يديه والحسن عن يمينه و الحسين عن يساره و بنو هاشم خلف ظهره فقال : يا عمر لا تخلط بنا غيرنا ، قال :ثم أتى المصلى فوقف فحمد الله و أثنى عليه وقال : اللهم انک خلقتنا ولم تؤامرنا و علمت ما نحن عاملون قبل أن تخلقنا فلم يمنعک علمک فينا عن رزقنا ، اللهم فكما تفضلت علينا في أوله فتفضل علينا في آخره ، فما برحنا حتى سحت السماء علينا سحا ، فما وصلنا الى منازلنا الا خوضا فقال العباس : أنا

المسقي ابن المسقي خمس مرات، فقال سعید: فقلت لموسی بن جعفر: و کیف ذاک ؟ قال استسقی فسقي عام الرمادة۔ و استسقی عبد المطلب فسقی زمزم۔

کل ہم ان کے وسیلے سے بارش مانگیں گے کہ جن کے صدقے اللہ تعالیٰ ہم کو بارش دے گا۔ لوگوں نے کہا کہ کن کے صدقے، حضرت علی، حضرت حسن، حضرت حسین رضی اللہ عنہم؟ جب اگلی صبح ہوئی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا دروازہ کھٹکھٹایا، پوچھا کون؟ کہا عمر رضی اللہ عنہ، حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کیا کام ہے آپ کو؟ حضرت عمر نے کہا، نکلیے ہم آپ کے صدقے رب کریم سے بارش مانگیں، حضرت عباس رضی اللہ نے فرمایا بیٹھیے بنی ہاشم کو پیغام بھیجیں کہ وہ پاکیزگی حاصل کریں اور اچھے کپڑے پہنیں پس وہ ان کی طرف نکلے راضی خوشی سے پھر حضرت عباس رضی اللہ عنہ نکلے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ ان کے آگے حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ ان کے دائیں اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ ان کے بائیں طرف اور بنو ھاشم ان کے پیچھے تھے، فرمایا، اے عمر رضی اللہ عنہ ہم میں کوئی غیر ھاشمی نہ ملے، پھر مصلی پر آئے ٹھہرے اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کی اور کہا، اے اللہ تعالیٰ! تو نے ہم کو تخلیق فرمایا اور ہم پر سختی نہ فرمائی اور ہمارے اعمال کا تجھے علم تھا ہمارے پیدا کرنے سے پہلے تو تیرے علم نے تجھ کو ہمیں رزق دینے سے نہ روکا، اے اللہ جیسے تو نے پہلے ہم پر فضل فرمایا، ہم پر آخر میں بھی فضل فرما تو اسی وقت آسمان بادلوں سے گھر گیا اور ہم اپنے گھروں تک بھی نہ پہنچے تھے کہ ہر طرف جل تھل ہو گئی تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا، میں سیراب کیے ہوئے کا سیراب کیا گیا بیٹا ہوں، یہ آپ نے پانچ مرتبہ فرمایا، تو سعید نے کہا کہ میں نے موسیٰ بن جعفر سے پوچھا، یہ کیسے؟ فرمایا انہوں نے عام الرمادہ میں بارش مانگی تو انہیں بارش دی گئی۔ (اور

حضرت عبدالمطلب نے دعا مانگی تو ان کو زم زم شریف کے ساتھ سیراب کیا گیا)[1]

اور امام طبری نے اپنی تاریخ میں ایک طویل خط کا ذکر کیا ہے جو کہ حضرت ابو جعفر منصور نے حضرت امام محمد بن عبداللہ بن حسن بن الحسن بن علی رضی اللہ عنہ کی خدمت اقدس میں ارسال کیا تھا اس میں ہے کہ آپ جانتے ہیں کہ دور جہالت میں ہمیں عزت دی گئی حجاج کو پانی پلانے اور زم زم کی تولیت کے ساتھ۔ پس حضرت عباس رضی اللہ عنہ اپنے بھائیوں میں سے اس عزت کے مستحق ٹھہرے آپ کے باپ نے اس میں منازعات کی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ہمارے حق میں یہ فیصلہ کیا پس جہالت و اسلام میں وہ ہمارے پاس ہی رہے اور جب مدینہ منورہ والوں پر قحط پڑا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ہمارے باپ (حضرت عباس) کے سوا کسی کو رب کی بارگاہ میں قرب کے لیے اور بطور توسل کے پیش نہیں کیا۔ حتی کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو بلندی اور عزت بخشی اور ان کو بارش عنایت فرمائی حالانکہ آپ کے باپ (یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ) بھی اس وقت موجود تھے لیکن ان کے ساتھ توسل نہیں فرمایا۔

حضرت علامہ ابن حجر نے فرمایا کہ، اور اس حدیث میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ توسل کرنے کا ثبوت اور آپ کے سوا دیگر اہل بیت و صالحین کے ساتھ توسل کرنے کے جواز کا بیان ہے۔

انور شاہ کشمیری (دیوبندی) نے فیض الباری میں کہا: اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا فرمانا کہ، ہم آپ کی بارگاہ میں تیرے نبی کے چچا کے ساتھ توسل کرتے ہیں پس ہم کو بارش عطا فرما تو ان کو بارش عطا کی گئی۔ (ابن تیمیہ (امام الوھابیۃ) نے کہا) یہ فعلی توسل ہے کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کے بعد کہا تھا اے عباس کھڑے ہو کر دعا کیجیے تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے ان کے لیے دعا کی تو اس سے توسل قولی ثابت نہیں ہوتا یعنی صالحین کے نام کے ساتھ توسل کرنا ان کی شرکت کے بغیر (یعنی یہ ثابت نہیں ہوتا)۔

---

[1] تاریخ طبری ۴/۴۳۳۔

میں (کشمیری) کہتا ہوں کہ ترمذی شریف میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے اعرابی کو یہ کلمات سکھلائے اور وہ نابینا تھا،

''اللهم اني أتوجه اليک ......الی قوله: فشفعه في''

اے اللہ میں تیری بارگاہ میں پیش ہوتا ہوں تیرے نبی حضرت محمد ﷺ کے وسیلہ کے ساتھ...الخ۔تو اس سے توسل قولی بھی ثابت ہوتا ہے پس اب ابن تیمیہ کا انکار طوالت کے سوا کچھ بھی نہیں۔ [1]

اب میں (مؤلف) چاہتا ہوں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کے ساتھ توسل کرنے پر جو اعتراضات ہوتے ہیں ان کو ذکر کر کے ان کے جوابات عرض کروں۔

---

[1] فیض الباری جلد ۴ صفحہ ۶۸۔

اعتراضات

ان میں سے ایک اعتراض تو یہ ہے کہ،

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے استسقاء میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے کیوں توسل کیا؟

تو اس کے کئی وجوہ سے جوابات دیے گئے ہیں۔

نمبر(۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ توسل کرنا ضروری نہیں اور اس کا ترک جائز اور اس سے غیر کی طرف عدول فروع میں سے ہے اصول میں سے نہیں ہے لیکن معترض اس کو اصول شمار کرتے ہیں اور یہی ان کی طرف سے مشکل ہے جس کو وہ اسلامی اجتماعات میں بیان کرتے ہیں بہت سارے دعوت دینے والے یا اپنے آپ کو داعی کہنے والے ایسی اساس کہ جس پر علوم فقہ عقیدہ اور فکر اسلامی قائم ہے کو مخلط کر دیتے ہیں اور فروعات کو اصولیات کے بمنزلہ شمار کرتے ہیں اور اصول کو بمنزلہ فروع شمار کرتے ہیں اور یہی ملت اسلامیہ کے ایک صف میں کھڑے ہونے اور اتفاق واتحاد کے لیے بہت بڑا خطرہ ہے اور یہی تفرقہ کا خطرہ ہے کہ جو مسلمانوں کو اسلام کے اصول اور صحیحہ ثابتہ مبادی کے ساتھ عدم تمسک کا سبب بنتا جا رہا ہے۔

نمبر(۲) اللہ تعالیٰ کا فرمان

أَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوْٓءَ۔ [1]

اور اس میں شک نہیں کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ مضطرین میں سے تھے اس وقت جیسا کہ معلوم ہے تمام اہل مدینہ پر قحط سخت تھا، اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا ایک باغ تھا وہ خشک

---

[1] سورۃ النمل ۶۲۔

سالی کی وجہ سے خراب وخستہ حالی کا شکار ہو چکا تھا لہذا حضرت عباس رضی اللہ عنہ خاص طور پر ذاتی مجبوری کی وجہ سے مضطر تھے جبکہ دیگر مسلمان عمومی طور پر اسی خستہ حالی کا شکار تھے پس وہ دعا اور اللہ کی بارگاہ میں التجاء کرنے کے محتاج تھے تا کہ ان کی مصیبت رفع ہو جائے لہذا مستحسن یہی تھا کہ ان کو وسیلہ بنایا جاتا اور اس کے ساتھ ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قرابت بھی تھی۔

نمبر (۳) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے اہل بیت کی تعظیم کی وجہ سے لوگوں کے لیے بارش طلب کرنے کے لیے مقدم کیا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا کے ساتھ توسل کیا یعنی اس قرابت کے ساتھ جو ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھی تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ دعا میں وسیلہ تھے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم میں مبالغہ کرتے ہوئے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جگہ رکھا اور ان کو مقدم کیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس قول میں اسی طرف اشارہ ہے کہ

اے اللہ: ہم تیرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے تجھ سے دعا مانگتے تھے تو ہمیں بارش دیتا تھا اب ہم تیرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا کے وسیلہ سے مانگتے ہیں ہمیں بارش عطا فرما، تو یہ دلالت کرتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو آگے بڑھانا تا کہ ان کے ساتھ نماز پڑھیں اور ان کے لیے دعا کریں۔

تا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جگہ ہو جائیں یہ انہوں نے قبولیت اور استجابت دعا میں رغبت کی وجہ سے کیا اسی لیئےحضرت عباس رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ توسل کیا کیونکہ انہوں نے کہا،

اے اللہ! قوم مجھ سے اس عزت کی وجہ سے تقرب حاصل کر رہی ہے جو عزت کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے ہے یعنی جو مجھے تیرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قرابت ہے اے اللہ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اس کے چچا کے بارے میں

حفاظت فرما یعنی میری دعا اپنے نبی ﷺ کی وجہ سے قبول فرما۔

اور یہاں اشارہ یہ ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے ان کے ساتھ نماز استسقاء پڑھی جیسے کہ رسول اللہ ولوگوں کے ساتھ نماز پڑھتے تھے اور نبی اکرم ﷺ سے حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے دعا کی قبولیت کے لیے توسل کیا اس قرابت کی وجہ سے جو ان کو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھی۔ اور یہاں ضروری ہے کہ دو چیزوں کا خیال رکھا جائے۔ یعنی توسل کے معاملہ اور استسقاء کے معاملہ دونوں کا خیال رکھیں۔ پس حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی تقدیم توسل ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو آگے بڑھایا وسیلہ کے لیے اور اس قول سے اللہ تعالیٰ سے دعا کی، اے اللہ! ہم تیرے نبی ﷺ کے وسیلہ سے تجھ سے دعا مانگتے تھے تو تو ہمیں بارش دیتا تھا اور اب ہم اپنی نبی ﷺ کے چچا کے وسیلہ سے تجھ سے مانگتے ہیں۔۔۔ الخ۔ اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی دعا ہی استسقاء ہے۔

نمبر (۴) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے فعل سے یہ ارادہ فرمایا کہ نبی اکرم ﷺ کے سوا دوسرے اہل خیر اور نیک بزرگوں کہ جن کی برکت سے امید کی جاتی ہے سے بھی توسل کرنا جائز ہے۔

حضرت علامہ ابن حجر عسقلانی نے اس کی شرح میں فرمایا کہ، حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے واقعہ سے نیک لوگوں اور اہل خیر وصلاح و اہل بیت نبوی ﷺ سے توسل کرنے کے استحباب کا فائدہ حاصل ہوتا ہے۔[1]

نمبر (۵) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس فعل سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ مسلمانوں کے لیے اس میں اشارہ اور توجیہ ہے کہ افضل کے ہوتے ہوئے مفضول کے ساتھ توسل کرنا جائز ہے۔ یعنی خلیفہ برحق امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو اختیار فرمایا حالانکہ وہاں اہل بیت کے بڑے بڑے بزرگ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم موجود تھے۔ جیسے کہ حضرت علی کرم اللہ وجھہ اور حضرت حسن و حسین رضی اللہ عنہما

---

[1] فتح الباری جلد ۲ صفحہ ۴۹۷۔

اور حضرات عشرہ مبشرہ وغیرہم رضی اللہ عنہم بھی تھے۔ تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو آگے
بڑھانا اس مسئلہ کے جواز پر دلالت کرتا ہے۔

اور علماء المسلمین میں سے کسی نے بھی یہ قول نہیں کیا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کا اثبات کیا تھا (یعنی توسل بالمفضول مع وجود الفاضل) لیکن اس سے نتیجہ ضرور اخذ کیا جا سکتا ہے۔ اور اس میں کوئی حرج بھی نہیں، لیکن یہ ایسی حقیقت ہے کہ جس میں کوئی شک نہیں ہے۔ وہ یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس میں توسل کی اقسام جمع فرما دیں یعنی حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی دعا سے توسل کرنا اور ان کی ذات کے ساتھ توسل کرنا پھر حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں جو آپ رضی اللہ عنہ کو مقام حاصل تھا اس کے ساتھ توسل کرنا اس کے ساتھ ساتھ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ توسل جیسا کہ پیچھے حضرت بلال بن حارث رضی اللہ عنہ کے واقعہ میں گذر چکا ہے اور نابینا صحابی کے واقعہ میں ہے اور یہ بہت بڑی دلیل ہے اس پر کہ دعا کی قبولیت کے لیے امید کی اقسام کا جمع کرنا خشوع اور تذلل کرنا توسلات اور توجہات کے ساتھ اور یہی بندے کے مناسب ہے اللہ جل جلالہ کی بارگاہ میں اور یہ اس فطرت کے موافق ہے کہ جس کے مطابق انسان کو پیدا کیا گیا ہے۔

اور مدد طلب کرنے کے بارے میں زندگی کے واقعات ہمارے لئے وضاحت کرتے ہیں کہ بندہ ہر اس چیز کی پناہ لیتا ہے جو بھی اس کی مدد کی اہلیت رکھتی ہے۔

نمبر (۶) آدمی اس شخص کے قول سے حیران ہوتا ہے کہ جو کہتا ہے کہ یہاں توسل حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی ذات کی بجائے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی دعا کے ساتھ توسل کرنا تھا اور یہ قول تفصیل اور تعقب کا محتاج ہے۔

پس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تو اس سے یہی سمجھے تھے کہ یہ توسل حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی ذات اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت کے ساتھ تھا، اور اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے جلیل القدر صحابی حضرت عباس بن عتبہ آپ کے بھتیجا نے فرمایا:

بعمي سقا الله الحجاز وأهله عشية يستسقي بشيبته عمر
توجه بالعباس في الجدب راغبا اليه فما ان رام حتى ؤتى المطر
و منا رسول الله فينا تراثه فهل فوق هذا للمفاخر مفتخر

میرے چچا کے صدقے اللہ تعالیٰ نے حجاز اور حجاز والوں کو بارش دی، گھرے بادلوں سے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کی بزرگی کے صدقے بارش کی دعا کرتے تھے وہ قحط میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے واسطے سے اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوئے پس آپ دعا کرتے رہے حتی کہ بارش آگئی اور ہم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور ان کی تھذیب ہم میں ہے کیا کسی فخر کرنے والے کے لیے اس سے بڑا فخر ہو سکتا ہے۔

اور حدیث حضرت عباس رضی اللہ عنہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا صحابہ کے ساتھ توسل کرنے کا جواز ہے اور کسی خاص شخص کے ساتھ توسل کے اختصاص کا ثبوت ہے نمبر (۷) یعنی حاضرین میں سے کوئی کمزور ایمان والا بھی ہوتا ہے پس اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کے ساتھ توسل کرتے اور ان کی دعا قبول نہ ہوتی تو وہ شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت میں شک کرتا۔ پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی طرف معدول کر دیا مقام نبوت کے خوف کی وجہ سے اگر آپ رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کے ساتھ توسل کرتے تو مخالف کہتا کہ توسل صرف نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات کے ساتھ خاص ہے اور یہی تحجیر ہے جیسا کہ ہم نے کہا اور اس کی بنیاد اصل فاسد پر ہے وہ یہ کہ ترک کرنا فعل کی حرمت پر دلالت کرتا ہے اور یہ قول شاذ ہے اور اس کے ساتھ حجت قائم نہیں کی جا سکتی۔

اور شیخ محمد متولی شعراوی کے کلام کو دیکھیے جو کہ اس کتاب میں حضرت بلال بن حارث والی روایت کے تحت ابن باز کے رد میں گذر چکا ہے جو انہوں نے حضرت سیدنا عباس رضی اللہ عنہ سے توسل کے بارے میں فرمایا ہے۔

دوسری دلیل:

نبی اکرم ﷺ کا حضرات انبیاء کرام علیھم السلام سے توسل کرنا جیسا کہ سیدہ فاطمہ بنت اسد رضی اللہ عنہا کے واقعہ میں ہے۔ جس میں یہ الفاظ ہیں:

"بحق نبیک والانبیاء الذین من قبلی" اپنے نبی اور مجھ سے پہلے انبیاء کرام علیھم السلام کے طفیل اے باری تعالیٰ اس کو بخش دے۔

یہ حدیث صحیح ہے اس کو حافظ امام حاکم اور ابن حبان نے صحیح کہا ہے اور اس کی عبارت اس طرح ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آپ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

أن فاطمة بنت اسد عليها السلام أم علي بن أبي طالب عليه السلام لما توفيت نزل النبي ﷺ في قبرها قبيل الدفن واضطجع فيه وقال :الله الذي يحي و يميت ،وهو حي لا يموت ،اغفر لأمي فاطمة بنت أسد، ولقنها حجتها، ووسع عليها مدخلها، بحق نبيك، والأنبياء الذين من قبلي، فانك أرحم الراحمين۔

جب حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی والدہ ماجدہ حضرت فاطمہ بنت اسد کا انتقال ہوا تو رسول اللہ ﷺ دفن سے پہلے ان کی قبر میں تشریف فرما ہوئے (یعنی لیٹے) اور عرض کی اللہ وہ ہے جو زندہ کرتا اور موت دیتا ہے وہ زندہ ہے اس کو موت نہیں ہے (اے اللہ) میری امی کو بخش دے اور ان کو ان کی حجت تلقین فرما دے اور ان پر ان کی قبر کو وسیع فرما دے اپنے نبی ﷺ اور مجھ سے پہلے انبیاء کرام علیھم السلام کے صدقے بے شک تو ارحم الراحمین ہے۔

اور ایک روایت میں الفاظ اس طرح ہیں:

---

① تخریج گذر چکی۔

أنه أمر بحفر قبرها، فلما بلغوا اللحد حفره رسول الله ﷺ بيده الشريفة و أخرج ترابه بيده، فلما فرغ دخل رسول الله ﷺ فاضطجع فيه۔ (1)

کہ آپ ﷺ نے ان کی قبر کھودنے کا حکم فرمایا پس جب وہ لحد تک پہنچے تو رسول اللہ ﷺ نے لحد اپنے ہاتھ سے بنائی اور اپنے مبارک ہاتھوں سے مٹی نکالی پس فارغ ہوئے تو رسول اللہ ﷺ اس میں داخل ہو کر لیٹ گئے۔

اب ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ صلحاء کی ذات کے ساتھ توسل کرنا جائز ہے اور یہ صرف اعمال صالحہ کے ساتھ ہی مختص و مقید نہیں ہے اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے ساتھ توسل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی موجودگی میں کیا گیا تو ان میں سے کسی ایک نے بھی اس کا انکار نہیں کیا۔ لہذا یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع سکوتی ہے۔

اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے توسل در حقیقت رسول اللہ ﷺ کی ذات شریفہ سے ہی توسل ہے اور اس بات کی تائید وہ کلام کرتا ہے جو کہ امام ابن عبد البر نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں فرمایا ہے، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کئی طریق سے روایت کی گئی ہے کہ وہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے ساتھ نکلے اور کہا،

"اللهم انا نتقرب اليک بعم نبیک ﷺ و نستشفع به، فاحفظ فيه نبیک ﷺ كما حفظت الغلامين لصلاح أبيهما، وأتيناک مستغفرين و مستشفعين، ثم أقبل على الناس فقال: اِسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا، يُرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا وَّ يُمْدِدْكُمْ بِأَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ جَنّٰتٍ وَّيَجْعَلْ لَّكُمْ أَنْهٰرًا۔

---

(1) رواه الطبراني في الأوسط ١/٦٧-٦٨ و في الكبير ٢٤/٣٥١ و ابو نعيم في الحلية الاولياء ٣/١٢١ و من طريقه ابن الجوزي في العلل المتناهية ١/٢٧٠

اے اللہ! ہم تیرے نبی کے چچا کے وسیلہ سے تیرا قرب حاصل کرتے ہیں پس ان کی لاج رکھ لے اپنے نبی ﷺ کے طفیل جیسا کہ تو نے حفاظت فرمائی دو یتیم بچوں کے خزانہ کی ان کے باپ کی نیکی کے طفیل اور ہم تیری بارگاہ میں معافی طلب کرتے اور شفاعت مانگتے ہوئے حاضر ہیں پھر آپ نے لوگوں کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے فرمایا۔ اپنے رب سے بخشش طلب کرو، وہ بخشنے والا ہے وہ آسمان سے تم پر بارش نازل فرماتا ہے اور تمہاری مدد کرتا ہے مالوں اور بیٹوں کے ساتھ اور اس نے تمہارے لیے باغات بنائے اور نہریں چلائیں۔[1]

پھر حضرت عباس رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور ان کی دونوں آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔۔۔۔ پھر بادل ٹکڑوں میں ظاہر ہوا لوگوں نے شور مچایا دیکھو دیکھو پھر وہ ٹکڑے آپس میں ملے اور گھٹا کی شکل اختیار کر لی پھر اس سے ہوا چلی اور پھر موسلا دھار بارش ہو گئی اللہ کی قسم ابھی لوگ وہاں ہی کھڑے تھے کہ پانی دیوار تک پہنچ گیا اور لوگوں نے کپڑے اوپر سمیٹ لیے اور لوگ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی طرف بڑھے اور ان کے جسم کو مس کرنے لگے اور وہ کہنے لگے اے ساقی الحرمین مبارک ہے تیرے لیے۔[2]

تیسری دلیل:

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ نبی اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

من خرج من بيته الى الصلاة فقال: اللهم اني أسألک بحق السائلين عليک، وأسألک بحق ممشاي هذا، فاني لم أخرج أشرا

---

[1] سورۃ نوح ۱۰۔۱۲۔

[2] الاستیعاب فی معرفة الاصحاب ۲/۸۱۵۔۲۱۸۔

(افتخارا)، ولا بطرا (اعجابا) ،ولا رياء ،ولا سمعة ، وخرجت اتقاء سخطك ،وابتغاء مرضاتك ،فأسألك أن تعيذني من النار ،وأن تغفرلي ذنوبي ،انه لا يغفر الذنوب الا أنت، أقبل الله عليه بوجهه، واستغفر له سبعون ألف ملك۔

جو شخص نماز کے لیے اپنے گھر سے نکلے اور یوں کہے اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں سوال کرنے والوں کے صدقے سے اور تجھ سے سوال کرتا ہوں اپنے چلنے کی جگہ کے صدقے سے نہ میں غرور تکبر کے لیے نکلا اور نہ ہی دکھلاوے کے لیے اور ریاکاری کے لیے اور میں محض تیرے غضب سے ڈرتے ہوئے اور تیری رضا چاہتے ہوئے نکلا ہوں میں تجھ سے جہنم سے پناہ مانگتا ہوں اور تو میرے گناہوں کو بخش دے بے شک تیرے سوا ان کو کوئی نہیں بخشنے والا، تو اللہ تعالیٰ اس کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور ستر ہزار فرشتے اس کے لیے مغفرت کرتے ہیں۔[1]

پس تو نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سائلین کا وسیلہ پیش کیا اور سائل تو انبیاء وغیرہم پر مشتمل ہیں پس یہ جواز اور صحت توسل پر دلیل ہے اولیاء اور صالحین کے ساتھ۔

---

[1] اخرجه ابن ماجه ۱/۲۵۲ (۷۷۸) واحمد فی المسند ۳/۲۱ والطبرانی فی الدعاء ۱/۹۹۰ وابن السنی فی عملل الیوم واللیلة ۴۰ (۸۵) وابن المنذر فی الاقناع ۱/۹۱ وابن بشران فی امالیه ۳۲۵ (۷۵۴) وغیرہم۔ اور بہت سارے محدثین نے اس کی تحسین فرمائی ہے ان میں سے حافظ دمیاطی نے "المتبحر الرابح" ۴۷۱۔۴۷۲میں اور حافظ ابو الحسن المقدسی، الحافظ المنذری نے جیسا کہ الترغیب والترہیب ۲ /۴۵۹ اور حافظ عراقی نے "تخریج الاحیاء" ۱ / ۲۹۱ میں اور حافظ ابن حجر نے امالی الاذکار ۱ /۲۷۲ اور الحافظ البوصیری نے "المصباح الزجاجة" ۱ /۹۸ میں فرمایا لیکن اس کو امام ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں "فضیل بن مرزوق کی سند سے بیان کیا اور یہ صحیح سند ہے۔ مزید کلام پیچھے گذر چکا)

چوتھی دلیل:

امام بخاری نے مصعب بن سعد سے روایت کی انہوں نے فرمایا کہ حضرت سعد نے دیکھا کہ ان کو دوسروں پر فضیلت ہے تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''هل تنصرون الا بضعفائكم ''تمہاری مدد صرف تمہارے ضعیفوں کے سبب کی جاتی ہے۔[1]

پانچویں دلیل:

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میرے لیے ضعفاء ڈھونڈو، بے شک تم کو رزق انہی کے سبب ملتا ہے اور تمہاری مدد انہیں کی سبب کی جاتی ہے۔[2]

چھٹی دلیل:

حضرت ابو امیہ بن عبداللہ بن خالد سے روایت ہے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ فقراء مہاجرین کے سبب فتح طلب فرماتے تھے۔ اور ایک روایت میں الفاظ اس طرح ہیں رسول اللہ ﷺ فقراء مسلمانوں کے سبب مدد اور فتح طلب کرتے تھے۔[3]

ساتویں دلیل:

امام بزار وغیرہ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی وہ فرماتی ہیں کہ میں نے اپنے والد کی شان میں یہ الفاظ کہے:

وأبيض يستسقى الغمام بوجهه ثمال اليتامى عصمة للأرامل

گوری رنگت والے جن کے چہرہ اقدس کے صدقے بارش طلب کی جاتی ہے۔ آپ یتیموں اور بیواؤں کے جائے پناہ اور مددگار ہیں۔

---

[1] اس کی تخریج پیچھے گذر چکی۔

[2] اس کی تخریج پیچھے گذر چکی۔

[3] اس کی تخریج پیچھے گذر چکی۔

فقال أبي: ذاک رسول الله ﷺ۔ ①

تو میرے والد ماجد (حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ) نے فرمایا کہ یہ رسول اللہ ﷺ کی شان ہے۔

آٹھویں دلیل:

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لیأتین علی الناس زمان یخرج الجیش، فیطلب الرجل من أصحابي، فیقال :فیکم رجل من أصحاب محمد ﷺ؟ فیقولون :نعم ، فیستفتحون به ، فیفتح علیهم ، ثم یأتي علی الناس زمان ، فیخرج الجیش، فیقال: هل فیکم رجل من أصحاب محمد ﷺ؟ فیطلبونه فلا یجدونه، فلو کان رجل من أصحابي وراء البحر لأتوه۔

لوگوں پر ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ لشکر نکلے گا اور میرے صحابہ میں سے کسی شخص کو ڈھونڈا جائیگا اور کہا جائیگا کیا تم میں کوئی رسول اللہ ﷺ کا صحابی ہے؟ تو لوگ کہیں گے ہاں تو اس کے صدقے سے لوگ فتح طلب کریں گے تو ان کو فتح ملے گی پھر لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ لشکر روانہ ہوگا تو پوچھا جائے گا کیا تم میں کوئی صحابی رسول ﷺ ہے؟ پس لوگ ڈھونڈیں گے لیکن ان کو نہیں ملے گا پس اگر میرے صحابہ میں سے کوئی انہیں سمندر پار بھی ملے تو وہ اس کو لے آئیں گے۔ ②

---

① رواه البزار في مسنده ۱/ ۱۲۸ و ۱۸۵ وقال اسناده اسناد حسن، والامام احمد في مسنده ۱/ ۷ وابن ابي شيبة في المصنف ۵/ ۲۷۹ و ذكره الذهبي في ميزان الاعتدال ۵/ ۱۵۸ وقال الهيثمي في مجمع الزوائد ۶/ ۲۷۲ :رواه احمد والبزار ورجاله ثقات۔

② رواه عبد بن حميد (۱۰۲۰) وابو يعلى من طريقين (۲۱۸۲ و ۲۳۰۶) اور اس کے راوی صحیح کے راوی ہیں سوائے عقبہ بن مکرم کے اور وہ ثقہ ہے اور امام ہیثمی نے مجمع الزوائد ۱۰/ ۱۸ پر کہا کہ اس کو ابو یعلی نے دو طریقوں سے روایت کیا ہے اور دونوں کے راوی صحیح کے راوی ہیں۔)

اور المعجم الکبیر للطبرانی میں ہے:

حدثنا معاذ بن المثنى ثنا علي بن المديني ثنا سفيان بن عيينة عن مجالد عن الشعبي عن عبد الله بن جعفر: قال لما كنت أسأل عليا رضي الله عنه الشيء فيأبى علي فأقول: بحق جعفر، اذا قلت: بحق جعفر أعطاني۔

بسند مذکور حضرت عبد اللہ بن جعفر نے کہا کہ جب میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کسی شے کا سوال کرتا وہ مجھے دینے سے انکار کر دیتے تو میں کہتا کہ حضرت جعفر کے صدقے مجھے دیجیے، تو جب میں یہ کہتا تو وہ مجھے عطا فرما دیتے۔[1]

نویں دلیل:

امام طبرانی اور ابو یعلی وغیرھما نے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اذا انفلتت دابة أحد كم بأرض فلاة فليناد: يا عباد الله احبسوا علي، يا عباد الله احبسوا علي، فان لله في الأرض حاضرا سيحبسه۔

تم میں سے جب کسی کا جانور ایسی زمین میں کھو جائے کہ جہاں اس کا جاننے والا کوئی نہ ہو تو وہ یوں ندا کرے اے اللہ کے بندو اس کو میرے لیے روکو اے اللہ کے بندو اس کو میرے لیے روکو، پس اللہ تعالیٰ کے کچھ بندے

---

[1] اخرجه الطبراني في المعجم الكبير ٢/١٠٩ واحمد في فضائل الصحابة ٢/٩٠٣ وابن عبد البر في الاستيعاب ١/٢٤٤ وذكره ابن حجر في الاصابة ١/٤٨٦ والذهبي في السير اعلام النبلاء ١/٢٠٧)

رجال الغیب اس کو روک دیں گے۔ ①

امام بیہقی کی ''الجامع لشعب الایمان، میں روایت ہے: أخبرنا أبو عبد اللہ الحافظ (ثقة) اخبرنا احمد بن سلیمان الفقیہ (صدوق تاریخ بغداد ۴/ ۱۹۰) ببغداد، حدثنا عبد اللہ بن احمد بن حنبل (ثقة ثبتا فهما، ایضا۹ / ۳۷۵)

قال سمعت ابي يقول: حججت خمس حجج منها اثنتان راكب و ثلاثة ماشي أو ثلاثة راكب و اثنتان ماش فضللت الطريق في حجة، و كنت ماشيا فجعلت أقول: يا عباد الله دلوني على الطريق، قال: فلم أزل أقول حتى وقفت على الطريق أو كما قال أبي۔ اسناده حسن۔

---

① رواه أبو يعلى في مسنده ۹/۱۷۷ (۵۲۶۹) والطبراني في الكبير ۱۰/ ۲۱۷ (۱۰۵۱۸) وقال الهيثمي في مجمع الزوائد ۱۰/۱۳۲: رواه ابو يعلى والطبراني وزاد "سيحبسه عليكم "اور اس میں معروف بن حسان ہے جو کہ ضعیف ہے اور اس کا شاہد عتبہ بن غزوان سے ہے، وہ نبی اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ اذا ضل أحدكم شيئا و أراد أحدكم عونا وهو بأرض ليس بها أنيس فليقل: يا عباد الله أغيثوني، يا عباد الله أغيثوني، فان لله عبادا لا نراهم۔ و قد جرب ذلک۔ رواه الطبراني في الكبير ۱۷/ ۱۱۷۔۱۱۸ (۲۹۰) وقال الحافظ الهيثمي ۱۰/ ۱۳۲ و رجاله وثقوا على ضعف في بعضهم الا أن زيد بن علي لم يدرک عتبة، وبهذا الشاهد يرتقي الحديث الى الحسن لغيره۔

کہ تم میں سے کسی کی کوئی چیز گم ہو جائے اور وہ کسی سے مدد چاہے اور وہ ایسی جگہ ہو جہاں اس کا کوئی انیس نہ ہو تو یوں کہے، اے اللہ کے بندو میری مدد کرو اے اللہ کے بندو میری مدد کرو، کیونکہ اللہ کے کچھ بندے ایسی ہیں کہ ہم انہیں نہیں دیکھتے۔ اور یہ مجرب ہے طبرانی نے اس کو معجم الکبیر میں ۱۷/ ۱۱۷۔۱۱۸ برقم ۲۹۰ میں روایت کیا اور حافظ ہیثمی نے کہا کہ اس کے رجال کی توثیق کی گئی ہے اگر چہ ان میں کچھ ضعف بھی ہے مگر زید بن علی نے عتبہ کو نہیں پایا، تو اس شاہد سے یہ حدیث حسن لغیرہ کے درجہ تک پہنچ جاتی ہے، مزید اس روایت کو ابن السنی نے عمل الیوم واللیلۃ ۱۱۸ (۵۰۹) اور بزار نے اپنی مسند میں جیسا کہ کشف الاستار میں ۴/ ۳۴ (۳۱۲۸) میں ہے اور بیہقی نے شعب الایمان میں ۱/ ۱۸۳ (۱۶۷) اور ابن ابی شیبہ نے اپنے مصنف میں ۱۰/ ۳۹۰ (۸۷۷۰) میں روایت کیا ہے۔)

بسند مذکور حضرت امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ میں نے پانچ حج کیے ان میں سے دو سواری پر اور تین پیدل یا تین سواری پر اور دو پیدل تو ایک حج میں میں راستہ بھول گیا تو میں نے پکارا اے اللہ! کے بندو مجھے راستہ بتاؤ. میں یہ اس وقت تک کہتا رہا یہاں تک کہ میں راستہ سے واقف ہو گیا یا ایسا ہی فرمایا۔ اس کی سند حسن ہے۔

دسویں دلیل:

اہل سیر و تاریخ نے روایت کیا کہ، حضرت معاویہ بن سفیان رضی اللہ عنہ نے حضرت یزید بن الاسود کے وسیلہ سے بارش کی دعا مانگی تو بارش برسی۔

امام ذھبی نے ''سیر'' میں فرمایا، صفوان بن عمرو، سلیم بن عامر سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نماز استسقاء کے لیے نکلے پس جب منبر پر تشریف فرما ہوئے تو فرمایا: یزید بن الاسود کدھر ہیں؟ تو لوگوں نے پکارا تو وہ آگے بڑھتے ہوئے سامنے آئے تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ منبر پر چڑھو، تو وہ منبر پر چڑھے تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے دعا کی:

اللھم انا نستشفع الیک بخیرنا و أفضلنا، یزید بن الأسود یا یزید ! ارفع یدیک الی اللہ فرفع یدیه ، ورفع الناس ، فما کان بأوشک من (۱)(أخرجه البیھقی فی الشعب الایمان جلد ٦ صفحه ۱۲۸ برقم ۷٦۹۷) أن ثارت سحابة کالترس وھبت ریح فسقینا، حتی کاد الناس أن لا یبلغوا امنازلھم۔[1]

---

[1] سیر اعلام النبلاء ۴ / ۷ / ۱۳۷ اور حافظ ابن حجر نے الاصابہ میں کہا کہ ابوزرعہ دمشقی اور یعقوب بن سفیان نے اس کو اپنی اپنی تاریخ میں روایت کیا سند صحیح کے ساتھ سلیم بن عامر سے، اور ابو الفرج ابن الجوزی نے اس کو ''المنتظم فی تاریخ الملوک والامم'' ٦ / ۳۴ میں جبکہ ابن کثیر نے ''البدایة والنھایة'' ۸ / ۳۲۴ میں اور امام ابن سعد نے طبقات الکبری ۷ / ۴۴۴ میں بسند صحیح نقل کیا ہے۔ والالکائی فی کرامات اولیاء ۱۹۰ ۔ ۱۹۱ (۱۵۱) وابو الفرج فی صفوة الصفوة ۴/ ۲۰۲ (۷۴۰) وابن قدامة فی المغنی ۲ /۱۵۳)

تو یہ صالحین کے ساتھ توسل کرنے کی دلیل ہے کیونکہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت یزید بن الاسود سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی موجودگی میں توسل کیا اور ان میں سے کسی نے بھی انکار نہیں کیا پس یہ ان کی طرف سے صالحین کے ساتھ توسل کی صحت پر اجماع ہوا۔

اور یزید بن الاسود کے ساتھ یہ واقعہ کئی بار پیش آیا۔

امام ابن ابی عاصم شیبانی نے ''الاحاد والمثانی'' میں ابن ابی حملہ سے روایت کی کہ، دمشق کے لوگوں میں قحط واقع ہوا اس وقت وہ ضحاک بن قیس گورنر تھے وہ نماز استسقاء کے لیے نکلے اور کہا کہ یزید بن الاسود الجرشی کہاں ہیں؟ تو انہوں نے اس کو جواب نہ دیا اس نے پھر کہا یزید بن الاسود کہاں ہے؟ تو انہوں نے پھر جواب نہ دیا تو ضحاک نے کہا کہ اگر یزید میری آواز سن رہا ہے تو وہ کھڑا ہو جائے تو یزید بن الاسود کھڑے ہو گئے انہوں نے اپنی چادر کے کنارے اپنے کندھے پر تبدیل کیے اور کہا :

اللهم ان عبادک قد تقربوا بي اليک، فاسقهم، قال: اللهم انه قد شهرني، فأرحني، قال فما أتى عليه جمعة حتى مات، أو قتل۔

اے اللہ! تیرے بندے میرے ساتھ تیرا قرب چاہتے ہیں ان پر بارش نازل فرما وہ ابھی واپس بھی نہیں ہوئے تھے کہ وادیاں بھر گئیں تو حضرت یزید بن الاسود نے کہا اے اللہ میری شہرت ہو گئی ہے پس مجھے اٹھا لے کہا کہ آئندہ جمعہ نہیں آیا تھا کہ وہ فوت یا شہید ہو گئے۔ [1]

---

[1] رواه ابن ابی عاصم في الاحاد والمثانی ۲/۱۳۷ قال: حدثنا ضمرة عن ابن أبي حملة قال: (ثم ذكرها) و رواها يعقوب بن سفيان في تاريخه ۲/۳۸۱ قال: حدثنا ضمرة عن علي بن أبي حملة به۔ وضمرة هو ابن ربيعة۔ والاسناد صحيح ۔ واخرجه لالكائى فى كرامات اولياء ۱۹۰ (۱۵۰) بسند آخر، وذكره ابو الفرج فى صفوة الصفوة ۴/۲۰۲ والذهبي في السير ۴/۱۳۷)

مترجم مدظلہ العالی نے مزید دو روایات کی طرف اشارہ کیا ہے:

نمبر(۱) رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

قل اللھم اسئلک بمحمد نبیک و بابراھیم خلیلک و بموسی نجیک و عیسی روحک و کلمتک۔۔۔

کہو: اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں حضرت محمد تیرے نبی ﷺ کے وسیلہ اور حضرت ابراھیم تیرے خلیل کے وسیلہ اور حضرت موسیٰ تیرے نجی کے وسیلہ اور حضرت عیسی تیرے روح اور کلمہ کے وسیلہ سے۔۔۔[1]

نمبر(۲)

عن ابن مسعود عن النبي ﷺ اللھم اني اسئلک فنک مسئول لم یئل مثلک اسئلک بحق محمد رسولک و نبیک و ابراھیم خلیلک و صفیک و موسی کلیمک و نجیک و عیسی کلمک و روحک۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں پس بے شک تجھ سے سوال کیا جاتا ہے اور تیری مثل کسی سے سوال نہیں کیا جاتا میں تجھ سے سوال کرتا ہوں تیرے رسول اور تیرے نبی حضرت محمد ﷺ کے صدقے اور تیرے خلیل اور صفی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے صدقے اور تیرے کلیم اور تیرے نجی حضرت موسی علیہ السلام کے صدقے اور تیرے کلمہ اور روح حضرت عیسی علیہ السلام کے صدقے سے۔[2]

---

[1] کتاب لمحات الانوار و نفحات الازھار ۱/۳۵۷-۳۵۸ (۴۶۲) للغافقی بتصرف۔
[2] کتاب لمحات الانوار و نفحات الازھار ۱/۳۶۶ (۴۷۱) بتصرف۔

المطلب الثانی:

انبیاء کرام علیہم السلام اور اولیاء عظام رحمہم اللہ کی ارواح و آثار سے توسل کرنا:

یہاں میں چاہتا ہوں کہ کچھ ایسے واقعات بیان کروں کہ جن میں لوگوں نے آئمہ اور اولیاء وعلماء یا ان کی ارواح کے ساتھ توسل کیا ہے، ہم ان کو بطور دلیل واستدلال پیش نہیں کرر ہے بلکہ بطور تائید پیش کرر ہے ہیں۔

انبیاء کرام علیہم السلام کے مقام کے سامنے تبرکاً اور تشفعاً اللہ تعالیٰ سے دعا مانگنا:

امام فاکھی نے اپنی کتاب ''أخبار مکہ'' میں روایت کی

بسنده عن عبيد الله ابن أبي يزيد قال :ان عبد الرحمن بن طارق بن علقمة أخبره، عن أمه أن النبي صلی اللہ علیہ وسلم كان اذا جاء مكانا من دار يعلى -نسيه عبيد الله- استقبل البيت فدعا، وكنت أنا أنصرف وعبيد الله ابن كثير حتى اذا جئنا ذلک المكان استقبل البيت و دعا، وقال: بلغني :في هذا المقام نبي-

بسند مذکور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب دار یعلی کی جگہ تشریف لاتے تو بیت اللہ شریف کی طرف متوجہ ہو کر دعا فرماتے راوی نے کہا کہ میں اور عبید اللہ بن کثیر لوٹے یہانتک کہ ہم اس جگہ پہنچے قبلہ کو منہ کیا اور دعا کی اور کہا کہ مجھے یہ

حدیث پہنچی ہے کہ یہ مقام نبی کا مقام ہے۔[1]

---

[1] فاکھی نے اس کو" اخبار مکہ ۳/ ۲۹۷ (۲۱۲۴) میں ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا۔ حدثنا میمون ابن الحکم قال: حدثنا محمد بن جعشم، عن ابن جریج قال: اخبرنی عبيد الله بن أبي يزيد، بہ۔ اور امام عبدالرزاق نے مصنف ۵ / ۷۷ (۹۰۵۵) میں اس سند سے روایت کی، عن ابن جریج قال: أخبرنا عبدالله بن أبي یزید، اوراس کے الفاظ اس طرح ہیں: میں اور عبداللہ بن کثیر الداری طواف کرر ہے تھے یہاں تک کہ ہم اس جگہ پہنچے قبلہ کی طرف منہ کیے پھر دعا کی اور کہا کہ مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ یہاں کوئی شے ہے۔ مصنف میں اسی طرح واقع ہے اور یہ بلا شک تحریف ہے اور صحیح وہی ہے جو کہ اخبار مکہ میں فاکھی نے لکھا ہے۔ یعنی "نبی" اب محمد بن جعشم کا متابع عبدالرزاق ہوا۔ اور اس حدیث کو امام ابونعیم نے بسند صحیح "معرفۃ الصحابۃ" ۶ / ۳۵۳۲ میں اور امام بغوی نے "معجم الصحابہ" میں دو طریقوں سے بیان کیا ہے، عن ابی عاصم (الضحاک بن مخلد) عن ابن جریج اسی سند کے ساتھ اور لفظ یہ ہیں کہ بے شک نبی اکرم ﷺ دار یعلی میں تشریف لاتے اور گھر میں ایک جگہ دعا فرماتے اور ہم مسلمان عورتیں بھی ان کے ساتھ جاتیں اور دعا مانگتیں۔ جیسا کہ احمد نے "مسند ۶ / ۴۳۶ میں اخراج کیا اور اسی سند سے مزی نے تھذیب الکمال ۱۷/ ۱۹۱ میں اور ابوداؤد نے (۲۰۰۷) اور نسائی نے المجتبیٰ ۵ / ۲۱۳ میں اور بخاری نے "تاریخ کبیر ۵ / ۲۹۸ میں اور ابن ابی عاصم نے "الاحاد والمثانی ۶ / ۸۷ میں، ابن جریج قال حدثنی عبداللہ بن ابی یزید، بہ، اور اس کے الفاظ اس طرح ہیں۔ جب آپ ﷺ دار یعلی میں اس جگہ تشریف لاتے قبلہ کی طرف منہ کر کے دعا مانگتے، ابن ابی عاصم نے کہا: دار یعلی بن امیہ۔

پس یہ حدیث متعدد طرق سے مروی ہے اور الفاظ مختلف ہیں کچھ میں الفاظ زیادہ ہیں کہ جو دوسروں نے بیان نہیں کیے تو یہ زیادت قبول کی جائیگی جیسا کہ ابونعیم کی روایت میں ہے کہ جس کی سند صحیح ہے اور جیسا کہ فاکھی اور عبد الرزاق کی روایت میں ہے اور متابعت میں یہ بھی صحیح ہے ان میں سے ہر ایک اپنی جگہ حسن لذاتہ ہے اور اگر اعتراض کیا جائے کہ،

میمون بن الحکم فاکھی کے شیخ کا تذکرہ نہیں ملتا تو اس کا جواب یہ ہے کہ، ہر وہ راوی جس کا تذکرہ نہ ملے اس کی روایت ضعیف نہیں ہوتی جیسا کہ امام طبرانی کے بعض شیوخ کہ جن کی تعداد کافی ہے ان کا ترجمہ کتب حدیث میں نہیں ملتا تو کیا طبرانی کی ساری احادیث ضعیف ہوں گی؟ اور قابل احتجاج نہیں ہونگی؟ جس کو اس فن سے ادنی سی بھی معرفت ہے وہ تو ایسا ہرگز نہیں کہہ سکتا اس فن کے جاننے والوں نے اس قضیہ کا یہ علاج بتایا ہے اور اس پر غور وفکر کر کے یہ بیان کیا ہے کہ مستور یا تو مجھول العین ہوگا یا مجھول الحال ہوگا یا پھر اس میں یہ دونوں علتیں اکٹھی پائی جائیں گی جیسا کہ میمون بن الحکم کا حال ہے یا جیسا کہ امام طبرانی کے بعض شیوخ پر یہ صادق آتا ہے جیسا کہ اہل علم نے اس کو مقرر رکھا ہے، حضرت امام ہیثمی نے مجمع الزوائد ۱ / ۸ میں یہ مسئلہ بیان فرمایا اور اس کو واضح کیا ہے، تھانوی نے اپنی کتاب " قواعد فی علوم الحدیث ۲۲۷ میں امام ابن حجر سے بیان کیا انہوں نے فرمایا: جس کا معنی یہ ہے کہ ہر وہ راوی جو لسان میں اور تھذیب میں نہ پایا جائے وہ ثقہ ہو گیا» »

یہ حدیث دلالت کرتی ہے کہ نبی اکرم ﷺ حضرات انبیاء کرام علیھم السلام جو کہ حجر میں مدفون ہیں کی برکت سے توسل کرتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا:

ما رأیت قوما خیرا من أصحاب رسول الله ﷺ، ما سألوه الا ثلاث عشرة مسألة حتی قبض کلهن في القرآن۔۔۔ وأن ما بین الحجر الی الرکن الیماني لقبور من قبور الأنبیاء، کان النبي ﷺ اذا آذاه قومه خرج من بین أظهرهم یعبد الله فیها حتی یموت۔

میں نے رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کرام سے بڑھ کر کوئی قوم نہیں دیکھی انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے ساری عمر میں صرف تیرہ مسائل پوچھے وہ سب کے سب قرآن مجید میں ہیں۔۔۔ حجر اسود اور رکن یمانی کے درمیان حضرات انبیاء کرام کی قبور مقدسہ ہیں جب بھی کسی قوم نے اپنے نبی کو تکلیف دی تو وہ ان کو چھوڑ کر یہاں آ گئے اور اپنی وفات تک یہاں عبادت کرتے رہے۔

«» مستور۔ دیکھیے لسان المیزان ۹ / ۱۷۵ اور تھانوی نے ۲۲۵ پر تعلیقا لکھا، میں کہتا ہوں کہ انہوں نے امام ذھبی کے قول پر بنا رکھی ہے کہ جو انہوں نے میزان کے دیباچہ میں کیا ہے کہ ہر وہ راوی کہ جو میرے نزدیک ضعیف ہے میں نے اس کو میزان میں بیان کر دیا ہے تو ہم میزان میں اس خصوصیت کے تحت بالخصوص امام طبرانی کے شیوخ کو نہیں پاتے کہ جن میں توثیق بیان نہیں کی گئی اس سے ظاہر ہے کہ امام ہیثمی نے اس قول کی عمومیت کے تحت ان کی توثیق کا حکم لگایا ہے، لہذا اس طرح ہمارے لیے جائز ہے کہ ہم ہر اس راوی پر ثقہ ہونے کا حکم لگائیں جس کو میزان میں ضعیف نہیں کہا گیا پس یہ اصل ہے چاہے وہ طبرانی کے شیوخ میں سے ہوں یا کوئی اور راوی ہو، اور تھانوی نے مزید صفحہ ۲۰۵۔۲۰۶ میں کہا کہ فتح المغیث میں سخاوی نے ابن حجر سے نقل کیا ہے کہ جب راوی مجھول الحال میں جرح وتعدیل نہ پائی جائے اور اس کا شیخ اور راوی عنہ دونوں ثقہ ہوں اور اس کی کوئی حدیث منکر بھی نہ پائی جائے تو وہ ابن حبان کے نزدیک ثقہ ہے اور کتاب الثقات میں بہت سارے راوی اس حال کے ہیں اور اسی وجہ سے ابن حبان پر اعتراض کیا جاتا ہے کہ اس نے بہت سارے ایسے راویوں کو ثقات میں شمار کیا ہے کہ جس میں اس کی اصلاح نہ پائی جائے حالانکہ ان پر یہ اعتراض نہیں بنتا کیونکہ اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے اور اس کی مثل تدریب الراوی میں ذکر کیا گیا ہے۔ (منہ (۱) (اخرجه الطبراني في الكبير ۱۱ / ۳۵۹) ۱۲۲۸۸ (وذکره الھیثمي في مجمع الزوائد ۱ / ۱۵۹ وقال: فیه عطاء بن السائب، وهو ثقة ولكنه اختلط، وبقیة رجاله ثقات۔)

حضرت امام شافعی کا حضرت امام اعظم ابوحنیفہ سے توسل کرنا ان کی قبر کے پاس۔ (رحمہما اللہ)

اور صالحین اور علماء عاملین کے توسل کے بارے میں جو کچھ وارد ہوا ہے اس میں سے جو خطیب بغدادی نے اپنی تاریخ میں باسند روایت کی،

أخبرنا القاضي أبو عبد الله الحسين بن علي بن محمد الصيمري، قال: أنبأنا عمر بن ابراهيم القري، قال أنبأنا مكرم بن أحمد، قال أنبأنا عمر بن اسحاق بن ابراهيم، قال: أنبأنا علي بن ميمون، أنه قال: سمعت الشافعي رضی اللہ عنہ يقول: اني لأتبرك بأبي حنيفة، وأجيء الى قبره في كل يوم -يعني زائرا- فاذا عرضت لي حاجة صليت ركعتين، وجئت الى قبره و سألت الله تعالى الحاجة عنده، فما يبعد عني حتى تقضى-

بسند مذکور حضرت امام شافعی فرماتے ہیں کہ میں حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ سے تبرک حاصل کرتا ہوں اور میں ہر روز ان کی قبر کی زیارت کے لیے حاضر ہوتا ہوں جب مجھے کوئی حاجت درپیش ہوتی ہے تو میں دو رکعت پڑھتا ہوں اور ان کی قبر پر جا کر اللہ تعالیٰ سے اس کے پاس حاجت پیش کرتا ہوں تو وہیں کھڑے کھڑے میری حاجت پوری ہو جاتی ہے۔[1]

---

[1] تاریخ بغداد جلد ۱ صفحہ ۱۲۳۔ اور اس روایت کے تمام راوی سوائے عمر بن اسحاق بن ابراہیم کے ثقہ ہیں اور وہ مستور ہے کیونکہ اس کا تذکرہ کتب معتمدۃ میں نہیں ہے لیکن یہاں وہ دو ثقہ راویوں کے درمیان واقع ہے اور علامہ عبدالحی لکھنوی نے ''الرفع والتکمیل'' میں اہل علم حضرات سے یہ نص بیان کی ہے جیسا کہ پچھلی تعلیق میں گذرا کہ مستور راوی جب دو ثقہ راویوں میں واقع ہو تو وہ ثقہ شمار ہوگا تو اس اصول سے یہ روایت بالکل صحیح ہے اور اس میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے۔ (منہ) »»۔

میں کہتا ہوں: کہ یہ ''عمر بن اسحاق بن ابراہیم الشیر ازی'' ہے اور یہ مجھول العین نہیں ہے بلکہ معروف ہے کیونکہ اس سے دو ثقہ راوی روایت کرنے والے ہیں ایک تو ''مکرم بن احمد'' جس کا ترجمہ آگے آرہا ہے اور دوسرا ''ابو عمر و محمد بن جعفر بن مطر'' اور اس سے اس کی روایت کو محمد بن سلامہ بن جعفر القضاعی نے مسند الشھاب جلد ۱ صفحہ ۲۵۶ برقم ۴۱۵ میں روایت کیا ہے اور محمد بن جعفر بن مطر کے بارے میں ابو عبداللہ محمد بن احمد بن عثمان الذھبی نے کہا کہ یہ شیخ نیشا پور ثقہ ہے۔ (طبقات المحدثین صفحہ ۱۱۴ برقم ۱۲۷۶ دار الفرقان عمان الطبعہ اولی ۱۴۰۴ھ۔)

اور یہ اصول مسلمہ ہے کہ جب کسی راوی سے دو ثقہ راوی روایت کریں تو اس کی جہالت ختم ہو جاتی ہے اور وہ معروف گردانا جاتا ہے۔ جیسا کہ امام ترمذی نقل فرماتے ہیں۔

وقال یعقوب بن شیبة !قلت لیحییٰ بن معین ۔ متی یکون الرجل معروفا؟ اذا روی عنه کم؟ قال: اذا روی عن الرجل مثل ابن سیرین والشعبی وهولاء اهل العلم فهو غیر مجهول

(علل الترمذی ص ۸۱، ۸۲ ج ۱ ۔ دار الملاح للطباعة والنشر ۱۹۷۸ئ)

امام یعقوب بن شیبہ فرماتے ہیں۔ کہ میں نے امام یحییٰ بن معین سے پوچھا کہ آدمی کب معروف گردانا جاتا ہے اس سے کتنے آدمی روایت کریں۔ تو آپ نے فرمایا کہ جب کسی شخص سے ابن سیرین اور امام شعبی اور ان جیسے اہل علم حضرات روایت کریں تو وہ راوی مجھول نہیں رہتا۔

اور اس کی شرح میں ابن رجب حنبلی فرماتے ہیں:

»» وهذا تفصیل حسن: وهو یخالف اطلاق محمد بن یحییٰ الذهلی الذی تبعه علیه المتاخرون انه لا یخرج الرجل من الجهالة الا بروایة رجلین فصاعدا عنه۔۔ (شرح علل الترمذی لابن رجب ۱/۸۲)

اور یہ تفصیل بڑی خوبصورت ہے اور یہ اس تعریف کے خلاف ہے جو کہ محمد یحییٰ الذھلی نے کی ہے اور جس کی متاخرین نے اتباع کی ہے وہ یہ ہے کہ آدمی جہالت سے اس وقت تک نہیں نکلے گا۔ جب تک کہ اس سے دو یا زیادہ آدمی روایت نہ کریں۔ (ارشد مسعود عفی عنہ) (توثیق رواۃ)

پہلا راوی: قاضی ابوعبداللہ الحسین بن علی بن محمد الصیمری: صدوق؛ سیر اعلام النبلاء جلد ۱۵ صفحہ ۵۱۷ و تاریخ بغداد جلد ۸ صفحہ ۷۹۔

دوسرا راوی: عمر بن ابراھیم القری: ثقہ ہے، تاریخ بغداد جلد ۱۱ صفحہ ۲۶۹۔

تیسرا راوی: مکرم بن احمد: ثقہ ہے؛ سیر اعلام النبلاء جلد ۱۵ صفحہ ۵۱۷ و تاریخ بغداد جلد ۱۳ صفحہ ۲۳۱۔ اور علی بن میمون: ثقہ ہے، تقریب ۴۷۳ و تھذیب التھذیب جلد ۷ صفحہ ۳۷۹۔)

ابن تیمیہ نے ''الصراط المستقیم'' جلد ۲ صفحہ ۶۸۵ میں اس واقعہ کا انکار کیا ہے اور مکڑی کے گھر سے بھی زیادہ کمزور دلائل کے ساتھ، ہم اس کے دلائل پیش کرتے ہیں تاکہ پڑھنے والے کو اس کا پتہ چل جائے کہ ان کا علم کیا ہے۔

نمبر ۱۔ جب امام شافعی بغداد تشریف لائے تو کوئی قبر ایسی نہیں تھی کہ اس کی طرف رجوع کیا جاتا۔

نمبر ۲۔ یہ امام شافعی کے دور میں معروف نہ تھا۔

نمبر ۳۔ امام شافعی نے حجاز، یمن، شام، مصر اور مصر میں انبیاء کرام اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین عظام کی قبور کی زیارتیں کیں لیکن ان کے قریب دعا نہیں کی۔

نمبر ۴۔ امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے اصحاب کسی قبر کے پاس دعائیں نہیں مانگا کرتے تھے نہ تو امام ابوحنیفہ کی قبر کے پاس اور نہ ہی کسی اور کی قبر کے پاس۔

نمبر ۵۔ امام شافعی مخلوق کی قبور کی تعظیم کو فتنہ کے خوف سے مکروہ سمجھتے تھے۔

نمبر ۶۔ یہ حکایت کسی بے دین شخص یا مجھول کہ جس کو کوئی نہیں جانتا نے وضع کی ہے۔

یہ کلام بہت ہی غلط اور فاسد ہے اور اس کا رد طویل ہے جس میں سے کچھ ہم بیان کرتے ہیں۔

پہلی دلیل باطل ہے کیونکہ امام شافعی کے زمانہ اور ان کے بعد کے آئمہ دین قبور صالحین کی طرف متوجہ ہوتے تھے جیسا کہ ہم نے اس کتاب میں بقدر کفایت نقل کر دیا ہے۔

اور دوسری دلیل اس لیے باطل ہے کیونکہ یہ اجلاء علماء کے سامنے معروف تھا اور کتب تراجم اس سے بھری پڑی ہیں اور بقدر کفایت ہم نے اس میں سے کچھ بیان کر دیا ہے۔

اور تیسری دلیل مکڑی کے جالے سے بھی کمزور ہے کہ یہ امام حافظ ابن خزیمہ ہیں اور ان کے دور میں بہت سارے انبیاء وصحابہ کرام اور اولیاء کی قبور مقدسہ تھیں کیا وہ ان کی طرف نہیں جاتے تھے؟ حالانکہ وہ حضرت امام علی بن موسی رضی اللہ عنہ کی قبر کی زیارت کے لیے جایا کرتے تھے اور یہی حال دیگر بہت سارے آئمہ کا ہے جس کا کچھ ذکر ہم نے اس کتاب میں کر دیا ہے۔

اور چوتھی دلیل بھی مردود ہے کیونکہ امام ابو حنیفہ کے بعض تلامذہ کا عدم فعل اس کی حرمت پر دلالت نہیں کرتا اور ترک کرنا کب دلیل بن سکتا ہے؟

اور پانچویں دلیل کہ امام شافعی قبور کی تعظیم کو مکروہ سمجھتے تھے تو یہ دلیل غیر محل ہے کیونکہ امام شافعی حضرت امام ابو حنیفہ سے توسل کر رہے ہیں اور ان کا توسل کرنا مفہوم معکوس کے تحت ان کی طرف سے قبر کی تعظیم ہے، ایک یہ شے ہے یعنی قبر سے توسل کرنا اور دوسری شے قبر کو سجدہ گاہ بنانا اور امام شافعی قبر کو سجدہ گاہ بنانا مکروہ سمجھتے تھے جیسا کہ کتاب الام للشافعی ۱/ ۲۷۸ میں ہے کہ وہ فتنہ کے خوف سے قبور کو مساجد بنانا مکروہ جانتے تھے اور راسخین میں فتنہ کا خوف نہ ہو تو ان کے لیے قبر کی تعظیم کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے اور امام شافعی اس لیے بھی وہاں نماز پڑھنے کو مکروہ جانتے ہیں کہ جہاں میت دفن ہے اس جگہ سے دوسری جگہ زیادہ صاف ہوگی۔ دیکھیے الأم ۱/ ۲۷۸)

شیخ حنابلہ امام خلال کا حضرت امام موسیٰ کاظم کی قبر سے توسل کرنا (رحمہ اللہ)

خطیب بغدادی نے احمد بن جعفر القطیعی سے روایت کی انہوں نے کہا میں نے ابو علی الحسن بن ابراہیم الخلال سے سنا اور وہ اپنے وقت کے شیخ حنابلہ تھے وہ فرماتے ہیں کہ، جب بھی مجھے کوئی حاجت درپیش ہوئی تو میں نے امام موسیٰ بن جعفر الکاظم کی قبر کا قصد کیا اور اس سے توسل کیا تو اللہ تعالیٰ نے میری حاجت پوری (آسان) فرمادی۔

توجو ابن تیمیہ نے اس عبارت سے سمجھا امام شافعی کا اس سے وہ ارادہ نہیں ہے۔

اور اس کی چھٹی دلیل کہ یہ حکایت کسی بے دین یا مجہول شخص کی گھڑی ہوئی ہے اس کی کوئی اصل نہیں ہے

تو اس کی وضعی ہونے کی کیا دلیل ہے؟ اور وہ کونسا کذاب ہے جس نے اس حکایت کو گھڑا ہے؟ اور تم ان دیگر واقعات کے بارے میں کیا کہتے ہو جو ہم نے اس کتاب میں صحیح سند کے ساتھ ذکر کیے ہیں۔

اور تم امام محاملی کے بارے میں کیا کہتے ہو جس کی ہمارے اور معترضین کے نزدیک یکساں طور پر امامت پر اجماع ہے اور وہ حجت ہیں: کہ میں امام معروف کرخی کی قبر کو ستر سال سے جانتا ہوں اور جب بھی کسی غم زدہ نے اس کا قصد کیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے غم کو دور کر دیا اس کی سند صحیح ہے جیسا کہ گذرا۔ تو امام محاملی جو کہ ثقہ اور ولی اللہ ہیں جب وہ معروف کرخی کی قبر کے بارے میں یہ فرمارہے ہیں تو حضرات انبیاء وصحابہ کی قبور کے بارے میں کیوں نہیں فرمائیں گے اور تم اس جماعت کے بارے میں کیا کہو گے جن کی ثقاہت وعدالت پر امت کا اجماع ہے کہ ان کے قول وفعل جو کہ قبور سے توسل اور تبرک کے حق میں ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی ان کے ساتھ نفع عطا فرمائے (منہ)(۱) (تاریخ بغداد جلد ۱ صفحہ ۱۲۰)

حضرت امام احمد بن حنبل اور حافظ ابو حاتم رازی وغیرھما آئمہ کا اہل بیت نبوی ﷺ سے توسل کرنا اور یہ سلسلہ ان کے ثقہ اصحاب کہ جن کی عدالت وامامت وجلالت قدر اور

نیکی پر اتفاق ہے۔

علي بن موسى الرضا عن أبيه موسى بن جعفر ،عن أبيه الصادق جعفر بن محمد، عن ابيه ابو جعفر الباقر محمد بن علي، عن أبيه السجاد عليبن الحسين زين العابدين عن أبيه الحسين ابن علي عن علي بن أبي طالب عليهم السلام۔

احمد بن علی الانصاری نے کہا کہ ابوعلی اصبھانی نے کہا کہ مجھے حضرت امام احمد بن حنبل نے فرمایا کہ اگر اس سند کو تو کسی پاگل پر پڑھ دے تو وہ تندرست ہو جائے گا۔ (1)

اور حافظ ابونعیم اصبہانی نے فرمایا کہ،

اور ہمارے بعض اسلاف محدثین کے سامنے جب یہ سند پڑھی گئی تو فرمایا، اگر یہ سند مجنوں (پاگل) پر پڑھی جائے تو اس کو اس سے نجات مل جائے۔ (2)

حافظ ابونعیم کا کہنا کہ، ہمارے بعض اسلاف محدثین۔ اس سے یہ فائدہ حاصل ہوتا ہے کہ اس سند سے محدثین کی جماعت توسل کرتی تھی جن میں سے امام احمد بن حنبل، ابو حاتم، اور امام اسحاق بن راھویہ وغیرہ ثقات سادات کے سامنے اس سے توسل کیا گیا تو انہوں نے اس کا انکار نہیں کیا۔

اور محمد بن عبداللہ بن طاہر ابوالعباس الخزاعی نے کہا کہ،

میں اپنے باپ کے سرہانے کھڑا تھا اور آپ کے پاس حضرت امام احمد بن حنبل و امام اسحاق بن راھویہ اور ابوالصلت الھروی تھے میرے باپ نے کہا تم میں سے ہر شخص مجھے ایک حدیث سنائے۔

---

(1) اخبار اصبھان لابی نعیم جلد ا صفحہ ۱۳۸ و احمد بن علی انصاری کے بارے میں امام ذھبی نے میزان میں جلد ا صفحہ ۱۲۰ میں کہا کہ یہ "واہ" ہے اور امام حاکم نے بھی اسی طرح کہا جیسا کہ "لسان المیزان جلد ا صفحہ ۳۳۵ میں ہے لیکن یہ قول اس سے امام احمد بن حنبل، امام اسحاق بن راھویہ اور امام ابوحاتم الرازی نے سنا اور اس کا انکار نہیں کیا اس کے بارے میں ان حضرات اور ان کے علاوہ دیگر آئمہ سے تفصیلا آتا ہے جس سے اس کا ثبوت حاصل ہوتا ہے اور واقعات وقصص میں اتنا تشدد نہیں کیا جاتا جتنا کہ احادیث کے بارے میں کیا جاتا ہے۔

(2) حلیۃ الاولیاء جلد ۳ صفحہ ۱۹۱۔

ابو الصلت الھروی نے کہا، حدثني علي بن موسى الرضا، وكان والله رضا كما سمي ۔۔۔۔اور پھر وہی سند پڑھی جو پہلے گذر چکی ہے تو ان میں سے کسی نے کہا کہ یہ کیا سند ہے ؟ تو اس کو میرے باپ نے کہا کہ یہ پاگلوں کا علاج ہے جب اس کو مجنوں پر پڑھا جائے تو وہ اس سے بری (بچ) ہو جاتا ہے۔[1]

عبد الرحمن بن ابو حاتم الرازی نے کہا کہ،

میں اپنے باپ کے ساتھ ملک شام میں تھا تو میں نے ایک آدمی مرگی والا دیکھا تو مجھے یہ سند یاد تھی میں نے کہا چلو اس کو آزماتے ہیں تو میں نے اس پر یہ سند پڑھی تو وہ شخص اٹھ کر اپنے کپڑے جھاڑنے لگا اور پھر چلا گیا۔[2]

اور ابو عبد اللہ محمد بن عبید اللہ بن رشید الکاتب (ثقہ ہے تاریخ بغداد ۲ /۲۳۱) نے کہا کہ اس سند کے بارے میں پوچھا گیا تو کہا جنون کی دوا ہے اس کو خطیب بغدادی نے روایت کیا ہے۔[3]

---

[1] اخرجه الحاكم في تاريخ نيسابور "كما في طبقات الشافعية للسبكى ١/١١٩-١٢٠ ومن طريقه الخطيب في التاريخ ٥/٤١٨-٤١٩، قال: حدثني علي بن محمد المذكر حدثنا محمد بن علي بن حسين الفقيه الرازي حدثنا محمد بن معقل القرميسيني عن محمد بن عبد الله بن طاهر به، طبقات الشافعیہ اور تاریخ بغداد میں ایسے ہی ہے (علی بن محمد) شائد یہ کوئی اس راوی سے جدا ہے کہ جس کو ہم تھذیب الکمال جلد ۱ صفحہ ۳۰۴" میں احمد بن خلیل بغدادی کے ترجمہ کے ضمن میں پاتے ہیں محمد بن علی المذکر نیسا پوری معروف کذابین میں سے ایک ضعیف راوی ہے جو کہ سرقۃ الحدیث میں معروف ہے اور اس کے تلمیذ حاکم اس پر طعن کیا کرتے تھے "لسان المیزان جلد ۵ صفحہ ۲۹۲")

[2] رواه الرافعي في التدوين في أخبار قزوين ٣/ ٤٨٢، من طريق علي بن محمد بن مهرويه "وهو صدوق" قال ابو حاتم محمد بن ادريس الرازي قال: أبو الصلت عبد السلام بن صالح الهروي: اگر یہ سند پاگل پر پڑھی جائے تو وہ تندرست ہو جائے اور عبد الرحمن بن ابی حاتم الرازی نے فرمایا میں اپنے باپ کے ہمراہ شام میں تھا تو میں نے ایک مرگی والے شخص کو دیکھا مجھے یہ سند یاد تھی میں نے کہا چلو اس کا تجربہ کرتے ہیں میں نے اس پر یہ سند پڑھی تو وہ کھڑا ہو گیا اور کپڑے جھاڑے اور چل دیا۔ پس یہ واقعہ سند کے درمیان ہے اور یہ محدثین میں عام طریقہ چلتا ہے اور مستعمل ہے اور ابن مھرویہ کا سماع ابو حاتم سے ہے جیسا کہ "التدوین للرافعی جلد ۳ صفحہ ۴۱۷ میں ہے۔)

[3] تاریخ بغداد ١٠/ ٣٤٤۔

أخبرنا هلال بن عبد الله بن محمد الطيبي مؤدبي [1] حدثنا اسماعيل بن محمد بن زنجي الكاتب۔ [2]

قال: عبد السلام بن صالح أبو الصلت الهروي: [3]

اور ابراہیم بن عبداللہ بن بشار الواسطی کے ترجمہ میں فرمایا،

---

[1] سماعہ صحیح۔ تاریخ بغداد ۴/۷۵۔

[2] امام زھری نے فرمایا ''لایساوي شیئا'' لسان المیز ان ۱/ ۴۳۴ ''یعنی حدیث میں یہ کچھ بھی نہیں ہے اور قصص اور ادب میں ظاہر ہے کہ حجت ہے قاری کو چاہیے کہ یہ اصول تاریخ بغداد اور موضح أوھام الجمع والتفریق میں دیکھے اور اس کو ابن زنجی کے علاوہ بھی روایت کیا گیا ہے خطیب نے اس کے بعد کہا میں کہتا ہوں کہ اس کو زنجی کے علاوہ ابن رشید سے بھی روایت کیا گیا ہے اور اس کے آخر میں ذکر کیا۔ عن أبي احمد بن طاهر أن اسحاق بن راھویہ سأ أبا الصلت عن اسناد الحدیث۔ اور اس میں یہ احتمال ہے کہ ابن راھویہ نے یہ جو ابن رشید نے ذکر کیا یہ ابن الفرات کی مجلس میں ہے محمد بن اسحاق بن راھویہ۔)

[3] عبد السلام بن صالح ابو الصلت الھروی۔

امام یحی بن معین نے کہا کہ ثقہ اور سچا ہے لیکن اس میں شیعیت ہے امام ابو عبد اللہ الحاکم نے کہا اس کو امام المحدثین یحی بن معین نے ثقہ کہا ہے اور ابو سعید الھر وی نے کہا ثقہ ہے۔ اور اکثر محدثین نے اس کی تضعیف کی ہے نادر بعض نے اس کو کذاب کہا ہے جبکہ کچھ دیگر حضرات نے اس کو متھم کیا ہے ''تھذیب الکمال ۱۸ / ۷۳ '' وتھذیب التھذیب برقم ۲۸۵۱۶ '' اور حافظ نے تقریب میں برقم ۴۰۷۰ اقوال کی تلخیص فرمائی کہ سچا ہے اس کے لیے منا کیر ہیں اور اس میں شیعیت ہے احمد بن الصدیق الغماری نے اس مسئلہ کی تحقیق ''فتح الملک العلي صفحہ ۷ ''میں فرمائی ہے اور اس میں قول فیصل یہ لائے ہیں کہ، وہ ثقہ عادل صدوق ہے اور طلب حدیث اور اس کے ساتھ اعتناء میں معروف ہے اس کی طلب میں اس نے بصرہ، کوفہ، حجاز، یمن، اور عراق کا سفر کیا اور بغداد گیا اور وہاں حدیث بیان کی اس سے احمد بن منصور الرمادی نے روایت بلی ذھبی نے میزان میں کہا عبد السلام بن صالح بن الصلت الھر وی رجل صالح '' یعنی نیک آدمی ہے مگر شیعہ ہے اور عبد اللہ بن احمد بن حنبل نے اس سے روایے لے کر اس کی توثیق کی ہے اور یہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ یہ ان کے باپ یعنی احمد بن حنبل کے نزدیک بھی ثقہ ہے کیونکہ عبد اللہ روایت نہیں کرتے مگر اس سے کہ جس سے روایت لینے کا حکم ان کے والد نہ کریں اور وہ ان کے نزدیک ثقہ ہوتا ہے۔ جیسا کہ حافظ نے ''تعجیل المنفعۃ'' میں کئی مقامات پر ذکر کیا ہے۔ جیسا کہ انہوں نے ابراہیم بن الحسن الباھلی کے ترجمہ میں فرمایا، عبد اللہ بن احمد صرف اسی سے روایت لیتے ہیں کہ جس سے ان کے والد لکھنے کی اجازت دیں اور وہ سوائے اہل سنت کے کسی سے لکھنے کی اجازت نہیں دیتے یہاں تک کہ ایام فتنہ میں جنہوں نے جواب دیا ان سے بھی آپ نے لکھنا منع فرمادیا لہٰذا آپ نے علی بن الجعد اور ان جیسے دیگر لوگ مسند سے نکال دیے۔

عبداللہ صرف اس سے روایت لیتے ہیں جو ان کے والد امام احمد کے نزدیک ثقہ ہوتا ہے۔ اور عبداللہ بن صندل ؒ کے ترجمہ میں ''الحسینی'' کے قول کے بعد فرمایا وہ مجہول کیسے ہوسکتا ہے اس سے ایک جماعت نے روایت لی ہے اور عبداللہ کو ان کے والد امام احمد بن حنبل ؒ نے اس سے لکھنے کی اجازت عطا دی ہے کیونکہ وہ صرف اس سے روایت لیتے ہیں کہ جس سے ان کے والد اس کو اذن دیں۔ اور عبدالرحمن بن المعلم کے ترجمہ میں ''الحسینی'' کے قول ''لا یدری من ھو'' کے بعد کہا، میں کہتا ہوں کہ امام عبداللہ روایت نہیں لکھتے مگر صرف اسی سے جس سے لکھنے کی اجازت ان کے والد دیتے ہیں اور اس کے معروف ہونے کے لیے یہی کافی ہے۔

اور لیث بن خالد البلخی کے ترجمہ میں فرمایا:

امام عبداللہ بن احمد صرف اسی سے روایت لیتے ہیں کہ جس سے ان کے والد اذن دیں لہذا وہ ان معظم شیوخ ثقات ہیں۔

اور محمد بن تمیم النھشلی کے ترجمہ میں کہا،

عبداللہ کے شیوخ میں حکم یہ ہے کہ وہ مقبول ہیں جب تک کہ کسی پر جرح مفسر ثابت نہ ہو کیونکہ وہ صرف انہی سے روایت کرتے ہیں کہ جن سے ان کے والد روایت لینے کی اجازت دیتے ہیں اور اس طرح انہوں نے نص قائم فرمائی: محمد بن عبداللہ بن جعفر اور محمد بن یعقوب الزبالی کے ترجمہ میں۔ شیخ سید احمد کا کلام ختم ہوا۔

اگر یہ سند مجنوں پر پڑھ دی جائے تو وہ عقلمند ہو جائے اور ایک روایت میں ''برأ'' کی بجائے ''لافاق'' کے الفاظ ہیں یعنی اس کو افاقہ ہو جائے۔

اور جب حضرت علی بن موسیٰ الرضا نیشاپور تشریف فرما ہوئے تو ایک خچر پر سوار تھے تو شہر کے علماء آپ کی زیارت کے لیے آئے، ان میں امام یحیی بن یحیی، اسحاق بن راھویہ

اور احمد بن رافع تھے اور انہوں نے لگام پکڑی اور اسحاق بن راھویہ نے عرض کی اپنے آباء واجداد کے صدقے ہمیں حدیث بیان فرمائیے جو کہ آپ نے اپنے باپ سے سنی ہو آپ نے ارشاد فرمایا حدثنا العبد الصالح ابی موسی بن جعفر۔۔۔[1]

اور پھر مندرجہ ذیل سند بیان فرمائی تو یہ نص صریح ہے اسحاق بن راھویہ سے کہ انہوں نے اہل بیت کی سند سے توسل کیا۔

میں (شیخ مدظلہ العالی) کہتا ہوں کہ یہ ظاہر ہو گیا کہ امام احمد و امام ابن ابی حاتم و اسحاق بن راھویہ و ابن رشید اور امام ابونعیم وغیرہم ثقات اہل علم اہل بیت کرام کے سلسلہ سند سے توسل کرتے تھے اور یہ ثابت ہے اس میں کوئی شک نہیں ہے اور عادل آئمہ کرام نے اس کے ساتھ تعامل عمل کیا ہے جیسا کہ حاتم الرازی اور ان کے بیٹے تو انہوں نے اس کو حق و سچ جانا اور قولاً و فعلاً اس پر عمل کیا اور یہ قبول کے اعلی درجات میں سے ہے اس میں شک نہیں کرے گا مگر جاہل اور اس کی بات پر دھیان نہیں دیا جائیگا۔

حافظ عبد الغنی المقدسی دمشقی حنبلی کا حضرت امام احمد بن حنبل کی قبر کے ساتھ توسل کرنا (رحمہ اللہ):

حضرت امام عبد الغنی دمشقی حنبلی نے فرمایا: میرے کندھے پر پھوڑے جیسی کوئی شے نکل آئی مجھے آرام آ گیا پھر وہ دوبارہ نکل آئی اور بہت مدت تک وہ برقرار رہی میں اصفہان کی طرف سفر کر کے گیا اور بغداد لوٹا تو وہ بیماری اسی حالت میں تھی پس میں حضرت امام احمد بن حنبل کی قبر پر گیا اور میں نے اس بیماری والی جگہ کو قبر کے ساتھ مس کیا تو میں

---

[1] ابو الصلت سے یہ ثقات کی ایک پوری جماعت نے روایت کی ہے، دیکھیں سنن ابن ماجہ ۲۶/۱ برقم ۶۵ اور اس کو سنا حافظ ابو حاتم الرازی نے ابو الصلت سے اور اس کا انکار نہیں کیا دیکھیے تاریخ قزوین للرافعی جلد ۳ صفحہ ۴۸۲)

امام سخاوی نے "المقاصد الحسنۃ" صفحہ ۱۴۰ میں اور علامہ سیوطی نے التعقبات علی الموضوعات میں اس کو "دیلمی کی فردوس کی طرف منسوب کیا۔)

تندرست ہو گیا اور بعد میں وہ بیماری نہ لوٹی۔[1]

آئمہ اہل السنۃ کا حضرت معروف کرخی ولی کامل کی قبر سے توسل کرنا۔ (رحمہ اللہ)

امام عبد الرحمن السلمی نے روایت کیا کہ امام ابراہیم بن الجزری نے فرمایا حضرت معروف کرخی کی قبر تریاق مجرب ہے۔[2]

حافظ ابو عبد اللہ المحاملی کہ آئمہ حدیث میں سے ایک ہیں نے کہا، میں حضرت معروف کرخی کی قبر کو ستر سال سے پہچانتا ہوں اور جس نے بھی تکلیف و مشکل میں اس کی زیارت کا قصد کیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کی مشکل کو حل فرما دیا۔[3]

---

① یہ واقعہ حافظ عبد الغنی سے حافظ ''ثقہ حجت'' ضیاء الدین المقدسی الدمشقی الحنبلی نے سنا اور اس کو اپنی کتاب ''الحکایات المنشورہ'' میں ذکر کیا (قلمی نسخہ مخطوطات الظاہر یہ دمشق میں حافظ ضیاء الدین کے اپنے خط سے لکھا ہوا نمبر ۳۸۳۴ ورق ۱۱۲ سطر یمنی ۱۰ جز نمبر ۵ میں موجود ہے اس کو شیخ ادیب الکمدانی نے کتاب ''تھذیب النفس للعلم وبالعلم'' للمحدث یوسف بن عبد الھادی المقسدی الدمشقی کی تحقیق میں بیان کیا ہے۔)

② طبقات الصوفیہ صفحہ ۸۵ ومن طریقہ الخطیب في التاریخہ جلد ۱ صفحہ ۱۲۲ امام السلمی نے کہا، میں نے ابو الحسن بن مقسم المقری سے بغداد میں سنا وہ فرماتے ہیں کہ میں نے ابو علی الصفار سے سنا وہ= خطیب بغدادی نے روایت کی کہ فرماتے ہیں میں نے ابراہیم بن الجزری سے سنا اور ابو الحسن بن مقسم کے بارے میں خطیب فرماتے ہیں یہ حدیث میں ثقہ نہیں ہے اور ازھری نے کہا یہ کذاب ہے دیکھیے ''لسان المیزان جلد ۱ صفحہ ۳۹۴ لیکن اس کا یہ قول حق اور سچ ہے کئی آئمہ کرام سے ثابت ہے وہ جیسا کہ ابھی حافظ حجت ابو عبد اللہ المحاملی سے آئے گا (منہ)۔

③ رواہ الخطیب في تاریخ بغداد جلد ۱ صفحہ ۱۲۳ عن محمد بن علي بن عبد اللہ الصوري، حافظ ذھبی نے ان کے بارے میں سیر اعلام النبلاء جلد ۱۷ صفحہ ۶۲۷ میں کہا ''الامام الحافظ البارع اوحد الحجۃ'' اور خطیب بغدادی نے بھی اس کی تعریف فرمائی ہے اور اس کے قوت حفظ اور قوت ضبط کا اقرار کیا ہے تاریخ بغداد جلد ۳ صفحہ ۱۰۳۔ اور صوری نے محمد بن احمد بن جمیع سے روایت کی امام ذھبی اس کے بارے میں فرماتے ہیں ''الشیخ العالم الصالح المسند المحدث الرحال'' اور پھر صوری سے نقل کیا کہ وہ شیخ صالح اور ثقہ متقن ہے اور خطیب نے اس کو ثقہ کہا ہے۔ سیر اعلام النبلاء جلد ۱۷ صفحہ ۱۵۲۔ اور اس کلام کے قائل امام محاملی حسین بن اسماعیل المحاملی ہیں امام ذھبی نے ان کے بارے میں فرمایا۔ سیر اعلام النبلاء جلد ۱۵ صفحہ ۲۵۸ ''القاضی الامام العلامۃ المحدث مسند الوقت'' اور پھر محمد بن الاسکاف سے نقل کیا انہوں نے فرمایا میں نے خواب میں دیکھا کہ کوئی کہہ رہا ہے کہ اللہ محاملی کے صدقے سے بغداد والوں کی بلائیں ٹالتا ہے۔ اور امام ابن اسکاف کی اس خواب کو خطیب بغدادی نے تاریخ میں جلد ۸ صفحہ ۲۲ میں بیان کیا ہے اس کے الفاظ یہ ہیں۔ میں بغداد میں حضرت ابو عبد اللہ المحاملی اور عبد الرحمن بن ابی حاتم کے معاملہ میں تذبذب کا شکار تھا میں ابن ابی حاتم کو محاملی پر فضیلت دیتا تھا تو میں نے اس رات کو خواب میں دیکھا کہ کوئی شخص مجھے کہہ رہا ہے کہ محاملی کے معاملہ میں استغفار کر، کیونکہ اللہ تعالیٰ اہل بغداد پر سے محاملی کے صدقے بلائیں رد کرتا ہے تو اس کو حقیر نہ سمجھ۔۔۔ اور ابن ابی حاتم ابدال میں سے تھے جیسا کہ سیر اعلام النبلاء میں ذھبی نے فرمایا تو پھر محاملی کا کیا مقام ہو گا؟۔ اللہ تعالیٰ ہمیں صالحین کے صدقے نفع عطا فرمائے۔)

میں کہتا ہوں یہی بات ابراھیم بن اسحاق بن ابراھیم بن بشیر بن عبداللہ بن دیسم ابو اسحاق الحربی نے بھی کہی ہے جو کہ حافظ حدیث اور کتب کثیرہ کے مصنف ہیں جیسا کہ غریب الحدیث ،دلائل النبوۃ ،کتاب الحمام ،سجود القرآن ،ذم الغیبۃ* ،وغیرہ جیسا کہ ابوالحسین محمد بن القاضی ابویعلی محمد بن الحسین بن الفراء متوفی ۵۲۶ھ نے طبقات الحنابلہ میں ذکر کیا جس کا اختصار ابن قیم الجوزیہ کے اصحاب میں سے شمس الدین ابوعبداللہ محمد بن عبدالقادر بن عثمان النابلسی متوفی ۷۹۷ھ نے کیا اور جو عبدالعزیز بن عبدالرحمن آل سعود کی مطبوعات میں سے ہے اور اس کا محقق احمد عبید ہے اس کے صفحہ ۲۵۳ پر ہے کہ" وقال ابراهيم الحربي : قبر معروف الترياق المجرب" اور یہی بات ابراھیم الحربی سے برہان الدین ابراہیم بن محمد بن عبداللہ بن محمد بن مفلح نے" المقصد الأرشد في ذكر اصحاب الامام احمد" جلد ۳ صفحہ ۳۷ میں بھی ذکر کی ہے ۔اور ذھبی نے سیر اعلام النبلاء جلد ۹ صفحہ ۳۴۳ میں ،اور یہی بات ابوالفرج عبدالرحمن بن علی نے صفوۃ الصفوۃ میں جلد ۲ صفحہ ۳۲۴ ذکر کی ہے۔(ارشد مسعود عفی عنہ)

اور اسی طرح روایت کیا کہ،

امام عبیداللہ بن عبدالرحمن بن محمد الزھری نے فرمایا کہ میں نے اپنے والد سے سنا وہ فرماتے ہیں کہ حضرت معروف کرخی کی قبر قضاء حاجات کے لیے مجرب ہے اور جو شخص اس کے پاس سو مرتبہ قل ھو اللہ احد پڑھے اور اللہ تعالیٰ سے جو چاہے دعا کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی حاجت کو پورا فرما دے گا۔ (1)

خطیب بغدادی اور ابن عساکر نے روایت کی کہ،

---

(1) تاریخ بغداد جلد ۱ صفحہ ۱۲۲۔ ۱۲۳ خطیب نے اپنے شیخ ابو اسحاق البرمکی سے روایت کی اور اس شیخ کے بارے میں تاریخ جلد ۶ صفحہ ۱۳۹ میں فرمایا کہ ابراھیم بن عمر البرمکی سے ہم نے بہت کچھ لکھا ہے وہ صدوق دیندار اور مذھب حنبلی کے فقیہ تھے اور جامع المنصور میں ان کا فتوی کا حلقہ ہوتا تھا۔

احمد بن عباس نے فرمایا کہ میں بغداد سے نکلا مجھے ایک ایسا شخص ملا کہ جس کے چہرے پر عبادت کا اثر تھا تو اس نے مجھے کہا تو کہاں سے آیا ہے؟ میں نے کہا کہ بغداد سے میں نے جب وہاں فساد دیکھا تو ڈرتا ہوا بھاگا کہ کہیں اس کے رہنے والوں پر عذاب نہ آجائے تو اس نے فرمایا بغداد واپس چلا جا اور خوف نہ کر کیونکہ وہاں چار اولیاء کرام کی قبور مقدسہ ہیں وہ ان کے لیے تمام بلاؤں سے بچاؤ کا قلعہ ہیں میں نے پوچھا وہ کون ہیں؟ تو اس نے کہا کہ احمد بن حنبل، معروف کرخی، بشر الحافی اور منصور بن عمار تو میں واپس لوٹ آیا اور ان کی قبور کی زیارت کی اور اس سال میں بغداد سے نہ نکلا۔ [1]

اور ذھبی نے ''سیر جلد ۱۷ صفحہ ۶۰۵ میں کہا الشیخ الامام، بقیۃ المسندین، اور مذہب حنبلی علم و فضل والے تھے، زہد و تقوی کے پیکر اور فرائض کی معرفت تامہ رکھتے تھے اور برمکی نے ابوالفضل عبید اللہ بن عبد الرحمن بن محمد الزھری سے روایت کی، محدث الثقہ، عبد العزیز بن علی الازجی نے کہا کہ یہ مستجاب الدعوۃ شیخ تھے، ازھری، البرقانی اور دارقطنی و خطیب وغیرہم نے کہا کہ ثقہ ہے اور ذھبی نے کہا کہ عالم عابد مسند العراق ہے۔ تاریخ بغداد جلد ۱۰ صفحہ ۳۶۸۔ ۳۶۹ و سیر اعلام النبلاء جلد ۱۶ صفحہ ۳۹۲۔ ۳۹۳۔'' اور ان کے والد عبد الرحمن کے بارے میں خطیب نے کہا کہ وہ ثقہ ہیں پھر ابوبکر بن مجاہد سے نقل کیا کہ عبد الرحمن الزھری ان کے پاس آتے اور ان کے پیچھے ان کی اولاد تھی انہوں نے کہا ابو محمد بعض صحابہ سے متشابہت رکھتے تھے اور ان کے پیچھے ان کے اتباع ہیں۔ تاریخ بغداد جلد ۱۰ صفحہ ۲۸۹۔ پس یہ سند مسلسل ثقات آئمہ پر مشتمل ہے۔)

ابن العماد نے ''شذرات الذھب'' میں کہا

---

[1] تاریخ بغداد جلد ۱ صفحہ ۱۲۱ و تاریخ دمشق لابن عساکر جلد ۶۰ صفحہ ۳۴۴، عبد الرحمن السلمی کی سند سے انہوں نے کہا میں نے ابوبکر الرازی سے سنا وہ فرماتے ہیں میں نے عبد اللہ بن موسی الطلحی سے سنا انہوں نے احمد بن عباس سے سنا ابوبکر الرازی یہ محمد بن عبد اللہ بن عبد العزیز ہیں امام ابن حجر نے اس کے بارے میں کہا کہ متھم ہے اس میں حاکم نے طعن کیا ہے ''لسان المیزان جلد ۵ صفحہ ۲۳۰)

اہل بغداد حضرت معروف کرخی کی قبر کے وسیلہ سے بارش طلب کرتے ہیں، اور اس کو تریاق مجرب کہتے ہیں ایک مرتبہ انہوں نے اپنے شاگرد سری سقطی سے فرمایا: جب تجھے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کوئی حاجت پیش آئے تو اللہ تعالیٰ کو میری قسم دینا۔ [1]

یعنی یوں عرض کرنا، اے اللہ تعالیٰ! تجھے معروف کرخی کی قسم دیتا ہوں یا معروف کرخی کی صدقے مانگتا ہوں یا ''بجاہ معروف'' یا ''بمکانۃ ومقام معروف'' کے صدقے میری حاجت روا کر۔

حضرت امام بخاری رحمہ اللہ کی قبر کے ساتھ وسیلہ کرنے والے کو اللہ تعالیٰ کا بارش عطا فرمانا:

حضرت امام حافظ ابو علی الغسانی فرماتے ہیں:

ہمیں خبر دی ابو الفتح نصر بن الحسن السکتی السمرقندی نے جو کہ ہمارے پاس بلنسیہ میں ۴۶۴ھ کو تشریف لائے اور ہمارے یہاں سمرقند میں کچھ سالوں سے بارش نہ ہونے کی وجہ سے قحط پڑا ہوا تھا لوگ کئی مرتبہ نماز استسقاء پڑھ چکے تھے لیکن بارش نہیں برسی تھی تو ایک شخص جو کہ نیکی میں معروف تھا قاضی سمرقند کے پاس آیا اور قاضی سے کہا میرا ایک مشورہ ہے جو میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں میری رائے ہے کہ آپ اور آپ کے ساتھ لوگ حضرت امام محمد بن اسماعیل بخاری کی قبر کی طرف نکلیں اور آپ کی قبر خرتنک میں ہے اور وہاں ہم بارش کی دعا کریں تو اللہ تعالیٰ جلدی ہی ہمیں بارش عطا فرمائے گا تو

---

[1] شذرات الذهب لابن العماد جلد ۱ صفحه ۳۶۰۔) میں کہتا ہوں کہ اسی طرح ابن ابی یعلی نے ''طبقات الحنابلہ'' میں لکھا کہ ''وقال عبداللہ بن العباس الطیالسی: قال لي ابن اخي معروف: قال لي عمي معروف: اذا کان لک الی اللہ عزوجل حاجۃ فتوسل الیہ بي''۔ طبقات الحنابلۃ صفحہ ۲۵۳۔ ارشد مسعود عفی عنہ)

قاضی صاحب نے فرمایا بہت اچھا خیال ہے تیرا تو قاضی لوگوں سمیت نکلا اور لوگوں کے ساتھ وہاں جا کر دعا مانگی اور لوگ قبر کے پاس رو رہے تھے اور صاحب قبر (امام بخاری) سے شفاعت مانگ رہے تھے تو اللہ تعالیٰ نے آسمانوں سے موسلا دھار بارش بھیجی جس کی وجہ سے لوگ ہفتہ بھر خرتنک میں رکے رہے اور کثرت بارش اور اس کی تیزی کی وجہ سے کوئی شخص بھی سمرقند نہ پہنچ سکا حالانکہ خرتنک اور سمرقند کے درمیان صرف تین میل کا فاصلہ تھا۔ (1)

مجاورین کا امام بخاری کی تعظیم کرنا اور ان سے توسل کرنا:

امام محمد بن احمد بن الفضل البلخی وراق البخاری نے کہا کہ میں نے ابوسعید الاشج سے سنا جب کہ وہ ایک سردی کے موسم کی صبح کو ہمارے پاس تشریف لائے اور وہ سردی سے کانپ رہے تھے اور فرمایا کیا تمھارے یہاں ایسی سخت سردی ہوتی ہے؟ میں نے عرض کیا اس کی مثل خریف اور موسم بہار میں ہوتی ہے اور کبھی ہم رات کو سوتے ہیں تو دریا بہہ رہا ہوتا ہے اور صبح اٹھ کر دیکھتے ہیں تو وہ سارا دریا برف بن چکا ہوتا ہے اور اس سے پانی حاصل کرنے کے لیے ہمیں لوہے کے اوزار سے اس میں سوراخ کرنا پڑتا ہے تو انہوں نے مجھے کہا کہ آپ کس خراسان میں رہتے ہو؟ میں نے عرض کی بخارا میں تو ان کے بیٹے نے ان سے عرض کی وہ امام محمد بن اسماعیل بخاری کا وطن تو آپ نے فرمایا کہ جب تیرے پاس کوئی شخص آئے کہ جس کا تعلق امام بخاری سے ہو تو اس کا حق پہچان کیونکہ وہ امام ہیں۔ (2)

---

(1) یہ قصہ ''تقیید المھمل لابی علی الغسانی ''مخطوطہ ورقہ ۳۴'' اور اس سے نقل کیا حافظ ذھبی نے سیر اعلام النبلاء جلد ۱۲ صفحہ ۴۶۹ میں اور علامہ سبکی نے ''طبقات الشافعیہ جلد ۲ صفحہ ۲۳۴ میں اور اس کے بعد فرمایا اور ''الجامع الصحیح البخاری'' مشکلات کے لیے مجرب اور ملجأ ہے اور یہ امر معروف و مشہور ہے اگر ہم اس کو تفصیلا ذکر کریں تو بات طویل ہو جائیگی اور غسانی کے شیخ نصر بن الحسن التنکی محدث اور ثقہ و نیک آدمی تھے آپ کا تذکرہ ''سیر جلد ۱۹ صفحہ ۹۰-۹۱ میں ہے اور وہ اس کے چشم دید گواہ ہیں لہذا ذھبی کی سند واضح ہے۔)

(2) سیر اعلام النبلاء جلد ۱۲ صفحہ ۴۳۰ اور امام ذھبی نے اس کو وراق البخاری کی سند سے بیان کیا کہ انہوں نے اپنی کتاب ''شمائل بخاری'' میں اس واقعہ کو نقل کیا ہے اور اس کتاب کو امام ذھبی نے باسند نقل کیا ہے جیسا کہ سیر جلد ۱۲ صفحہ ۳۹۲ میں ذکر کیا ہے پس یہ قصہ باسند ہے اور ذھبی نے محمد بن احمد بن ابی حاتم البلخی البغدادی کی سند سے انہوں نے کہا کہ میں نے ابو سعید الاشج سے سنا اور وہ ثقہ ہے اور ایک پوری جماعت نے اس سے روایات لیں ہیں اور وہ اپنے زمانے کے امام ہیں۔)

امام المحدثین حضرت امام ابن خزیمہ اور علماء کی جماعت کا حضرت امام علی بن موسیٰ الرضا کی قبر پر جانا اور ان کے پاس گریہ کرنا

حضرت امام ابن حجر عسقلانی نے امام حاکم کی ''تاریخ نیشاپور'' سے نقل کیا کہ، میں نے ابوبکر محمد بن مؤمل بن حسین بن عیسی سے سنا وہ فرماتے ہیں کہ ہم امام المحدثین امام ابوبکر ابن خزیمہ اور امام ابوعلی الثقفی و دیگر مشائخ کی ایک بہت بڑی جماعت کے ساتھ حضرت امام علی بن موسی الرضا کی قبر کی زیارت کے لیے طوس شہر کی طرف گئے تو میں نے امام ابن خزیمہ کو اس مبارک بقعہ کی تعظیم کرتے اور اس کے پاس گریہ زاری کرتے دیکھا اور جب ان سے پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا مجھے چھوڑ دو میں اپنے دل میں امام علی رضا کی محبت پاتا ہوں۔ [1]

---

[1] تہذیب التہذیب جلد ۷ صفحہ ۴۳۰، امام حاکم کے شیخ محمد بن مؤمل بن حسن کے بارے میں امام ذھبی نے فرمایا: الامام رئیس نیسابور۔۔۔ أحد البلغاء والفصحاء۔۔ اور محدثین کے لیے اس نے دار الحدیث بنایا اور ان پر رزق وسیع کر دیا اور امام ابوعلی الحافظ نے اس پر تاریخ احمد بن حنبل پڑھی اس سے السلمی، امام حاکم اور سعید بن محمد بن عبدان نے روایت لی ہے ''سیر اعلام النبلاء جلد ۱۶ صفحہ ۲۳ اور تاریخ اسلام جلد ۲۵ صفحہ ۴۵۲، وفیات ۳۵۰ میں فرمایا وہ خراسان کے رؤساء میں سے ایک ہیں اور بیان میں ان سے زیادہ فصیح اور احسن ہیں۔۔۔ حاکم نے کہا وہ اس کی فصاحت سے تعجب کرتے تھے اور عدیل الحافظ ابن خزیمہ جو کہ ابن خزیمہ کے ساتھ تھا وہ ابوعلی الثقفی ہے اس کا تذکرہ ذھبی نے ''سیر جلد ۱۵ صفحہ ۲۸۰ میں فرمایا، وہ امام محدث، فقیہ، علامہ، زاہد، عابد، شیخ خراسان ابوعلی محمد بن عبد الوهاب۔۔۔ الثقفی نیشاپوری شافعی واعظ ہیں، امام حاکم نے کہا میں اس کے جنازہ میں شامل تھا تو مجھے یاد نہیں کہ میں نے کبھی نیشاپور میں اس قدر اجتماع دیکھا ہو میں اس کی مجلس وعظ میں جایا کرتا تھا جب کہ میں چھوٹا بچہ تھا میں نے سنا کہ وہ اپنی دعا میں یوں کہتے تھے، انک انت الوهاب الوهاب الوهاب۔ اور حاکم نے کہا میں نے ابو العباس زاہد سے سنا وہ کہتے تھے امام ابوعلی اپنے دور میں اللہ کی مخلوق پر اللہ تعالیٰ کی حجت تھے، تو مخلوق خداوندی پر اللہ تعالیٰ کی حجت کو ملاحظہ کیجیے وہ کس طرح محدثین کی جماعت کے ساتھ حضرت امام علی بن موسی الرضا کی قبر کی زیارت کرتے اور حضرت امام ابن خزیمہ اس مبارک قبر کی تعظیم کرتے اور اس کے لیے تواضع اور اس کے پاس گریہ زاری کرتے تھے حالانکہ امام ابن خزیمہ بہتر جانتے ہیں کہ کونسی چیز عقیدہ میں نقص ڈالتی ہے اور اگر ایسا ہوتا تو واللہ وہ کبھی بھی ایسا نہ کرتے۔)

اہل شام کا صحابیہ رسول ﷺ حضرت ام حرام انصاریہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ توسل کرتے ہوئے بارش طلب کرنا:

امام ابن عساکر نے حافظ ابونعیم سے روایت کی فرماتے ہیں کہ،

حضرت ام حرام بنت ملحان الانصاریہ رضی اللہ عنہا حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی خالہ جان حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی زوجہ تھیں وہ حضرت عبادہ کے ساتھ سمندر میں جہاد میں گئیں اور شام میں فوت ہوئیں ان کی قبر قبرس میں ہے ان کی سواری کا جانور بدکا اور وہ گر کر شہید ہو گئیں اور اہل شام ان کے توسل سے بارش طلب کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ نیک خاتون کی قبر ہے۔[1]

حضرت امام ابوبکر البلاطنسی کی دعا سے استغاثہ کرنا:

ابن عماد نے شذرات الذھب میں فرمایا:

شیخ یونس العیشاوی (یعنی تقی الدین ابوبکر بن محمد البلاطنسی) جو کہ علم و فضل والے گھرانے سے تعلق رکھتے تھے ان کی تعریف میں نے حضرت امام السید کمال الدین بن حمزہ سے سنی وہ دمشق میں طلب علم کی خاطر تشریف لائے اور وہاں کے علماء سے علم اخذ کیا پھر اس کو اپنا وطن بنا لیا اور اس کے اوقاف سے کچھ نہ لیتے تھے اور بادرائیہ میں وہ بیٹھا کرتے تھے اور ان کی طرف مال و وظائف لوگ بھیجتے لیکن وہ قبول نہ کرتے تھے اور وہ عالم باعمل متقی و پرہیز

---

[1] تاریخ دمشق جلد ۷۰ صفحہ ۲۱۷ و معرفۃ الصحابہ لابی نعیم جلد ۶ صفحہ ۳۴۸۰ برقم ۴۰۶۶ اور امام طبری نے واقدی کی سند سے بیان کیا کہ حضرت معاویہ آپ کو ہر سال سات ہزار دینار دیتے تھے جب انہوں نے خروج کا ارادہ کیا تو حضرت ام حرام سواری کے لیے جانور کے قریب ہوئیں اس سے گریں اور فوت ہو گئیں وہاں ان کی قبر ہے جس کے وسیلہ سے لوگ بارش مانگتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ نیک خاتون کی قبر ہے" فتح الباری جلد ۱۱ صفحہ ۷۶)

گار تھے اور فقہاء حکام کے دلوں میں ان کی ہیبت تھی وہ مشکلات کے وقت آپ کی طرف رجوع کرتے تھے اور وہ اپنی بے نیازی کی وجہ سے کسی کی طرف تردد نہیں کرتے تھے اور نصیحت وخیر خواہی اور اعتناء بالعلم اور طلباء کے ساتھ ان کو خاص ھمت تھی اور ہمیشہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر فرماتے رہتے تھے، اور اس میں وہ کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پرواہ نہیں کرتے تھے اور حق میں مداہنت سے کام نہیں لیتے تھے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص تعلق تھا ان کی دعا سے استغاثہ کیا جاتا اور ان کے لحظہ سے تبرک حاصل کیا جاتا تھا وہ شریعت کی نصرت پر قائم اور اسلام کا جھنڈا اٹھائے ہوئے تھے ریا سے دور خاص اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول رہتے اور اپنی تعریف کو کسی سے بھی سننا پسند نہیں کرتے تھے۔ (1)

عبدالملک بن مروان کا بیت اللہ کے طواف کرنے والوں سے توسل کرنا:

فاکھی نے ''اخبار مکہ'' میں امام شعبی سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا کہ میں نے ایک عجیب بات دیکھی کعبہ شریف کے پاس میں اور حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت عبد اللہ بن زبیر اور حضرت مصعب بن زبیر اور عبدالملک بن مروان بیٹھے ہوئے تھے لوگوں نے کلام ختم ہونے کے بعد کہا کہ ایک ایک آدمی کھڑا ہو اور رکن یمانی کو پکڑ کر اللہ تعالیٰ سے اپنی حاجت مانگے تو وہ فوراً اس کو پورا فرمادے گا، اے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ تم کھڑے ہو جاؤ کیونکہ تم ہجرت کے بعد پہلے پیدا ہونے والے ہو۔ تو وہ کھڑے ہوئے اور رکن یمانی کو پکڑ کر کہا،

اے اللہ! بے شک تو عظیم ہے اور ہر عظیم کی امید تجھی سے ہے میں تجھ سے تیرے وجہہ مبارک کے صدقے تیرے عرش کی حرمت اور تیرے گھر کی عزت کے صدقے مانگتا ہوں تو مجھے دنیا سے نہ اٹھانا جب تک کہ حجاز کی خلافت میرے حوالے نہ کرے۔

---

(1) شذرات الذهب في أخبار من ذهب جلد ۴ صفحه ۲۱۳۔

پھر وہ واپس آ کر بیٹھ گئے پھر لوگوں نے کہا اے مصعب بن زبیر تم اٹھو، حضرت مصعب بن زبیر اٹھے اور رکن یمانی کو پکڑ کر یہ کہا

اے اللہ ہر شے کے رب اور ہر شے تیری ہی طرف لوٹنی ہے میں تیری قدرت سے سوال کرتا ہوں کہ تو مجھے موت نہ دینا یہاں تک کہ عراق کی حکومت میرے حوالے نہ کرنا اور جب تک کہ حضرت سکینہ بنت امام حسین رضی اللہ عنہما کا میرے ساتھ نکاح ہو لے، پھر وہ واپس لوٹے اور اپنی جگہ بیٹھ گئے۔

پھر عبدالملک بن مروان سے کہا کہ وہ بھی دعا کرے تو وہ کھڑا ہوا اور رکن یمانی کو پکڑ کر عرض کی:

اے ساتوں آسمانوں اور خشک ہونے کے بعد سرسبز ہونے والی زمین کے رب میں تجھ سے سوال کرتا ہوں جو تیرے مطیع بندوں نے تیرے حکم سے سوال کیا اور میں تیرے وجہ جلال کی عزت کے صدقے اور اس حق کے صدقے اور تیری ساری مخلوق پر جو تیرا حق ہے اس کے صدقے اور کعبہ کے گرد طواف کرنے والوں کے صدقے سے سوال کرتا ہوں کہ تو مجھے موت نہ دینا جب تک کہ زمین کے مشرق و مغرب کا مجھے والی نہ بنا دے اور جو بھی میرے ساتھ جھگڑا کرے اس کا سر کٹ کر میرے سامنے آ جائے پھر وہ واپس لوٹا اور اپنی جگہ پر آ کر بیٹھ گیا۔

پھر کہا کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے عرض گذار ہوئے کہ آپ اٹھیے تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اٹھے اور رکن یمانی کو پکڑ کر عرض گذار ہوئے،

اے رحمن و رحیم میں تیری اس رحمت کہ جو تیرے غضب پر غالب ہے کے صدقے تجھ سے سوال کرتا ہوں اور تیری قدرت جو کہ ساری مخلوق پر ہے کے وسیلے سے سوال کرتا ہوں کہ مجھے اس وقت تک زندہ رکھنا اور وفات نہ دینا جب تک کہ تو مجھ پر جنت واجب نہیں کرتا۔

امام شعبی نے فرمایا دنیا میں میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ ان تمام اشخاص کو جو انہوں نے مانگا وہ انہیں مل گیا اور حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو جنت کی بشارت دی گئی اور ان کو دکھادی گئی۔ ①

حضرت عبد الرحمن بن ربیعہ کی روح کے وسیلہ سے بارش طلب کرنا:

امام یاقوت الحموی نے ''معجم البلدان'' میں ''بلنجر'' شہر کے ذکر میں نقل کیا کہ یہ شہر عبد الرحمن بن ربیعہ اور ان کے بھائی کے ہاتھوں فتح ہوا، یہانتک کہ عبد الرحمن بن ربیعہ شہید ہو گئے اور جھنڈا ان کے بھائی نے اٹھالیا وہ لڑتا لڑتا یہاں تک لڑا کہ بلنجر کے نواح میں عبد الرحمن اپنے بھائی کی قبر بنانے میں کامیاب ہو گیا اور باقی مسلمانوں کے ساتھ جیلان کے راستہ پر لوٹ آیا تو عبد الرحمن بن جمانہ الباھلی نے کہا:

وان لنا قبرین قبر بلنجر — وقبرا بصین استان یا لک من قب

فهذالذيبالصين عمت فتوحه — وهذا الذي يسقى به سبل القطر

ہمارے لیے دو قبریں ہیں ایک قبر بلنجر میں اور ایک قبر چین میں کیا شان ہے
اس قبر کی پس یہ جو چین میں ہے اس کی فتوحات عام ہیں اور یہ جو بلنجر میں ہے
اس کے وسیلہ سے بارش طلب کی جاتی ہے۔

اس سے مراد یہ ہے کہ ترک میں جب عبد الرحمن بن ربیعہ شہید ہوئے یا کہا گیا ہے کہ سلمان بن ربیعہ اور ان کے ساتھی شہید ہوئے وہ لوگ ہر روز ان کے مورچوں سے نور نکلتا دیکھتے تھے تو انہوں نے سلمان بن ربیعہ کو پکڑا اور تابوت میں رکھ دیا تو جب بھی ان پر قحط

---

① اخبار مكة للفاكهى جلد ١ صفحه ١۴٠-١۴١ برقم ١٦٠ وابن بشكوال فى كتاب المستغيثين الله تعالىٰ عند المهمات و الحاجات ۵۵، ۵۴ برقم ۴٧ قلت: رواه ابن ابى الدينا في كتاب مجابي الدعواة صفحه ٦۴-٦۵ برقم ٨٢، من طريق أبو الحسن أحمد بن عبد الأعلى الشيباني، به: نحوه، وفيه قال عبد الله بن الزبير: اللهم انک عظيم، ترجى لكل عظيم، أسألک بحرمة وجهک، و حرمة عرشک، وحرمة نبيک، -----الخ - مؤسسة الكتب الثقافية بيروت لبنان الطبعة الأولى سنة ١۴١۴ھ سنة ١٩٩٣ء - دراسة وحققه عليه، المهندس الشيخ زياد حمدان -) (ارشد مسعود)

پڑتا تو وہ اس کے سبب سے بارش طلب کیا کرتے تھے اور جو چین میں شہید ہوئے وہ قتیبہ بن مسلم الباھلی ہیں۔[1]

حضرت عبداللہ بن غالب کی روح سے برکت مشاہدہ میں آئی

امام شیخ عبدالحق بن عبدالرحمن الاشبیلی المتوفی ۵۸۱ھ اپنی کتاب ''العاقبة في ذكر الموت'' میں فرماتے ہیں:

حماد بن زید نے کہا کہ مجھے خبر دی سعید بن زید نے اس نے کہا کہ میں نے عبداللہ بن غالب کی قبر میں کہنی تک ہاتھ داخل کیا اور میں نے اس سے مٹی نکالی تو اس میں کستوری کی سی خوشبو آرہی تھی۔ اور اس قبر کا یہ قصہ مشہور ومعروف ہے تو جب لوگوں پر اس کے فتنہ کا خوف ہوا تو اس قبر کو برابر کر دیا گیا۔[2]

حضرت سیدنا ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی قبر سے برکت کا مشاہدہ:

امام ابو بکر الدینوری نے کہا ہمیں خبر دی احمد[3] نے ان کو بتایا احمد بن علی

---

[1] معجم البلدان جلد ۱ صفحہ ۴۹۰ و تاریخ دمشق الکبیر لابن عساکر جلد ۲۱ صفحہ ۴۷۳-۴۷۴ اور شعر کا دوسرا مصرعہ اس طرح نقل فرمایا:
''فهذا الذي بالصين عمت فتوحه وهذا الذي بالترك يسقه به القطر، اور جو چین میں ہے اس کی فتوحات عام ہیں اور یہ جو ترک میں ہے اس سے بارش طلب کی جاتی ہے۔ اور علامہ ابن حجر عسقلانی نے ''الاصابة جلد ۴ صفحہ ۳۰۴'' میں فرمایا کہ عبدالرحمن بلاد ترک میں دفن ہیں اور اب تک ان کے وسیلے سے بارش طلب کی جاتی ہے۔ امام دینوری نے المجالسة برقم ۱۲۵۸'' میں باسند نقل کیا ہے اور اس سند میں ابو بکر بن ابی سبرہ ہے اس کو امام ابن المدینی ویحيی بن معین اور امام بخاری نے ضعیف کہا ہے اور اس میں واقدی ہے اور یہ سیرت میں مقبول ہے اور آئمہ احناف کے نزدیک جیسا کہ امام ابن الھمام ہیں ثقہ ہے اور یہ ہماری متدل روایت سیرت سے ہی ہے اس بنا پر یہ روایت مقبول ہوگی۔)

[2] العاقبة في ذكر الموت صفحہ ۲۱۹۔

[3] احمد بن مروان الدینوری المالکی۔ ابن حضر نے اس کے بارے میں فرمایا: مسلمہ نے ''الصلہ'' میں کہا یہ ابن قتیبہ سے سب سے زیادہ روایت کرنے والا ہے یہ ثقہ ہے اور کثیر الحدیث ہے ''لسان المیزان جلد ۱ صفحہ ۳۰۹'' اور امام ابن الھمام نے اس کی توثیق پر اعتماد کیا ہے ''فتح القدیر ۲/۵۰۶'' اور اسی طرح امام المقدسی نے ''المختارة ۷/۲۴۸ ب میں، اور اس کی توثیق کے لیے دیکھیں، مقدمہ المجالسہ لمشہور بن حسن آل سلیمان۔

المقری [1] نے وہ کہتے ہیں ہمیں حدیث بیان کی الاصمعی [2] نے وہ اپنے باپ [3] سے اور وہ اپنے جد [4] سے روایت کرتے ہیں: کہ حضرت ابوایوب انصاری (خالد بن زید) رضی اللہ عنہ نے بلاد روم میں جہاد کیا اور قسطنطنیہ میں فوت ہوئے اور اس شہر کے قلعہ کی دیواروں کے پاس

---

① احمد بن علی المقری: اس کو دارقطنی نے ثقہ کہا ہے۔تاریخ بغداد جلد ۴ صفحہ ۳۰۳ و سیر اعلام النبلاء جلد ۱۳ صفحہ ۴۱۸ و سوالات الحاکم للدارقطنی برقم ۱۳ و طبقات القرأ لابن الجزری جلد ۱/۸۶-۸۷)

② الاصمعی۔ان کا نام عبدالملک بن قریب بن عبدالملک ہے:

ابن حجر نے کہا کہ سچا ہے اور سنی ہے "تقریب برقم ۴۲۰۵" اور امام ابوبکر بن ابی خیثمہ امام یحي بن معین سے نقل کرتے ہیں ,الاصمعی ثقہ ہے "تهذیب الکمال جلد ۱۸ صفحہ ۳۸۷۔

③ أبیه: وہ قریب بن عبدالملک بن علی بن اصمع ہے۔اس کا امام بخاری نے "التاریخ الکبیر جلد ۷ صفحہ ۲۰۵ میں اور امام ابن ابی حاتم نے "الجرح والتعدیل جلد ۷ صفحہ ۱۴۹ ترجمہ ۸۳۱ میں ذکر کیا اور دونوں حضرات نے اس میں جرح وتعدیل کا کوئی لفظ ذکر نہیں کیا اور اس سے اس کا بیٹا عبدالملک اور عمر بن عاصم الکلابی نے روایت لی ہے اور یہ دونوں ثقہ ہیں اور ازدی کا قول کہ وہ منکر الحدیث ہے جیسا کہ میزان الاعتدال جلد ۳ صفحہ ۳۸۹ و لسان المیزان جلد ۴ صفحہ ۴۷۲ تو اس میں کئی وجوہ سے نظر ہے۔

پہلی وجہ: یہ کہ ازدی بذات خود متکلم فیہ ہے۔دوسری وجہ: یہ جرح مبہم ہے اور جرح مبہم مردود ہوتی ہے۔تیسری وجہ: ذہبی نے قریب بن عبدالملک کو "ضعفاء" میں ذکر نہیں کیا جو اس پر دلالت کرتا ہے کہ وہ ازدی کی تضعیف کا اعتبار نہیں کرتے، جب یہ کلام ثابت ہو گیا تو اس راوی کے بارے کم از کم ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ مقارب الحدیث ہے (حسن کے قریب جو کہ مقبول کی قسم ہے) کیونکہ اس میں کوئی جرح مفسر و معتبر وارد نہیں ہے۔اور اس سے ثقہ راوی روایت کررہے ہیں اور اس پر مزید یہ کہ اس کے شیخ عبدالملک بن علی بن اصمع مقبول الحدیث ہیں اور یہ کہ ابن ابی حاتم جس راوی پر سکوت کریں تو محدثین کی ایک جماعت جیسا کہ محب الطبری و ابن سعد کے نزدیک وہ ثقہ ہوتا ہے پس جب بات پایہ ثبوت کو پہنچ گئی تو اب عبدالملک بن علی بن اصمع کا مجھول الحال والعین ہونا مضر نہیں ہے۔

④ جدہ: وہ عبدالملک بن علی بن اصمع ہے۔

اور اس روایت کا شاہد ابن عبدالبر کی مجاہد سے روایت ہے لہذا اس طرح یہ روایت حسن لغیرہ کے درجہ کو پہنچ جاتی ہے اور سیرت کے باب میں تو یہ قبول کا اعلی درجہ ہے اور ایسا نہیں جیسا کہ "المجالسہ" کے محقق نے کہا ہے کہ اس روایت میں انقطاع ہے کیونکہ عبدالملک اپنے باپ سے روایت نہیں کرتا صحیح یہ ہے کہ وہ اپنے باپ سے روایت کرتا ہے جیسا کہ ابن حجر نے "لسان المیزان جلد ۵ صفحہ ۵۲۵ میں اور صاحب "الاکمال" نے جلد ۷ صفحہ ۱۰۹ میں نص فرمائی ہے۔)

ان کی قبر بنائی گئی اور اس پر روضہ بنایا گیا جب صبح ہوئی تو اہل روم اس پر مطلع ہوئے اور انہوں نے کہا اے گروہ عرب کل رات تمہارہ کیا مسئلہ تھا؟ انہوں نے کہا کہ ہمارے رسول اللہ ﷺ کے اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ایک بزرگ صحابی وفات پا گئے ہیں اور اللہ کی قسم اگر تم نے ان کی قبر کو کوئی گذند پہنچائی تو بلاد عرب میں تمہارے گرجے گرا دیے جائیں گے اور جب روم والوں پر قحط آتا تو اور جب ان سے ثقہ راوی روایت کر رہا ہے تو پھر اس طرح کے واقعات میں جو کہ سیرت کے باب میں سے ہوں راوی کی جہالت نقصان دہ نہیں ہوتی اور وہ طبقہ علیہ کا راوی ہے اور یہ طبقہ جیسا کہ ھیثمی اور تھانوی سے گذر چکا ہے کہ ان کے حال کی جستجو ضروری نہیں ہے کیونکہ یہ طبقہ جھوٹ سے مامون ہے، واللہ اعلم۔

وہ آپ کی قبر سے پردہ ہٹا دیتے تو ان کے لیے بارش نازل ہوتی تھی۔ [1]

اور اس معنی میں مجاہد سے بھی روایت ہے امام مجاہد فرماتے ہیں۔ کہ جب ان کو بارش کی ضرورت ہوتی تو وہ قبر کو ننگا کرتے تو بارش ہونے لگتی۔

امام شعبہ فرماتے تھے کہ میں نے ''حکم'' سے پوچھا کہ کیا حضرت ابوایوب انصاری ''صفین'' میں حاضر تھے۔ انہوں نے فرمایا نہیں لیکن وہ جنگ نہروان میں موجود تھے۔

اور ابن القاسم نے حضرت امام مالک سے روایت کی آپ فرماتے ہیں کہ،

مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ، رومی حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی قبر سے صحت اور بارش طلب کیا کرتے تھے۔ [2]

اولیاء اللہ میں سے ایک کی قبر میں سے کستوری کی خوشبو آنا:

عبدالحق الاشبیلی فرماتے ہیں،

---

① المجالسة وجواهر العلم لأبي بكر الدينوری جلد ۴ صفحہ ۸۸۔

② الاستيعاب لابن عبد البر ۴/۱۲۰۶ و طبقات الكبرى لابن سعد ۳/۴۸۳ و تاریخ دمشق لابن عساکر ۱۶/۶۱ و بغية الطلب في تاریخ حلب لابن ابی جرادة ۷/۳۰۳۸۔ وفي معرفة الصحابة لأبي نعيم ۲/۱۸۷ برقم ۷۹۹۔ ان الروم اذا اجدبو ا استسقو ابقبره فيسقون۔

ہمیں بیان کیا ابو الولید اسماعیل بن احمد المعروف بابن اُفرند اور وہ اور ان کے والد دونوں معروف ومشہور اولیاء میں سے ہیں ابو الولید نے کہا میرے والد صاحب وفات پاگئے تو میرے بھائیوں میں سے ایک جو کہ بات کا سچا اور ثقہ تھا میں اس کا نام بھول گیا ہوں اس نے مجھے بتایا کہ میں نے تمہارے والد صاحب کی قبر کی زیارت کی اور اس پر قرآن پاک کے پارے کی تلاوت کی۔ (1) پھر میں نے کہا، اے فلاں اس کو میں نے تجھے ہدیہ کیا اب میرے لیے کیا ہے؟ کہا کہ، مجھے ایک خاص قسم کی خوشبو نے گھیر لیا اور وہ میرے ساتھ تھی جب میں وہاں سے پلٹا تو بھی وہ میرے ساتھ ساتھ تھی یہانتک کہ میں نے آدھا راستہ طے کرلیا تب وہ مجھ سے جدا ہوئی۔ (2)

جلیل القدر صحابی حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کی قبر کے زائر کے لیے کرامت:

ابو محمد عبد اللہ الکبری جو کہ مغاور کے نام سے معروف ہیں اولیاء کرام میں سے ہیں نے روایت کی، اور نیکی اور سچائی میں مشہور ومعروف ہیں انہوں نے فرمایا:

میں نے حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عشرہ مبشرہ میں سے صحابی ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قرابت داروں میں سے ہیں کی قبر جو کہ بصرہ میں ہے کی زیارت کی جس وقت میں قبر پر تھا تو میں نے دیکھا کہ مجھ پر فضا میں سے گلاب کا عرق انڈیل دیا گیا ہے میں اور میرے سارے کپڑے اس

---

(1) اس میں قبور پر قراۃ قرآن کا ثبوت ہے، اس مسئلہ میں، مترجم حضرت علامہ مولانا محدث محمد عباس رضوی صاحب زاد اللہ عزہ وشرفہ الی یوم المعاد نے ایک مستقل رسالہ ''القول المنصور في القراۃ علی القبور'' تصنیف فرمایا ہے جو کہ نہایت ہی مدلل اور اس مسئلہ پر جامع ہے اور اس مسئلہ پر کیے جانے والے منکرین کے تمام اعتراضات کا بھی دندان شکن جواب دیا گیا ہے۔ ارشد مسعود عفی عنہ)

(2) العاقبة في ذكر الموت ۲۱۹ والتذكرة في امور الآخرة للقرطبی ۸۰۔

سے بھیگ گئے میں اس کو دیکھ رہا تھا میری آنکھیں کھلی ہوئی اور میرا ذہن حاضر تھا اور یہ بھی بعید نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس کے سرہانے گلاب کا عرق پیدا فرما دے جو اس کو تر کر دے بلکہ پوری زمین کو ہی تر کر دے تاکہ اپنے نبی کریم ﷺ کے صحابی کی کرامت ظاہر ہو اور خاص کر اس کی زیارت کرنے والے کے لیے بشارت ہو جائے لیکن یہ ہر زائر کے لیے ضروری بھی نہیں ہے اور نہ ہی ہر وہ جس کی زیارت کی جائے بلکہ کبھی زائر اس سے افضل ہوتا ہے اور کبھی مزور افضل ہوتا ہے اور یہ کوئی اچھنبے والی بات نہیں ہے اور اس پر کلام دوسری جگہ تفصیلا کر دیا ہے۔[1]

حضرت نجاشی رضی اللہ عنہ کی قبر پر نور کا دیکھا جانا:

ابن اسحاق نے بیان کیا کہ مجھے یزید بن رومان نے حدیث بیان کی وہ عروہ سے اور وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں آپ رضی اللہ عنہا نے ارشاد فرمایا۔ جب نجاشی کا انتقال ہوا ہم کہتے تھے کہ ان کی قبر پر ہمیشہ نور دیکھا جاتا۔[2]

جبل قاسیون دمشق میں جہاں خون گرا وہاں دعا کے قبول ہونے کا گمان ہے:

ابن عساکر نے اپنی تاریخ میں روایت کی فرماتے ہیں:

ھشام نے کہا میں تے ولید بن مسلم سے سنا وہ کہتے ہیں کہ میں نے سعید بن عبد العزیز سے سنا وہ کہتے ہیں ہم ھشام بن عبد الملک کے دور خلافت میں اس جگہ پہاڑ پر چڑھے جہاں حضرت آدم علیہ السلام کے بیٹے کا خون گرا تھا ہم نے وہاں اللہ تعالیٰ سے بارش کی دعا مانگی تو اللہ تعالیٰ نے ہمیں بارش عطا فرمائی اتنی بارش ہوئی کہ ہم کو چھ روز تک غار میں ٹھہرنا پڑا۔

---

[1] العاقبة في ذكر الموت صفحہ ۲۱۹۔

[2] سیرۃ ابن اسحاق ۲۰۱/۱ (۲۹۲) و سنن ابو داؤد ۱۹/۲ (۲۵۲۳)

ابن مکحول نے کہا کہ میں حضرت عمر بن عبد العزیز کے ساتھ اس پہاڑ پر چڑھا جہاں حضرت آدم علیہ السلام کے مقتول بیٹے کا خون گرا تھا تا کہ وہاں ہم بارش کی دعا کریں تو اللہ تعالیٰ نے بارش عطا فرمائی۔ اور کہا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ خون کی جگہ گئے اللہ تعالیٰ سے بارش کی دعا مانگی تو اتنی بارش ہوئی کہ وادی جاری ہوگئی۔

اور احمد بن کثیر سے روایت ہے انہوں نے کہا،

میں جبل قاسیون پر جہاں حضرت آدم علیہ السلام کے بیٹے کے خون گرنے کی جگہ چڑھا اور اللہ تعالیٰ سے حج کرنے کی سعادت طلب کی تو حج کیا، جہاد کی دعا کی تو جہاد نصیب ہوا، بیت المقدس کی زیارت اور اس میں نماز پڑھنے اور عسقلان وتمام ساحلوں کی رباط کی دعا کی تو ان تمام کی زیارت نصیب ہوئی میں نے دعا کی کہ میں بازاروں اور خرید وفروخت سے مستغنی ہو جاؤں تو یہ بھی مجھے حاصل ہو گیا۔

میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سیدنا ابو بکر وعمر رضی اللہ عنہما اور حضرت ہابیل بن آدم علیہ السلام کو دیکھا تو میں نے اس سے سوال کیا۔

میں اللہ واحد وصمد اور تیرے باپ حضرت آدم علیہ السلام کے وسیلہ سے پوچھتا ہوں کہ کیا یہ آپ کا خون ہے؟ تو انہوں نے فرمایا کہ اللہ واحد وصمد کی قسم یہ میرا خون ہے۔

اے اللہ! میرے والد آدم اور میری والدہ حوا اور اس نبی مصطفی امی صلی اللہ علیہ وسلم کے رب میرے خون کو ہر نبی اور صدیق کے لیے مستغاث بنا دے۔

اور جو جہاں دعا کرے اس کی دعا کو قبول کر اور جو سوال کرے اس کو عطا فرما تو اللہ تعالیٰ نے میری یہ دعا قبول فرمائی اور اس کو طاہر وآمن بنا دیا۔

اور آسمان کے ستاروں کی تعداد کے مطابق فرشتوں کو اس کی حفاظت پر معمور بنا دیا کہ جو یہاں صرف نماز پڑھنے کے لیے آئے گا۔

تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

تحقیق یہ کیسا اور اس کے ساتھ کرم اور احسان مزید بھی فرمایا، ہر جمعرات کو میں اپنے ان دونوں صحابیوں اور حضرت ہابیل کے ہمراہ تشریف فرما ہوتا ہوں اور ہم یہاں نماز پڑھتے ہیں ۔ میں نے عرض کی ، یا رسول اللہ ﷺ میرے لیے دعا کیجیے کہ میں مستجاب الدعوات ہو جاؤں اور مجھے کوئی ایسی دعا سکھلا دیجیے جو ہر حاجت اور مشکل کے وقت کام آئے ،تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اپنا منہ کھولو، میں نے اپنا منہ کھولا تو آپ نے اس میں لعاب دہن مبارک ڈالا اور فرمایا۔ تجھے جو دے دیا گیا اس کو پکڑ لے تجھے عطا فرما دیا گیا اس کو لازم کر لے۔[1]

امام ابن عساکر نے ولید بن مسلم سے روایت کی انہوں نے فرمایا:

میں نے حضرت ابن عباس سے سنا فرماتے ہیں کہ، اہل دمشق سے جب بارش روک دی جاتی ہے اور تنگی پڑھتی ہے یا کوئی حاکم ان پر ظلم وستم کرتا ہے یا ان کو کوئی حاجت درپیش ہوتی ہے تو وہ خون والے پہاڑ پر چڑھتے ہیں کہ جہاں حضرت آدم علیہ السلام کے مقتول بیٹے کا خون گرا تھا اور اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کو عطا فرماتا ہے جو وہ مانگتے ہیں۔

ھشام نے کہا:

میں اپنے باپ اور اہل دمشق کی ایک جماعت کے ساتھ اس پہاڑ پر چڑھا ہم نے اللہ تعالیٰ سے بارش طلب کی تو اللہ تعالیٰ نے موسلا دھار بارش نازل فرمائی یہاںتک کہ ہم کو اس غار میں جو کہ خون کے نیچے ہے تین دن تک رکنا پڑا پھر ہم نے دعا کی کہ اب اس کو روک دے تو ہم نے زمین دیکھی۔ ھشام نے کہا: میں نے ولید بن مسلم سے سنا وہ فرماتے ہیں کہ میں نے سعید بن عبدالعزیز سے سنا وہ کہتے ہیں، میں ھشام بن عبدالملک کی خلافت کے دور میں

---

[1] تاریخ دمشق جلد ۵ صفحہ ۱۷۸۔

حضرت آدم علیہ السلام کے بیٹے کے خون کی جگہ چڑھا اور بارش کی دعا کی اتنی بارش آئی کہ چھ دن تک ہمیں غار میں رکنا پڑا۔

ولید نے کہا:

سعید نے کہا کہ مجھے مکحول نے خبر دی انہوں نے فرمایا میں نے اس شخص سے سنا جس نے ذکر کیا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ مسلمانوں کے ساتھ خون کی جگہ گئے اللہ تعالیٰ سے بارش کی دعا مانگنے کے لیے کہ اللہ تعالیٰ انہیں بارش دے تو اتنی بارش ہوئی کہ وادیاں بہہ نکلیں۔

مکحول نے کہا:

میں نے کعب الاحبار سے سنا وہ فرماتے ہیں کہ بے شک یہ جگہ رفع حاجات اور اللہ تعالیٰ کی عطاؤں والی جگہ ہے اس جگہ پر کسی سائل کا کوئی سوال رد نہیں ہوتا۔ ھشام بن عمار نے کہا میں نے اس شخص سے سنا کہ جو کعب الاحبار سے بیان کرتا تھا کہ حضرت کعب الاحبار نے کہا کہ حضرت الیاس علیہ السلام اپنی قوم کے بادشاہ کے ظلم کی وجہ سے دس سال تک اس غار میں ٹھہرے رہے جو کہ خون کے نیچے ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اس بادشاہ کو ہلاک کر دیا اور اس کی جگہ دوسرا حاکم آ گیا۔

تو حضرت الیاس علیہ السلام وہاں سے واپس تشریف لائے اور حاکم پر اسلام پیش کیا تو اس نے اسلام قبول کر لیا اور اس کی قوم بھی سوائے دس ہزار کے سب کی سب مسلمان ہو گئی۔ تو ان کو قتل کرنے کا حکم ہوا تو ان کو دوسروں نے قتل کر دیا۔

ھشام نے کہا:

میں نے وہ حدیث سنی جو کہ حضرت وہب بن منبہ کی طرف لوٹتی ہے انہوں

نے کہا کہ میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے سنا وہ فرماتے ہیں کہ، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

کافر اکھٹے ہو کر میرے بارے میں مشورہ کرنے لگے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اے کاش کہ میں دمشق کے غوطہ علاقے میں ہوتا اور میں حضرات انبیاء کرام کے مستغاث کی جگہ جاتا کہ جہاں ابن آدم نے اپنے بھائی کو قتل کیا تھا اور وہاں میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا کہ وہ ان کفار کو ہلاک کردے جو کہ ظالم ہیں تو حضرت جبرائیل علیہ السلام تشریف لائے اور عرض کی یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ کے بعض پہاڑوں پر تشریف لے چلیں اور ان کی غاروں میں رہیں وہ آپ کی قوم سے آپ کا قلعہ ہیں تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ایک پہاڑ پر تشریف لائے تو وہاں ایک ایسی غار دیکھی کہ جس میں بہت سارے حشرات الارض تھے۔۔۔۔(آگے پورا واقعہ بیان کیا)

امام مکحول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ جبل قاسیون میں خون کی جگہ شریف و برکت والی ہے حضرت یحیی بن زکریا علیہما السلام اور آپ کی والدہ ماجدہ وہاں چالیس سال تک ٹھہرے رہے، اور وہاں حضرت عیسی علیہ السلام اور ان کے حواریوں نے نمازیں پڑھیں۔

امام زھری سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا، اگر لوگ موضع الدم کی فضیلت کو جان جاتے تو وہ کھانا بھی وہیں کھاتے اور پانی بھی وہیں جا کر پیتے۔[1][2]

بعض صالحین نے بعض متاخرین کے لیے جبل قاسیوں کی فضیلت میں نظم کہی ہے۔[3]

---

(1) تاریخ دمشق جلد ۲ صفحہ ۳۳۴۔۳۳۶۔

(2) تاریخ دمشق جلد ۲ صفحہ ۳۳۷۔

(3) تاریخ دمشق جلد ۲ صفحہ ۳۳۸۔۳۳۹۔

يا صالح كم في قاسيون و سفحه من مشهد يستوجب التعظيما أضحى
فالربوة العلياء يفضلها الذي بتفسير الكتاب عليما
والنيرب المشهور يعرف فضله من زاره أو ذاق فيه تنعيما
و مغارة الدم فضلها متواتر ما زلت أسمعه هديت عظيما
ولكهف جبريل الأمين فضيلة مذكورة وقعت الي قديما
و مغارة الجوع الشريفة تحته و مقام كم عابد فيها أبن مقيما
برزة ليس ينكر فضله أعني مقام أبيک ابراهيما
ولكم مكان فيه ليس بمسجد رئى أضحى على المتعبدين كريما
النبي مصليا في سفحه صلوا عليه وسلموا تسليما
وبه قبور الأنبياء فمن مضى فأدم ليزورهم فقد ابتغى التكريما
زيارته وواظب قصده لتنال أجرا في الجنان جسيما

اولیاء کرام کے قریب دفن کرنا بطور تبرک:

اللہ تعالیٰ تجھ پر رحم فرمائے تیرے لیے مستحب ہے کہ تو اپنے مرنے والوں کو اولیاء صالحین کی قبور اور نیک لوگوں کے مدافن میں ان کے قریب دفن کرے اور تبرکا ان کے جوار میں مسکن بنائے اور ان کے قرب کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں توسل بنائے ان کے سوا دیگر قبرستان سے بچ کہ جن کی ہمسائیگی سے تکلیف کا ڈر ہے اور ان کے دیکھنے سے دکھ پہنچتا ہے۔ بے شک نبی اکرم ﷺ سے روایت کی گئی ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

ان الميت يتأذى بجار السوء، كما يتأذى به الحي۔

بے شک میت کو برے ہمسائے سے تکلیف پہنچتی ہے جس طرح اس سے زندہ تکلیف اٹھاتا ہے۔[1]

---

[1] العاقبة في ذكر الموت ۲۱۹۔۱۲۰۔ قلت: اخرجه ابو نعيم فى الحلية ۳۵۴/۶، والديلمى فى فردوس الأخبار ۱/۱۰۲ (۳۳۷) والرافعى فى التدوين فياخبار قزوين ۱/۴۸۴»»

ابن الجوزی نے صفوۃ الصفوۃ میں فرمایا ابو عبداللہ احمد بن یحیی الجلاء نے کہا کہ میں نے اپنے باپ سے سنا انہوں نے فرمایا میں معروف کرخی کے پاس ان کے مجلس میں تھا ایک آدمی آیا اور کہا: اے ابو محفوظ میں نے رات کو ایک عجیب چیز دیکھی حضرت معروف کرخی نے فرمایا اللہ تجھ پر رحم فرمائے تو نے کیا دیکھا؟ اس نے کہا کہ میرے گھر والوں نے مجھے مچھلی کی فرمائش کی میں بازار گیا اور ان کے لیے مچھلی خریدی اور ایک مزدور کو کہا کہ وہ اسے اٹھا کر میرے ساتھ چلے پس وہ میرے ساتھ چلا پس جب ہم نے ظہر کی آذان سنی تو مزدور نے کہا اے چچا کیا ہم نماز نہ پڑھ لیں؟

گویا کہ اس نے مجھے غفلت سے بیدار کر دیا میں نے اسے کہا ہاں کیوں نہیں ہم نے مچھلی والا طبق بیت الخلاء پر رکھ دیا اور مسجد میں داخل ہو گئے میں نے دل میں کہا غلام نے مچھلی والی پلیٹ ویسے ہی رکھ دی اور میں نے بھی اس کا خاص خیال نہیں کیا ابھی ہم نماز پڑھ ہی رہے تھے کہ جماعت کھڑی ہوگئی ہم نے جماعت کے ساتھ نماز پڑھی اور جماعت کے بعد بقیہ نماز ادا کی اور مسجد سے نکلے اور وہ طبق ویسے کا ویسے ہی پڑا ہوا تھا میں اپنے گھر آیا اور اپنے گھر والوں کو سارا ماجرا سنایا تو انہوں نے مجھے کہا کہ اس غلام کو کہو کہ وہ ہمارے ساتھ یہ مچھلی کھائے میں نے اس کو کہا کیا تو ہمارے ساتھ یہ مچھلی کھا سکتا ہے؟ تو اس نے کہا، میں روزے سے ہوں میں نے کہا ہمارے ساتھ افطار کر تو اس نے کہا کہ ہاں یہ ہو

»» و ۲/۱۷۷ و ۲۰۰ و ۱۵۰/۳ وابن عساكر في تاريخ دمشق ۳۷۸/۵۸ (۱۲۱۴۳)۔ وقال العجلونی في كشف الخفاء ۱/۷۴، ذكره ابن الجوزی فی الموضوعات وقال في المقاصد، رواه ابو نعيم والخليلی من حديث سليمان بن عيسى عن أبي هريرة مرفوعا و سليمان متروک بل اتهم بالوضع ولكن لم يزل عمل السلف والخلف على هذا انتهى۔ ومما يشهد له ما أخرجه ابن عساكر عن على أمرنا رسول الله أن ندفن موتانا وسط قوم صالحين فان الموتى يتأذون بجار السوء كما يتأذى به الأحياء۔ قلت: وشاهده عن ام سلمة رواه الديلمی في فردوس الاخبار ۱/۹۸ (۳۱۸) ولفظه: أحسنوا ولا تؤذوا امواتكم بالعويل ولا بتزكية ولا بتأخير وصية ولا بقطيعة وعجلوا قضاء دينه واعدلوا عن جيران السوء واذا حفرتم فعمقوا واوسعوا۔ وذكره محمد بن اسماعيل الأمير في سبل السلام ۲/۹۶ والشوكاني في نيل الأوطار ۶۸/۴)

سکتا ہے۔ آپ مجھے مسجد کا راستہ دکھلا دیں۔ میں نے اس کو مسجد کا راستہ دکھلا دیا تو وہ مسجد میں داخل ہوا اور نماز مغرب تک وہ وہاں بیٹھا رہا میں اس کے پاس آیا اور اس کو کہا اللہ تجھ پر رحم فرمائے کیا تو کھڑا نہیں ہوگا؟ اس نے کہا کیا ہم نماز عشاء پڑھ کر نہ نکلیں؟ میں نے دل میں کہا یہ دوسری عجیب بات ہوئی اس کا ارادہ یہ ہے کہ اس میں بھلائی ہے جب ہم نے نماز پڑھ لی تو میں اس کو لے کر اپنے گھر آیا ہمارے گھر کے تین کمرے ہیں ایک کمرے میں میں اور میری بیوی ایک کمرے میں ہماری بچی جو کہ بیس سال سے اسی طرح پڑی ہوئی تھی جیسے کہ پیدا ہوئی تھی اور ایک کمرے میں ہمارا مہمان تھا میں اور میری بیوی سو رہے تھے کہ رات کے پچھلے پہر کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا میں نے کہا کون؟ تو اس نے کہا کہ میں فلاں آپ کی بچی ہوں میں نے کہا وہ تو ایک گوشت کا لوتھڑا گھر میں پڑی ہوئی ہے یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ وہ ایسے چل سکے؟ تو اس نے کہا کہ میں وہی ہوں دروازہ کھولیے۔ ہم نے دروازہ کھولا تو وہ وہی بچی تھی میں نے کہا کہ یہ کیا ماجرا ہے تو اس نے کہا کہ میں نے آپ سے سنا کہ آپ فرما رہے تھے کہ ہمارا یہ مہمان نیک آدمی ہے تو میرے دل میں خیال پیدا ہوا کہ میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس سے توسل کرتی ہوں۔ تو میں نے کہا:

”اللهم بحق ضيفنا هذا، وبجاهه عندك، الا أطلقت أسري“

اے اللہ! ہمارے اس مہمان کے صدقے اور جو تیرے حضور اس کی عزت ہے اس کے صدقے مجھ کو صحت عطا فرما۔

تو میں تندرست ہو کر کھڑی ہوگئی اب میں بالکل عافیت سے ہوں جیسے کہ آپ دیکھ رہے ہیں، تو میں کھڑا ہوا اور اس کو اپنے گھر میں تلاش کرنے لگا گھر خالی تھا اور وہاں کوئی بھی نہیں تھا میں گھر کے دروازے پر آیا تو دروازے کو اسی طرح تالا لگا ہوا تھا تو حضرت معروف کرخی نے کہا کہ ہاں اولیاء کرام میں بڑے چھوٹے ہوتے ہیں۔[1]

---

[1] صفوة الصفوة جلد ۲ صفحہ ۵۰۰-۵۰۱۔

قصہ جارود بن عبداللہ اور قیس بن ساعدہ:

امام بیہقی نے ''دلائل النبوۃ'' میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی، آپ نے فرمایا، جارود بن عبداللہ جو کہ اپنی قوم کے سردار تھے اور اپنے خاندان میں ان کا حکم چلتا تھا عظیم القدر حکمران تھے، عظیم الخطر، اور ظاہر الادب، عظیم حسب ونسب کے مالک خوبصورت وخوبسیرت، مال ودولت والے وفد عبدالقیس میں ذوی الاخطار والقدار، فضل واحسان والے، فصاحت وبرہان، ان میں سے ہر ایک شخص کھجور کے درخت کی طرح نوجوان، اونٹوں پر سوار، اونٹوں اور گھوڑوں کو دوڑاتے آرہے تھے یہ لوگ اپنی سیرتوں میں بڑے پختہ عزائم کے پکے تھے ساتھیوں کے ساتھ چلتے میل در میل طے کرتے آرہے تھے۔ حتی کہ انہوں نے اپنی سواریاں مسجد نبوی شریف کے پاس بٹھادیں۔ جارود اپنی قوم اور اپنے عم زادہ بزرگوں کی طرف متوجہ ہوا اور کہنے لگا اے میری قوم! یہ چمکتی پیشانی والے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں عرب کے سردار اور عبدالمطلب کی ساری اولاد سے بہتر۔ جب تم ان کے پاس حاضر ہونا اور سامنے کھڑا ہونا تو اچھے انداز سے سلام عرض کرنا اور تھوڑا کلام کرنا۔ سب نے بالاتفاق جواب دیا، اے شاہ عالی مرتبت اے شیر بہادر! آپ کے ہوتے ہوئے نہ تو ہم کوئی بات کریں گے اور نہ آپ کے حکم سے تجاوز کریں گے ہم تو دل و جان سے باتوں کو سنیں گے آپ جو جی میں آئے کیجئے ہم آپ کے پیچھے ہیں چنانچہ جارود بہادر سرداروں کے جلو میں اٹھ کھڑا ہوا انہوں نے اپنے سروں پر عمامے سجائے مضبوط نیزے اور تلواریں لٹکائیں کپڑوں کے دامن زمین پر گھسیٹتے ہوئے اشعار کہتے اور اپنے بزرگوں کے مناقب کا تذکرہ کرتے ہوئے آئے وہ لوگ نہ تو لمبی بات کرتے اور نہ ہی بے معنی خاموش رہتے اگر ان کا سردار ان کو حکم دیتا تو بجالاتے اگر باز رکھتا تو رک جاتے وہ جنگل کے ایسے شیر کی طرح لگ رہے تھے جو بڑی نرمی اور آہستگی سے آگے بڑھتا ہے۔ حتی کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور عاجزانہ کھڑے ہو گئے جب یہ لوگ مسجد میں داخل ہوتے

ہیں تو سب حاضرین نے ان کو دیکھا جارود دھکستا ہوا حضور ﷺ کے سامنے آیا اپنا پٹکا نیچے کیا اور بڑے اچھے طریقے سے سلام عرض کیا پھر یہ اشعار کہے:

یا نبی الهدی أتتک رجال قطعت فدفدا و آلا فآلا

اے سراپا ہدایت نبی ﷺ بلندیوں اور پستیوں کو طے کرتے کچھ لوگ آپ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے ہیں۔

و طوت نحوک الصحاح طرا لا تخال الکلال فیک کلالا

انہوں نے اپنی سب باتوں کا رخ آپ ﷺ کی طرف کر دیا ان کی آپ ﷺ کے بارے میں بات کرنے کی سکت نہ ہونے کو کم نہ خیال کیجئے۔

کل دهماء یقصر الطرف عنها أرقلتها قلاصنا ارقالا

سب ایسی جماعت ہیں جن کو دیکھنے سے نگاہ قاصر رہتی ہے ان کو ہمارے لمبی ٹانگوں والے اونٹ بڑے شوق سے دوڑا کر لائے ہیں۔

و طوتها الجیاد تجمح فیها بکماة کأنجم تتلالا

ان کو ایسے گھوڑے لائے ہیں جو ستاروں کی طرح چمکتے بہادروں سے سرکشی کرتے ہیں

تبتغي دفع بأس یوم عبوس أوجل القلب ذکره ثم هالا

وہ ایسے سخت دن کی مصیبت کو دور کرنا چاہتے ہیں جس کا ذکر دل کو ڈراتا ہے پھر گھبراہٹ پیدا کرتا ہے۔

جب رسول اللہ ﷺ نے یہ اشعار سنے تو آپ ﷺ کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی اس کو قربت کا شرف بخشا اور نزدیک کر لیا اس کو اعلیٰ نشت پر پاس بٹھایا اور اس کی عزت افزائی فرمائی. اور ارشاد فرمایا:

اے جارود! تم اور تیری قوم نے وقت میں تاخیر کر دی اور بہت دیر کر دی اس نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ بخدا جو آپ ﷺ کے پاس نہ آیا اس سے بھول ہوگئی اس کی

ہدایت کے راستے معدوم ہو گئے اور یہ بات تو اللہ کی قسم! بہت بڑا خسارہ ہے اور عظیم غلطی ہے اور جاسوس اپنوں سے جھوٹ نہیں بولا کرتا اور نہ اپنے آپ کو دھوکا دیتا ہے آپ ﷺ حق لائے ہیں اور سچ بولتے ہیں اس ذات کی قسم! جس نے آپ ﷺ کو سچا نبی بنا کر بھیجا ہے اور مومنین کا مالک ومختار بنا دیا میں نے آپ ﷺ کے اوصاف کو انجیل میں پایا اور ابن بتول حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے آپ ﷺ کی بشارت دی۔ حضور ﷺ کی عمر دراز ہو اور شکر ہے اس ذات کا جس نے آپ ﷺ کو عزتیں بخشیں اور رسول بنا کر بھیج دیا اور آپ کو پانے کے بعد آپ کو مفقود کر کے آپ کے آچار تلاش نہ کریں گے اور یقین کے بعد شک نہ کریں گے۔ دست مبارک بڑھائیے میں گواہی دیتا ہوں ''لا الہ الا اللہ وأنک محمد رسول اللہ''

کہتے ہیں جارود اور اس کی قوم کا ہر سردار ایمان لے آئے نبی اکرم ﷺ کو بہت خوشی ہوئی اور آپ ﷺ نے پوچھا: اے جارود کیا وفد عبد قیس میں کوئی ایسا بھی ہے جو قس کو جانتا ہو۔ اس نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! ہم سب جانتے ہیں اور اپنی قوم میں سے میں نے ہی اس کا پیچھا کیا اور اس کے حالات کی جستجو کرتا رہا۔ قس عربی النسل تھا صحیح نسب والا تھا جب بھی خطاب کرتا بڑا فصیح خطبہ دیتا اس کا بڑھاپا بھی بڑا خوبصورت تھا اس نے سات سو سال عمر پائی بیابانوں میں پھرتا رہتا کسی گھر میں بسیرا نہ کرتا اور کہیں قیام نہ کرتا بہت کم کھاتا پیتا جانوروں اور پرندوں سے مانوس ہو جاتا ٹاٹ کا لباس پہنتا اور حضرت مسیح علیہ السلام کے طریقے پر لگاتار سیاحت پر رہتا اور رہبانیت سے کمزور نہ ہوا اور اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا اقرار کرتا تھا اور اس کی حکمت بھری باتوں کو ضرب المثل کے طور پر پیش کیا جاتا اس کے ذریعے خوف دور ہو جاتا کئی تبدیلیوں نے اس کا پیچھا کیا اس نے سمعان میں حواریوں کے سردار کو پایا عربوں میں سب سے پہلے اللہ کو مانا اور مدتوں اور مدتوں عبادت میں مصروف رہنے والوں سے زیادہ عبادت گزار تھا دوبارہ اٹھائے جانے اور حساب پر یقین رکھتا تھا۔ برے انجام اور ٹھکانے سے ڈرتا تھا موت کو یاد کر کے نصیحت حاصل کرتا اور فوت ہونے سے قبل عمل کا حکم دیتا۔ خوش گفتار سوقِ عکاظ کا خطیب شرق وغرب اور

رطب و یابس کو جاننے والا۔ کڑوے میٹھے سے آشنا۔ میں گویا اس کو اس حال میں دیکھتا ہوں کہ عرب والے اس کے آگے ہیں وہ اس کے رب کی قسم کھاتا ہے کہ لکھا ہوا اپنے مقرر وقت تک پہنچے گا اور ہر عامل کو اس کے عمل کا پورا پورا اجر دیا جائے گا۔

پھر راوی نے لمبی حدیث بیان کی جس میں یہ بھی مذکور ہے کہ: جارود کہتا ہے میں اس کے قریب ہوا اور اس کو سلام کیا اس نے سلام کا جواب دیا اس وقت وہ عین خرارہ میں اطراف سے بلند جگہ پر ٹھہرا ہوا تھا اور دو قبروں کے درمیان اس کی سجدہ گاہ تھی اور دو بڑے بڑے شیر اس کے پہلو میں تھے اور اس کے کپڑوں سے لگے بیٹھے تھے ان دونوں میں سے ایک پانی اپنے دوسرے ساتھی سے آگے نکل کر پینے لگا تو دوسرا بھی اس کی پیروی کرتا ہے اور پانی مانگتا ہے تو اس نے اسے اپنی چھڑی سے مارا اور کہا تیری ماں تجھ پر روئے چل پیچھے ہٹ جا جو پہلے آیا اس کو پی لینے دو۔

چنانچہ وہ پیچھے ہٹ گیا اور بعد میں آیا میں نے اس سے پوچھا یہ دو قبریں کس کی ہیں اس نے بتایا یہ دو قبریں میرے ان دو بھائیوں کی ہیں جو اس جگہ پر میرے ساتھ اللہ کی عبادت کیا کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراتے تھے۔ دونوں کو موت نے آلیا تو میں نے ان دونوں کو قبروں میں دفن کر دیا اور میں یہاں دونوں کی قبروں کے درمیان بیٹھا ہوں حتی کہ میں بھی ان سے جاملوں گا پھر اس نے ان دونوں کی طرف دیکھا تو اس کی دونوں آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑے وہ ان دونوں پر منہ کے بل گرتا ہے اور یہ شعر کہتا ہے:

اے میرے دونوں دوستو! کتنا عرصہ بیت چکا کہ تم سو چکے میں نے اچھی طرح دیکھ لیا کہ تمھاری نیند پوری نہیں ہو رہی۔

کیا تم دونوں نہیں دیکھتے کہ میں سمعان میں اکیلا ہوں اور اس جگہ تم دونوں کے سوا میرا کوئی دوست نہیں۔

میں تمھاری قبر پر ڈیرے ڈال کر بیٹھا ہوں اور لمبی راتوں میں بھی یہاں سے نہیں ٹلتا

کیا تمہارے مردہ جسم جواب دیں گے۔

میں ساری زندگی تم پر رویا گریہ وزاری کرنے والے کو کیا حاصل ہوا اگر وہ تم دونوں پر رویا۔ کیا تم دیر تک سوئے رہنے کی وجہ سے بلانے والے کو جواب نہ دو گے گویا اس شخص نے جو خالص شراب پلاتا ہے تمہیں بھی پلا دی ہے۔

گویا تم دونوں کی قبروں میں میری روح تم دونوں کے پاس آچکی اور انجام کار موت قریب ہے۔

اگر جان دیگر کسی جان کو بچایا جا سکتا تو میں بخوشی اپنی جان دے دیتا کہ وہ تمھارا فدیہ بن جاتی۔

حضور ﷺ نے فرمایا:

اللہ قس پر رحم کرے میں امید رکھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس کو ایک امت بنا کر اُٹھائے گا۔[1]

پھر امام بیہقی نے دلائل النبوۃ میں اس قصہ کی روایت کے بعد فرمایا:[2]

یہ ایک اور منقطع سند سے بھی امام حسن سے مروی ہے اور حضرت سعد بن ابی وقاص اور حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہما سے بھی مختصراً روایت کی گئی ہے اور جب کوئی روایت متعدد اسناد سے مروی ہو اگرچہ اس کی بعض اسناد ضعیف بھی ہوں تو یہ دلالت کرتی ہے کہ اس کی کوئی اصل ہے۔ واللہ اعلم۔

حافظ عماد الدین ابن کثیر نے کہا:

یہ طرق اگرچہ ضعیف ہیں لیکن ایک دوسرے کی تائید کرتے ہیں کہ اس قصہ کی کوئی اصل ہے۔[3]

---

① دلائل النبوۃ للبیقی ۲/۱۰۵-۱۱۳۔

② دلائل النبوۃ ۱۱۳/۲۔

③ تفسیر ابن کثیر جلد ۲ صفحہ ۲۳۶۔

اور سیوطی نے ''تدریب الراوی'' میں اس قول کے تحت کہ۔ [1]

فسق یا کذب کی وجہ سے ضعف میں دوسرے راوی کی موافقت کچھ اثر نہیں ڈالتی جبکہ دوسرا راوی بھی پہلے ہی کی مثل ہو قوت ضعف کی وجہ سے ۔۔۔۔الی قولہ، ہاں اپنے تمام طرق کی وجہ سے وہ منکر اور جس کی اصل ہی نہ ہو کے درجہ سے ترقی پالیتی ہے اس کی صراحت شیخ الاسلام ننے فرمائی ہے فرمایا بعض اوقات کثرت طرق اس کو درجہ، مستور یاسیٔ حفظ کے درجہ تک پہنچا دیتے ہیں جب اس کا کوئی اور طریق یا سند پائی جائے اور اس میں بھی اسی کے قریب ضعف ہو اور احتمال ہو تو اس مجموع سے درجہ حسن تک ترقی کر جاتی ہے۔

میں کہتا ہوں:

لہذا ابن الجوزی کا اس حدیث کو موضوعات میں درج کرنا کوئی معنی نہیں رکھتا کیونکہ ابن الجوزی کا متشدد ہونا ظاہر ہے اور علماء نے اس پر تنقید کی ہے۔

اور پھر یہ قصہ ایسی اخبار میں سے ہے کہ اس پر حکم لگانے میں تشدد نہیں کیا جائے گا جیسا کہ جمہور اہل علم نے اس کو برقرار رکھا ہے پس اس تقدیر پر اس اثر کی روایت درجہ حسن لغیرہ میں ہے۔ یہ بھی معلوم ہے کہ سیوطی کی تصحیح و تحسین پر ان کے تساہل کی وجہ سے اعتبار نہیں کیا جائے گا جیسا کہ ابن الجوزی کے ضعیف اور موضوع کا حکم لگانے میں ان کی شدت کی وجہ سے اعتبار نہیں کیا جائیگا۔

اور قس بن ساعدہ کا یہ فعل اگرچہ قبل از اسلام کا ہے لیکن رسول اللہ و نے اس کی تعریف فرمائی ہے بلکہ اس کو معرض مدح میں ذکر کیا ہے جو کہ اس کے حسن سیرۃ اور عقیدہ کی پاکیزگی پر دلالت کرتا ہے۔

---

[1] تدریب الراوی جلد ۱/۱۹۴۔

المطلب الثالث

اماکن ومواضع اور جگہوں کی برکت سے توسل

اماکن اور جگہوں کے ساتھ اللہ تبارک وتعالیٰ کی بارگاہ میں توسل حاصل کرنے پر کتاب وسنت اور آثار میں بے شمار دلائل موجود ہیں جو کہ منفعت کے حاصل کرنے اور رحمت کے پانے میں ممد ومعاون ثابت ہوتے ہیں۔

اور ان سے موحد گمراہ نہیں ہوتا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو پوجنا شروع کردے جبکہ اللہ تعالیٰ نے اس پر اطاعت اور اس کے امور پر حفاظت کی نعمت فرمائی ہے۔

اور تبرک حاصل کرنے کی بحث بھی کافی طویل ہے میں ان شاء اللہ تعالیٰ اس موضوع پر مستقل کتاب تصنیف کروں گا مگر چونکہ توسل اور تبرک کا آپس میں گہرا تعلق ہے کہ یہ دونوں ایک دوسرے کے قائم مقام بن گئے ہیں لہذا اس مسئلہ پر یہاں میں کچھ تھوڑے دلائل تبرک کے بیان کیے دیتا ہوں تا کہ دونوں کا تعلق آپس میں قائم رہے۔

تبرک کیا ہے یہی نا کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں تقرب وتوسل کرنا۔ لہذا یہاں میں صرف بعض دلائل کتاب وسنت اور اخبار پر ہی اختصار کروں گا جو کہ ہمارے مقصد کو کافی ہوں اور دلائل کے ذکر کرنے سے قبل میں قاری کے سامنے اسلام کے فحول علماء میں سے ایک یعنی علامہ الشنقیطی کا قول پیش کرنا چاہوں گا جو کہ انہوں نے اپنی کتاب ”زاد المسلم فیما اتفق علیه البخاری و مسلم“ میں اس باب کے مقدمے میں اس طرح فرمایا ہے:

حدیث: کان النبی ﷺ یأتي مسجد قباء کل سبت ماشیا و راکبا۔

نبی اکرم ﷺ ہر ہفتہ کے روز مسجد قباء شریف تشریف لاتے پیدل یا سواری پر۔

اس کو بخاری نے روایت کیا اور یہ الفاظ اسی کے ہیں اور مسلم نے ابن عمر رضی اللہ عنہما عن رسول اللہ ﷺ۔

شیخ شنقیطی فرماتے ہیں:

كان النبي ويأتي مسجد قباء "بضم القاف ممدودا

اور تحقیق اختصار کیا اور ذکر کر کیا کہ یہ ایک جگہ کا نام ہے اور یہ ایک ٹکڑا کا نام جو کہ مونث ہے اور اس میں تصریف نہیں ہے اور زیادہ مشہور مد اور صرف کے ساتھ ہے اور مذکر ہے اور قباء مدینہ منورہ کی بستیوں میں سے ہے اللہ تعالیٰ اس میں ہمارے لیے زیادگی فرمائے اور ہمیں ایمان پر اس کے ساتھ موت دے اس نبی کے طفیل کہ جن کے انوار سے یہ منور ہوا اور تمام جگہوں سے فضیلت پا گیا حتی کہ مکہ معظمہ سے بھی فضیلت میں بڑھ گیا۔

جیسا کہ امام مالک رحمہ اللہ اور ان کے اکثر اصحاب سے مشہور مذہب یہی ہے۔ امام خلیل نے اپنی "مختصر" میں اسی مسلک کو اختیار کیا ہے اور کہا ہے۔ مدینہ شریف سب سے افضل ہے اس کے بعد پھر مکہ شریف اور اس پر وہ روایت دلالت کرتی ہے کہ جس کو دارقطنی نے اور طبرانی نے حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔

المدينة خير من مكة۔

مدینہ شریف مکہ معظمہ سے افضل ہے۔ [1]

---

[1] شائد شیخ نے صحیحین کی اس حدیث پر اعتماد کیا ہے: اللهم اجعل بالمدينة ضعفي ماجعلت بمكة من البركة۔ (بخاری (١٨٨٥)، مسلم (١٣٦٩)۔

قلت: حديث رافع، رواه الطبراني في المعجم الكبير ٢٨٨/٤ (٤٤٥٠) وابن المقرى في المعجم ٤٣-٤٤ (٤٤) ولفظه: "المدينة أفضل من مكة" والبخاري في التاريخ الكبير ١/١٦٠ وابن عدي في الكامل ٢١٩٧/٦۔ وذكره الهيثمي في مجمع الزوائد ٢٩٩/٣ وقال: فيه محمد بن عبد الرحمن بن الرداد، وهو مجمع على ضعفه۔ وقال المناوي فى فيض القدير ٦/٢٦٤: ابو عوانة عن سهل بن حنيف، المدينة خير من مكة لانها حرم رسول الله ﷺ ومهبط الوحي و منزل البركات وبها عزت كلمة الاسلام ۔۔۔ الخ ارشد مسعود عفى عنه)

پس یہ حدیث شریف مدینہ منورہ کے مکہ شریف سے افضل ہونے کی صریح دلیل ہے (اللہ تعالیٰ ان دونوں کو مزید شرف عطا فرمائے)۔

پھر مکہ شریف بیت المقدس سے افضل ہے پس اس کی مسجد شریف افضل المساجد ہے مسجد نبوی اور مسجد حرام کے بعد حتیٰ کہ یہاں تک کہا گیا ہے کہ مسجد اقصیٰ ان مساجد سے بھی افضل ہے جو مساجد حضور نبی اکرم ﷺ کی طرف منسوب ہیں جیسا کہ مسجد قباء شریف، مسجد فتح، مسجد عید، مسجد ذی الحلیفہ۔ اور مسجد قباء شریف اور مدینہ منورہ کے درمیان دو یا تین میل کا فاصلہ ہے اور یہ پہلی مسجد ہے کہ جس کو رسول اللہ ﷺ نے بنایا تھا حتیٰ کہ آپ ﷺ بذات خود پتھر اٹھا کر لاتے اور اس کے بنانے میں مزدوروں کی مدد فرماتے تھے۔[1]

اور اسلاف کی ایک جماعت کہ جن میں سے حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بھی ہیں نے فرمایا:[2]

یہی وہ مسجد ہے کہ جس کی بنا تقوی پر رکھی گئی ہے اور یہ مسجد بنی عمرو بن عوف میں ہے اور اس کا نام وہاں کے ایک کنویں کے نام پر رکھا گیا ہے اور اس کے وسط میں رسول اللہ ﷺ کی اونٹنی کے بیٹھنے کی جگہ ہے اور اس کے قبلہ کی طرف جو محراب نما بنا ہوا ہے وہی جگہ ہے جہاں رسول اللہ ﷺ نے پہلی نماز ادا فرمائی تھی۔

(کل سبت) یعنی ہر ہفتہ کے روز اس حالت میں کہ کبھی آپ ﷺ (ماشیا) پیدل چل کر اور کبھی (راکبا) سوار ہو کر تشریف لاتے تھے۔

اور دوسری روایت میں آپ ﷺ کا مسجد قبا شریف میں تشریف لانا بغیر کسی دن کے تعین کے ہے اور اس روایت میں ہفتہ کے دن کی تخصیص ہے لہذا مطلق کو مقید پر محمول کیا جائے گا اور ہفتہ کے روز کو مخصوص کرنا اہل قباء کے ساتھ آپ ﷺ کی مواصلت کے لیے ہے اور ان لوگوں کے حالات دریافت کرنے کے لئے ہے جو جمعہ کے روز مسجد نبوی ﷺ میں مدینہ منورہ میں حاضر نہ ہوتے۔

---

[1] انظر الاحاد والمثانی لابی بکر الشیبانی ۲۵۸/۶ برقم (۳۴۸۸) والطبرانی في المعجم الکبیر ۳۱۷/۲۴ برقم (۸۰۱)

[2] تفسير القرطبي جلد ۸ صفحہ ۲۵۹۔

اللہ تعالیٰ ہمیں حالت جمیلہ کی طرف لوٹا دے اور ہمیں اپنی عبادت کے ساتھ مسجد نبوی شریف میں متمتع فرمادے اخلاص وخشوع اور اطمنان کے ساتھ حتی کہ ہمارا خاتمہ آپ کے ساتھ کامل ایمان کے ساتھ ہو۔

(وكان عبد الله بن عمر) رضی اللہ عنہما (يفعله)

یعنی ہر ہفتہ کو حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بھی مسجد قباء شریف میں کبھی پیدل تشریف لاتے اور کبھی سواری پر تشریف لاتے تاکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اعمال صالحہ میں متابعت ہو سکے اور یہ آپ رضی اللہ عنہ کی مشہور عادات میں سے ہے۔

(وقولی) اور میرا قول کہ یہ بخاری کے الفاظ ہیں اور مسلم کے الفاظ تو وہ بخاری کے الفاظ کے قریب ترین ہیں کہ ''كان رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم يأتي قباء يعني كل سبت، كان يأتيه راكبا وماشيا وكان ابن عمر يفعله''۔

اور اس حدیث میں مسجد قباء کی اور اس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا میں نماز پڑھنے کی فضیلت ہے اور اس طرح اس میں اس بات کا بھی استحباب ہے کہ یہ زیارت وادائے نماز ہفتہ کے دن ہو اور اس میں دلیل ہے کہ ثواب کی بعض اقسام کے لیے دن کی تخصیص کرنا جائز ہے۔ اور یہ اسی طرح ہے یعنی تخصیص ایام جائز ہے مگر اوقات منھی عنھا نہ ہوں یعنی جن دنوں کی تخصیص سے منع کیا گیا ہے وہ اوقات نہ ہوں۔ جیسا کہ جمعہ شریف کی رات کو دوسری راتوں سے قیام کے لیے مخصوص کرنا اور اسی طرح دوسرے دنوں کو چھوڑ کر صرف جمعہ کے دن کا روزہ رکھنا۔

صاحب ''المفھم'' نے کہا:

امام مالک کا اصل مذہب یہ ہے کہ قرب کے لیے کسی دن کی تخصیص کرنا مکروہ ہے مگر وہ جو توقیف سے ثابت ہو اور اس حدیث میں اس شخص کے خلاف حجت ہے کہ جو کہ ہفتہ کے روز مسجد قباء شریف کی زیارت کرنا مکروہ (کہتا ہے) جیسا کہ محمد بن مسلمہ کا مالکیہ میں سے مذہب ہے اس خوف سے کہ اس

دن کی زیارت سنت نہ بنالی جائے۔

قاضی عیاض نے فرمایا:

شاید محمد بن مسلمہ کو یہ حدیث نہ پہنچی ہو۔اور مالکیہ میں سے ابن حبیب نے نبی اکرم ﷺ کی مسجد قباء شریف کی زیارت پیدل اور سوار ہو کر کرنے سے استدلال کیا ہے کہ جب مدنی مسجد قباء کی زیارت کی نذر مانے تو اس کو پورا کرنا لازم ہے اور اس کو حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے حکایت کیا ہے۔

اور یہ مخفی نہیں کہ مسجد اقصی اور مسجد قباء شریف سوائے مسجد الحرام اور مسجد نبوی شریف کے تمام مساجد سے افضل ہے۔اور مسجد قبا شریف میں نماز پڑھنے کی فضیلت۔

جیسا کہ ابن ابی شیبہ نے بسند صحیح روایت کی:

عن سعد بن ابي وقاص قال: لأن أصلي في مسجد قباء ركعتين أحب الي من أن اتي بيت المقدس مرتين، لو يعلمون ما في قباء لضربوا اليه أكباد الابل۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مجھے مسجد قباء میں دو رکعت نماز پڑھنا اس سے زیادہ پسند ہے کہ دو مرتبہ بیت المقدس آؤں اگر لوگوں کو علم ہوتا کہ مسجد قباء شریف میں کیا ہے تو وہ اونٹوں پر سوار ہو کر اس کی طرف آتے۔[1]

اور امام نسائی نے حضرت سہل بن حنیف سے مرفوعا روایت کی

من خرج حتى يأتي قباء فيصلي فيه كان له عدل عمرة۔

---

[1] اخرجه ابن ابي شيبة في المصنف ۲/۱۴۹ (۷۵۳۳)، وذكره الحافظ في الفتح البارى ۶۹/۳ و الزرقانى فيشرح موطا ۱/۴۸۱ والمناوي في فيض القدير ۲۴۴/۴ وصححه الحافظ ابن حجر والزرقاني والمناوى۔و الحاكم في المستدرك ۱۳/۳ (۴۲۸۰): ولفظه: عامر بن سعد وعائشة بنت سعد يقولان سمعنا سعدا يقول لأن أصلي في مسجد قباء أحب الي من ان أصلي في مسجد بيت المقدس۔وقال: هذا حديث صحيح على شرط الشيخين۔)

جو کوئی نکلا یہاں تک کہ مسجد قباء میں پہنچا اور اس میں دو رکعت نماز پڑھی تو وہ اس کے لیے عمرہ کے برابر ہونگی۔ ①

اور ترمذی نے حضرت اسید بن حضیر (قلت: وهو اسيد بن ظهير الانصاري كما وقع في الترمذي و ابن ماجه وغيرهم) رضی اللہ عنہ سے مرفوعا روایت کی ہے کہ، الصلاة في مسجد قباء كعمرة "مسجد قباء میں نماز عمرہ کے برابر ہے۔" ②

---

① اخرجه النسائى في المجتبى ١٠٩ (٧٠١) و في السنن الكبرى ١/٢٥٨ (٧٧٨)، و احمد في مسنده ٣/٤٨٧ و ابن ماجة في السنن ٢٠٩ (١٤١٢) و البيهقي في الشعب ٣/٥٠٠ (٤١٩١) و الطبراني في الكبير ٦/٧٤-٧٥ (٥٥٥٨-٥٥٥٩) والحاكم في المستدرك ٣/١٣ (٤٢٧٩) وقال: صحيح الاسناد۔)

② اخرجه الترمذى في الجامع ١٢٤ (٣٢٤)۔ وقال: حديث اسيد حديث حسن غريب، ولا نعرف لأسيد بن ظهير شيئا يصح غير هذا الحديث ولا نعرفه الا من حديث أبي اسامة عن عبد الحميد بن جعفر -أبو الابرد اسمه زياد مديني - واخرجه ابن ماجه في السنن ٢٠٩ (١٤١١) وابن ابي شيبة في المصنف ٢/١٤٩ (٧٥٢٩) و ٦/٤١٦ (٣٢٥٢٤) وابو يعلى فيمسنده ١٣/١١٧ والشيباني في الاحاد والمثاني ٤/٤٣ والطبراني في الكبير ١/٢١٠ (٥٧٠) والبيهقي في السنن الكبرى ٥/٢٤٨ (١٠٠٧٥) وقال: رواه البخاري في التاريخ عن عبد الله بن أبي شيبة عن أبي اسامة الا انه قال في متنه من أتى مسجد قباء فصلى فيه كانت كعمرة والحاكم في المستدرك ١/٦٦٢ (١٧٩٢)۔ وقال: هذا حديث صحيح الاسناد ولم يخرجاه الا ان أبا لأبرد مجهول۔ والمقدسي في المختارة ٤/٢٨١-٢٨٢۔ وقال: اسناده حسن۔ وقال: رواه الترمذي عن أبي كريب وسفيان بن وكيع عن أبي اسامة وقال: حديث حسن صحيح ولا نعرفه الا من حديث أبي اسامة عن عبد الحميد بن جعفر -أبو الابرد اسمه زياد مديني۔ ورواه ابن ماجه عن أبي بكر بن أبي شيبة -اسناده صحيح- وابن سعد في الطبقات الكبرى ١/٢٤٥۔ وقال الذهبي: في ميزان الاعتدال ٣/١٤٣ -في ترجمة، زيادأبو الأبرد، صحح له الترمذي بحديثه وهو صلاة في مسجد قباء كعمرة وهذا حديث منكر روي عنه عبد الحميد بن جعفر فقط۔

میں کہتا ہوں کہ امام ذہبی کا یہ کہنا کہ یہ حدیث منکر ہے اس معنی میں توصیح ہے کہ اس میں "ابو الأبرد" منفرد ہے کیونکہ منفرد کی حدیث پر محدثین نے منکر کا اطلاق کیا ہے جیسا کہ حافظ ابو بکر احمد بن ہارون البردیجی نے کہا الحدیث الذی ینفرد بہ الرجل ولا یعرف متنہ من غیر روایتہ لا من الوجہ رواہ منہ الا من وجہ آخر۔ (ابن الصلاح ٨٠) »

لیکن مساجد ثلاثہ کی طرح اس میں ثواب کی زیادتی نہیں ہے، اور یہ حدیث جیسے شیخین نے روایت کی اسی طرح ابوداؤد نے بھی اس کو روایت کیا، اس حدیث کے راوی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ہیں۔ امام بخاری نے ''ابواب التطوع'' میں باب مسجد قباء اور باب ایتان مسجد قباء ماشیاو راکبا، میں اور مسلم نے کتاب الحج کے آخر میں باب فضل مسجد قباء وفضل الصلاۃ فیہ وزیارتہ۔۔ الخ میں اس کو روایت کیا ہے۔

حدیث عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا:

كان النبي ﷺ يؤتى بالصبيان فيدعولهم ،فأتي بصبي فبال على ثوبه فدعاء بماء فأتبعه اياه ولم يغسله۔ رواه البخاى واللفظ له ومسلم۔

نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ میں بچوں کو لایا جاتا تو آپ ﷺ ان کے لئے دعا فرماتے۔ ایک بچہ آپ ﷺ کے پاس لایا گیا تو اس نے آپ ﷺ پر پیشاب کردیا آپ ﷺ نے پانی منگوایا اور اس پر بہادیا اور اس کو دھویا نہیں۔

»» یعنی وہ حدیث جس میں راوی منفرد ہو اور اس کی روایت کے بغیر اس کا متن معروف نہ ہو نہ اس روایت کے طریق سے اور نہ اس کے بغیر کسی اور طریق سے۔ صرف تفرد راوی کی وجہ سے اس کو منکر کہنا تو درست ہے کیونکہ امام احمد بن حنبل نے افلح بن حمید الانصاری جو کہ صحیحین کے راویوں میں سے ہیں اور ثقہ ہیں کے بارے میں کہا کہ ''روی افلح حدیثین منکرین، ان النبیو اشعر، وحدیث: وقت اھل العراق عرق۔ یعنی امام احمد نے ان حدیثوں کو منکر صرف اس لیے کہا کہ افلح ثقہ ہونے کے باوجود ان احادیث کو روایت کرنے میں متفرد ہے۔ لیکن مذکورہ بالا روایت کا متن منکر نہیں ہے کیونکہ یہ متن بالمعنی دوسری اسناد سے بھی مروی ہے جیسا کہ حدیث سہل بن حنیف جو کہ گذری ہے اور پھر اس میں راوی ضعیف بھی نہیں اور امام حاکم کا ''ابوالأبرد'' کو مجھول کہنا بھی صرف اس لیے ہے کہ اس سے روایت کرنے والا عبدالحمید بن جعفر کے سوا کوئی نہیں۔

ابوالأبرد، زیاد کو امام ابن حبان نے ثقات میں ذکر کیا ہے جلد ۵ صفحہ ۵۸۰ اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے کہا کہ ''مقبول، من الثالثۃ'' تقریب برقم ۲۱۰۹ اور امام ذھبی نے خود کاشف میں کہا کہ یہ اسید بن ظہیر سے روایت کرتا ہے اور اس سے عبدالحمید بن جعفر روایت کرتا ہے اور اس کے توثیق کی گئی ہے۔ تقریب مع الکاشف برقم ۲۱۰۹۔ اور اس کی تضعیف بھی کسی نے نہیں کی۔ تو معلوم ہوا کہ امام ترمذی کا اس حدیث کے متعلق حکم درست ہے۔ (ارشد مسعود عفی عنہ)

اس کو امام بخاری نے روایت کیا یہ اسی کے لفظ ہیں اور مسلم نے بھی روایت کیا۔[1]

تو اس حدیث شریف میں اس بات کا استحباب پایا جاتا ہے کہ بچوں کو بزرگوں کی گود میں حصول برکت کے لیے اور ان سے طلب دعا اور تحنیک کیلیے اٹھانا اور یہ برابر ہے کہ یہ ولادت کے وقت ہو یا ولادت کے طویل مدت کے بعد۔ اور اس حدیث شریف میں نبی اکرم ﷺ کے اپنے صحابہ کے اور ان کے چھوٹے بچوں کے ساتھ حسن معاشرت اور محبت کا ذکر ہے اور اس میں چھوٹوں کے لیے تواضع اور مہربانی پائی جاتی ہے۔

اور اس حدیث شریف میں اس بات کا بھی اقرار ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہمیشہ تبرک حاصل کرتے تھے چاہے وہ چھوٹے ہوں یا بڑے اور ہم ان شاء اللہ العزیز اس مضمون میں سے تھوڑا سا بیان کریں گے تا کہ جو شخص آپ ﷺ سے تبرک کی مشروعیت کا منکر ہے بلکہ آپ ﷺ کی امت کے صلحاء و علماء عاملین سے بھی تبرک کی مشروعیت کے لیے فائدہ ہو۔

نسأل الله تعالىٰ أن لا يجعلنا كم ن جهل هذا التبر ك من سنة رسول الله ﷺ، بل يجعلنا مع من تبر ك به و بسنته المطهرة و سير ته النافعة للقلوب باذن بار ئنا تعالىٰ علام الغيوب۔

اور اس سے پہلے حرف ”را“ میں حدیث ”ردالبشری وا‘ قبلا أنتما۔۔۔ الخ کے تحت بقدر نافع گذر چکا ہے۔

اور میں کہتا ہوں بہت ساری احادیث صحیحہ اس باب میں وارد ہیں صحابہ کرام کے آپ ﷺ کے ساتھ تبرک حاصل کرنے میں اور آپ ﷺ نے اس کا علم ہونے کے باوجود اس کو برقرار رکھا۔

---

[1] اخرجه البخاری فیالصحیح (۲۲۰ و۵۹۹۸) و مسلم في الصحيح ۱/۱۳۹ (۲۸۶-۲۸۷) وابن الجارود في المنتقى ۴۴ (۱۴۰) وابو عوانة في مسنده ۱/۱۷۲ والبيهقي في السنن الكبرى ۲/۴۱۴ والنسائی فیالسنن المجتبى (۳۰۳)

انہی میں سے وہ حدیث شریف بھی ہے کہ جس کو امام بخاری نے اپنی صحیح میں "کتاب الوضو باب الماء الذي يغسل به شعر الانسان" (برقم ۱٦۸) میں اپنی سند کے ساتھ امام ابن سیرین سے روایت کیا آپ فرماتے ہیں، میں نے حضرت عبیدہ سے کہا:

عندنا من شعر النبي ﷺ أصبناه من قبل أنس أو من قبل أهل أنس فقال: لأن تكون عندي شعرة منه أحب الي من الدنيا وما فيها۔

ہمارے پاس حضور نبی اکرم ﷺ کے کچھ بال مبارک ہیں کہ جو ہمیں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ یا ان کے گھر والوں کی طرف سے عنایت ہوئے ہیں تو انہوں نے فرمایا اگر میرے پاس ایک موئے مبارکہ بھی ہوتا تو وہ مجھے دنیا و مافیہا سے بھی زیادہ عزیز تھا

ایسے ہی بخاری کے لفظ ہیں۔ اسماعیلی نے اس کو ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے "أحب الي من كل صفراء وبيضاء"۔

وہ مجھے زرد و سفید (یعنی سونا اور چاندی) سے بھی زیادہ پیارا ہوتا۔[1]

اور پھر انہی دلائل میں سے ہے کہ یہ تو ثابت ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ ﷺ کے موئے مبارکہ سے تبرک حاصل کرتے تھے اور ہر اس چیز سے بھی کہ جو آپ ﷺ کے جسد اقدس کے ساتھ مس ہو گئی تھی جیسا کہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے کہ انہوں نے اپنی ٹوپی مبارک میں آپ ﷺ کے کچھ موئے مبارکہ رکھے ہوئے تھے۔ وہ ان بالوں کے ساتھ میدان جنگ میں جاتے اور ان کی برکت سے فتح حاصل کرتے تھے۔ اور جب جنگ یمامہ کے موقع پر ان کی ٹوپی گر گئی تو انہوں نے اس کے ڈھونڈنے میں انتہائی کوشش

---

[1] رواه احمد في مسنده ۳/۲۵٦ برقم ۱۳۷۲۰۔

کی حتی کہ وہ ان کو مل گئی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان پر اس سلسلہ میں اعتراض کیا اس چیز کا علم ہونے سے پہلے کہ اس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا موئے مبارکہ ہے ان کا خیال تھا کہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے ایک بے

قیمت اور حقیر سی چیز ٹوپی کے لیے اپنی جان کو خطرے میں ڈال لیا ہے تو حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا: میں نے یہ سب کچھ ٹوپی کے لیے نہیں کیا لیکن مجھے یہ پسند نہ ہوا کہ اس ٹوپی پر کفار کے ہاتھ لگ جائیں کیونکہ اس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے موئے مبارکہ ہیں تو سب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ پر خوش ہو گئے اور آپ کی تعریف کرنے لگے۔

اور انہی دلائل میں سے یہ ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم حجامت بنواتے تو حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے موئے مبارکہ حاصل کرتے تھے اور تبرک کے طور پر ان کو تقسیم کرتے تھے۔

امام بخاری نے اسی باب میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی آپ فرماتے ہیں کہ

أن رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم لما حلق رأسه كان أبو طلحة أول من أخذ من شعره

یعنی بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب حجامت بنواتے تو حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ سب سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے موئے مبارکہ کو حاصل کرتے تھے۔[1]

اور امام ابوعوانہ نے اپنی صحیح میں روایت کی اور اس کے الفاظ اس طرح ہیں،

ان رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم أمر الحلاق فحلق رأسه ودفع الى أبي طلحة الشق الأيمن ثم حلق الشق الآخر فأمره أن يقسمه بين الناس۔

بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حلاق کو حکم فرمایا تو اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر اقدس کا حلق کیا، اور دائیں طرف کے بال مبارک حضرت طلحہ کو عطا فرمائے پھر بائیں طرف کا حلق کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا کہ ان کو لوگوں کے درمیان تقسیم کر دیا جائے۔[2]

---

[1] اخرجه البخاري في الصحيح برقم ۱۶۹۔

[2] ذكره الحافظ في فتح الباری ۱/۲۷۴، وعزاه الى ابو عوانة۔

امام مسلم نے ''ابن عیینۃ عن ھشام بن حسان عن ابن سیرین'' کی سند سے روایت کی کہ،

''لما رمی الجمرۃ و نحرہ نسکہ ناول الحلاق شقہ الأیمن فحلقہ فأعطاہ أبا طلحۃ فقال: اقسمہ بین الناس۔

جب آپ ﷺ نے رمی جمرات کرلیا اور قربانی فرمالی تو حلاق (حجام) نے آپ ﷺ کے دائیں طرف کے بال تراشے اور حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کو بلا کر ان کو عنایت فرمائے پھر بائیں طرف کے بال تراشے تو پھر حضرت ابوطلحہ کو بلایا اور ان کو بال مبارک عطا فرما کر حکم فرمایا کہ ان لوگوں میں تقسیم کردو۔

اور امام مسلم کی دوسری روایت حفص بن غیاث میں ہے کہ ''أنہ قسم الأیمن فیمن یلیہ'' انہوں نے اپنی دائیں طرف کے لوگوں میں تقسیم فرمائے۔ اور ایک روایت کے الفاظ اس طرح ہیں ''فوزعہ بین الناس الشعرۃ والشعرتین وأعطی الأیسر أم سلیم۔ وفي لفظ: وأعطی الأیسر أبا طلحۃ۔[1] تو انہوں نے لوگوں میں ایک ایک دو دو موئے مبارکہ تقسیم فرمائے اور بائیں طرف کے حضرت ام سلیم کو عطا فرمائے اور ایک روایت کے الفاظ اس طرح ہیں کہ اور بائیں طرف کے حضرت ابوطلحہ کو عنایت ہوئے۔

اگر کہا جائے کہ ان روایات میں تناقض ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ،

جب ان کو جمع کیا جائے تو ان میں کوئی تناقض نہیں ہے کیونکہ حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کو دونوں طرف والے موئے مبارکہ ملے تھے تو دائیں طرف والے موئے مبارکہ آپ رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم ﷺ کے حکم کے مطابق لوگوں میں تقسیم

---

[1] ملاحظہ ہو۔ مسلم کتاب الحج (۱۳۰۵) و مسند حمیدی (۱۲۲۰) و مسند أحمد ۳/ ۱۱۱ و ۲۰۸ و ۲۱۴ و ۲۵۶ و سنن أبو داؤد في المناسک ۳۰۵ (۱۹۸۱) جامع ترمذی ۲۹۰ (۹۱۲) و قال: ھذا حدیث حسن صحیح۔ صحیح ابن خزیمہ ۴/۲۹۹ (۲۹۲۸) و سنن الکبری بیہقی ۱/ ۲۵ و ۷/ ۶۷ و سنن الکبری نسائی ۲/ ۴۴۹ (۴۱۱۶) و صحیح ابن حبان ۴/۲۰۶ (۱۳۷۱) و ۹/۱۹۱ (۳۸۷۹) و منتقی ابن جارود (۴۸۴) و شرح السنۃ (۱۹۶۲) و غیرہم۔

فرمادیئے اور بائیں جانب والے موئے مبارک اپنی زوجہ حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا کو عنایت فرمادیئے۔

اور امام احمد کی روایت میں یہ زیادتی ہے۔ ''لتجعله في طيبها'' تو انہوں نے ان کو خوشبو میں رکھا تھا۔ [1]

تو رسول اللہ ﷺ کے حکم سے تبرک کے لیے بال مبارک تقسیم کیے گئے اور ان کو ان کی چاہت بھی بڑی تھی لہذا انہوں نے اس پر ازدحام ڈال دیا حتی کہ ان میں سے کسی کو ایک ملا اور کسی کو دو ملے۔ لہذا یہ بڑی قوی اور مضبوط دلیل ہے اس پر کہ آپ ﷺ کے ساتھ تبرک حاصل کرنا ایسا کام ہے جو کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں عام مشہور و معروف تھا اسی طرح تابعین میں بھی اور اس وقت اس کا منکر کوئی بھی نہیں تھا مگر جس کے دل میں ایمان راسخ نہ ہو گیا ہو۔

امام بخاری نے ''باب خاتم النبوۃ'' میں جعید بن عبد الرحمن سے روایت کی وہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت سائب بن یزید سے سنا وہ فرماتے ہیں کہ

ذهبت بي خالتي الى رسول الله ﷺ فقالت: يا رسول الله ﷺ ان ابن اختي وقع فمسح رأسي و دعا لي بالبركة و توضأ فشربت من وضوئه۔ الخ۔

کہ میری خالہ مجھے لے کر رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میرا بھانجا بیمار ہے تو آپ ﷺ نے میرے سر پر پیار فرمایا اور میرے لیے برکت کی دعا فرمائی اور وضو کیا تو میں نے آپ ﷺ کے وضو کے پانی میں سے پانی پیا۔

اس حدیث میں محل استدلال قول صحابی ہے ''فشربت من وضوءٗ'' یعنی جو پانی آپ ﷺ کے اعضاء مقدسہ پر بہا میں نے اس ماء مستعمل میں سے پیا۔ یہاں وضو بفتح الواء ہے۔

---

[1] ذکرہ الحافظ في فتح الباری ۱/۲۷۴، وعزاہ الی احمد۔

اور انہی دلائل میں سے ہے کہ امام بخاری نے ''باب صفة النبي ﷺ'' میں حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ،

وقام الناس فجعلوا يأخذون يديه فيمسحون بهما وجوههم قال: فأخذت بيده فوضعتها على وجهي، فاذا هي أبرد من الثلج وأطيب رائحة من المسک۔

لوگ گھڑے ہوتے اور آپ ﷺ کے وضو کے پانی کو اپنے ہاتھوں میں لیتے اور اپنی چہروں پر ملتے میں نے بھی اس کو اپنے ہاتھ پر لیا اور اپنے چہرے پر مل لیا پس وہ برف سے ٹھنڈا تھا اور کستوری سے زیادہ خوشبودار تھا۔

اور اسی طرح امام بخاری نے اسی باب میں انہی صحابی رضی اللہ عنہ سے روایت کی:

دفعت الى النبي ﷺ وهو بالأبطح في قبة كان بالهاجرة۔ فخرج بلال فنادى بالصلاة ،ثم دخل فاخرج فضل وضوء رسول الله ﷺ فوقع الناس عليه يأخذون منه۔الحديث

میں نبی اکرم ﷺ کی رکھوالی پر تھا جبکہ آپ ﷺ ابطح کے مقام پر ایک قبہ میں تھے۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نکلے اور انہوں نے نماز کے لیے آذان کہی پھر اندر گئے اور رسول اللہ ﷺ کے وضو کا پانی لیکر تشریف لائے تو لوگ اس پانی کے حصول کے لیے جھپٹ پڑے۔۔۔۔الخ

اور وضو یہاں ''بفتح الواؤ'' ہے یعنی وہ پانی جس سے وضو کیا گیا اور جس نے نبی اکرم ﷺ کو مس کیا وہ اس کو ایک برتن میں جمع کر لیتے تھے برکت کے لیے کیونکہ نبی اکرم ﷺ کے جسد اقدس کو مس کیا ہوتا تھا۔ اس حدیث شریف کو بھی امام بخاری نے ''کتاب الوضوء باب استعمال فضل وضوء الناس'' میں روایت کیا ہے۔

اور ''کتاب الأشربة في أول باب الشرب من قدح النبي ﷺ وآنيته'' میں ہے، حضرت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ صحابی کہ جس کو دو مرتبہ اجر عطا ہوا انہوں نے حضرت

ابو بردہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ألا أسقيک في قدح شرب النبي صلی اللہ علیہ وسلم فيه۔ کیا میں تجھے اس پیالہ مبارک سے پانی نہ پلاؤں کہ جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی پیا ہو؟

اور امام بخاری نے اس باب میں اپنی سند کے ساتھ حضرت سہل بن سعد الساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت کی،

فأقبل النبي صلی اللہ علیہ وسلم حتى جلس في سقيفة بني ساعدة هو و أصحابه ثم قال: اسقنا يا سهل فخرجت لهم بهذا القدح فأسقيتهم فيه۔ قال أبو حازم: فأخرج لنا سهل ذلک القدح فشربنا منه تبركا برسول الله صلی اللہ علیہ وسلم قال: ثم استوهبه عمر بن عبد العزيز بعد ذلک من سهل فوهبه له۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور سقیفہ بنی ساعدہ میں اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے پاس بیٹھے پھر فرمایا اے سہل ہمیں پانی پلاؤ۔ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اس پیالے میں پانی لینے کے لیے نکلا پس میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پانی پلایا۔ ابو حازم نے کہا:
سہل نے ہمارے لیے وہ پیالہ نکالا تو ہم نے تبرکا اس پیالہ میں پانی پیا اس لیے کہ اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پانی پیا کرتے تھے۔ پھر حضرت عمر بن عبد العزیز نے ان سے یہ پیالہ مانگا تو حضرت سہل رضی اللہ عنہ نے وہ پیالہ حضرت عمر بن عبد العزیز کو ھبہ کر دیا۔

اس حدیث کو امام مسلم نے بھی اپنی صحیح میں ''کتاب الأشربة'' میں روایت کیا ہے۔

اور امام بخاری نے اسی باب میں باسنادہ عاصم الاحول سے روایت کی وہ فرماتے ہیں کہ،

رأيت قدح النبي صلی اللہ علیہ وسلم عند أنس بن مالک ثم قال: قال أنس: لقد سقيت رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم في هذا القدح أكثر من كذا كذا۔ و في

روایة مسلم: لقد سقیت رسول اللہ ﷺ بقدحي هذا الشراب کله۔

میں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے پاس نبی اکرم ﷺ کا پیالہ دیکھا پھر حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے اس پیالہ میں رسول اللہ ﷺ کو بہت مرتبہ پانی پلایا ہے۔ اور مسلم کی روایت میں ہے، کہ میں نے اس پیالہ میں رسول اللہ ﷺ کو تمام قسم کے مشروبات پلائے ہیں

اور مختصر البخاری للقرطبی میں ہے کہ بخاری شریف کے قدیم نسخوں میں ہے۔ امام ابو عبد اللہ بخاری نے فرمایا:

رأیت هذا القدح بالبصرة و شربت فیه ، و کان اشتري من میرزث النضر بن أنس بثمانمائة ألف ،فقد کان هذا القدح محفوظا عند الصحابة ولا أئمة التابعین انکار ذلک ولا الاستخفاف به، فکیف یتوهم جاهل بالسنة أن هذا التبرک و شبهه منهي عنه أو خلاف الأفضل ؟ أحری أن یوصف فاعله بالشرک أعاذنا اللہ تعالیٰ منه۔

میں نے یہ پیالہ بصرہ میں دیکھا اور اس میں پانی بھی پیا ہے اور یہ نضر بن انس کی میراث سے آٹھ لاکھ روپے میں خریدا گیا تھا۔ تحقیق یہ پیالہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین کے پاس موجود تھا اور وہ اس میں پانی پیا کرتے تھے اور کسی صحابی یا تابعی سے اس کا انکار مروی نہیں ہے اور نہ ہی اس کا استخفاف ثابت ہے۔ تو جاہل کیسے یہ وہم کرسکتا ہے کہ یہ تبرک اور اس طرح کے دیگر تبرکات سے منھی کیا گیا ہے اور اس کا خلاف افضل ہے؟ اس کے فاعل کو مشرک کہا جائے یہ مناسب ہوگا؟ ۔اَعاذنا اللہ تعالیٰ منہ۔

امام بخاری نے اس باب کے بعد دوسرے باب ''شرب البرکة والماء المبارک''

میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی سند سے روایت کی آپ فرماتے ہیں:

قد رأيتني مع النبي ﷺ وقد حضرت العصر و ليس معنا ماء غير فضله، فجعلت في اناء، فأتي النبي ﷺ به فأدخل يده فيه و فرج أصابعه ثم قال: حي على الوضوء، البركة من الله، فلقد رأيت الماء يتفجر من بين أصابعه فتوضأ الناس و شربوا، فجعلت لا آلو ما جعلت في بطني منه، فعلمت أنه بركة، قال سالم بن أبي الجعد: قلت لجابر: كم كنتم يومئذ؟ قال ألف و اربعمائة۔

میں نے دیکھا کہ میں نبی اکرم ﷺ کے ساتھ تھا نماز عصر کا وقت ہوا اور ہمارے پاس پانی موجود نہیں تھا مگر تھوڑا سا بچا ہوا میں نے اس کو برتن میں ڈالا اور آپ ﷺ کی بارگاہ میں لے آیا پس آپ ﷺ نے اس میں اپنا مبارک ہاتھ ڈالا اور اپنی انگلیوں کو کھول دیا پھر فرمایا اللہ تعالیٰ کی طرف سے برکت ہے آؤ وضو کرو پس تحقیق میں نے دیکھا کہ آپ ﷺ کی انگلیوں سے پانی کے چشمے بہہ رہے ہیں، پس لوگوں نے وضو کیا اور پیا۔ جب اس پانی سے میرے پیٹ میں گیا تو مجھے معلوم ہوا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی برکت ہے۔ سالم بن ابی الجعد نے کہا کہ میں نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے پوچھا، آپ اس دن کتنے لوگ تھے؟ تو آپ نے فرمایا کہ ہم چودہ سو تھے۔

پس حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا فرمانا کہ،

مجھے معلوم ہوا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی برکت ہے اور اس کا اس سے بڑھنا یہ صراحت ہے اس پر کہ جس پر اسلاف امت و خلف تھے کہ نبی اکرم ﷺ کے آثار سے اور ہر اس چیز سے جو کہ آپ ﷺ کے ساتھ مس ہو گئی ہو یا آپ ﷺ کی مبارک انگلیوں سے بہنے والے پانی کے ساتھ تبرک حاصل کرنا یہ سنت ہے کہ جس کا اتباع واجب ہے اور اس کا دفاع کرنا اور اس کے

ثبوت کی حفاظت کرنی ضروری ہے اور اس کا خلاف کرنے والا خود گمراہ ہے اور گمراہ کرنے والا ہے، پس ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ ہمیں رسول اللہ ﷺ کی سنت کے ساتھ تمسک پر موت دے، کہ جس پر حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم برقرار رہے اور اس کا حکم بھی فرماتے رہے اور ہمارا ایمان کے ساتھ آپ ﷺ کے جوار میں خاتمہ فرمائے۔

اور امام بخاری نے ''کتاب اللباس'' میں بھی باب ''القبة الحمراء من أدم'' میں باسنادہ ابو جحیفہ وہب بن عبداللہ السوائی سے روایت فرمائی آپ نے فرمایا:

أتيت النبي ﷺ وهو في قبة حمراء من أدم، و رأيت بلالا أخذ وضوء النبي ﷺ الناس يبتدرون الوضوء، فمن أصاب منه شيئا تمسح به، و من لم يصب منه شيئا أخذ من بلل يد صاحبه،

میں نبی اکرم ﷺ کے پاس حاضر ہوا جب آپ ﷺ سرخ رنگ کے چمڑے کے قبہ میں تشریف فرما تھے اور میں نے دیکھا کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کے وضو کا پانی پکڑے ہوئے ہیں اور لوگ وہ پانی حاصل کرنے کے لیے ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کر رہے ہیں تو جس کو اس میں سے کچھ مل گیا وہ اس کو اپنے جسم پر مل رہا ہے اور جس کو نہیں مل سکا وہ کسی اور اپنے دوست کے ہاتھ کی تری سے برکت حاصل کر رہا ہے

تو یہ حضرت جحیفہ کی سابق حدیث کے معنی میں ہے اور اسی امام بخاری نے ''کتاب الصلاۃ، باب الصلاۃ الی العنزۃ'' اور باب السیر بمکۃ'' اور تحقیق امام بخاری نے کتاب اللباس میں بھی اسی طرح باب ''مایذکر في الشیب'' میں باسنادہ الی اسرائیل عن عثمان بن عبداللہ بن موہب مولی آلی طلحۃ سے روایت کرتے ہیں انہوں نے فرمایا:

میرے گھر والوں نے حضرت ام سلمہ زوجہ نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ میں ایک پانی کا پیالہ دے کر بھیجا اور اسرائیل (راوی حدیث) نے اس سے تین چلو

بھر لئے اس میں نبی اکرم ﷺ کے موئے مبارکہ تھے اور جب کسی شخص کو نظر بد لگ جاتی یا کوئی تکلیف ہوتی تو اس کو حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی طرف بھیجا جاتا۔ میں نے شیشی میں رسول اللہ ﷺ کے سرخ رنگ کے موئے مبارکہ دیکھے اور اسرائیل نے تین چلو بھر لئے یہ اشارہ ہے عثمان مذکور کو حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی طرف بھیجنے کا۔

اور قولہ، من قصة'' بضم القاف پھر صاد مھملہ۔ یہ پیالہ کا بیان ہے۔ جبکہ اس میں بال مبارک رکھا جاتا اور یہ بال کی خصلت ہے کہ جب اس کو پیالہ میں رکھا جاتا ہے کیونکہ پانی اس کو اٹھاتا ہے۔ ''جلجل'' یہ گھنٹی کی طرح کی چیز ہوتی ہے جو کہ سونے یا چاندی کی بنائی جاتی ہے۔ اس حدیث کو ابن ماجہ نے کتاب اللباس میں روایت کیا۔

اس حدیث کا حاصل کلام یہ ہے کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس نبی اکرم ﷺ کے موئے مبارکہ سرخ رنگ، کے بطور تبرک جلجل نما چیز میں محفوظ تھے اور لوگ اپنی بیماریوں میں ان سے برکت اور شفا حاصل کرتے تھے اور بعض اوقات ان کو پانی میں ڈبو کر ان کا پانی پیتے تھے اور بعض اوقات بڑے ٹپ میں پانی ڈال کر اس میں بیٹھتے تھے اور آپ ﷺ کے موئے مبارکہ اس میں بھگوتے تھے۔ یہ صحابہ کرام اور تابعین عظام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا مبارک طریقہ تھا۔

اور اسی طرح امام بخاری نے ''باب الادب، باب حسن الخلق والسخاء'' میں بسند ہ حضرت سھل بن سعد رضی اللہ عنہ روایت کی آپ نے فرمایا:

جاءت امرأة الى النبي ﷺ ببردة فقال سهل للقوم: أتدرون ما البردة؟ فقال القوم هي شملة، فقال سهل هي شملة منسوجة فيها حاشيتها، فقالت المرأة: يا رسول الله ﷺ أكسوك هذه، فأخذها النبي ﷺ محتاجا اليها فلبسها، فرآها عليه رجل من الصحابة، فقال: يا رسول الله ﷺ ما أحسن هذه، فاكسنيها

فقال، نعم، فلما قام النبي ﷺ لامه أصحابه فقالوا: ما أحسنت حين رأيت النبي ﷺ أخذها محتاجا اليها ثم سألته اياها، وقد عرفت أنه لا يسأل شيئا فيمنعه فقال: رجوت بركتها حين لبسها النبي ﷺ لعلي أكفن فيها۔

ایک عورت نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ عالیہ میں ایک بردہ (چادر) لیکر حاضر ہوئی، حضرت سہل رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے پوچھا کیا تمہیں معلوم ہے کہ بردہ کیا ہوتی ہے؟ لوگوں نے کہا کہ یہ شملہ (چادر کی ایک قسم) ہوتی ہے تو آپ نے فرمایا یہ کڑھائی والی چادر ہوتی ہے اس میں حاشیہ ہوتا ہے، عورت نے عرض کی، یارسول اللہ ﷺ آپ ﷺ اس کو زیب تن فرمایئے نبی اکرم ﷺ نے اس سے چادر لی اور آپ ﷺ کو اس کی ضرورت بھی تھی اور اس کو زیب تن فرمایا۔ صحابہ کرام میں سے ایک شخص نے دیکھا اور عرض کی یارسول اللہ ﷺ یہ کتنی اچھی لگ رہی ہے۔ آپ ﷺ یہ مجھے عنایت فرمادیں۔ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا، ٹھیک ہے۔ تو جب رسول اللہ ﷺ صحابہ کرام سے اٹھ کر چلے گئے تو انہوں نے ارشاد فرمایا جب تو نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ کو اس کی ضرورت تھی تو پھر بھی تو نے سوال کر دیا اور تجھے یہ بھی معلوم ہے کہ آپ ﷺ سائل کو رد بھی نہیں کرتے، تو اس نے کہا میں اس سے برکت چاہتا ہوں کیونکہ اس کو نبی اکرم ﷺ نے پہن لیا ہے لہذا میں اس کو اپنا کفن بناؤں گا۔

اور امام بخاری نے یہی حدیث ''کتاب الجنائز، میں باب من استعد الکفن'' میں بھی روایت کی ہے۔ وہ صحابی کہ جنہوں نے یہ چادر اپنے کفن کے لیے مانگی تھی تا کہ اس کو بطور تبرک استعمال کریں۔ وہ حضرت عبدالرحمن بن عوف تھے۔

جیسا کہ امام ابن حجر نے مقدمہ میں افادہ فرمایا اور کہا کہ اس کو طبرانی نے روایت کیا ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ تھے اور یہ دونوں حضرات

سابقین اولین اور عشرہ مبشرہ میں سے نبی اکرم ﷺ کی سنت کے ساتھ تمسک رکھنے والے تھے۔

امام مسلم نے اپنی صحیح میں ''کتاب الفضائل، باب قرب النبي ﷺ من الناس و تبرکھم بہ'' میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی آپ نے فرمایا:

جب آپ ﷺ صبح کی نماز پڑھتے تو مدینہ شریف کے خادمین پانی کے برتن لے کر حاضر ہوتے تو آپ ﷺ ان میں سے ہر ایک میں اپنا ہاتھ مبارک ڈبو دیتے تھے۔

اور حرف ''راء'' میں ردالبشری' حدیث کے تحت گذر چکی ہے۔

امام مسلم نے روایت کی آپ ﷺ حضرت ابوطلحہ کے گھر سوئے تو آپ ﷺ بیدار ہوئے تو دیکھا کہ حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کا پسینہ نچوڑ کر شیشی میں ڈال رہی تھی تو آپ ﷺ نے فرمایا تو اس کو کیا کرے گی اے ام سلیم؟ تو انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ میں اپنے بچوں کے لیے اس سے برکت حاصل کروں گی۔

تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ''أصبت'' تو نے اچھا کیا ہے۔

اور اسی طرح امام مسلم نے ''کتاب الادب، باب استحباب تحنیک المولود عند ولادتہ وحملہ الی صالح یحنکہ'' میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کی آپ نے فرمایا:

عبداللہ بن ابی طلحہ جب پیدا ہوئے تو میں ان کو لیکر رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا، اس وقت رسول اللہ ﷺ اپنے اونٹ کے لیے چارہ تیار فرما رہے تھے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا، کیا تمھارے پاس کھجوریں ہیں؟ میں نے عرض کی ہاں یا رسول اللہ ﷺ۔ میں نے کھجوریں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کیں، آپ ﷺ نے ان کھجوروں کو اپنے منہ میں لے کر چبایا اور پھر [illegible] کے منہ کے اندر ڈال دیں اور بچہ اس کو چاٹنے

لگا، تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا دیکھو انصار کو کھوروں سے کتنی محبت ہے اور پھر اس بچہ کا نام عبداللہ رکھا۔

قولہ ''حب الانصار التمر'' یعنی دیکھو انصار کی محبت ۔۔۔۔ الخ۔ جیسا کہ ہمارے مشائخ سے ہمارے لیے روایت کی گئی۔

امام ابونعیم نے ''حلیۃ الاولیاء'' میں حضرت امام مالک کے تذکرہ میں ذکر کیا کہ، ہارون الرشید نے حضرت امام مالک سے مشورہ کیا کہ نبی اکرم ﷺ کے منبر شریف کو توڑ کر اس کی جگہ سونے چاندی اور جواہر سے بنا دیا جائے۔ تو حضرت امام مالک نے فرمایا کہ میں اس کو پسند نہیں کرتا کہ تو رسول اللہ ﷺ کے اثر (اور برکت سے) لوگوں کو محروم کر دے۔ تو اس سے ثابت ہوا کہ امام مالک کے نزدیک سنت یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے بیٹھنے کی جگہ کو تبرک سمجھا جائے حالانکہ آپ کا مذہب سد الذرائع پر مبنی ہے پس اگر اس تبرک اور اس جیسے دیگر امور واقعی شرک ہوتے تو امام مالک اپنی عادت کے مطابق ذرائع المحرمات اور جمیع المحرمات سے روکتے۔

ہمارے امام مالک رحمہ اللہ نے موطا کے باب ''الجمع بین الصلاتین في الحضر والسفر'' میں روایت کی

کہ جب رسول اللہ ﷺ تبوک کے چشمے پر پہنچے تو آپ ﷺ نے پانی کے چند گھونٹ چشمے میں پائے تو لوگوں نے اس سے اپنی لپیں بھریں اور تھوڑا تھوڑا پانی نکالا یہانتک کہ ایک برتن میں جمع کر لیا پھر رسول اللہ ﷺ نے اس میں اپنا چہرہ مبارک اور ہاتھ مبارک دھوئے اور پھر اس پانی کو دوبارہ چشمے میں پھینک دیا تو چشمے میں سے پانی ابلنے لگا اور سب لوگوں نے سیر ہو کر پانی پیا۔

اس واقعہ میں محل استدلال یہ ہے کہ آپ ﷺ نے اس میں اپنا چہرہ مبارک اور ہاتھ مبارک کہ دھوئے اور پھر اسی پانی کو کہ جس میں ہاتھ و منہ مبارک دھوئے تھے اس کو برکت

کے لیے تمام لشکر کے لیے چشمہ میں ڈال دیا تا کہ اس سے پانی کثرت سے جاری ہو اور وہ اس سے پیئیں اور برکت حاصل کریں۔

اور یہ تمام اشیاء جو ہم نے بیان کیں صرف صحیح اور صریح احادیث سے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہر اس چیز سے تبرک حاصل کرتے تھے کہ جو اشیاء آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تھیں یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مل گئیں تھیں اور حضرات تابعین کرام بھی ایسا ہی کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ ان کے فیوض و برکات کو قیامت تک جاری رکھے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہمیں ان کے ساتھ ملا دے اور تمام ہلاکتوں سے محفوظ رکھے۔

وقولہ ''تبض بالضاد المعجمة''، یعنی چند قطرے اور تھوڑا سا بہاؤ۔

اور اسی طرح امام لک نے ''باب ماجاء في الدعاء'' میں روایت کی کہ،

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بنی معاویہ کی ایک بستی میں آئے اور یہ بستی انصار کی بستی تھی اور فرمایا: کیا تمہیں معلوم ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہاری مسجد میں کہاں نماز پڑھی تھی؟ تو حضرت عبد اللہ بن عبد اللہ بن جابر بن عتیک نے فرمایا، ہاں اور اس جگہ کی طرف اشارہ فرمایا۔۔ الحدیث

اس میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ایسی جگہوں سے تبرک کرنا ہے کہ جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھا کرتے تھے۔ اور یہ امر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں معروف و مشہور تھا اور کسی مسلمان نے اس کا انکار نہیں کیا پھر تابعین نے اس مسئلہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اتباع کیا اور پھر اس کے بعد ہمارے اس دور تک کہ جس میں کفر و الحاد کی کثرت ہے تو اب کتاب و سنت سے دلائل و براہین کے ساتھ اثبات کی بھی ضرورت ہے۔

تو جب احادیث صحیحہ سے یہ سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ثابت ہو چکی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مس کردہ اشیاء اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آثار و مواضع قدمین شریفین اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نماز پڑھنے کی جگہیں وغیرہم کے ساتھ تبرک کرنا جائز ہے تو میں ان خوش نصیبوں میں سے ہوں کہ جن پر اللہ تعالیٰ نے کرم فرمایا کہ ان میں سے کئی جگہوں کی

زیارت مجھے نصیب ہوئی۔

میں نے اس جگہ کی زیارت کی جہاں قرآن پاک کی پہلی وحی نازل ہوئی اور وہ جگہ غار حرا ہے اور اللہ تعالیٰ نے مجھے توفیق دی کہ وہاں میں نے دو یا تین راتیں گذاریں اور وہاں میں نے اپنے دوستوں کے لیے سورۃ العلق کہ جو وہاں نازل ہوئی تھی کی تفسیر بیان کی اور وہاں میں نے ان کو حدیث بدء الوحی تفصیلا بیان کی، اور وہاں رات کو اتنی نماز ادا کی جتنی اللہ تعالیٰ کو منظور تھی وہاں میں نے قیام کیا اور اپنے چہرے کو تبرکا اس جگہ رگڑا کہ جس جگہ اور پتھروں کو نبی اکرم ﷺ کے بدن مبارک کو چھونے اور نماز پڑھنے کا شرف و اعجاز حاصل تھا۔

اس جگہ پر اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ ابیات الهام فرمائے:

أمرغ في حراء أديم خدي دواما بالغداة و بالعشي
لعلي أن أمس بحر وجهي ترابا مسه قدم النبي
صلاة الله دائمة عليه تعم الآل بالعرف الذكي

اور یہ انشاء میرے نزدیک امام سبکی کے اس قول سے ملتے جلتے ہیں کہ جب دمشق میں دار الحدیث کی تولیت ان کے سپرد کی گئی حضرت امام نووی کے بعد تو انہوں نے حضرت امام نووی کی تدریس کی جگہ اور آثار کو دیکھ کر فرمایا تھا:

وفي دار الحديث لطيف معنى أصلي في جوانبها وآوى
لعلي أن أمس بحر وجهي ترابا مسه قدم النواوي

اور اس سے پہلے حدیث ''جاورت بحراء'' کے تحت میرے بیت امام نووی کے کلام کے ساتھ گذر چکے ہیں۔

اور جب اللہ تعالیٰ نے مجھے غار ثور کی زیارت کی توفیق بخشی کہ جس کا ذکر قرآن میں موجود ہے کہ جس میں ہجرت کی رات آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تین راتوں تک چھپے تھے۔ میں نے وہاں رات گذاری اور اپنے ساتھیوں کو آیت کریمہ

ثاني اثنين اذ هما في الغار کی تفسیر بیان کی اور حدیث ہجرت تفصیل کے ساتھ بیان کی نماز فرض تو میں نے غار کے باہر ادا کی کہ جہاں قیام ہوسکتا تھا اور نوافل غار میں بیٹھ کر ادا کیے اور اسی غار میں سویا۔

اور یوں عرض کی:

وفي الغار الشريف وضعت ليلا عظامي واتكأت به بطولي
لعلي أن أمس لفرط حبي مكانا مسه بدن الرسول
صلاة الله دائمة لطه امام الأنبياء أبي البتول

اور جب اللہ تعالیٰ نے کرم فرمایا اور میں نے بیت اللہ شریف کا حج کیا تو حجر اسود کو کئی مرتبہ بوسہ دیا اور اسی دوران بعض اوقات کہ جب میں بوسہ دیتا تھا تو ملاحظہ کرتا تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے اس کو اپنے مبارک ہونٹوں سے بوسہ دیا ہے، تو میں نے اس سلسلہ میں کہا:

لدى الحجر المقبل في طواف من ببيت الله نلت لدى دخولي
التقبيل ما أرجو لنفسي به أمنا يدوم مع الوصول
لتقبيل الرسول له فأعظم بشيء مسه بدن الرسول
صلاة الله دائمة عليه بها أعطى الفلاح مع القبول

اور جب میں نے اس جگہ کی زیارت کی کہ جس میں اتفاق ہے کہ نبی اکرم ﷺ کا مولد مبارک ہے۔ کہ اب وہ ایک نفیس عمارت میں گھرا ہوا ہے اور وہاں مسلمانوں کے تبرک کے لیے معد ہے اور مومنین کی نماز پڑھنے کی جگہ ہے۔

(مگر اب وہاں تبرک حاصل کرنا اور نماز پڑھنا ممنوع ہے۔ انا للہ وان الیہ راجعون ۔مترجم)

میں نے وہاں سجدہ شکر ادا کیا کہ رسول اللہ ﷺ کے اس جگہ پر انوار و تجلیات ظاہر

ہوتے تھے۔اور اس سلسلہ میں میں نے یوں کہا:

و میلاد الرسول به وضعنا جباها ثم شكرا للعلي
لأن الله أبرز فيه نورا به عم البرية بالرقي
فذو الايمان فاز به ومن لا ففي الدنيا تنعم بالنبي
صلاة الله يتبعها سلام عليه بالغداة و بالعشي

اور میں نے آپ ﷺ سے توسل کیا اور اس کتاب کے ساتھ کہ جو آپ ﷺ پر نازل کی گئی اور آپ ﷺ کی مبارک آل اور پاک صحابہ کرام اور تابعین عظام اور آئمہ دین اور اولیاء کاملین کے ساتھ توسل کیا کہ اللہ تعالیٰ ہماری سیئات کو حسنات میں تبدیل فرمادے اور کامل وتمام ایمان کے ساتھ آپ ﷺ کے پڑوس میں ہمارا اور محبین کا خاتمہ فرمائے اور ہمیں تمام بیماریوں سے شفا عطا فرمائے اور ہمارے تمام اغراض ومقاصد حاصل ہوں اور اس تالیف اور اس کی شرح کی حصول مراد تک پہنچے اور اس کو خالص لوجہ اللہ تعالیٰ بنادے اور ہمیں اس اور ہماری تمام تصنیفات سے دنیاوی واخروی فائدہ عطا فرمائے۔

اس حدیث کو شیخین نے اور امام نسائی نے کتاب الطہارۃ میں بیان فرمایا ہے۔اور اس حدیث کی راوی حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ہیں۔اور آپ کا تذکرہ ہم نے حرف ''الھاء'' میں زیر حدیث ''ھولھا صدقۃ ولنا ھدیۃ'' میں بیان کردیا ہے۔
اور اللہ تعالیٰ ہی سے توفیق ہے اور وہی سیدھے راستہ کی ہدایت دینے والا ہے۔[1]

بخاری نے کتاب الطہارۃ باب بول الصبیان میں مختصرا اور کتاب الدعوات میں باب الدعاء للصبیان بالبرکۃ ومسح رؤسھم میں اور مسلم نے کتاب الطہارۃ باب حکم بول الطفل الرضیع وکیفیۃ غسلہ میں اور کتاب الآداب باب استحباب تحنیک المولد عند ولادتہ و حملہ الی صالح یحکنہ'' میں بیان فرمایا۔انتھی من زاد المسلم۔

---

[1] زاد المسلم فیما اتفق علیہ البخاری و مسلم ۳/۵۔۱۴۔

اے میرے پڑھنے والے بھائی اس مقدمہ کے بعد ہم توسل کے دلائل دیتے ہیں۔

جیسا کہ ہم نے ابھی وعدہ کیا تھا۔

اولاً: الدلیل من الکتاب:

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهُ قَالَ رَبِّ هَبْ لِي مِن لَّدُنكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً إِنَّكَ سَمِيعُ الدُّعَاءِ۔

یہاں پکارا زکریا علیہ السلام نے اپنے رب کو بولا اے میرے رب! مجھے اپنے پاس سے دے ستھری اولاد بے شک تو ہی ہے دعا سننے والا۔[1]

مفسر قرآن امام بدرالدین آلوسی بغدادی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

و(ھنا) یہ ظرف مکان ہے اور لام بعد کے لیے ہے اور کاف خطاب کے لیے ہے یعنی اس جگہ پر جہاں کہ وہ حضرت مریم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے اور یہ ظرف ظرفیت کے لیے لازم ہے اور من اور الی کے ساتھ حالت جری میں ہوتا ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ مجازاً اس سے ظرف زمان مراد لیا جائے کیونکہ ''ھنا'' اور ''ثم'' اور ''حیث'' اکثر اس کے لیے استعمال ہوتے ہیں۔ اور یہ دعا کے متعلق ہیں اور ظرف کی تقدیم ایذان کے لیے ہے کہ وہ بغیر تاخیر کے دعا کی طرف متوجہ ہوئے تھے۔ اور ''زجاج'' نے کہا کہ ''ھنا'' یہاں جہت اور حال کے لیے مستعار ہے، یعنی اس حال میں حضرت زکریا علیہ السلام نے دعا کی جیسا کہ تو کہتا ہے کہ وہاں میں نے ایسے کہا اور وہاں ایسے کہا یعنی اس وجہ اور اس جہت میں۔[2]

---

[1] آل عمران: ۳۸۔

[2] تفسیر روح المعانی للآلوسی جلد ۳ صفحہ ۱۴۴۔

میں کہتا ہوں کہ اس بنا پر اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے مقامات مقدسہ اور مبارک زمانوں میں دعا کے قبول ہونے کی طرف واضح اشارہ فرمایا ہے۔ پس یہ مراد و مقصد کے حصول کے لیے قربت اور وسیلہ ہے اور اس محراب میں ثواب کا پایا جانا ہے کہ جس میں حضرت مریم رضی اللہ عنہا کے قلب مبارک پر اللہ تعالیٰ کی رحمت کے انوار قدسیہ برس رہے تھے۔ پس اس بقعہ مقدسہ سے استمداد کرتے ہوئے پس وہ حصہ عزت واحترام والا بن گیا کیونکہ وہ قبولیت دعا کا وسیلہ بن گیا اور یہ امر عجیب بھی نہیں۔

کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مقام ابراہیم علیہ السلام کو مصلی بنانے کا حکم فرمایا ہے:

وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرَاهِيْمَ مُصَلًّى۔

اور ابراہیم کے کھڑے ہونے کی جگہ کو نماز کا مقام بناؤ۔[1]

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ مُبَارَكًا وَّهُدًى لِّلْعَالَمِيْنَ۔ فِيْهِ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ مَّقَامُ اِبْرَاهِيْمَ

بے شک سب میں پہلا گھر جو لوگوں کی عبادت کو مقرر ہوا وہ ہے جو مکہ میں ہے برکت والا اور سارے جہاں کا رہنما۔ اس میں کھلی نشانیاں ہیں ابراہیم کے کھڑے ہونے کی جگہ۔[2]

اور ہم نے کعبہ معظّمہ کے متعلق حدیث بیان کر دی ہے کہ وہ نماز کی صحت کے لیے وسیلہ ہے اور یہاں اس کے ذکر کی حاجت نہیں ہے اور اسی طرح عرفہ کا وقوف اور عرفات میں حج۔ جیسا کہ صحیح حدیث سے ثابت ہے۔

اور مکہ شریف و مدینہ شریف کی فضلیت ثابت ہے کہ مکہ شریف میں نماز ایک لاکھ کے برابر اور مدینہ شریف میں ایک ہزار جبکہ مسجد اقصی میں پانچ سو کے برابر ہے اور اقصی شریف کی فضلیت بنص قرآنی ثابت ہے۔

---

[1] البقرۃ: ۱۲۵۔ [2] ال عمران: ۹۶۔۹۷۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

سُبْحَانَ الَّذِيْٓ أَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ إِلَى الْمَسْجِدِ الْأَقْصَى الَّذِيْ بَارَكْنَا حَوْلَهٗ۔

پاکی ہے اسے جو اپنے بندے کو راتوں رات لے گیا مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک جس کے گرد اگرد ہم نے برکت رکھی ہے۔[1]

اور آپ ﷺ سے مروی ہے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اللهم اجعل بالمدينة ضعفي مابمكة من البركة۔

اے اللہ تعالیٰ مدینہ شریف میں مکہ شریف سے دوگنی برکت عطا فرما۔[2]

اور اسی طرح وارد ہے کہ

"من أراد أن يتخذ في المدينة غيضه فليتخذ فمن توفي في المدينة كنت له شافعا وشهيدا يوم القيامة۔

اور طائف کی وادی "وج" کی فضیلت میں آپ ﷺ سے وارد ہے:

ان آخر وطأة وطأها رب العالمين بوج۔

اور اسی طرح وادی ایمن کہ جس میں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسی علیہ السلام سے کلام فرمایا تھا۔[3]

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

---

[1] الاسراء: ۱۔

[2] اخرجه البخارى في الصحيح ۲/۲۶ (۱۷۸۶) و مسلم في الصحيح ۲/۹۹۴ (۱۳۶۹) والطبراني في المعجم الأوسط ۲/۳۲ و أحمد في مسنده ۱۴۲/۳ (۱۲۴۷۵) ولفظله وأبو يعلى في مسنده ۶/۲۷۳)

[3] اخرجه احمد في مسنده ۴/۱۷۲ و ۶/۴۰۹ والطبراني في المعجم الكبير ۲۲/۲۷۵ والبيهقي في الأسماء والصفات ۴۶۱۔

هَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ مُوسَىٰ إِذْ نَادَاهُ رَبُّهُ بِالْوَادِي الْمُقَدَّسِ طُوًى [1] فَلَمَّا أَتَاهَا نُودِيَ مِنْ شَاطِئِ الْوَادِي الْأَيْمَنِ فِي الْبُقْعَةِ الْمُبَارَكَةِ مِنَ الشَّجَرَةِ أَنْ يَا مُوسَىٰ إِنِّي أَنَا اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ۔ [2]

کیا تمہیں موسیٰ علیہ السلام کی خبر آئی جب اس کے رب نے پاک جنگل طوی میں اس کو نداء فرمائی۔ پھر جب آگ کے پاس حاضر ہوا نداء کی گئی میدان کے داہنے کنارے سے برکت والے مقام میں پیڑ سے کہ اے موسیٰ بے شک میں ہی ہوں اللہ رب سارے جہان کا۔

اور یہ بھی فرمایا:

فَلَمَّا جَاءَهَا نُودِيَ أَنْ م بُورِكَ مَنْ فِي النَّارِ وَمَنْ حَوْلَهَا وَسُبْحَانَ اللَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ۔

پھر جب آگ کے پاس آیا نداء کی گئی کہ برکت دیا گیا وہ جو اس آگ کی جلوہ گاہ میں ہے یعنی موسیٰ اور جو اس کے آس پاس ہیں اور پاکی ہے اللہ کو جو رب ہے سارے جہان کا۔ [3]

پس اللہ تعالیٰ اپنے کلیم مبارک کو وادیء مبارک میں مبارک درخت کے پاس خطہ مبارکہ میں لے آیا حتی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب کا خطاب سنا حق سبحانہ نے زمان انسان اور مکان کو تیار کیا اور ان کو شرف منزلت کے استقبال کی خاطر عظیم مرتبہ اور قدوسیت سے ڈھانپ دیا وہ شرف منزلت جس کا ظہور رب العزت والجلال کے کلام کا اس کے بندے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی سماعت سے ہوتا ہے اور تنزل تکمل سے قبل حاصل نہیں ہوتا جو تکمل مخلوقات کو اللہ وحدہ کے سامنے عاجزی وانکساری سے نصیب ہوتا ہے اور تکمل میں ہی تحمل اور اعزاز کی قوت ہوتی ہے اور یہی اللہ کی فطرت ہے کمال مرتبوں کے معاملہ میں اور عظیم روابط کے معاملہ میں۔ اور پھل وہی پاکیزہ ہوا کرتا ہے جب خاک میں ملی ہوئی جڑ پاکیزہ ہوتی ہے۔

---

[1] النازعات: ۱۵-۱۶۔ [2] القصص: ۳۰۔ [3] النمل: ۸

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

بَلْدَةٌ طَيِّبَةٌ وَّ رَبٌّ غَفُوْرٌ۔

پاکیزہ شہر اور بخشنے والا رب۔[1]

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان:

أَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ أَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّ فَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ تُؤْتِيْ أُكُلَهَا كُلَّ حِيْنٍ م بِإِذْنِ رَبِّهَا وَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْأَمْثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ وَ مَثَلُ كَلِمَةٍ خَبِيْثَةٍ كَشَجَرَةٍ خَبِيْثَةِ نِ اجْتُثَّتْ مِنْ فَوْقِ الْأَرْضِ مَا لَهَا مِنْ قَرَارٍ۔

کیا تم نے نہ دیکھا اللہ نے کیسی مثال بیان فرمائی پاکیزہ بات کی جیسے پاکیزہ درخت جس کی جڑ قائم اور شاخیں آسمان میں ہر وقت اپنا پھل دیتا ہے اپنے رب کے حکم سے اور اللہ لوگوں کے لئے مثالیں بیان فرماتا ہے کہ کہیں وہ سمجھیں اور گندی بات کی مثال جیسے ایک گندہ پیڑ کہ زمین کے اوپر سے کاٹ دیا گیا اب اسے کوئی قیام نہیں۔[2]

پس اس سے ذات کا شرف موکد ہوتا ہے وہ ذات ہی صفات کے شرف کی اصل ہوتی ہے اور جس نے توسل کو صرف دعا کروانے تک محدود کر دیا تو اس نے اللہ تعالیٰ کی شریعت سے منازعت کی اور فطرت الہیہ کی مخالفت کی اور اللہ تعالیٰ کی کتاب اور رسول اللہ ﷺ کی ہدایت کو ٹھکرا دیا جیسا کہ ہم نے اسی کتاب میں کئی جگہوں پر اس کو موکد کیا ہے کہ شرف مبنی کی ضرورت شرف معنی پر ہوتی ہے اور کچھ لوگ صرف معانی پر اختصار کرتے ہیں مبانی کو چھوڑ کر اور اسی لوگ معانی کو چھوڑ کر مبانی پر اختصار کرتے ہیں۔

---

[1] سبأ: ۱۵۔

[2] ابراہیم ۲۴۔۲۶۔

یہ دیکھیے کہ یہ قرآن مجید ہے جو کہ اوراق اور حروف کا مجموعہ ہے اوراق اور حروف کی بالذات کوئی تقدیس و تکریم نہیں ہے مگر ان حروف کے ساتھ کہ جو اللہ تعالیٰ کے کلام کو اٹھائے ہوتے ہیں پھر ان کو اوراق پر لکھا گیا پس یہ اوراق اور جو کچھ ان پر لکھا گیا ہے یہ کلمات مقدس ہیں کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔

پس اوراق وحروف اور کلمات یہ جامدہ ہیں ان کو کچھ بھی شرف اور فضیلت نہ ہوتی اگر یہ حامل کلام ربانی نہ ہوتے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب مکنون میں فرمایا:

فِيْ كِتَابٍ مَّكْنُوْنٍ لَا يَمَسُّهٗۤ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ [1]

محفوظ نوشتہ میں اسے نہ چھوئیں مگر باوضو۔

پس جب یہ جوامد اور غیر ناطق بھی ہے تو انسانی مکرم جسم کیسا ہوگا۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان:

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْۤ اٰدَمَ۔ [2]

اور ہم نے بنی آدم کو تکریم دی۔

جب صرف عام بنی آدم کا یہ حال ہے تو پھر ایسے انسان کا کیا حال ہوگا جو کہ ھدایت اور قرآن کریم کا حامل ہوگا۔ کیا وہ اس مکرم اشیاء سے نفع پانے والا اور شرف حاصل کرنے والا ہوگا جیسا کہ جوامد نے انتفاع کیا اور اس کو اٹھایا؟

کیا ایسا شخص اس سے انکار کرسکتا ہے کہ جس کو تھوڑی سی بھی عقل ہوگی؟

تو اس سے معلوم ہوا کہ مومن کی ذات مقدسہ سے توسل کرنا جائز ہے اور نبی اکرم ﷺ کے جسد عالی سے تو بدرجہ اولی توسل جائز ہے کیونکہ آپ ﷺ تو کریم المواصلہ اور شریف المنازلہ ہیں۔ صلی اللہ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم۔

---

[1] الواقعۃ: ۷۸۔۷۹۔

[2] الاسراء: ۷۰۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَنَزَّلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً مُّبَارَكًا فَأَنْبَتْنَا بِهِ جَنَّاتٍ وَّحَبَّ الْحَصِيْدِ۔

اور ہم نے آسمان سے برکت والا پانی اتارا تو اس سے باغ اُگائے اور اناج کہ کاٹا جاتا ہے۔[1]

پس یہ آیت جگہ اور وقت اور عنصر کے شرف کی حامل ہے پس اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پاکیزہ زمین پر پانی اتارا پس پانی کا عنصر پاک و مبارک ہے اور جس جگہ پر بارش ہوتی ہے وہ پاک و مبارک ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے اس آیت مبارکہ میں واضح فرمادیا کہ زمین کی زندگی کے لیے بارش سبب جلی ہے اور یہ فطرت الہیہ ہے کہ اس کو پیدا فرمایا جو عالم شہادت کا مقتضی تھا مبارک پانی کی پاکیزہ زمین پر برکت کے ساتھ کہ جس سے ہر قسم کی بوٹیاں جنم لینے لگیں۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے تقدیر و تدبیر میں اس بارش کو اس اگنے کا سبب بنادیا اور وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے وہ حکیم و خبیر ہے۔

ثانیاً: سنت سے دلیل:

سنت میں اس کے بہت سارے دلائل ہیں۔

حدیث نمبر(۱) آپ ﷺ کا فرمان:

مابین بیتي و منبري روضة من رياض الجنة۔

میرے گھر اور میرے منبر کے درمیان والی جگہ جنت کے باغات میں سے ہے۔[2]

---

[1] سورہ ق:۹۔ [2] اخرجه البخاری ۱/۳۹۹ برقم ۱۱۳۷ و ۱۱۳۸ عن ابي هريرة وقال: و منبری علی حوضی۔ واخرجه مسلم ۲/۱۰۱۰ برقم ۱۳۹۰ و احمد في مسنده ۲/۳۳۹ و۳۹۷ و ۴۰۱ و۴۳۸ و۵۲۸ و ابن حبان في الصحيح ۶/۲۴ برقم ۳۷۴۲ و ابو نعيم في ذكر اخبار اصبهان ۲/۲۷۶ والبيهقي في السنن الكبرى ۵/۲۴۶ و في دلائل النبوة ۲/۵۶۴ و في الشعب الايمان ۸/۸۴ برقم ۳۸۵۰ و ابن عبد البر في التمهيد ۲/۲۸۷ و عبد الرزاق في المصنف ۳/۱۸۲ برقم ۵۲۴۳ و الطحاوي في مشكل الاثار ۴/۶۹ والطبراني في الصغير ۲/۲۴۹ برقم ۱۱۱۰)

اور بقعہ مبارکہ کہ جس میں رسول اللہ ﷺ تشریف فرما ہیں وہ اپنے وجود میں ساری کائنات سے افضل ترین بقعہ ہے۔

ابن قیم الجوزیہ نے کتاب ''بدائع الفوائد'' میں لکھا ہے:

قال ابن عقيل الحنبلي: سألني سائل أيما أفضل حجرة النبي ﷺ أم الكعبة؟ فقلت ان أردت مجرد الحجرة فالكعبة أفضل، وان أردت وهو فيها فلا والله ولا العرش وحملته ولا جنة عدن ولا الأفلاك الدائرة، لأن بالحجرة جسدا لو وزن بالكونين لرجح۔

امام عقیل حنبلی نے فرمایا کہ مجھ سے سوال ہوا کہ کیا حجرہ نبوی ﷺ افضل ہے یا کہ کعبہ معظّمہ؟ تو میں نے کہا کہ اگر تیرا ارادہ ہے صرف روضہ شریف کا تو کعبہ افضل ہے اور اگر تیرا ارادہ ہے کہ وہ جگہ کہ جہان رسول کریم ﷺ تشریف فرما ہیں تو اللہ کی قسم پھر کعبہ افضل نہیں بلکہ عرش اور حاملین عرش و جنت عدن اور اللہ تعالیٰ کی ساری مخلوق سے وہ جگہ افضل ہے کیونکہ وہ حجرہ کہ جس میں آقا کریم ﷺ کا جسد اقدس ہے کہ جن کا وزن اگر کونین کے ساتھ کیا جائے تب بھی وہ بھاری رہے گا۔[1]

---

(1) بدائع الفوائد لابن القیم جلد ۳ صفحہ ۶۵۵۔ قبر منورہ کا عرشِ عظیم سے افضل ہونا:
مترجم، حضرت علامہ مولانا محدث محمد عباس رضوی، زاد اللہ عزہ وشرفہ الی یوم المعاد، فرماتے ہیں کہ میں کہتا ہوں کہ قبر منورہ کا وہ حصہ کہ جس کے ساتھ حضور نبی اکرم ﷺ کا جسد اقدس مس ہے وہ کائنات کی ہر چیز سے افضل ہے کعبہ معظّمہ حتی کہ عرش عظیم سے بھی افضل ہے اس پر آئمہ اربعہ کے مقلدین اہل سنت کا اجماع ہے۔
اور پھر علماء نے تو اجماع نقل فرمایا ہے کہ آپ کی قبر منورہ کا وہ حصہ جہاں آپ کا جسدِ اقدس مس کر رہا ہے وہ جنت تو کیا عرش اعلیٰ سے بھی افضل و اعلیٰ ہے۔

معراج کا سماں ہے کہاں پہنچے ہو زائرو
کرسی سے اونچی کرسی اس پاک در کی ہے۔

امام اہل سنّت مولانا الشاہ احمد رضا خاں فاضل بریلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:»»»

اور حدیث شریف میں جو وارد ہے وہ بھی اس کی تصدیق کرتا ہے کہ:

»» تربت اطہر یعنی وہ زمین کہ جسمِ انور سے متصل ہے کہ کعبہ معظمہ بلکہ عرش سے بھی افضل ہے۔ (فتاویٰ رضویہ ص ۴/۶۸۷)

اس حوالے کے بعد کسی اور حوالے کی ضرورت تو نہیں مگر منکرین شانِ رسالت کا ناطقہ بند کرنے کے لیے اختصار کے طور پر چند حوالے مزید دیے جاتے ہیں۔

حضرت امام مالک بن انس فرماتے ہیں:

قال مالک بن انس: ان الارض الملاصق لجسد النبی ﷺ المبارک اعلی وافضل من کل شیئ حتی من العرش والکرسی۔

حضرت مالک بن انس فرماتے ہیں کہ بے شک وہ زمین جو رسول اللہ ﷺ کے جسم پاک کو چھو رہی ہے وہ ہر چیز سے افضل ہے حتی کہ عرش و کرسی بھی افضل ہے۔ (عرف الشذی للانور شاہ الکشمیری ص ۱۴۱)

امام ابوالیمن ابن عساکر فرماتے ہیں:

وقع الاجماع علی تفضیل ماضم الاعضاء الشریفة حتی علی الکعبہ۔

اس بات پر اجماع ہے کہ جو حصہ جسم کے ساتھ ملا ہوا ہے وہ ہر چیز سے افضل ہے حتی کہ کعبہ معظمہ سے بھی افضل ہے۔ (جواہر البحار ۲: ۲۴۹ للنبھانی وسبل الھدی والرشاد ۳: ۱۵ للشامی)

حضرت امام غزالی فرماتے ہیں:

ان تربة لصقت بجسدہ من الفراش اعلیٰ تربة من العرش۔

بے شک جو مٹی آپ کے جسم کے ساتھ ملی ہوئی ہے بستر کے طور پر وہ عرش سے بھی اعلیٰ ہے۔

(الزبدة العمدة شرح قصیدہ البردہ للملا علی القاری، ۶۸)

حضرت شیخ امام ابن عقیل حنبلی استادِ محترم حضرت شیخ غوث اعظم عبدالقادر جیلانی وحضرت علامہ سیوطی وملا علی قاری کا عقیدہ

حضرت علامہ امام جلال الدین سیوطی، حضرت ملا علی القاری اور علامہ نبھانی نے امام ابن عقیل سے نقل فرمایا ہے کہ:

قال العلماء محل الخلاف فی التفضیل بین مکة والمدینة فی غیر قبرہ ﷺ ام ھو فاضل البقاع بالاجماع بل ھو افضل من الکعبة بل ذکر ابن عقیل الحنبلی انہ افضل من العرش۔

علماء میں جو اختلاف ہے وہ شہر مکہ و مدینہ میں افضلیت کے بارے میں ہے لیکن جہاں تک قبر رسول ﷺ کا تعلق ہے پس وہ بالاجماع افضل ہے حتی کہ کعبہ سے بھی افضل ہے بلکہ ابن عقیل حنبلی نے تو ذکر کیا ہے کہ بے شک وہ عرش سے بھی افضل ہے۔

(الخصائص الکبریٰ ۲: ۲۰۳ مرقاة شرح مشکوٰة ۲: ۱۹۰)

حضرت امام قاضی عیاض صاحب شفا شریف کا عقیدہ:

لاخلاف ان موضع قبرہ ﷺ افضل بقاع الارض۔

اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ بے شک آپ ﷺ کی قبر کی جگہ زمین کا سب سے افضل حصہ ہے۔ (الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ، ۲: ۷۵) ««

لحرمة المؤمن عند الله أفضل من الكعبة۔

»» حضرت امام احمد شہاب الدین الخفاجی فرماتے ہیں بل هي افضل من السموٰات والعرش والكعبة كمانقله السبكي۔
بلکہ یہ آسمانوں، عرش اور کعبہ سے بھی افضل ہے۔ جیسا علامہ سبکی نے اس کو نقل کیا ہے۔ (نسیم الریاض شرح الشفا القاضی عیاض ۳:۵۳۱)

حضرت ابوعبداللہ محمد بن رزین الحمیری الشافعی فرماتے ہیں:

ولاشک ان القبر اشرف موضع من الارض والسبع السموٰات طرة
واشرف من عرش المليک وليس في مقالی خلاف عند اهل الحقيقة۔

بلاشک آپ ﷺ کی قبر منورہ سب جگہوں سے افضل ہے زمین اور ساتوں آسمان کی اور عرش رب کریم سے بھی افضل ہے اور اس میں اہل حقیقت میں کوئی اختلاف نہیں ہے

امام ابن الحاج المالکی فرماتے ہیں:

الاترى الى ماوقع من الاجماع على ان افضل البقاع الموضع الذي ضم اعضاءه، الكريمة صلوات الله عليه وسلامه۔
کیا تو نہیں جانتا کہ اجماع واقع ہوا ہے کہ جس جگہ پر آپ ﷺ کا جسدِ اقدس مس ہے وہ تمام کائنات کی جگہوں سے افضل ہے۔ (المدخل، ۱:۲۵۷)

حضرت امام علامہ زین الدین ابوبکر بن حسین المراغی م۔ ۸۱۶ھ فرماتے ہیں:

واجمعو اعلى ان الموضع الذي ضم اعضاء الرسول المصطفىٰ ﷺ المشرفة افضل بقاع الارض حتى موضع الكعبة كما قاله القاضي عياض وابن عساكر۔ (تحقیق النصرة بتلخیص معالم دارالهجرة ص ۱۰۴)
اس پر اجماع ہے کہ وہ جگہ جو نبی اکرم ﷺ کے اعضاء کے ساتھ مس ہے وہ تمام زمین سے افضل ہے حتی کہ کعبہ سے بھی جیسا کہ امام قاضی عیاض اور ابن عساکر نے کہا ہے۔

حضرت امام نورالدین بن برهان الدین حلبی فرماتے ہیں: قام الاجماع ان هذا الموضع الذي ضم اعضاء الشريفة ﷺ افضل بقاع الارض حتى موضع الكعبة الشريفة قال بعضهم وافضل من بقاع السموٰات حتى من العرش۔
اس پر اجماع قائم ہو چکا ہے کہ وہ جگہ جو نبی اکرم ﷺ کے جسد اقدس سے مس ہے وہ تمام زمین سے افضل ہے حتی کعبہ معظمہ سے بھی افضل بلکہ بعض نے کہا کہ یہ مبارک جگہ ساتوں آسمانوں بلکہ عرش معلی سے بھی افضل ہے۔ (سیرت حلبیہ، ۳:۳٦٦)

عارف باللہ شیخ الامام محمد المهدی الفاسی فرماتے ہیں:

السماء افضل من الارض الابقعة في الارض ضمت اعضاء النبي صلى الله عليه وسلم فهي افضل منها حتى من العرش والكرسي۔
آسمان زمین سے افضل ہے سوائے اس ٹکڑا مبارکہ کے کہ جس کے ساتھ نبی اکرم ﷺ کے اعضاء مبارک مس ہیں پس وہ آسمان سے افضل ہے حتی کہ عرش و کرسی سے بھی افضل ہے۔ (مطالع المسرات شرح دلائل الخیرات ص ۱۹۱)

حضرت علامہ علاؤ الدین بغدادی اور حضرت امام سید احمد بن عابدین شامی فرماتے ہیں:

مكة افضل منها على الراجح الا ماضم اعضاءه عليه السلام فانه افضل مطلقا حتى من الكعبة والعرش والكرسي۔ (درمختار مع شامی، ۱:٦۲٦)
مکہ مدینہ سے افضل ہے اور یہی راجح ہے مگر وہ جگہ کہ جس کے ساتھ نبی اکرم ﷺ کے اعضاء مس ہیں وہ »»

»» مطلقاً افضل ہے بلکہ کعبہ اور عرش وکرسی سب سے افضل ہے۔

حضرت علامہ بدرالدین آلوسی بغدادی فرماتے ہیں:

البقعۃ التی ضمتہ ﷺ فانھا افضل البقاع الارضیۃ والسماویۃ حتی قیل وبہ اقول انھا افضل من العرش۔ وہ ٹکڑا زمین جو کہ نبی اکرم ﷺ کے ساتھ مس ہے وہ زمین آسمان کی تمام جگہوں سے افضل ہے حتی کہ یہ بھی کہا گیا ہے اور میں بھی یہی کہتا ہوں کہ یہ عرش معلٰی سے بھی افضل ہے۔

(تفسیر روح المعانی پارہ ۲۵ / ۱۱۳)

حضرت علامہ عمر بن احمد الخرپوتی فرماتے ہیں: ان تربۃ قبرہ افضل من البیت والمسجد الاقصی والعرش والکرسی۔
بلاشک وشبہ نبی اکرم ﷺ کی قبر منورہ کعبہ بیت المقدس عرش اور کرسی سے افضل ہے (شرح الخرپوتی ص ۱۱۰)

حضرت علامہ علاؤالدین م ۱۰۸۸ھ فرماتے ہیں: وماضم اعضاء الشریفۃ افضل البقاع علی الاطلاق حتی من الکعبۃ ومن الکرسی وعرش الرحمن۔ اور جو جگہ آپ ﷺ کے اعضاء شریفہ سے متصل ہے وہ علی الاطلاق افضل ہے حتی کہ کعبہ کرسی اور اللہ کے عرش سے بھی افضل ہے۔

(الدرالمنتقی شرح الملتقی برحاشیہ مجمع الانھر، ۱: ۳۱۲)

حضرت مولانا عبدالعلی محمد بحرالعلوم فرماتے ہیں:

ان موضع قبر رسول اللہ ﷺ افضل من کل ارض وسماء کما ان رسول اللہ ﷺ افضل الکائنات کذلک قبرہ ﷺ افضل البقاع والاماکن قال الشیخ عبدالحق بعدالاجماع ثم بعدہ الکعبۃ افضل البقاع سوی قبر موضع رسول اللہ ﷺ ھذا۔
بے شک رسول اللہ ﷺ کی قبر کی جگہ تمام زمین و آسمان سے افضل ہے جیسا کہ خود رسول اللہ ﷺ تمام کائنات سے افضل ہیں ایسے ہی آپ کی قبر زمین کے تمام ٹکڑوں اور اماکن سے افضل ہے۔ شیخ عبدالحق محدث نے کہا کہ اس پر اجماع ہے اس کے بعد کعبہ شریف افضل ہے تمام زمین سے سوائے قبر رسول اللہ ﷺ کے۔ (بیان الارکان، ۲۸۲)

حضرت مولانا شاہ فضل رسول قادری بدایونی فرماتے ہیں:

ولاخلاف ان موضع قبرہ افضل من بقاع الارض حتی موضع الکعبۃ وقال غیر واحد بل من بقاع السموٰات ایضاً حتی العرش۔
اور اس میں قطعاً کوئی اختلاف نہیں ہے آپ ﷺ کی قبر منورہ کی جگہ تمام زمین سے افضل ہے حتی کہ کعبہ شریف سے اور بے شمار علماء نے فرمایا کہ تمام آسمانوں سے بھی افضل ہے حتی کہ عرش معلٰی سے بھی۔ (سیف الجبار المسلول علی اعداء للابرار ص ۱۱۴، مکتبہ رضویہ انجن شیڈ لاہور)

علماء دیوبند کا متفق علیہ فتویٰ:

ان البقعۃ الشریفۃ والرحبۃ المنیفۃ التی ضم اعضاءہ ﷺ افضل مطلقاً حتی من الکعبۃ ومن فقھاءنا۔
وہ بقعہ شریفہ جو کہ نبی اکرم ﷺ کے اعضاء مبارکہ سے مس کیے ہوئے ہے علی الاطلاق افضل ہے یہاں تک کہ کعبہ شریف اور عرش وکرسی سے بھی افضل ہے۔ (المھند)

اسی طرح علمائے دیوبند میں سے مولوی شبیر احمد عثمانی نے: فتح الملھم، جلد سوم میں، مولوی منظور احمد نعمانی سیف یمانی ص ۱۲۰ میں، مولوی اشرف علی تھانوی نے امداد الفتاویٰ، ۶: ۱۱۳ جناب مولوی زکریا سہارنپوری صاحب نے فضائل حج ص ۱۴۸ میں اور جناب زاہد الحسینی نے رحمت کائنات ص ۳۴۴ میں بیان کیا۔

تو ان تمام حوالہ جات سے معلوم ہوا کہ نبی اکرم ﷺ کی قبر منورہ دینا و کائنات کی تمام اشیاء سے افضل ہے لہٰذا آپ کی روحِ مقدسہ کو اسی افضل ترین مقام پر ہی ہونا چاہیئے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا آپ ﷺ سے وعدہ مبارکہ ہے کہ: وللاخرۃ خیر لک من الاولیٰ۔)

مومن کی عزت اللہ تعالیٰ کے نزدیک کعبہ سے افضل ہے۔[1]

جب عام کی یہ حالت ہے تو پھر رسول اللہ ﷺ کی کیا شان ہوگی؟

حدیث نمبر (۲) صحابی رسول اللہ ﷺ حضرت عتبان بن مالک الانصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ ایک دن رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوئے اور عرض کی یارسول اللہ ﷺ میری نظر کمزور ہے اور میں اپنی قوم کا امام ہوں جب بارش ہوتی ہے تو ندی بہہ نکلتی ہے جو میرے اور میری قوم کے درمیان ہے اور میں مسجد آنے کی استطاعت نہیں رکھتا تا کہ ان کو نماز پڑھاؤں میں چاہتا ہوں کہ آپ ﷺ میرے گھر تشریف لائیں اور کسی جگہ نماز پڑھائیں تا کہ میں اس جگہ نماز ادا کیا کروں۔ تو رسول اللہ و نے ارشاد فرمایا ان شاء اللہ میں آؤنگا۔ تو حضرت عتبان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ، رسول اللہ ﷺ اور

---

[1] یہ روایت بالمعنی بیان کی گئی ہے۔ امام ابن ماجہ نے سنن میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم سے روایت کی جس کے لفظ یہ ہیں: رأیت رسول اللہ ﷺ یطوف بالکعبۃ ویقول: ۔۔۔۔۔ والذی نفس محمد بیدہ! لحرمۃ المؤمن أعظم عند اللہ حرمۃ منک ۔۔۔ الخ (۳۹۳۲) فی الفتن، ورواہ الطبرانی فی مسند الشامیین ۲/۳۹۶ (۱۵۶۸) علامہ احمد الکنانی نے مصباح الزجاجۃ ۴/۱۶۴ میں کہا کہ اس میں نصر بن محمد ہے اور اس میں کلام ہے ابو حاتم نے اس کی تضعیف کی ہے اور ابن حبان نے اس کو ثقات میں ذکر کیا ہے اور اس سند کے باقی رجال ثقہ ہیں۔

میں کہتا ہوں کہ اس کے شواہد موجود ہیں۔

اولا: حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کی مرفوع روایت جس کو امام طبرانی نے معجم الاوسط ۶/۳۳۶ (۵۷۱۵) عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کے طریق سے

ثانیا: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم کی مرفوع روایت جس کو امام طبرانی نے معجم الکبیر میں ۱۱/۳۷ (۱۰۹۶۶)

ثالثا: حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہم کی موقوف روایت جس کو امام ابن ابی شیبہ نے اپنے مصنف میں ۵/۴۳۵ (۲۷۷۵۴) دوسرا نسخہ ۶/۴۰۱ روایت کیا۔

رابعا: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی ہی موقوف روایت جس کو امام ابن حبان نے اپنی صحیح ۱۳/۷۶ میں روایت کیا۔ جس کی سند میں اوفی بن دلھم جو کہ صدوق ہے اور جس سے امام ترمذی نے روایت لی ہے کے سواء باقی راوی ثقہ ہیں۔ اور امام ترمذی نے اس کو حسن غریب کہا ہے۔ جامع ترمذی (۲۰۳۷) کتاب البر والصلۃ باب ماجاء فی تعظیم المؤمن۔ وشرح السنۃ ۱۳/۱۰۴ (۳۵۲۶) (ارشد مسعود عفی عنہ)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ دوسرے دن ہی جب سورج بلند ہوا تو تشریف لائے اور مجھ سے گھر میں آنے کی اجازت مانگی میں نے اجازت دی تو وہ بغیر بیٹھے میرے گھر میں داخل ہوئے اور فرمایا اے عتبان تو کس جگہ کو پسند کرتا ہے کہ میں تیرے گھر میں نماز پڑھوں۔ میں نے گھر کے ایک کونے کی طرف اشارہ کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے اور تکبیر کہی پس ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے کھڑے ہو گئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو رکعت نماز پڑھی پھر سلام پھیرا پھر ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کھانے کے لیے روک لیا تو محلہ کے کچھ لوگ اکھٹے ہو گئے اور ان میں سے کسی شخص نے کہا مالک بن دخیشن یا ابن دخیشن کہاں ہے؟

تو ان میں سے کچھ نے کہا کہ وہ منافق ہے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محبت نہیں رکھتا۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایسا نہ کہو، کیا تو دیکھتا نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ''لا الہ الا اللہ کہتا ہے تو اس شخص نے عرض کی۔ اللہ و رسولہ اعلم۔ [1]

ہم تو اس کو منافقین کا طرفدار اور خیر خواہ دیکھتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ جس نے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ''لا الہ الا اللہ'' کہا اللہ تعالیٰ نے اس پر جہنم کی آگ حرام قرار دے دی ہے۔

ابن شہاب (راوی) نے کہا کہ میں نے حصن بن محمد انصاری جو کہ بنی سالم میں سے نیک اور بزرگ شخص تھے سے محمد بن ربیع کی حدیث کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے اس کی تصدیق کی۔ [2]

حدیث نمبر (۳) حضرت عبد اللہ بن عمیر سدوسی سے روایت ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ سے برتن لائے کہ جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا چہرہ دھویا پھر اس میں کلی فرمائی اور لعاب دہن پاک ڈالا پھر ہاتھ دھوئے پھر اس برتن میں پانی ڈال دیا

---

[1] اس مسئلہ پر فقیر کی کتاب ''اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں'' کا مطالعہ کریں۔ ارشد مسعود عفی عنہ)

[2] اخرجہ البخاری فی الصحیح ۱/۱۶۴ (۴۲۵) و مسلم فی الصحیح ۱/۴۵۵ (۳۳)

اور فرمایا کہ اس پانی کو ضائع نہیں کرنا جب تو اپنے ملک واپس جائے تو اس پانی کو اس جگہ پر چھڑ کنا پھر اس جگہ مسجد بنالینا انہوں نے فرمایا کہ میں نے اس جگہ کو مسجد بنالیا۔ عمرو نے کہا میں نے اس میں نماز پڑھی۔ ①

حدیث نمبر (۴) نبی اکرم ﷺ کا حضرت عیسی علیہ السلام کی جائے ولادت پر نماز ادا فرمانا

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آپ فرماتے ہیں کہ، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ معراج کی رات میرے پاس ایک جانور (براق) لایا گیا جو کہ گدھے سے بڑا اور خچر سے چھوٹا تھا۔ اس کا قدم اس کی حد نظر تک جاتا تھا میں اس پر سوار ہوا حضرت جبرائیل میرے ساتھ تھے پس چلا تو ایک جگہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے کہا، نیچے تشریف لائیے اور نماز ادا فرمایئے۔ میں نے ایسا ہی کیا۔

تو جبرائیل علیہ السلام نے کہا، آپ کو معلوم ہے کہ آپ نے کہاں نماز پڑھی ہے؟ آپ ﷺ نے مدینہ منورہ میں نماز پڑھی آپ ﷺ اس کی طرف ہجرت فرمائیں گے۔ پھر کہا، اتریئے اور نماز پڑھیے، میں نے نماز پڑھی، جبرائیل علیہ السلام نے کہا آپ جانتے ہیں کہ آپ ﷺ نے کہاں نماز پڑھی ہے؟ آپ ﷺ نے طور سینا پر نماز پڑھی ہے، کہ جہاں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسی علیہ السلام سے کلام فرمایا تھا۔۔۔۔ پھر فرمایا سواری سے نیچے تشریف لائیے اور نماز پڑھیے میں نے نماز پڑھی تو جبرائیل علیہ السلام نے فرمایا آپ جانتے ہیں کہ آپ ﷺ نے کہاں نماز پڑھی ہے؟ آپ ﷺ نے بیت لحم میں نماز پڑھی ہے کہ جہاں حضرت عیسی علیہ السلام کی ولادت ہوئی، پھر میں بیت المقدس میں داخل ہوا تو میرے لیے تمام انبیاء حضرات علیہم السلام کو جمع فرمایا گیا تھا۔ تو حضرت جبرائیل نے مجھے آگے بڑھایا۔ حتی کہ میں نے ان سب کی امامت فرمائی پھر مجھے آسمان دنیا کی طرف لیجایا گیا۔۔۔ الحدیث۔ ②

---

① اخرجه الطبراني في المعجم الأوسط ۲/۱۲ (۱۲۷۸) وذكره الهيثمي في مجمع الزوائد ۲/۱۲۔

② رواه النسائی ۱/۲۲۱۔۲۲۳ والطبراني في مسند الشاميين ۱/۱۹۴۔۱۹۶۔

حدیث نمبر (۵) حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا رسول اللہ ﷺ کے موئے مبارکہ سے تبرک وتوسل وشفا اور شفاعت اور استغاثہ حاصل کرنا۔

عثمان بن عبد اللہ بن موہب نے فرمایا کہ، میرے گھر والوں نے مجھے ایک پانی کا پیالہ دے کر حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی بارگاہ مقدسہ میں بھیجا اور اسرائیل نے تین انگلیاں پکڑیں ان کے پاس چاندی کی ڈبیہ تھی کہ جس میں نبی اکرم ﷺ کے موئے مبارکہ تھے جب کسی انسان کو نظر لگتی یا کوئی اور بیماری لگتی تو وہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی طرف بھیجتے۔ میں نے ان کے پاس ڈبیہ دیکھی جس میں میں نے سرخ رنگ کے بال دیکھے۔[1]

یہ صحیح حدیث مبارکہ رسول اللہ ﷺ کی ظاہری حیات مبارکہ اور انتقال کے بعد ہر زمانی اور ہر جگہ میں آپ ﷺ کے آثار کے ساتھ توسل واستغاثہ اور طلب شفا وشفاعت میں واضح اور بہت قوی ومضبوط دلیل ہے اور یہ کہ یہ کام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مردوں اور عورتوں میں یکساں طور پر معروف ومشہور تھا۔

حدیث نمبر (۶) حضرت محمد بن عبد الملک بن ابی محذورہ اپنے باپ سے اور وہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ، میں نے رسول اللہ و سے عرض کی کہ مجھے آذان سکھلا دی جائے تو آپ ﷺ نے میری پیشانی کو مس فرمایا اور فرمایا کہ کہہ، اللہ اکبر اللہ اکبر اللہ اکبر اللہ اکبر اور اپنی آواز کو بلند کر پھر کہہ اشھد ان لا الہ الا اللہ اشھد ان لا الہ الا اللہ، اشھد ان محمد رسول اللہ، اشھد ان محمد رسول اللہ تو آپ نے اپنی آواز کو پست رکھا ہے پھر آواز بلند کرتے ہوئے کہہ، اشھد ان لا الہ الا اللہ، اشھد ان لا الہ الا اللہ، اشھد ان محمد رسول اللہ، اشھد ان محمد رسول اللہ، حي علی الصلاۃ، حي علی الصلاۃ، حي علی الفلاح، حي علی الفلاح، اور اگر صبح کی آذان ہو تو کہہ، الصلاۃ خیر من النوم، الصلاۃ خیر من النوم، اللہ اکبر اللہ اکبر، لا الہ الا اللہ۔[2]

---

[1] اخرجه البخاري في الصحيح جلد ۵ صفحه ۲۲۱۰ برقم ۵۵۵۷۔

[2] اخرجه ابو داؤد في السنن جلد ۱ صفحه ۳۸۹۔۳۹۰۔

تو حضرت ابو محذورہ رضی اللہ عنہ اپنی پیشانی مبارک کے بال نہیں کاٹتے تھے اور نہ ہی ان کو علیحدہ کرتے تھے کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان بالوں کو مس کیا ہوا تھا۔

یہ حدیث شریف نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذوات پر تبرک کی تشریع پر دلالت کرتی ہے۔

کیونکہ حضرت ابو محذورہ رضی اللہ عنہ نے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے آذان سکھلانے کے بارے میں عرض کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دست مبارک ان کی پیشانی یعنی سر کے اگلی طرف رکھا حالانکہ حضرت ابو محذورہ رضی اللہ عنہ نے اس کی طلب وسوال نہیں کیا تھا۔

یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود کرم نوازی فرمائی اور اس میں آپ کی طرف سے ذوات صالحہ کے تقرب کی اہمیت کی طرف اشارہ ہے لہذا اسی لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا مبارک ہاتھ حضرت ابو محذورہ رضی اللہ عنہ کے سر پر رکھا یعنی پیشانی کے اوپر تو حضرت ابو محذورہ رضی اللہ عنہ نے ہمیشہ ساری عمر ان بالوں کی حفاظت فرامائی نہ کہ ان کو کاٹا اور نہ ہی اپنے سر سے علیحدہ کیا کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو چھوا تھا پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو آذان سکھلائی اور سب کچھ صرف اس لیے کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ مبارک کی برکت حضرت ابو محذورہ رضی اللہ عنہ کے دل تک سرایت کر جائے۔

اور حضرت ابو محذورہ رضی اللہ عنہ کا دل اور ان کی عقل اس لمس مبارک سے نور آذان اور اس کی حقیقت حاصل کریں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تعلیم کی بنیاد اپنے اس ہاتھ مبارک پر رکھی اور اس مبارک انسان کہ جو اس امانت کا لائق اور اس مرتبہ کے لائق تھا اس امانت کو اس کے ساتھ باندھ دیا اس کو سنبھالنے کی دلیل کے ساتھ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس اثر کی حفاظت فرمانے کہ انہوں نے اپنی پوری زندگی نہ ان کو پیشانی سے الگ فرمایا اور نہ ہی کاٹا۔

اس میں حضرات صوفیاء کرام کی مرید کو ذکر کی تلقین کرنے کی دلیل ہے اور اس سلسلہ میں میں نے ایک مستقل رسالہ لکھا ہے۔

حدیث نمبر (۷) لوگوں کے وضو کے بقیہ کا استعمال کرنا اور بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا تبرک حاصل کرنا کئی آثار سے یہ ثابت ہے۔ اس مسئلہ میں ہم مستقل کتاب لکھیں

گے ان شاء اللہ لیکن یہاں دو دلیلیں پیش کرتے ہیں۔

① حدیث جریر جو کہ صحیح بخاری شریف میں باب ''استعمال فضل وضوء الناس میں ہے حافظ ابن حجر نے فرمایا:

قولہ (وأمر جریر بن عبد اللہ) اس اثر کو ابن ابی شیبہ اور دار قطنی وغیرہما نے قیس بن ابی حازم کی سند سے موصول بیان فرمایا ہے، اور اس کے بعض طرق میں ہے، کہ حضرت جریر مسواک کرتے اور مسواک کا سر پانی میں ڈبو دیتے پھر اپنے گھر والوں کو فرماتے اس کے جھوٹے سے وضو کرو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

اور یہ روایت مبنی للمراد ہے اور ابن التین وغیرہ کا خیال ہے کہ ان کی مسواک کا بچا ہوا پانی کہ جس میں وہ پیلو کے درخت کی مسوال بھگو کر رکھتے تھے تا کہ وہ نرم ہو جائے۔ اور اس کو اس پر محمول کیا کہ وہ پانی کو متغیر نہیں کرتی۔ اور امام بخاری نے اس سے یہ ارادہ کیا کہ ایسا کرنے سے پانی کی حالت تبدیل نہیں ہوتی اور ایسے ہی مجرد استعمال پانی کو متغیر نہیں کرتا لہذا اس سے طہارت حاصل کرنا منع نہیں ہے۔[1]

② حضرت حنظلہ بن حذیم رضی اللہ عنہ کے ہاتھ کی برکت کا بیان کہ جس ہاتھ کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی تھی۔

امام بیہقی نے اس سند کے ساتھ روایت بیان فرمائی:

حدثنا ابو القاسم البغوي، قال: حدثنا هارون بن عبد الله أبو موسى حدثنا محمد بن سهل بن مروان، حدثنا الذيال بن عسكر بن حنظلة بن حذيم بن حنيفة قال: سمعت جدي حنظلة يحدث أبي و أعمامه أن حنيفة جمع بينه.

---

[1] فتح الباری جلد ۱ صفحہ ۲۹۵۔

پس ان کی وصیت میں حدیث بیان کی کہ جب رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور ان کے ساتھ حذیم بن حنظلہ تھے (اور اس کے آخر میں یہ الفاظ ہیں) عرض کی میرے ماں باپ آپ پر قربان میں بچوں والا آدمی ہوں یہ میرا بیٹا حنظلہ ہے اس پر اللہ تعالیٰ کا نام لیجیے یعنی دعا فرمائیے۔

تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے بچے! اور اس کا ہاتھ پکڑا اور اس کے سر پر ہاتھ پھیر کر پیار دیا اور اس کے لیے دعا فرمائی۔

بورک فیک، أو قال: بارک اللہ فیک۔

تجھ میں برکت ہو یا فرمایا اللہ تجھے برکت دے۔

تو میں نے ایک دن حنظلہ کو دیکھا کہ ایک بکری جس کے تھنوں میں ورم تھا اور اونٹ اور آدمی کو بھی ورم ہوتا ہے تو حضرت حنظلہ اپنے ہاتھ کو تھوک لگاتے اور اس کے سر کی اگلی طرف مس کرتے اور فرماتے ''بسم اللہ علی اثر ید رسول اللہ ﷺ'' اللہ تعالے نام سے رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ کی برکت سے۔ اور اس کو مس کرتے تھے تو ورم دور ہو جاتا تھا۔[1]

امام بخاری نے ''تاریخ کبیر'' میں اپنی سند کے ساتھ اس کا اخراج کیا،

حضرت حنظلہ بن حذیم نے کہا، یا رسول اللہ ﷺ میں کثیر الاولاد شخص ہوں اور یہ میرا سب سے چھوٹا بچہ ہے اس کے لیے دعائے خیر فرمائیے تو آپ ﷺ نے فرمایا: اے بچے اور اس کا ہاتھ پکڑا اور سر پر پیار دیا اور فرمایا اللہ تجھے برکت دے، میں نے حنظلہ کو دیکھا کہ ان کے پاس کسی ورم والے انسان کو لایا جاتا تو وہ اس کو مس فرماتے اور کہتے بسم اللہ تو ورم دور ہو جاتا۔[2]

---

[1] دلائل البیهقي جلد٦ صفحه ٢١٣_٢٢٠١۔

[2] اخرجه البخاري في التاريخ الكبير ٢/١/٣٧۔

اور امام احمد نے مسند میں ابو سعید مولی بنی ھاشم سے روایت کی وہ ذیال بن عتیک سے لمبی حدیث بیان کی کہا، میرے والد نبی اکرم ﷺ کے قریب ہوئے اور عرض کی میرے بڑے اور چھوٹے بچے ہیں اور یہ سب سے چھوٹا لڑکا ہے اس کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا کریں تو آپ ﷺ نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا اور فرمایا اللہ تعالیٰ تجھے برکت دے۔

ذیال نے کہا، میں نے حنظلہ کو دیکھا کہ جب کسی انسان کو ورم ہو جاتا یا کسی جانور کو ورم ہو جاتا تو اس کو آپ کے پاس لایا جاتا تو آپ اپنے ہاتھ پر تھوک لگاتے اور کہتے، بسم اللہ اور ہاتھ اس جگہ پر رکھتے اور کہتے اس ہاتھ سے رسول اللہ ﷺ کی مبارک ہتھیلی لگی ہوئی ہے تو ورم دور ہو جاتا۔ ①

امام ابو عمر بن عبد البر نے ''الاستیعاب'' میں فرمایا:

حنظلة بن حذيم ابن حنيفة أبو عتيبة الحنفي من بني حنيفة، ويقال: حنظلة بن حنيفة بن حذيم التميمي السعدي۔ ایسے ہی عقیلی نے کہا۔ ②

اور امام بخاری نے تاریخ کبیر میں کہا:

حنظلة بن حزيم، ولم ينسبه، قال: وقال يعقوب بن اسحاق: عن حنظلة بن حنيفة بن حذيم،

حذیم نے کہا یا رسول اللہ ﷺ حنظلہ میرے بچوں میں سب سے چھوٹا ہے ---- الحدیث ③

---

① اخرجه احمد في مسنده جلد ۵ صفحه ۶۸ برقم ۲۰۱۴۹ واخرجه الطبراني في المعجم الكبير جلد ۴ صفحه ۵۳ برقم ۳۵۰۱ وفي الأوسط جلد ۶ صفحه ۲۱۳ برقم ۳۹۱۱، وابن قانع في المعجم جلد ۱ صفحه ۲۰۳)

② الاستيعاب جلد ۲ صفحه ۳۸۲۔

③ تاریخ کبیر ۲/۱/۷۳۔

حافظ ابن حجر نے کہا:

حاصل کلام یہ کہ حضرت ابن عمر متبرک اماکن سے تبرک حاصل کرتے تھے اور ان کی اتباع میں شدت مشہور ہے اور یہ اس کے متعارض نہیں کہ جو ان کے والد ماجد سے ثابت ہے۔ ①

کہ انہوں نے لوگوں کو دیکھا کہ ایک سفر میں وہ کسی جگہ کی طرف قصد کر رہے ہیں تو آپ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے اس بارے میں پوچھا انہوں نے کہا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں نماز پڑھی تھی۔ تو آپ نے ارشاد فرمایا، جس کسی کو جہاں نماز کا وقت آ جائے وہاں نماز پڑھے نہیں تو گذر جائے کیونکہ اہل کتاب اسی لیے ہلاک ہو گئے کہ وہ انبیاء کے آثار کو ڈھونڈتے اور ان کو کنائس اور گرجے بناتے۔

کیونکہ اس کو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے اس پر محمول کیا جائے گا کہ وہ ایسی زیارت کو مکروہ سمجھتے کہ جو بغیر نماز کے ہو۔ یا اس خوف کی وجہ سے کہ جو اس حقیقت الامر کو نہیں جانتا وہ کہیں اس کو فرض نہ سمجھ لے۔ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ ان دونوں کاموں سے محفوظ و مأمون تھے۔ پھر حافظ ابن حجر نے حضرت عتبان رضی اللہ عنہ والی حدیث اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کا سوال کرنا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے گھر نماز پڑھیں تا کہ وہ اس جگہ کو مصلی بنا لے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اس کو قبول فرمانا ذکر کیا ہے۔

پھر حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ یہ صالحین کے آثار سے تبرک حاصل کرنے کی دلیل ہے۔

میں (مؤلف قدس سرہ) کہتا ہوں کہ قابل افسوس بات ہے کہ شیخ ابن باز نے علامہ ابن حجر کے اس کلام پر تعلیق لکھی ایسی تعلیق کہ کاش یہ اس شخص سے ظاہر نہ ہوتی کہ اس نے جلیل القدر صحابی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ پر الزام لگایا کہ وہ غوائل شرک کو نہیں پہچانتے تھے اور دین پر حریص نہ تھے کیونکہ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آثار کو ڈھونڈتے تھے راستوں میں اور وہ غیر مشروع امر کا ارتکاب کرتے تھے۔

---

① امام عینی نے اس کو عمدۃ القاری ۴/ ۲۶۹ میں معرور بن سوید کی روایت سے ذکر کیا ہے۔)

پس میں کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ابن باز کے ساتھ اپنے عدل سے معاملہ فرمائے کہ اس نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی پر حملہ کیا نہ میں اور نہ ہی وہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے جوتوں کے غبار کے برابر ہیں کہ ہم ان کی ورع وتقوی کے کسی ٹکڑے کو بھی پا لیں اور نہ ہی ان کی فہم وفرست کہ کیونکہ وہ تو فقہا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے تھے اور روایت میں ان میں سے بلند مقام پر تھے متقی، ذہین، قائم اللیل، اور صیام الدھر تھے۔

اور ابن باز جیسا کلام اس سے پہلے کسی عالم نے نہیں کیا قریب ہے کہ اس کلام سے آسمان پھٹ پڑیں اور پہاڑ ٹوٹ کر ریزہ ریزہ ہو جائیں۔

یہ ایسی ہوس ہے جو کہ گمراہی کی طرف لے جاتی ہے۔ العیاذ باللہ تعالیٰ۔

اور پھر میں یہ بھی چاہتا ہوں کہ میں قاری محترم پر اس بات کو بھی واضح کر دوں کہ حضرت سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی فقہ وسمجھ واجتہاد کسی دوسرے صحابی پر حجت نہیں ہے۔

اور یہ قاعدہ علم اصول میں مقرر ہے جیسا کہ اپنے باب میں معلوم ہے۔

مترجم حضرت علامہ محدث محمد عباس رضوی قدس سرہ کی طرف سے اضافہ:

عن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما قال: کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یبعث الی المطاھر فیؤتی بالماء فیشربہ یرجو بہ برکۃ ایدی المسلمین۔ (1)

---

(1) اخرجه الطبراني في المعجم الاوسط ۱/۲۴۱ برقم ۷۹۴ و ابو نعیم في الحلیة الاولیاء ۸/ ۲۰۳ والبیهقي في الشعب الایمان ۳/۳ برقم ۲۸۹۱۔

وقال الهیثمي في مجمع الزوائد ۱/۲۱۴ ،رواه الطبراني في الاوسط و رجاله موثقون و عبد العزیز بن ابي رواد، ثقة ینسب الی الارجاء۔

میں کہتا ہوں کہ امام ترمذی نے ایک ایسی حدیث جس کی سند میں یہ راوی موجود ہے اس کو "حسن جید غریب، لا نعرفہ الامن ھذا الوجہ ،تفرد بہ عبد الرحیم بن ھارون۔ کہا ہے" جامع ترمذی صفحہ ۵۷۹ برقم ۱۹۷۷، کتاب البر والصلۃ ،باب ماجاء في الصدق والکذب، میں یاد رہے کہ اس کو اگر امام ترمذی نے غریب کہا ہے تو یہ کوئی قادح بات نہیں اور وہ بھی اس کی وجہ سے نہیں بلکہ "عبد الرحیم بن ہارون" کی وجہ سے کہ وہ اس روایت میں متفرد ہے۔ ارشد مسعود عفی عنہ)

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کی طہارت گاہوں سے (مثل حوض وغیرہ سے جہاں اہل اسلام وضو کرتے تھے) پانی منگوا کر نوش فرماتے تھے اور آپ اس سے مسلمانوں کے ہاتھوں کی برکت حاصل کرنا چاہتے۔

ثالثا: اخبار سے دلیل:

① حضرت عمر کا کنیسہ قیامت کے باہر نماز پڑھنا۔

② برص سے شفاء اور دشمن کے خلاف استمداد کرنا۔

صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت مازن بن غضوبہ رضی اللہ عنہ کے مصلی پر نماز پڑھنے سے برص سے شفاء اور ظالم کے خلاف مدد طلب کرنا۔ آپ کا مصلی سلطنت عمان کے شہر سمائل میں ہے۔

امام بیہقی نے دلائل النبوۃ میں روایت کی، حدثنا مودنا من اہل عمان عن سلفھم، یعنی اہل عمان کے قریبیوں نے اپنے اسلاف سے خبر دی کہ حضرت مازن جب اپنی قوم سے علیحدہ ہوئے تو ایک جگہ آئے اور مسجد بنا کر اس میں عبادت شروع کر دی، کوئی بھی مظلوم وہاں نہیں آتا مگر وہ تین دن وہاں عبادت کرے اور پھر دعا کرے اس کے خلاف جو اس پر ظلم کرتا ہے تو اس کی دعا قبول ہوتی ہے اور وہاں برص کی بیماری سے شفاء ملتی ہے لہذا اس مسجد کا نام ہی مسجد مبرص مشہور ہو گیا جو کہ آج تک مشہور ہے۔۔۔ الخبر ①

میں کہتا ہوں کہ یہ بہت بڑی واضح دلیل ہے کہ معروف آئمہ کرام و محدثین عظام و فقہاء کرام جیسا کہ امام بیہقی وغیرہ کو اللہ تعالیٰ نے اس دین پر قائم رکھا کہ جو اعتقاد ہمیں اکابر سے ان کو ان کے اکابر سے پہنچا جیسا کہ ہم نے اپنے اسلاف میں پہچانا۔ اور میں نے سمائل کا علاقہ دیکھا ہے اور وہاں مسجد کے مجاورین سے پوچھا تو وہاں کے رہنے والوں نے اس بات کو میرے لیے موکد کر دیا کہ اس مسجد کے بارے میں جو کہا جاتا ہے وہ سب صحیح ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ یہاں برکات ہیں قدیم سے سلاطین عمان یہاں برص اور

① دلائل النبوة للبيهقي جلد ٢ صفحه ٢٥٨۔

جزام کی امراض کی شفاء یہاں تین دن نماز پڑھ کر حاصل کرتے رہے ہیں اور بانجھ عورت اگر یہاں دو رکعت پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے اولاد کی دعا کرتی ہے تو اسے اللہ تعالیٰ یقینا اولاد عطا فرماتا ہے، یہ تمام اشیاء جگہ کے شرف اور نفع کے حصول و استداد رحمت پر بہت بڑی دلیل ہیں۔

میں اپنی بات اللہ تعالیٰ کے اس فرمان پر ختم کرتا ہوں:

ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ أَوْ أَشَدُّ قَسْوَةً وَإِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْأَنْهَارُ وَإِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَآءُ وَإِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ۔

پھر اس کے بعد تمہارے دل سخت ہو گئے تو وہ پتھروں کی مثل ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ کرے اور پتھروں میں تو کچھ وہ ہیں جن سے ندیاں بہہ نکلتی ہیں اور کچھ وہ ہیں جو پھٹ جاتے ہیں تو ان سے پانی نکلتا ہے اور کچھ وہ ہیں جو اللہ کے ڈر سے گر پڑتے ہیں اور اللہ بے خبر نہیں جو تم کرتے ہو۔ [1]

اور فرمایا:

يَآ أَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا أَنْفُسَكُمْ وَ أَهْلِيْكُمْ نَارًا وَّقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ عَلَيْهَا مَلَائِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ أَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ۔

اے ایمان والو اپنی جانوں اور اپنے گھر والوں کو اس آگ سے بچاؤ جس کے ایندھن آدمی اور پتھر ہیں اس پر سخت کرے فرشتے مقرر ہیں جو اللہ کا حکم نہیں ٹالتے اور جو انہیں حکم ہو وہی کرتے ہیں۔ [2]

---

[1] البقرة: ۷۴۔ [2] التحریم: ۶۔

اور مزید فرمایا:

وَشَجَرَةً تَخْرُجُ مِنْ طُوْرِ سَيْنَآءَ تَنْبُتُ بِالدُّهْنِ وَ صِبْغٍ لِّلْاٰكِلِيْنَ۔

اور وہ پیڑ پیدا کیا کہ طور سینا سے نکلتا ہے لے کر اگتا ہے تیل اور کھانے والوں کے لئے سالن۔ ①

پس وہی شجرہ مبارکہ ہے اور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لا تقوم الساعة حتى يقاتل المسلمون اليهود فيقتلهم المسلمون حتى يختبىء اليهودي من وراء الحجر و الشجر فيقول الحجر أو الشجر: يا مسلم يا عبد الله هذا يهودي خلفي فتعال فاقتله، الا الغرقد فانه من شجر اليهود۔

قیامت قائم نہیں ہوگی جب تک کہ مسلمانوں اور یہودیوں کی جنگ نہ ہوگی پس مسلمان یہودیوں کو قتل کریں گے یہانتک کہ اگر کوئی یہودی درخت یا پتھر کے پیچھے چھپے گا تو وہ پتھر یا درخت کہے گا کہ اے مسلمان اے اللہ کے بندے یہ میرے پیچھے یہودی ہے ادھر آ اور اسے قتل کر سوائے غرقد کے درخت کے کہ یہ درخت یہودیوں کا درخت ہے۔ ②

اس سے معلوم ہوا کہ برکت انسان وحیوان نباتات اور جمادات سب کو شامل ہوتی ہے ایسے ہی شقاوت بھی ہر شیء میں ہوتی ہے پس ہر شے یا شقی ہوگی یا سعید اور سچ کہا جس نے بھی کہا: اور شے کی شبیہہ اس کی طرف لے جاتی ہے۔

---

① المؤمنون: ۲۰۔

② اخرجه مسلم في الصحيح ۴/۲۲۳۹ (۲۹۲۲) و احمد في مسنده ۱۵/۲۳۳ (۹۳۹۸) و في نسخة ۲/۴۱۷ (۹۳۸۷)۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے موئے مبارکہ سے برکت حاصل کرنا اور لوگوں کا اس سے توسل کرتے ہوئے شفاعت اور مدد طلب کرتے ہوئے شفاء حاصل کرنا:

اسرائیل نے عثمان بن عبداللہ بن موہب سے حدیث بیان کی فرمایا کہ میرے گھر والوں نے مجھے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس پانی کا ایک پیالہ دے کر بھیجا جو چاندی کا بنا ہوا تھا اس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے موئے مبارکہ تھے اسرائیل نے تین انگلیوں سے پکڑا جب کسی انسان کی آنکھیں دھکتی یا اور کوئی تکلیف پہنچتی تو وہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس بالوں کے لئے بھیجا جاتا میں نے اس کو ایک ڈبیا میں دیکھا تو اس میں سرخ بال تھے۔ [1] اور یہ حدیث صحیح قوی دلائل میں سے ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آثار سے زندگی اور وصال کے بعد بھی زمان ومکان سے بے نیاز ہو کر توسل، مدد مانگنا اور شفاء کی طلب سب درست ہے۔

---

① اخرجه البخاری فی الصحیح ۲۲۱۰/۵ (۵۵۵۷)

تیسری فصل

توسل کے بارے میں علماء کرام کا موقف

اس میں کئی مباحث ہیں:

پہلی مبحث

حضرات اَسلاف وخلف علماء کرام کا توسل کے بارے موقف

اس میں دو مطلب ہیں

پہلا مطلب:

حضرات آئمہ مجتہدین امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل وغیرہ کا توسل میں موقف

حضرت امام مالک اور مسئلہ توسل:

حضرت امام مالک سے نقل کیا گیا کہ ان سے خلیفہ منصور نے پوچھا کہ،
جب میں نبی اکرم ﷺ کی زیارت کروں تو کیا آپ ﷺ کی طرف چہرہ کروں یا
کعبہ شریف کی طرف تو حضرت امام مالک نے فرمایا:

امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا موقف:

یا مالکی کن شافعی في فاقتي یا انی فقیر في الوری لغناک
اکرم الثقلین یا کنز الوری جدلی بجودک و ارجني برضک
انا طامع بالجود منک و لم یکن لابي حنیفة فی الانام سواک۔[1]

اے میرے مالک! میرے فاقے میں میرے شفیع بن جایئے میں مخلوق میں
تیرے غنا کے لیے فقیر ہوں اے جنوں اور انسانوں سے مکرم و بہتر! اے
مخلوق کے خزانے جودو کرم آپکا مجھے جودو کرم چاہیے اور تیری رضا میں میری
رضا ہے میں آپ کے جود کا طالب ہوں اور نہیں ہے ابو حنیفہ کا لوگوں میں
تیرے سوا کوئی۔

[1] القصیدۃ النعمانیہ ۱۹۹۔۲۰۰۔ط، فیصل آباد پاکستان۔

آدم علیہ السلام کا اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں وسیلہ ہیں بلکہ تو ان کی طرف منہ کر اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے شفاعت طلب کر اللہ تعالیٰ تیرے بارے ان کی شفاعت قبول فرمائے گا۔ [1]

حضرت امام شافعی کا اہل بیت نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے توسل کرنا:

حضرت امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

آل النبي ذريعتي وهم اليه وسيلتي
أرجو بهم أعطى غدا بيدي اليمين صحيفتي

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آل اور ذریت وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف میرا وسیلہ ہیں میں ان کے صدقے سے چاہتا ہوں کہ کل بروز قیامت میرا نامہ اعمال میرے دائیں ہاتھ میں دیا جائے۔ [2]

حضرت امام احمد بن حنبل کا حضرت امام شافعی کے ساتھ توسل کرنا:

حضرت امام احمد بن حنبل جب اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے تو حضرت امام شافعی کے وسیلہ سے دعا کرتے تو اس بات پر ان کے بیٹے امام عبداللہ بن احمد تعجب کرتے تو آپ نے ارشاد فرمایا:

"ان الشافعي كالشمس للناس و كالعافية للبدن"

حضرت امام شافعی لوگوں کے لیے سورج کی مثل ہیں اور بدنوں کے لیے شفا ہیں۔ [3]

اور ابن تیمیہ نے "التوسل والوسیلة" میں اخنائی کا رد کرتے ہوئے حضرت امام احمد سے نقل کیا ہے آپ نے فرمایا:

---

[1] ذكره القاضى عياض في الشفاء ۲/۳۳ و ابن حجر في الجوهر المنظم والقسطلاني في المواهب اللدنية ۴/۵۸۰ والسمهودي في خلاصة الوفاء۔

[2] اخرجه البيهقي في مناقب الشافعي ۱/۶۸۔۶۹ و كتاب اظهار العقوق ۱۷۔

[3] شواهد الحق لليوسف بن اسماعيل النبهانی ۱۶۶۔

اپنی حاجت کو اللہ تعالیٰ سے نبی اکرم ﷺ کے وسیلہ سے مانگ اللہ تعالیٰ تیری حاجت پوری فرمادے گا۔

اور ابن تیمیہ نے "التوسل والوسیلۃ" کے شروع میں اسلاف کی ایک پوری جماعت سے نبی اکرم ﷺ کے ساتھ توسل نقل کیا ہے اور ہم اس مسئلہ میں علماء کے درمیان کوئی اختلاف نہیں پاتے۔

اور ہم دور کیوں جائیں؟

ابن تیمیہ نے بذات خود جیسا کہ پچھلی فصل میں میں نے ذکر کیا ہے اور اس کے کلام کے آخر میں نبی اکرم ﷺ کے ساتھ توسل کی صحت کا اقرار کیا ہے۔

اور اس کو ابن تیمیہ سے ابن کثیر نے اس کے تذکرہ میں بیان کیا ہے۔[1]

اور جیسا کہ البانی نے اپنی کتاب "التوسل وانواعہ" میں حضرت امام احمد سے نبی اکرم ﷺ سے توسل کے جواز کا قول نقل کیا ہے جہاں اس نے نابینا صحابی والی حدیث پر کلام کیا ہے۔

ابن تیمیہ سے سوال ہوا۔

کیا نبی اکرم ﷺ سے توسل کرنا جائز ہے یا کہ نہیں؟

تو اس نے جواب دیا:

الحمد للہ آپ پر ایمان اور آپکی اطاعت کے ساتھ توسل کرنا آپ ﷺ پر صلوۃ و سلام اور آپ کی دعا اور شفاعت اور اسی طرح ہر اس چیز سے جو بندوں کے افعال میں ہے کہ جو اس کو حکم دیے گئے اور وہ اس کے حق میں مشروع ہیں تو تمام مسلمانوں کے اتفاق سے جائز ہے۔

---

① البدایۃ والنہایۃ جلد ۱۴ صفحہ ۴۷، وفی نسخۃ ۹/۳۲۳۔

میں کہتا ہوں: یہ تفصیل ہے کہ جس سے ذوات کے ساتھ توسل کی نفی ہوتی ہے اور یہی شبہہ ہے جو اس کی عقل میں پڑ گیا کہ جس سے وہ توسل بالذوات مشروع اور توسل بالذوات غیر مشروع کو برابر سمجھ رہا ہے اور یہ فاحش اختلاط ہے جیسا کہ اسی کتاب کے اس کے متعلق باب میں گذر چکا ہے۔

ایک اور مقام پر کہا (ابن تیمیہ نے)

اور ایسے ہی آپ ﷺ کی دعا کے ساتھ توسل مشروع ہے جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ایک شخص کو سکھلایا کہ وہ یوں دعا کریں۔

اللهم اني اسئلک و أتوجه اليک بنبيک محمد ﷺ نبي الرحمة، يا محمد اني أتوجه بک الى ربک في حاجتي ليقضيها فشفعه في۔[1]

اے میرے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور تیری طرف تیرے نبی محمد ﷺ جو نبی رحمت ہیں کے وسیلہ سے متوجہ ہوتا ہوں، اے محمد ﷺ میں آپ ﷺ کے وسیلہ سے آپ کے رب کی طرف متوجہ ہوتا ہوں اپنی حاجت میں تا کہ وہ اس کو میرے لیے پورا فرما دے۔

اور دوسرے مقام پر کہا:

اور نبی اکرم ﷺ کے ساتھ توسل کرنا تو سنن کی حدیث میں موجود ہے:

ایک اعرابی نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ اقدس میں حاضر ہوا اور عرض کی:

یا رسول اللہ ﷺ میری بصارت کمزور ہے آپ میرے لیے دعا فرما دیجیے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا، تو وضو کر اور دو رکعت نماز ادا کر اور اس کے بعد یوں عرض کر:

---

[1] اس کی تخریج پیچھے گذر چکی۔

اللهم أسئلک و أتوجه الیک بنبیک محمد ﷺ یا محمد ﷺ اني أتشفع بک في رد بصری اللهم شفع نبیک فيّ، و قال: فان کانت لک حاجة فمثل ذلک، فرد الله بصره۔

اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں تیرے نبی محمد ﷺ کے وسیلہ سے یا محمد ﷺ میں آپکی شفارش اپنی بصارت کے رد میں حاصل کرتا ہوں اے اللہ اپنے نبی ﷺ کی شفارش میرے حق میں قبول و منظور فرما اور فرمایا اگر تجھے کبھی کوئی حاجت ہو تو اس طرح کیا کر تو اللہ تعالیٰ نے اس کی نظر لوٹا دی۔

المطلب الثانی:

آئمہ محدثین اور فقہاء واصولیین اور مسئلہ توسل

اور ان میں سے جنہوں نے توسل کو جائز کہا ان میں سے، امام فخر الدین الرازی، علامہ سعد الدین تفتازانی، علامہ سید شریف جرجانی، تقی الدین سبکی، ابن قدامہ اور شوکانی وغیرہم کبار علماء کرام اور اصولیین ہیں کہ جن کی طرف اصول دین کی مشکلات حل کرنے کے لیے امت رجوع کرتی ہے انہوں نے حضرات انبیاء وصالحین کے ساتھ ان کی حیات اور بعد از وصال توسل کے جواز کی صراحت کی ہے کسی شخص کی طاقت ہے کہ وہ ان ہستیوں کو قبوری اور شرک باللہ کی طرف دعوت دینے والے کہہ سکے جبکہ امت معرفت ایمان وکفر، توحید وشرک اور دین خالص کی دیگر مشکلات حل کرنے کے لیے ان کی طرف رجوع کرتی ہے۔

حضرت امام ابن قدامہ مقدسی کا نبی اکرم ﷺ سے استشفاع کرنا اور آپ ﷺ کی قبر منورہ سے توسل کرنا اور مسلمانوں کو اس کی ترغیب دلانا۔

حضرت امام ابن قدامہ حنبلی نے آپ ﷺ کی زیارت کا طریقہ بیان کرتے ہوئے کہا، کہ تو روضہ مقدسہ پر حاضر ہو تو اپنی پیٹھ کو قبلہ کی طرف پھیر لے اور مواجہ شریف کے وسط میں آپ ﷺ کی طرف منہ کر کے یوں عرض کر:

السلام علیک ایھا النبي ورحمة الله وبركاته۔ السلام علیک یا نبی الله وخیرته من خلقه --- اللھم اجزعنا نبینا أفضل ما جزیت به أحدا من النبیین والمرسلین، وابعثه المقام المحمود

الذي وعدته، يغبطه به الأولون والآخرون ـــ الى ان قال:

اللهم قلت وقولک الحق: وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَلَمُوْا اَنْفُسَهُمْ جَاؤُوْکَ فَاسْتَغْفَرُوا اللهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا وقد أتيتک يا رسول الله ﷺ مستغفرا من ذنبي، مستشفعا بک الى ربي ـــ

اے میرے اللہ! تو نے فرمایا اور تیرا فرمان حق ہے کہ اگر وہ اپنی جانوں پر ظلم کر لیں تو اے محبوب ﷺ تیری بارگاہ میں آ کر اللہ تعالیٰ سے استغفار کریں اور اے رسول ﷺ تم بھی ان کے لیے استغفار کرو تو وہ اللہ تعالیٰ کو توبہ قبول کرنے والا اور رحم کرنے والا پائیں گے۔ یا رسول اللہ ﷺ میں آپ کی بارگاہ میں آیا ہوں معافی مانگتے ہوئے اپنے گناہوں کی آپ سے اپنے رب کی طرف شفاعت مانگتے ہوئے ـــ آخر کلام تک۔[1]

دیکھیے کیسے آپ ﷺ سے شفاعت مانگی جا رہی ہے حالانکہ آپ ﷺ قبر میں ہیں اور آپ ﷺ کا استغفار کرنا کیسے مستبعد ہو سکتا ہے جبکہ اللہ کی کتاب اور رسول اللہ ﷺ کی سنت سے ثابت ہو چکا کہ آپ ﷺ امت کے لیے استغفار فرماتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی کتاب میں فرمان ہے:

وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَلَمُوْا اَنْفُسَهُمْ جَاؤُوْکَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا۔

اگر وہ اپنی جانوں پر ظلم کر لیں تو اے محبوب ﷺ تیری بارگاہ میں آ کر اللہ تعالیٰ سے استغفار کریں اور اے رسول ﷺ تم بھی ان کے لیے استغفار کرو تو وہ اللہ تعالیٰ کو توبہ قبول کرنے والا اور رحم کرنے والا پائیں گے۔

---

[1] المغنی جلد ۳ صفحہ ۲۹۸۔

پس یہ آیت آپ ﷺ کی حیات مبارکہ اور بعد از ظاہری حیات دونوں حالتوں کو شامل ہے کیونکہ اصول کی کتب میں یہ قاعدہ مقرر ہے کہ فعل جب سیاق شرط میں واقع ہوتو وہ عام ہوتا ہے کیونکہ فعل نکرہ کے معانی میں ہوگا اور مصدر نکرہ کو متضمن ہوگا اور نکرہ جب سیاق میں واقع ہو یا سیاق شرط میں واقع ہوتو اس کی وضع عموم کے لیے ہوگی۔

حضرت حجۃ الاسلام امام غزالی کا کلام انبیاء واولیاء کی قبور کی زیارت کے تبرک کے بارے:

حضرت امام غزالی نے اپنی کتاب ''الاحیاء'' کے کتاب ''آداب الحج''میں ذکر ہے۔

اور انہی آداب میں انبیاء وصحابہ کرام وتابعین اور تمام اولیاء کی قبور کی زیارت کرنا ہے اور ہر وہ برکت حاصل کرنا ہے جو ان کی ظاہری زندگی میں ان کی زیارت سے حاصل ہوتی تھی وہ ان کی وفات کے بعد بھی حاصل ہوتی ہے۔[1]

حضرت امام ابن الحاج اور اولیاء کی قبور پر دعا مانگنا:

حضرت امام ابن الحاج المالکی نے فرمایا:

اور ایسے ان اولیاء کی قبور کے قریب مسلمانوں پر مصیبت آتے وقت دعا مانگنا ہے اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں تضرع وزاری کرے اس مصیبت کے زوال کرنے اور مسلمانوں سے دور کرنے کی دعا کرے۔ پھر ان اصحاب قبور یعنی صالحین کا قضاء حاجات اور مغفرت ذنوب کے لیے توسل پکڑے۔۔۔

اور اکثر اللہ کی بارگاہ میں ان کا وسیلہ پیش کرے کیونکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ان کو چن لیا ہوا ہے اور ان کو عزت وشرف بخشا ہوا ہے۔ تو جیسے ان سے دنیا

---

[1] الاحیاء للغزالی جلد ۲ صفحہ ۲۴۷۔

میں نفع حاصل ہوتا ہے تو پھر آخرت میں تو زیادہ امید رکھنی چاہیے۔ پس جو قضاء حاجت چاہتا ہو تو وہ ان کی طرف جائے اور ان سے توسل کرے کیونکہ وہ اللہ اور اس کی مخلوق کے درمیان واسطہ ہیں اس عقیدہ کے ساتھ کہ نجات دینے والا اور حاجت کو پورا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے اور یہ سب وسائل و وسائط ہیں۔ واللہ سبحانہ موفق۔

اور سید الاولین والآخرین کی زیارت میں تو پس جس نے آپ کے ساتھ توسل کیا یا استغاثہ پیش کیا یا اپنی حاجت طلب کی آپ ﷺ سے تو ان شاء اللہ وہ رد نہیں فرمائیں گے اور نہ ہی وہ ناکام ہوگا۔ اور آپ ﷺ کی زیارت میں کل ادب ملحوظ خاطر رکھے۔

ہمارے علماء رحمہم اللہ نے فرمایا:

زائر اپنے دل میں یہ خیال رکھے کہ وہ آپ ﷺ کے سامنے کھڑا ہے جیسا کہ آپ ﷺ کی ظاہری حیات میں کھڑا ہو کیونکہ آپ ﷺ کے امت کے معرفت احوال کے مشاہدہ کرنے اور ان کی نیتوں اور عزائم و خیالات کے جاننے میں حیات و وفات میں کوئی فرق نہیں یعنی جیسے آپ ﷺ ظاہری حیات میں جانتے تھے ایسے ہی اب بھی جانتے ہیں۔[1]

حضرت امام سبکی اور توسل بالنبی ﷺ:

حضرت امام سبکی رحمہ اللہ نے فرمایا:

جاننا چاہیے کہ نبی اکرم ﷺ کے ساتھ توسل کرنا اور آپ ﷺ سے استعانت کرنا اور رب کی بارگاہ میں شفاعت طلب کرنا جائز اور بہت اچھا فعل ہے اور اس کا جواز اور تحسین ہر دیندار کے لیے امور معلومہ اور حضرات انبیاء کرام و مرسلین عظام علیہم السلام کے فعل میں سے معروف ہے اور سلف صالحین کی سیرت طیبہ میں سے ہے۔

---

[1] المدخل لابن الحاج جلد ۱ صفحہ ۲۴۹۔۲۵۲۔

اور مزید فرمایا: اور میں کہتا ہوں کہ نبی اکرم ﷺ کے ساتھ توسل ہر حال میں جائز ہے آپ ﷺ کی پیدائش سے پہلے بھی اور آپ ﷺ کی پیدائش کے بعد بھی اور دنیاوی زندگی میں بھی اور مدت برزخ میں بعد از حیات ظاہری بھی اور قبروں سے اٹھنے کے بعد قیامت کی ہولناکیوں اور جنت میں بھی۔ [1]

شوکانی کا نبی اکرم ﷺ کے ساتھ توسل کے جواز کا قول:

شوکانی نے ''الدر النضيد في اخلاص كلمة التوحيد'' میں کہا:

آپ ﷺ کی حیات و وفات میں آپ ﷺ کے ساتھ توسل کرنا اور ایسے ہی آپ سے حاضر و غائب ہونے کی صورت میں توسل کرنا۔

تجھ پر یہ مخفی نہ رہے کہ آپ ﷺ کی حیات میں توسل ثابت ہے اور آپ ﷺ کے انتقال کے بعد اور کسی اور کے ساتھ توسل صحابہ کے اجماع سے ثابت ہے اور اس پر اجماع سکوتی ہے کیونکہ ان میں سے کسی ایک سے بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے توسل کرنے سے انکار ثابت نہیں ہے۔ [2]

امام شمس الدین محمد بن علامہ شہاب الدین احمد الرملی اور مسئلہ توسل:

آپ سے سوال ہوا کہ کئی لوگ مصیبت کے وقت پکارتے ہیں:

یارسول اللہ ﷺ، یا شیخ فلاں اور اسی طرح انبیاء و رسل اور اولیاء و صالحین سے مدد مانگتے ہیں تو کیا یہ جائز ہے یا کہ نہیں؟

اور کیا حضرات انبیاء کرام و رسل عظام اور اولیاء و صالحین اور مشائخ وفات کے بعد مدد کر سکتے ہیں یا کہ نہیں اس میں راجح قول کون سا ہے۔

تو آپ نے اس کا جواب دیا:

---

[1] شفاء السقام صفحه ۱٦۱۔

[2] الدر النضيد في اخلاص كلمة التوحيد صفحه ٦۔

حضرات انبیاء کرام و رسل عظام علیھم الصلاۃ والتسلیم اور اولیاء و علماء اور صالحین سے استغاثہ کرنا جائز ہے اور حضرات انبیاء و مرسلین و اولیاء و صالحین کا مدد فرمانا بھی جائز ہے ۔ کیونکہ انبیاء کے معجزات اور اولیاء کی کرامات وفات کے بعد منقطع نہیں ہوتیں حضرات انبیاء کرام اپنی قبور میں زندہ ہیں [1] حج کرتے ہیں جیسا کہ احادیث مبارکہ میں مروی ہے ان کا مدد فرمانا ان کی طرف سے معجزہ ہے اور حضرات شہداء کرام بھی زندہ ہیں ان کو دونوں کو ظاہری طور پر کفار کے خلاف لڑتے دیکھا گیا ہے اور اولیاء کی کرامت ہے کیونکہ اہل حق اس پر مجتمع ہیں کہ اولیاء کرام سے مرامات کا ظہور ان کے اختیار و قصد سے بھی ہوتا ہے اور بغیر قصد کے بھی ظہور پذیر ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ یہ ان کے سبب سے ظاہر و جاری فرماتا ہے اور اس کے جواز کی دلیل امور ممکنہ ہیں اور اس کے وقوع سے محال لازم نہیں آتا ۔ اور اس قسم کے تمام کام جائز الوقوع ہیں ۔ [2]

شیخ حسن العدوی اور مسئلہ توسل:

حضرت شیخ حسن العدوی الحمزاوی نے فرمایا:

اور کچھ لوگوں سے یہ قول واقع ہوتے ہیں یا سیدی فلاں اگر میری یہ حاجت آپ پوری فرمادیں یا اگر میری بیماری کو شفا دے دیں تو مجھ پر فلاں چیز ، یہ طلب کی کیفیت کی نسبت میں جہالت ہے لیکن کفر شمار نہیں ہوگا کیونکہ وہ لوگ اس سے ولی کی طرف سے ایجاد یعنی بذات خود) کا قصد نہیں کرتے وہ لوگ اپنی نسبت میں اپنے مولی کی بارگاہ میں ان کو وسیلہ ٹھہراتے ہیں کیونکہ

---

[1] اس مسئلہ یعنی حیات الانبیاء کے موضوع پر قبلہ سیدی محدث علامہ محمد عباس رضوی قدس سرہ کی تصنیف لطیف ''آپ ﷺ زندہ ہیں واللہ'' کا مطالعہ فرمائیں جو کہ اس مسئلہ میں ایک بہترین مدلل کتاب ہے ۔)

[2] فتاوی علامہ الرملی حاشیہ علی الفتاوی الکبری لابن حجر ۳۸۲/۴ ۔

ان کے اعتقاد میں خالق کی بارگاہ میں اہل قرب ومحبت کا یہ توسل ہے کیا تو نہیں دیکھتا کہ وہ بار بار اپنے کلام میں کہتے ہیں کہ اے اپنے رب کے نزدیک نیک آدمی میرے لیے اپنے رب سے ایسا کروادے۔ پس یہ ان کی طرف سے اللہ کے بالفعل واحد ولاشریک ہونے کی دلیل ہے اور وہ ولی کے سبب ووسیلہ کے سوا کچھ بھی نہیں سمجھتے اور جس سے وہ توسل کرتے ہیں وہ رد نہیں کیا جاتا کیونکہ قریبی محبوب کو رد نہیں کیا جاتا اور یہ نبی اکرم ﷺ کے فرمان کے قبیل سے ہے جو کہ صحیح حدیث میں ہے: ''رب أشعث أغبر ذي طمرين لو أقسم علی اللہ لأبرہ۔''[1] ۔انتھی۔[2]

امام سامری حنبلی اور مسئلہ توسل:

امام سامری نے فرمایا:

پھر زائر کو نے قبر شریف کی دیوار پر آئے اور قبر کی طرف اپنا منہ کرے اور قبلہ کو اپنی پشت پر رکھے اور قبر شریف کو بائیں طرف رکھے۔ پھر سلام اور دعا کی کیفیت بیان کرتے ہوئے فرمایا۔۔۔اے اللہ! تو نے اپنی کتاب میں اپنے نبی کے بارے میں فرمایا:

---

① اخرجه مسلم في الصحيح (٢٦٢٢) و ابن حبان في الصحيح ١٤/٤٠٣ (٦٤٨٣) و الترمذی ٥/٦٩٢۔

② مشارق النوار في فوز اهل الاعتبار للشيخ حسن العدوی ٦٨۔

امام ابن عساکر اور توسل بالنبی:

قال الامام ابن عساکر:

ثم يرجع الزائر ای موقفه الاولی نبالة وجه رسول الله و و يتوسل به الی الله سبحانه في حوائجه و خويصة نفسه و يستشفع به الله ---الی ان قال--- و يكثر الاستشفاع به الی الله سبحانه في مهماته و خواصه ولوالديه ولاخوته وللمسلمين اجمعين --- (اتحاف لزائر و احلاف المقيم للسائر في زيارة النبي صفحه ٥٣)

وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْا اَنْفُسَهُمْ جَاۗءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا

اگر وہ اپنی جانوں پر ظلم کرلیں تو اے محبوب ﷺ تیری بارگاہ میں آکر اللہ تعالیٰ سے استغفار کریں اور اے رسول ﷺ تم بھی ان کے لیے استغفار کرو تو وہ اللہ تعالیٰ کو توبہ قبول کرنے والا اور رحم کرنے والا پائیں گے۔

پھر کہے اے اللہ میں تیرے نبی ﷺ کے پاس معافی مانگتے اور مغفرت طلب کرتے ہوئے آیا ہوں میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ میرے لیے مغفرت واجب فرمادے جیسا کہ تو نے اس کے لیے واجب فرمائی جو آپ ﷺ کی ظاہری حیات میں حاضر ہوا۔[1]

حضرت امام نووی مسلمانوں کو توسل اور استشفاع کی آپ ﷺ کی قبر انور کے پاس ترغیب دلاتے ہیں:

حضرت امام نووی فرماتے ہیں کہ،

جاننا چاہیے کہ نبی اکرم ﷺ کی قبر انور کی زیارت اہم ترین نیکیوں میں سے اور نجات دلانے والی کوششوں میں سے ہے۔۔۔۔۔

پھر قبر انور پر حاضر ہو اور قبلہ کی طرف پیٹھ کرلے اور قبر انور کی دیوار کی طرف منہ کرے اور ہیبت و جلال کے مقام پر کھڑا ہو کر کہے:

السلام علیک یا رسول اللہ۔۔۔۔۔اور اپنے لیے آپ ﷺ کو وسیلہ بنائے اور رب کی بارگاہ میں سفارشی بنائے۔[2]

---

[1] المستوعب جلد ۴ صفحہ ۲۷۳۔۲۷۵۔باب زیارۃ قبر النبی ﷺ۔

[2] المجموع شرح المہذب جلد ۸ صفحہ ۲۷۲ والاذکار لہ ایضا۔

امام سامری اور ولی اللہ سے توسل:

امام سامری اور صاحب تلخیص رحمہما اللہ نے فرمایا:

شیوخ اور متقی علماء کے ساتھ بارش مانگنے کے لیے توسل کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

اور ''المذھب'' میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں نیک آدمی کا وسیلہ ڈالنا جائز ہے اور ایک قول کے مطابق مستحب ہے۔[1]

شیخ علاؤ الدین المرداوی الحنبلی اور توسل بالرجل الصالح:

شیخ علاؤ الدین المرادی الحنبلی جو کہ کبار علمائے حنابلہ میں سے ہیں فرماتے ہیں:

صحیح مذہب یہ ہے کہ نیک آدمی سے توسل کرنا جائز ہے اور کہا گیا ہے کہ مستحب ہے، اور اسی طرح فرمایا: اور آپ ﷺ کے ساتھ ایمان واطاعت اور آپکی محبت اور آپ ﷺ پر صلاۃ وسلام اور آپ ﷺ کی دعا اور اسی طرح آپ ﷺ کے تمام افعال یا بندوں کے مامور بہا افعال آپ کے حق میں ان سب کے ساتھ توسل بالا جماع مشروع ہے۔[2]

محمد بن عبد الوہاب اولیاء اللہ کے ساتھ توسل کے جواز کا قائل ہے:

جبکہ وہ اپنی قبور میں ہوں اور اس کی طرف جو یہ منسوب کیا جاتا ہے کہ وہ اس کا منکر تھا تو وہ اس سے بری ہے۔

محمد بن عبد الوہاب نجدی اس رسالہ میں کہ جو اس نے اہل قصیم کی طرف بھیجا سخت انکار کرتے ہوئے کہ اس کی طرف اولیاء سے توسل کرنے والوں کی تکفیر منسوب کی گئی ہے میں لکھا کہ: سلیمان بن سہیل نے مجھ پر بہت سارے الزامات اور افتراعات لگائے ہیں کہ جن کو میں نے نہیں کیا۔

---

[1] کشاف القناع جلد ۲ صفحہ ۶۹۔ [2] الانصاف جلد ۲ صفحہ ۴۵۶۔

ان میں سے یہ کہ میں اولیاء اللہ کے ساتھ توسل کرنے والوں کی تکفیر کرتا ہوں اور میں نے بوصیری کو ان کے شعر ''یا اکرم الخلق'' کے سبب کافر کہا ہے اور میں نے دلائل الخیرات کو جلا دیا ہے۔ ان تمام مسائل میں میری طرف سے یہی جواب ہے کہ میں کہوں۔

سُبْحَانَکَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ ۔[1]

اور ابن عبدالوہاب سے استسقاء کے بارے میں سوال ہوا کہ وہ کہتے ہیں۔

صالحین کے ساتھ توسل میں کوئی مضائقہ نہیں ہے اور حضرت امام احمد کا قول کہ صرف نبی اکرم ﷺ کے ساتھ ہی توسل ہو سکتا ہے۔ ان کے اس قول کے ساتھ۔ کہ مخلوق سے استغاثہ ناجائز ہے۔ تو اس نے کہا:

فرق صاف ظاہر ہے اور ہمیں اس میں کوئی کلام نہیں ہے۔ بعض حضرات اولیاء کے ساتھ توسل کی اجازت دیتے ہیں اور اس کو صرف نبی اکرم ﷺ کے ساتھ خاص قرار دیتے ہیں اور اکثر علماء اس سے منع کرتے ہیں اور مکروہ جانتے ہیں یہ مسئلہ مسائل فقہ میں سے ہے۔

اگرچہ ہمارے نزدیک صحیح جمہور کا قول ہے کہ یہ مکروہ ہے لیکن جو اس کو کرے ہم اس کا انکار نہیں کریں گے اور نہ ہی مسائل اجتہاد میں انکار کرتے ہیں، لیکن ہمارا انکار اس پر ہے کہ جو مخلوق سے ایسی دعا کرے جو اللہ تعالیٰ سے کی جاتی ہے اور حضرت شیخ عبدالقادر وغیرہ کی قبر کا قصد کرے تضرع و زاری کے لیے اور اس سے مشکلات کا حل مانگے اور مصیبت کے وقت ان کو پکارے اور رغبات کی مانگ کرنا پس یہ کہاں ہے کہ وہ اللہ کو مخلص ہو کر پوجتے ہیں اور اس کے ساتھ کسی کی عبادت نہیں کرتے۔

---

[1] رسائل محمد بن عبدالوہاب نجدی، رسالہ نمبر ۱۱ قسم پانچویں صفحہ ۱۲ و صفحہ ۶۴ والآیۃ من سورۃ النور برقم ۱۶۔

لیکن اگر کوئی دعا میں یوں کہے، میں تجھ سے تیرے نبی کے وسیلہ یا مرسلین یا تیرے نیک بندوں کے صدقے مانگتا ہوں یا قبر مشہور یا غیر مشہور کا قصد کرے کہ اس کے پاس دعا کرے لیکن خالص اللہ تعالیٰ ہی سے مانگتا ہے پس یہ کہاں اور جو ہم کہتے ہیں وہ کہاں۔[1]

میں کہتا ہوں کہ کوئی مسلمان بھی ایسا نہیں جو اس تفصیل کا معتقد ہو بلکہ تمام عوام مسلمان یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ اصل مبدی معید صرف اللہ تعالیٰ ہے یہ کہ انبیاء اور اولیاء سب وسائل ہیں:

اللہ تعالیٰ حضرت شیخ عبدالصمد احمد الحسینی السنان کا بھلا کرے انہوں نے کہا کہ:

محمد من هدينا للصواب به والآل والصحب من هم حجة الله

محمد ﷺ ہی ہیں جن کے ذریعے ہمیں سیدھی راہ کی ہدایت ملی اور آل پاک اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جو اللہ کی حجت ہیں۔

وفي انتصاري لأهل الحق ها أنذا أقول مستفتحا والعون بالله

اور اہل حق کے لئے اپنی کامیابی کے سلسلہ میں میں فیصلہ کی طلب میں کہتا ہوں اور مدد اللہ تعالیٰ کے لئے ہے۔

اذا استغاث بأهل الله منكرب فلا يقال له : أشركت بالله

جب کوئی دکھی اہل اللہ سے استغاثہ کرے تو اس کو نہ کہا جائے گا کہ تو نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کیا۔

وكيف يشرك عبد وهو معتقد أن لا مؤثر في شيء سوى الله

اور ایک بندہ شرک کر بھی کیسے سکتا ہے جبکہ وہ اعتقاد رکھتا ہے کہ کسی بھی چیز میں اللہ کے سواء کوئی مؤثر حقیقی نہیں ہے۔

ومن توسل يرجو كشف كربته أو نيل محض الرضا فضلا من الله

---

[1] فتاوى محمد بن عبد الوہاب، في مجموعة المؤلفات القسم الثالث صفحه ٦٨ طبع جامعه محمد بن سعود۔

اور جوتوسل کرتا ہے اپنے دکھ دور ہونے کی امید کرتے ہوئے یا محض رضا حاصل کرتے ہوئے جو اللہ کا فضل ہے۔

بالأنبياء الألى جلت مراتبهم والقوم من أخلصوا في طاعة الله

(توسل کرتا ہے) ان انبیاء کرام علیہم السلام کے ساتھ جن کے مراتب بہت اونچے ہیں اور ایسے لوگوں کے ساتھ جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں مخلص ہیں۔

فذاك وافق طه في توسله بذاته و برسل الله لله

یہ وہ بات ہے جس کی موافقت کی طٰہٰ کی شان والے نے اللہ کے لئے اپنی ذات اور اللہ کے رسولوں سے توسل کی صورت میں۔

وفي توسله بالسائلين ومم شاه الى كل ما فيه رضا الله

اور سائلین کے ساتھ توسل میں اور ہر اس کام کی طرف اٹھنے والے اپنے قدموں کے ساتھ جن میں اللہ کی رضا ہو۔

ووافق الرسل أيضا في توسلهم بجاهه وهو نور في حمى الله

اور رسولانِ کرام علیہم السلام نے بھی اس بات کی موافقت کی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جاہ ومرتبہ کے ساتھ توسل کرنے کی صورت میں جب کہ ابھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے حریم قدس میں نور تھے۔

فالاستغاثة بالمخلوق جائزة بقول خير الورى الداعي الى الله

پس مخلوق سے استغاثہ جائز ہے خیر الوریٰ داعی الی اللہ کے ارشاد پاک کی وجہ سے۔

اذقد أجاز لمن فرت مطيته بأن يقول: احبسوا يا أعبد الله

جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو اجازت دی جس کی سواری بھاگ جائے کہ وہ یوں کہے اے اللہ کے بندو! روکو۔

وأن يقول: أعينوني بقوتكم ان رام عونا على أمرمن الله

اور کہے اپنی قوت سے میری مدد کرو اگر وہ اللہ کسی کام پر مدد کا ارادہ کرے۔

وذا بأرض فلاة مابها أحد تراه أعينه من خلقة الله

اور وہ ایسے ویرانے میں ہو جہاں کوئی بھی نہ ہو کہ جسے اللہ کی مخلوق میں سے اس کی آنکھیں دیکھ سکیں۔

فكيف نمنع من أن نستغيث بمن هم ظاهرون لنا من نخبة الله

تو ہم ایسی ہستیوں سے استغاثہ کرنے سے کیسے باز رہ سکتے ہیں جو ہمارے سامنے ظاہر ہیں کہ اللہ کے مخلص ہیں۔

هذا لعمرك أمر مدهش وبه ما قال عبد له نور من الله۔

تیری عمر کی قسم متحیر معاملہ ہے اور یہی بات ہے جو اس کے بندے نے اللہ کے نور سے کہی

یہ ان سلف صالحین رحمہم اللہ کا حال تھا کہ جن کے رگ و ریشہ میں اور دل و جان محبت رسول ﷺ سے پر تھے اور ان کی محبت حقیقی اور سچی تھی پس ان کی بات اور ہر حرکت جو ان سے صادر ہوتی تھی آپ ﷺ کی محبت کا پتہ دیتی تھی پس اللہ تعالیٰ ہمیں معرفت نور حق کی توفیق میں ان کا وارث بنائے وہ نور جو کہ ان کے علوم میں واضح ہوتا تھا اللہ تعالیٰ ان پر رحم فرمائے اور اللہ تعالیٰ ان کے اس علم میں برکت ڈالے ہر طرف سے اور اس کی تاثیر میں بھی برکت عطا فرمائے کیونکہ وہ صدق و محبت کو پھیلانے والا ہے پس اللہ تعالیٰ ہماری اور اسلام کی طرف سے ان کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

تنبیہ

ابن تیمیہ توسل کو ثابت کرتا ہے

ابن تیمیہ نے اپنی کتاب ''التوسل والوسیلۃ'' میں کہا:

یہ دعا یعنی جس میں نبی اکرم ﷺ کا توسل ہے اور اس جیسی دیگر کہ جو دعائیں اسلاف سے روایت کی گئی ہیں اور اسلاف سے اس میں آثار نقل کیے گئے ہیں تو یہ توسل بہت سارے لوگوں کی دعاؤں میں موجود ہے۔

اور اسی طرح ابن تیمیہ نے کہا:

یہ دعا یعنی نابینا صحابی والی ''اللهم اني أتوجه اليک بنبيک محمد ۔۔۔'' اور اسی طرح جو دعائیں اسلاف کرتے تھے اور منسک مروزی میں امام احمد بن حنبل سے دعا میں توسل بالنبی ﷺ نقل کیا گیا ہے۔

اور جو اس کی زیادہ تفصیل چاہتا ہے تو وہ ابن تیمیہ کی کتاب ''الرد علی الاخنائی'' کو دیکھے اس میں نص ہے۔

اور امام احمد بن حنبل نے آپ ﷺ کی قبر انور کے پاس دعا کا ذکر کیا ہے کہ،

نبی اکرم ﷺ کے توسل سے اپنی حاجت طلب کر اللہ تعالیٰ تیری حاجت پوری کر دے گا

اور ابن تیمیہ بذات خود بھی توسل کا قائل ہے اس کے شاگرد علامہ ابن کثیر نے اس سے ''البدایۃ والنھایۃ'' میں نقل کیا ہے۔ کہ اس پر (ابن تیمیہ پر) استغاثہ کے مسئلہ پر اعتراض کیا گیا ہے لیکن وہ کہتا ہے ''یتوسل بہ الی النبی ﷺ ویتشفع بہ الی اللہ'' یعنی نبی اکرم ﷺ

سے توسل کرے اور اللہ کی بارگاہ میں آپ ﷺ سے استشفاع کرے۔[1]

البانی نے اپنی کتاب ''التوسل وانواعہ واحکامہ'' میں کہا:

جو صحیح ہے کہ نابینا کا توسل آپ ﷺ کی ذات سے تھا تو اس پر کچھ اختلاف نہیں یہیں تک رہنا چاہیے اور اس سے زیادہ نہیں کرنا چاہیے یعنی نبی اکرم ﷺ کے توسل پر زیادتی نہیں کرنی چاہیے یعنی آپ ﷺ کے سوا کسی سے توسل نہیں کرنا چاہیے۔

جیسا کہ امام عز بن عبد السلام اور امام احمد بن حنبل سے نقل کیا گیا ہے۔[2]

اور شرح عقدہ طحاویہ میں کہا:

توسل کے مشروع ہونے پر کتاب وسنت کی نصوص دلالت کرتی ہے اور اسی پر سلف صالحین کا عمل جاری ہے اور اس پر مسلمانوں کا اجماع ہے اور وہ ہے

① اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنی اور اس کی صفات کے ساتھ توسل کرنا۔

② ایسے صالح عمل کے ساتھ توسل کرنا کہ داعی نے سرانجام دیا ہو۔

③ نیک آدمی کی دعا کے ساتھ توسل کرنا۔

پھر معتمد آئمہ کرام کے اقوال نقل کر کے کہا:

امام احمد بن حنبل نے فقط رسول اللہ ﷺ کے ساتھ توسل جائز رکھا ہے اور آپ کے سوا شوکانی وغیرہ نے آپ ﷺ کے علاوہ دیگر انبیاء و اولیاء سے بھی توسل کی اجازت دی ہے۔[3]

اور علامہ شوکانی کا ایک مستقل رسالہ ہے جس کا نام ''الدر النضید في اخلاص کلمة التوحید'' اس میں انہوں نے حضرات انبیاء اور اولیاء سے توسل کو جائز قرار دیا ہے عنقریب

---

① البدایة والنہایة جلد ۱۴ صفحہ ۴۵۔

② التوسل للالبانی صفحہ ۷۴۔

③ شرح العقیدة الطحاویة للالبانی صفحہ ۶۴۔

اس رسالہ سے دلائل قویہ توسل کے جواز پر اور منکرین ومخالفین کی نکیر پر نصوص پیش کی جائیں گی اور جو تفصیل چاہتا ہو اس کو شوکانی کے مذکورہ رسالہ کی طرف رجوع کرنا چاہیے اور ہم نے شوکانی کے اس رسالہ کے بارے میں مستقل بحث کی ہے جو کہ مجلہ الضیاء کی جلد نمبر ۴ ۳ صفحہ ۲ ۳ میں ہے جو کہ اوقاف دبئی کی طرف سے جاری ہوتا ہے۔ عام استفادہ کے لیے ہم نے اس کتاب کے آخر میں شوکانی کا کلام نقل کرتے ہیں۔

علامہ شوکانی نے کہا:

آپ ﷺ سے توسل آپ ﷺ کی ظاہری حیات اور بعد از وصال اور آپ ﷺ کی موجودگی میں ہوگا۔ تجھ پر مخفی نہ رہے کہ آپ ﷺ کی حیات طیبہ میں آپ ﷺ سے توسل کرنا ثابت ہے اور آپ ﷺ کے وصال کے بعد آپ ﷺ کے سوا دوسروں سے توسل کرنا صحابہ کرام کے اجماع سکوتی سے ثابت ہے کیونکہ ان میں سے کسی ایک نے بھی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے توسل پر انکار نہیں کیا۔ اور اللہ تعالیٰ کے حضور اہل علم و فضل کا وسیلہ ڈالنا تو ان کے اعمال صالحہ اور مزایا فاضلہ کی وجہ سے ہے کیونکہ فضیلت اعمال کے ساتھ ہی ہوتی ہے۔ اور کہا:

اور اللہ تعالیٰ کی طرف انبیاء وصالحین کا وسیلہ تو میں کہتا ہوں کہ حضرات انبیاء کرام کا وسیلہ۔۔۔ اور پھر نابینا صحابی رضی اللہ عنہ والی حدیث پیش کی ہے۔

اور صالحین کا وسیلہ تو اس کی دلیل حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے توسل کرنا ہے۔[1]

اور شوکانی نے توسل کے جواز پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع نقل کیا ہے اور وہ کہتے ہیں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس کی مخلوق میں سے کسی ایک کا وسیلہ پیش کرنا اپنی حاجت طلب کرنے میں تو اس سلسلہ میں امام عز بن عبد السلام نے فرمایا:

---

(1) تخریج گذر چکی ہے۔

نبی اکرم ﷺ کے سوا اللہ تعالیٰ کے سامنے کسی کا وسیلہ ڈالنا جائز نہیں ہے اور میں (شوکانی) کہتا ہوں کہ دو وجہ سے اس کی نبی اکرم ﷺ کے ساتھ تخصیص کی کوئی وجہ نہیں ہے۔

اول: جو کہ تو نے اجماع صحابہ رضی اللہ عنہم سے پہچانا۔

ثانی: اللہ تعالیٰ کے حضور اہل علم و فضل کا وسیلہ پیش کرنا تو فی الحقیقت یہ ان کے اعمال صالحہ اور فضیلت سے توسل ہے اور کسی کو بھی فضیلت نہیں ملتی مگر عمل صالح کی وجہ سے، اور یہ حق ہے۔

عارف باللہ حضرت علامہ یوسف بن اسماعیل نبہانی اور مسئلہ توسل واستغاثہ:

حضرت علامہ عارف باللہ شیخ یوسف مبہانی رحمۃ اللہ نے فرمایا:

مسلمانوں میں سے کسی پر یہ بات مخفی نہیں بلکہ غیر مسلموں سے بھی اگر کسی کے پاس اس دین مبین کی کچھ تھوڑی بہت سمجھ ہے اور جو مومنین کے احوال سے واقفیت رکھتا ہے کہ امت محمدیہ ﷺ کے جمہور فقہاء، محدثین، متکلمین وصوفیاء وغیرہم خواص وعوام اسلام کے تمام مذاہب قولا وفعلا استغاثہ اور توسل بالنبی ﷺ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قضائے حاجات دنیاوی واخروی کے لیے استغاثہ وتوسل اور نبی اکرم ﷺ سے استشفاع کے استحقاق پر متفق ہیں، اور آپ ﷺ کی شد رحال کرنا اور آپ ﷺ کی زیارت کے لیے قریب و بعید ممالک وجگہوں سے حاضر ہونا حتی کہ یہ تمام امور ان کے نزدیک ضرورت دین میں سے امور معلومہ کا درجہ اختیار کر چکے ہیں حتی کہ کوئی ایک بھی اس سے بے خبر نہیں اور کسی ایک سے بھی اس کے خلاف تصور بھی نہیں کیا جاسکتا بلکہ اس کی مخالفت کا وہم اور تخیل تو عام طالب علموں سے بھی نہیں ہوسکتا چہ جائیکہ جمہور عام لوگ کہ ان میں سے کسی پر ایسا خطرہ ہو

بلکہ اس کے استحسان کا مخالف تو مسلمانوں میں پایا جانا ہی محال ہے اور ہمیشہ سے مسلمانوں کے متاخرین اپنے متقدمین سے اس کو حاصل کرتے آرہے ہیں اور اس کے معتقد ہیں جیسا کہ واقع ہے کہ یہ افضل طاعات اور اکمل تر بات میں سے ہے۔[1]

شیخ محمد حامد اور مسئلہ توسل:

شیخ محمد حامد نے فرمایا:

باب نداء الصالحین: صالحین کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں توسل کرنا جائز ہے اور دعا اللہ تعالیٰ سے ہی ہوگی اور اس پر بہت سارے دلائل ہیں اور جو ان کو توسل کے ارادے سے ندا کرے تو اس پر کوئی ملامت نہیں ہے۔

اور باب جواز التوسل میں فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس کے انبیاء و اولیاء کا وسیلہ جائز ہے کیونکہ یہ اہل علم کے نزدیک بالکل درست اور جائز ہے بلکہ مستحب ہے کیونکہ یہ قبولیت دعا کے اسباب میں سے ہے اور اس میں شرک کا ادنی سا شائبہ بھی نہیں ہے دعا تو صرف اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک لہ سے ہی کی جاتی ہے کیونکہ مخلوق میں موثر حقیقی وہی ہے اور استشفاع دعاء عبادت کی غیر ہے لہذا دعا کرنے والے کو کوئی تکلیف نہیں پہنچے گی اور نہ ہی اس کا عقیدہ توحید ملوث ہوگا جبکہ تمام لوگ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کے حضور انبیاء اور ہمارے آقا حضرت محمد ﷺ سے شفاعت چاہیں گے۔

اور ایسے ہی باب التوسل میں کہا:

اگر توسل شرک ہوتا یا اس میں شرک کا ادنی سا بھی شائبہ ہوتا تو حضور نبی اکرم ﷺ نابینا صحابی کو کبھی اس کی تعلیم نہ دیتے جبکہ اس نے آپ ﷺ سے سوال کیا تھا کہ آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں تو آپ ﷺ نے اس کو وسیلہ کی تعلیم

[1] شواہد الحق في الاستغاثة بسيد الخلق صفحہ ۱۴۳۔

دی اور متوسل کی زندگی میں توسل کی اجازت ہے تو وفات کے بعد اس کی نفی شرعا قابل اعتماد نہیں ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فعل میں صرف زندہ ہی سے توسل ہے اور ایک شیء کا فعل اس کے سوا دوسرے کی نفی نہیں کرتا جیسا کہ اصول مشہور ہے۔[1]

قطب وقت حضرت امام شعرانی اور مسئلہ توسل:

حضرت امام شعرانی ''العھود المحمدیہ (قسم المأمورات) میں فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہمارا عہد عام ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ سے نہ دعا کریں مگر اس کی حمد و ثنا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف بھیجنے کے بعد جیسا کہ حاجت کے وقت ہدیہ ہوتا ہے۔

اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ

مفتاح قضاء الحاجة الهدية بين يديها''

قضائے حاجت کی چابی یہ ہے کہ اس کے پہلے ہدیہ دیا جائے۔[2]

پس جب ہم نے اللہ تعالیٰ کی حمد کی تو وہ ہم سے راضی ہو گیا اور جب ہم نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف بھیجا تو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے لیے سفارش فرما دی اس حاجت کے پورا کرنے کی اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَابْتَغُوْا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ

اور اس کی طرف وسیلہ تلاش کرو۔

---

[1] ردود علی أباطیل صفحه ۲۵ و صفحه ۳۹۔۴۰۔

[2] أخرجه الخطيب في تاريخه ۸/۱۶۶ بلفظ: نعم مفتاح الحاجة الهدية بين يديها۔ والديلمى في فردوس الاخبار ۴/۲۵۸ عن انس بلفظ: نعم الشيء الهدية بين يدي الحاجة۔ والعقيلي في الضفعاء ۲/۱۲۱ وابن حنبل في العلل و معرفة الرجال ۲/۳۹۳ والخليلي في الارشاد ۳/۸۸۹۔ كلهم عن الزهري مرسلا۔ ارشد مسعود۔

اور حکام کے درباروں میں غور کرو کہ وہاں تیرے لیے واسطہ ضروری ہے جو کہ تجھے حاکم کے قریب کردے اور اس پر دلالت کرے اور تیرے ساتھ تیری حاجت کے پورا ہونے کے لیے چلے اور اگر تو بغیر واسطہ کے حاکم تک پہنچنا چاہے تو وہاں تک نہیں پہنچ سکے گا۔ اور اس سے واضح ہوا کہ جو مالک کے قریب ہوگا وہ اس کے الفاظ سے زیادہ واقف اور جاننے والا ہوگا کہ جن کے ساتھ وہ مخاطب ہوتا ہے اور حاجتوں کے پورا کرنے کے اوقات کو جانتا ہوگا پس ہمارے سوال کے لیے وسائط ہونے چاہیں جو کہ ان کے ادب ہمیں سکھلادیں تاکہ ہماری حاجتیں جلدی پوری ہوجائیں اور ہمارے لیے کہاں ایسی مثالیں ہوں گی کہ اللہ تعالے خطاب کا ادب سکھلائیں۔

اور میں نے سید علی الخواص رحمۃ اللہ سے سنا وہ فرماتے ہیں:

جب تم اللہ تعالیٰ سے اپنی حاجت مانگو، تو اس کو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے مانگو اور یوں عرض کرو۔

اللھم انا نسألک بحق محمد أن تفعل لنا کذا و کذا۔

اے اللہ! ہم تجھ سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ وصدقہ سے مانگتے ہیں کہ یوں یوں کردے۔

پس اللہ تعالیٰ کا ایک فرشتہ ہے تو یہ کلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچاتا ہے اور عرض کرتا ہے۔ بے شک فلاں شخص نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے سے ایسا ایسا مانگا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رب سے اس حاجت کے بارے سوال کرتے ہیں تو اس کی حاجت پوری کردی جاتی ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کبھی بھی رد نہیں ہوتی۔ اور فرمایا۔ ایسی ہی اللہ تعالیٰ سے اس کے اولیاء کے وسیلہ سے مانگو کیونکہ فرشتہ ان تک پہنچاتا ہے تو وہ اس کی حاجت کے بارے اس کی سفارش کرتے ہیں۔ واللہ علیم حکیم۔ [1]

---

[1] لواقح الأنوار القدسیة في بیان العھود المحمدیة صفحہ ۲۸۰-۲۸۱۔

تنبیہ

ابن قیم اللہ تعالیٰ اور اس کی مخلوق کے درمیان واسطے کو ثابت کرتا ہے

ابن قیم جوزیہ نے اپنی کتاب ''طریق الھجرتین'' میں کہا:

اور حضرات انبیاء کرام کے فضل وشرف کے لیے یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی وحی کے لیے مختص فرمالیا ہے اور اپنی رسالت کا ان کو امین بنایا ہے اور اپنے اور اپنی مخلوق کے درمیان ان کو واسطہ بنایا ہے اور کئی قسم کی عزتوں سے نوازا ہے۔ ان میں سے کسی کو خلیل اور کسی کو کلیم بنایا ہے اور کسی کو تمام فضائل دے کر درجوں بلند مقام دیا ہے اور اپنے بندوں کے لیے اپنے وصول کا راستہ نہ بنایا مگر انہیں کے طریقوں پر اور جنت میں داخلہ اس سے پہلے نہیں ہوسکتا جس کسی کو جو عزت وتکریم ملتی ہے وہ انہیں کے ہاتھوں ملتی ہے پس وہ پوری مخلوق سے اللہ تعالیٰ کے زیادہ قرب والا وسیلہ ہیں اور اس کے پاس ان کا رتبہ بلند ہے اور سب سے زیادہ اس سے پیار کرتے ہیں اور اس کے نزدیک مکرم ترین ہیں اور وہ تمام کے تمام دنیا وآخرت میں بہتر اور افضل ہیں بندہ کو انہی کے ہاتھوں سب کچھ پہنچتا ہے اور انہی کے ساتھ اللہ تعالیٰ پہچانا جاتا ہے اور انہی کے ساتھ اس کی عبادت واطاعت کی جاتی ہے اور انہی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی محبت زمین میں حاصل ہوتی ہے۔[1]

اور کتاب ''مدارج السالکین'' میں کہا:

---

[1] طریق الھجرتین لابن القیم جلد ۱ صفحہ ۵۱۵۔۵۱۶۔

علم بندے سے عمل طلب کرتا ہے رغبت و رہبت اور ثواب کے لیے اور عذاب کے خوف سے پس ارادے کا مہذب ہونا اور اس کے ملاحظہ سے تصفیہ اور اس سے تجرید یہ کہ اس کا قصد و عبودیت بلا علت اللہ تعالیٰ کی محبت کے لیے ہو جائے اور یہ کہ وہ اللہ تعالیٰ سے اس لیے محبت نہ کرے کہ وہ اس کو عطا کرتا ہے اور اس کی حفاظت فرماتا ہے پس اس کی محبت اللہ تعالیٰ کے لیے اس کے وسائل کی بن جائے گی اور پہلے قصد کے لیے کہ اس کی طرف سے مخلوق کو ثواب پہنچتا ہے تو وہ اس کا بالذات محبوب بن جاتا ہے کیونکہ جب اس کو محبوب حاصل ہو جاتا ہے تو وہ اس کی عطا کی طرف نظر نہیں کرتا پس وہ جو تجھ سے اس چیز کے لیے محبت کرتا ہے کہ جو تجھ سے پاتا ہے تو حصول شے کے وقت محبت کرے گا اور انقطاع شے کے وقت محبت چھوڑ دے گا اور محب صادق ڈرتا ہے کہ اس کی محبت غرضوں میں سے کسی غرض سے ہو جائے کہ جب وہ غرض پوری ہو گئی تو محبت بھی ختم ہو گی اور اس سے مراد یہ ہے کہ محبت دائمی ہو کبھی بھی ختم نہ ہونے والی اور وہ یہ کہ اپنے محبوب کو غیر کا وسیلہ نہ بنا لے بلکہ اس کے سوا کو اپنے محبوب کی بارگاہ میں وسیلہ بنا لے۔ [1]

میں کہتا ہوں کہ جب ہم نے اللہ کے سوا کو رسول اللہ کی طرف وسیلہ بنا لیا اور آپ ﷺ کی محبت اعظم قربات اور طاعات و عبادات میں سے ہے پس جب اعمال صالحہ اور طاعات کے ساتھ توسل جائز اور صحیح ہے کہ اس پر اجماع ہے تو ہم رسول اللہ کی محبت کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں توسل بناتے ہیں۔

اور ابن القیم نے ہی اپنی کتاب ''حادي الأرواح'' میں لکھا ہے کہ:

---

[1] مدارج السالکین لابن القیم جلد ۱ صفحہ ۱۰۳۔

اور قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا کلام ہے کہ جس کے ساتھ اس نے کلام فرمایا اور وہ مخلوق نہیں ہے۔۔۔ بلکہ نبی اکرم ﷺ کے صحابہ کی محبت سنت ہے اور ان کے لیے دعا قربت ہے اور ان کی اقتداء وسیلہ ہے اور ان کے آثار کو پکڑنا فضیلت ہے۔ بتصرف یسیر۔ [1]

اور اسی نے ''مفتاح دار السعادۃ'' میں کہا:

جو کچھ نبی اکرم ﷺ کو عطا فرمایا گیا کسی نبی کو بھی نہ ملا اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کا ذکر بلند فرمایا اور تمام لوگوں کا آپ ﷺ کو سردار بنایا آپ ﷺ کا نام اپنے نام کے ساتھ ملایا اور آپ ﷺ کو تمام مخلوق سے زیادہ اپنی طرف وسیلہ بنایا۔ سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک وجاہت و عزت والے ہیں اور سب سے زیادہ شفاعت ان کی سنی جائے گی آپ ﷺ کی آزمائشیں اور مصیبتیں آپ کی عین عزت و کرامت ہو گئیں اور ان کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے فضل و شرف میں زیادتی فرمائی اور آپ ﷺ کو اعلیٰ مقام تک پہنچایا اور یہی حال آپ ﷺ کے بعد آپ ﷺ کے وارثوں کا درجہ بدرجہ ہے ہر ایک کو تکلیف کا حصہ ملا جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اس کو کمال تک پہنچایا آپ ﷺ کی متابعت کے مطابق اور جس کو یہ مصائب نہ پہنچے تو اس دنیا کا حصہ ملا جس کے لئے اسے پیدا کیا گیا اور جن چیزوں کو اس کے لئے پیدا کیا گیا اور اس کا حصہ اور نصیب اس رکھ دیا۔ پس وہ اس سے ہنسی خوشی کھاتا ہے اور اس سے متمتع ہوتا ہے حتی کہ اس کو پہنچے جو اس کے لیے کتاب میں لکھا گیا ہے۔ [2]

---

[1] حادي الأرواح جلد ۱ صفحه ۲۹۱۔

[2] مفتاح دار السعادة لابن القيم جلد ۱ صفحه ۳۰۱۔

دعائے یوم عرفہ:

حضرت امام غزالی نے ''احیاء علوم الدین'' میں یوم عرفہ کی دعا لکھی کہ جو حاجی یوم عرفہ کو پڑھے۔ آپ نے فرمایا: یوم عرفہ کو پہلی جو وہ دعا مانگے تو یوں کہے:

لا اله الا الله، وحده لا شريک له، له الملک و له الحمد، يحي و يميت وهو حي لا يموت، بيده الخير وهو على كل شيء قدير ---الهي تجنبت عن طاعتک عمدا، وتوجهت الى معصيتک قصدا، فسبحانک ما أعظم حجتک علي، وأكرم عفوک عني، فبوجوب حجتک علي، و انقطاع حجتي عنک، وفقري اليک، وغناک عني، الا غفرت لي يا خير من دعاه داع، وأفضل من رجاه راج، بحرمة الاسلام وبذمة [سيدنا] محمد ﷺ أتوسل اليک، فاغفرلي جميع ذنوبي، واصرفني من موقفي هذا مقضي الحوائج، وهب لي ما سألت، و حقق رجائي فيما تمنيت۔

کوئی معبود نہیں مگر اللہ تعالیٰ اکیلا ہے اس کا کوئی شرک نہیں اسی کے لیے سب تعریفیں ہیں وہ زندہ کرنے اور مارنے والا ہے وہ زندہ ہے اس کو موت نہیں تمام بھلائیاں اسی کے دست قدرت میں ہیں اور وہ ہر شے پر قادر ہے ---الہی میں عمدا تیری طاعت سے دور رہا اور قصدا تیری معصیت کی طرف متوجہ ہوا تو پاک ہے مجھ پر تیری محبت کتنی بڑی وعظیم ہے اور مجھ پر تیرا کرم وعفو ہے پس تیری محبت مجھ پر واجب ہے اور میری دلیل تیرے سامنے بیکار ہے اور میری فقیری تیری طرف ہے اور تیرا غنی مجھ پر ہے اے ہر ایک سے بہتر کہ جس سے دعا کرنے والا دعا کرے مجھے بخش دے اور ہر اس سے

افضل کہ جس کی طرف امید لگانے والا امید لگائے اسلام کے صدقے
اور سیدنا حضرت محمد ﷺ کے ذمہ کے صدقے کہ میں تیری بارگاہ میں وسیلہ
بناتا ہوں میرے تمام گناہ بخش دے اور مجھے اس مقام سے اس حال میں لوٹا
دے کہ میری حاجات پوری ہو چکی ہوں اور جو میں مانگتا ہوں مجھے عطا فرما
دے اور میری تمناؤں کو پورا فرما دے۔[1]

---

[1] احیاء علوم الدین للغزالی جلد ۱ صفحہ ۲۵۴۔

اور اب ہم یہاں ان مشہور کبار علماء حفاظ وفقہاء ومحدثین کے اسماء ذکر کرتے ہیں کہ
جنہوں نے توسل کو جائز کہا یا اس کے جواز کے دلائل علماء کرام سے نقل فرمائے۔

(۱) حضرت امام ابوحنیفہ، نعمان بن ثابت رضی اللہ عنہ (ت ۱۵۰ھ)
(۲) حضرت امام مالک بن انس رضی اللہ عنہ (ت ۱۷۹ھ)
(۳) حضرت امام محمد بن ادریس الشافعی رضی اللہ عنہ (ت ۲۰۴ھ)
(۴) حضرت امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ (ت ۲۴۱ھ)
(۵) حضرت امام ابوعبداللہ الحاکم رضی اللہ عنہ (ت ۴۰۵ھ)
(۶) امام ابوبکر البیہقی رضی اللہ عنہ (ت ۴۵۸ھ)
(۷) امام قاضی عیاض رضی اللہ عنہ (ت ۵۴۴ھ)
(۸) امام ابوالفرج ابن الجوزی رضی اللہ عنہ (ت ۵۹۷ھ)
(۹) حضرت علامہ مفسر ابوعبداللہ القرطبی رحمہ اللہ تعالیٰ (ت ۶۷۱ھ)
(۱۰) حضرت امام ابوزکریا النووی رضی اللہ عنہ (ت ۶۷۶ھ)
(۱۱) شیخ علامہ احمد المرداوی رضی اللہ عنہ (ت ۷۲۸ھ)
(۱۲) علامہ ابن قیم الجوزیہ (ت ۷۵۱ھ)
(۱۳) حضرت امام علی بن عبدالکافی السبکی (ت ۷۵۶ھ)

(۱۴) شیخ علامہ ابن مفلح الحنبلی (ت ۷۶۳ھ)

(۱۵) علامہ حافظ ابن کثیر (ت ۷۷۴ھ)

(۱۶) علامہ شیخ السامری (ت ۷۷۹ھ)

(۱۷) علامہ شہاب الرملی الشافعی (ت ۸۴۴ھ)

(۱۸) امام حافظ ابن حجر العسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ (ت ۸۵۲ھ)

(۱۹) علامہ شیخ علاء الدین علی المرداوی الحنبلی رحمہ اللہ تعالیٰ (ت ۸۸۵ھ)

(۲۰) امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ (ت ۹۱۱ھ)

(۲۱) امام حافظ القسطلانی رحمہ اللہ تعالیٰ (ت ۹۲۳ھ)

(۲۲) امام علامہ ابن حجر الھیثمی رحمہ اللہ تعالیٰ (ت ۸۷۳ھ)

(۲۳) امام علامہ نور الدین القاری المعروف ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ (ت ۱۰۱۴ھ)

(۲۴) امام علامہ الشیخ محمد بن عبد الباقی الزرقانی رحمہ اللہ تعالیٰ (ت ۱۰۹۹ھ)

(۲۵) امام علامہ احمد شہاب الدین خفاجی رحمہ اللہ تعالیٰ (ت ۱۰۶۹ھ)

(۲۶) علامہ محمد بن علی الشوکانی (ت ۱۲۵۵ھ)

(۲۷) علامہ الشیخ یوسف النبھانی رحمہ اللہ تعالیٰ

(۲۸) علامہ الشیخ محمد حامد رحمہ اللہ تعالیٰ

اور ان کے علاوہ دوسرے بھی۔[1]

توسل کے جواز پر علامہ شوکانی کی جید تحریر اور مخالفین کا رد بلیغ:

ہم نے پچھلے صفحات میں وعدہ کیا تھا کہ ہم مسئلہ توسل پر علامہ شوکانی کا کلام نقل کریں گے تو ان کا کلام مندرجہ ذیل ہے۔

---

[1] الموسوعة اليوسفية / التوسل (ص ۱۶۸۔ ۱۷۰۔

علامہ شوکانی سے فوت شدگان نیک لوگوں اور اسی طرح زندہ لوگوں کے ساتھ توسل کرنے کے بارے میں سوال ہوا تو شوکانی نے اس کے جواب میں ایک رسالہ تحریر کیا جس کا نام رکھا: الدر النضید في اخلاص کلمة التوحید'' اور اس میں استغاثہ، تشفع اور توسل کے معانی بیان فرمائے اور کہا کہ مخلوق کا وسیلہ کہ جس پر وہ قادر ہو جائز ہے اور جس پر وہ قادر نہیں وہ بلا خلاف ممنوع ہے لہذا اس طرح توسل کی دو قسمیں ہو گئیں۔

جائز اور ممنوع اور ہمارے نبی کریم ﷺ کے لیے تشفع تواتر کے ساتھ ثابت ہے۔

پھر فرمایا:

اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس کی مخلوق میں سے کسی کا وسیلہ اپنا مطلوب و مقصود حاصل کرنے کے لیے۔

تو اس بارے میں حضرت علامہ عز بن عبد السلام نے فرمایا:

اللہ کی بارگاہ میں سوائے نبی کریم ﷺ کے کسی اور کا وسیلہ جائز نہیں ہے [1] کیونکہ آپ ﷺ کے بارے میں صحیح حدیث ثابت ہے اور شاید ان کی مراد اس سے اس حدیث کی طرف اشارہ ہے کہ جس کو نسائی، ترمذی نے بافادۂ تصحیح اور ابن ماجہ وغیرھم نے روایت کیا کہ: ایک نابینا نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور عرض کی یا رسول اللہ ﷺ میری بینائی نہیں ہے تو میرے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا کیجیے۔ تو اس کو نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ وضو کر اور دو رکعت نماز پڑھ پھر یوں کہہ

اے اللہ! میں سوال کرتا ہوں تجھ سے اور تیرے نبی حضرت محمد ﷺ کے وسیلے سے۔

---

[1] ابن عبد السلام نے تشدد نہیں کیا لیکن شوکانی اس سلسلہ میں معذور ہے کیونکہ وہ ان کے کلام پر ابن تیمیہ کے حوالے سے واقف ہوا اور ابن عبد السلام کی اصل عبارت پیش نہیں کی بے شک خواہش پرستوں اور بدعتیوں اور دین میں تفرقہ ڈالنے والے لوگوں نے تشدد کیا ہے اور ان لوگوں نے تفرقہ اور تکفیر کے ساتھ دنیا میں نفع اٹھایا ہے۔)

یا محمد ﷺ میں اپنی بینائی کے لوٹانے میں آپ سے شفارش طلب کرتا ہوں اے اللہ! میرے حق میں آپ کی شفاعت قبول فرما۔

اور فرمایا۔

اگر تجھے کبھی بھی کوئی حاجت ہو تو اسی طرح دعا کرلیا کرنا۔ تو اللہ نے اس کی بینائی درست فرما کر اس کو بینا فرما دیا۔

تو لوگوں کیلیے اس میں دو قول ہیں۔

پہلا قول: وہ توسل کہ جس کو حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ذکر کیا۔

ہمیں جب بھی ضرورت پیش آتی ہم تیرے نبی ﷺ کا وسیلہ لیتے تھے اور تو ہمیں بارش عنایت فرماتا تھا اے اللہ اب ہم تیرے نبی ﷺ کے چچا سے توسل کرتے ہیں اور یہ صحیح بخاری وغیرہ میں موجود ہے تو آپ رضی اللہ عنہ نے ذکر کیا کہ وہ نبی اکرم ﷺ کی حیات ظاہری میں آپ ﷺ سے توسل کرتے تھے استسقاء میں پھر آپ ﷺ کے وصال کے بعد آپ ﷺ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے توسل کیا اور ان کا وسیلہ یہ تھا کہ وہ بھی ان لوگوں کے ساتھ استسقاء کی دعا مانگتے تھے تو وہ ان کے لیے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں وسیلہ بن گئے اور نبی اکرم ﷺ اس طرح ان کے شافع اور دعا کرنے والے تھے۔

دوسرا قول: آپ ﷺ سے توسل آپ ﷺ کی حیات و وفات کے بعد اور آپ ﷺ کی موجودگی اور غیر موجودگی میں توسل کرنا۔

اور یہ تو تجھ پر مخفی نہیں کہ آپ ﷺ کی زندگی میں آپ ﷺ سے توسل کرنا ثابت ہے اور آپ ﷺ کی وفات کے بعد کسی اور سے توسل کرنا بھی ثابت ہے اور اس پر اجماع سکوتی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے توسل کرنے پر کسی بھی صحابی نے انکار نہیں کیا اور میرے نزدیک توسل کے جواز کی صرف نبی اکرم ﷺ کے ساتھ تخصیص کی کوئی وجہ نہیں جیسا کہ الشیخ عز بن عبد السلام کا خیال ہے۔

اس کی دو(۲) وجہ ہیں:

پہلی وجہ: جو ہم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اجماع سے پہچانا۔

دوسری وجہ: اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اہل علم وفضل کا وسیلہ پیش کرنا حقیقت میں ان کے اعمال صالحہ اور مزایا فاضلہ کا وسیلہ ہوتا ہے کیونکہ کوئی بھی فاضل نہیں ہوتا مگر اپنے اعمال کے سبب پس جب قائل کہتا ہے:

اے اللہ میں تیرے سامنے فلاں عالم کا وسیلہ پیش کرتا ہوں تو وہ اس علم کا اعتبار ہوگا جس کے ساتھ وہ قائم ہے اور صحیحین میں حدیث ثابت ہے کہ:

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تین آدمیوں کا قصہ بیان فرمایا کہ جن کی غار کے سامنے پتھر گر پڑا تھا ان میں سے ہر ایک نے اپنے کیے ہوئے عمل کا وسیلہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش کیا تو پتھر ہٹ گیا اور پس اگر نیک اعمال کا وسیلہ ناجائز ہوتا یا شرک ہوتا جیسا کہ اس باب مین متشددین کا گمان ہے جیسا کہ ابن عبد السلام اور جس نے بھی ایسا کہا تو اللہ تعالیٰ ان کی دعا کو قبول نہ فرماتا اور نبی اکرم واس کے انکار سے سکوت نہ فرماتے حکایت فرمانے کے بعد لہذا اس سے ثابت ہوا کہ، مانعین جو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں انبیاء واولیاء کے توسل کے خلاف یہ آیت پیش کرتے ہیں کہ:

مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَا اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى۔

ہم تو انہیں صرف اتنی بات کے لئے پوجتے ہیں کہ یہ ہمیں اللہ کے پاس نزدیک کردیں۔[1]

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان:

فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا۔

---

[1] سورۃ الزمر:۳۔

تو اللہ کے ساتھ کسی کی بندگی نہ کرو۔[1]

اور فرمان خداوندی :

لَهُ دَعْوَةُ الْحَقِّ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَسْتَجِيْبُوْنَ لَهُمْ بِشَيْءٍ

اسی کا پکارنا سچا ہے اور اس کے سوا جن کو پکارتے ہیں وہ ان کی کچھ بھی نہیں سنتے۔[2]

یہ ایراد بحل نہیں ہے بلکہ یہ محل نزاع میں پیش کرنا محل نظر اور اجنبی ہے۔

ان کا کہنا:

مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَا اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى۔

ہم تو انہیں صرف اتنی بات کے لئے پوجتے ہیں کہ یہ ہمیں اللہ کے پاس نزدیک کردیں۔[3]

اس میں صاف صراحت ہے کہ وہ ان بتوں کی پوجا کرتے تھے اور عالم سے توسل کرنے والا اس کی عبادت نہیں کرتا لیکن بلکہ وہ اپنے فقر و اضطرار کے بیان میں اس کے ساتھ رب کا تقرب حاصل کرتا ہے۔ اور اسی طرح فرمان باری تعالیٰ ہے:

فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا۔

تو اللہ کے ساتھ کسی کی بندگی نہ کرو۔[4]

اس اللہ کے ساتھ کسی اور کی عبادت سے منع کیا گیا ہے اور توسل کرنے والا اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہیں کرتا اس سے تو توسل واقع ہوتا ہے بعض نیک بندوں کے اعمال صالحہ کے ساتھ جیسا کہ اصحاب غار والوں نے توسل پیش کیا۔

---

[1] سورۃ الجن: ۱۸۔
[2] سورۃ الرعد: ۱۴۔
[3] سورۃ الزمر: ۳۔ [4] سورۃ الجن: ۱۸۔

اور اسی طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان:

وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ

اور اس کے سوا جن کو پکارتے ہیں:

اور وہ ان کو پکارتے تھے جو ان کی بات نہیں سنتے تھے اور متوسل تو اللہ تعالیٰ ہی کو پکارتا اور پوجتا ہے اور اس کے سوا کسی کو نہیں پوجتا اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کے برابر کسی کو ٹھہراتا ہے جب آپ پر یہ روشن ہو گیا تو اب تجھ پر یہ مخفی نہ رہا کہ مانعین توسل جو دلائل خارجہ غیر متعلقہ پیش کرتے ہیں ان کا توسل کے رد کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے اور یہ محل نزاع سے خارج اور زائد ہیں جیسا کہ ان کا اس آیت کریمہ سے استدلال کرنا کہ:

وَمَا أَدْرَاكَ مَا يَوْمُ الدِّيْنِ ثُمَّ مَا أَدْرَاكَ مَا يَوْمُ الدِّيْنِ يَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَيْئًا وَالْأَمْرُ يَوْمَئِذٍ لِّلّٰهِ۔

اور تو کیا جانے کیسا انصاف کا دن پھر تو کیا جانے کیسا انصاف کا دن جس دن کوئی جان کسی جان کا کچھ اختیار نہ رکھے گی اور سارا حکم اس دن اللہ ہی کا ہے۔[1]

تو اس آیت کریمہ میں بھی توسل کی نفی ہرگز نہیں ہے کیونکہ یہ مطلق امر کے وارد میں ہے اور وہ قیامت کے دن صرف اللہ وحدہ لاشرک کے لیے ہوگا اور اس کے سوا اس دن کسی کا حکم نہیں چلے گا اور متوسل بالنبی والولی یہ اعتقاد نہیں رکھتا کہ جن سے وہ توسل کر رہا ہے وہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے ساتھ حکم میں شریک ہوں گے اور بندوں میں سے جو یہ اعتقاد رکھے چاہے وہ نبی کے بارے میں یا غیر نبی کے بارے میں وہ گمراہ ہوگا۔

اور اسی طرح توسل کے منع پر اس آیت سے استدلال کرنا کہ:

---

[1] سورۃ الانفطار ۱۷۔۱۸۔۱۹۔

لَیۡسَ لَکَ مِنَ الۡاَمۡرِ شَیۡءٌ[1]

یہ بات تمہارے ہاتھ نہیں۔

اور:

قُلۡ لَّاۤ اَمۡلِکُ لِنَفۡسِیۡ نَفۡعًا وَّلَا ضَرًّا

تم فرماؤ میں اپنی جان کے بھلے برے کا خود مختار نہیں۔[2]

کیونکہ ان دونوں آیتوں میں صراحت ہے کہ نبی اکرم ﷺ اللہ تعالیٰ کے خلاف کسی امر کے مالک نہیں اور اللہ تعالیٰ کے علاوہ ذاتی طور پر نفع ونقصان کے مالک نہیں تو کسی دوسرے کے کیسے ہوں گے؟ تو اس سے آپ ﷺ یا آپ ﷺ کے سوا کسی اور نبی یا اولیاء وعلماء کے ساتھ توسل کے منع کی کہاں دلیل ہے؟ جب کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کے لیے مقام محمود اور مقام شفاعت عظمیٰ رکھا ہوا ہے اور وہ آپ ﷺ سے فرمائے گا۔ ''سل تعط واشفع تشفع'' مانگو دیا جائے گا اور شفاعت کرو قبول کی جائے گی اور کتاب اللہ میں یہ مقرر ہے کہ شفاعت اللہ تعالیٰ کے اذن کے بغیر نہیں ہو سکتی اور وہ اذن صرف اپنے چنے ہوئے بندے کیلیے ہے اور وہ آپ وہی ہیں۔

اور اسی طرح اللہ تعالیٰ کے اس قول سے توسل کے منع پر استدلال کرنا کہ، جب اللہ تعالیٰ نے یہ حکم نازل فرمایا:

وَاَنۡذِرۡ عَشِیۡرَتَکَ الۡاَقۡرَبِیۡنَ

اور اے محبوب ﷺ! اپنے قریب تر رشتہ داروں کو ڈراؤ۔[3]

تو آقا کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اے فلاں بن فلاں میں اللہ سے تیرے لیے شے کا مالک نہیں۔

اے فلانہ بنت فلانہ میں اللہ تعالیٰ سے تیرے لیے کسی شے کا مالک نہیں۔

---

[1] سورۃ آل عمران: ۱۲۸۔

[2] سورۃ الاعراف: ۱۸۸۔ [3] سورۃ الشعراء: ۲۱۴۔

تو اس میں تو صرف یہ ہے کہ جس کے لیے اللہ تعالیٰ ضرر کا ارادہ فرمائے اس کے لیے آپ ﷺ نفع مند نہیں اور جس کو اللہ تعالیٰ نفع پہنچائے تو آپ ﷺ اس کے لیے ضرر کے مالک نہیں اور یہ ہر مسلمان کے لیے معلوم اور ظاہر ہے اس میں یہ ہرگز نہیں کہ آپ ﷺ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں توسل منع ہے۔ کیونکہ یہ طلب امر اس سے ہے کہ جس کے لیے امر و نھی ہے اور یہ اجابت کا سبب ہے اس سے کہ جو عطا و منع میں منفرد ہے اور وہ وہی یوم الدین کا مالک ہے۔

دوسری مبحث

مسئلہ توسل پر شبہات اور اُس کے رد

مقدمہ

توسل کے منکرین نبی اکرم ﷺ کے ساتھ تبرک اور استغاثہ کے بھی منکر ہیں اور اسی طرح اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں سے بھی تبرک کے منکر ہیں اور نہیں جانتے کہ وہ عظیم خطرے میں پڑے ہوئے ہیں۔ کیونکہ توسل بالذات ایک مشروع امر ہے اور عالم شہادت اس کا طالب ہے جیسا کہ ذوات کے تبرک حاصل کرنے کا طالب ہے جیسا کہ اپنے باب میں یہ مقرر ہے اور جیسا کہ تبرک کے معانی میں معلوم ہے اور یہ ایسا امر ہے کہ جس سے کتاب اللہ بھری پڑی ہے اور سنت اس سے پر ہے۔ جیسا کہ تابوت سکینہ اور حضرت یوسف علیہ السلام کی قمیص کا ذکر قرآن میں ہے اور حضرات انبیاء و مرسلین کے آثار اور نبی اکرم ﷺ کے آثار آپ ﷺ کے موئے مبارکہ ناخن، خون، پسینہ، جبہ مبارکہ، اور قمیص شریف اور نعلین مبارکہ وغیرہ سے تبرک کا ذکر احادیث میں ہے۔ پس جس نے توسل بالذوات کا انکار کیا تو لازم ہے کہ وہ تبرک بالذوات کا بھی منکر ہوگا اور تبرک بالذوات کا انکار تو کتاب وسنت کے نصوص صریحہ کے ساتھ تصادم کے مترادف ہے تو جس نے اس کا انکار کیا اس نے نص متواتر کا انکار کیا اور نص متواتر کا منکر بالاتفاق کافر ہے اور جو اس قیاس سے باہر نکلا تو اس نے اس کے مفہوم میں تناقض کیا اور دور کی گمراہی میں چلا گیا اور اس نے مسلمانوں پر ان کا دین ملتبس کر دیا اور وہ اندھیرے میں ٹکریں مار رہا ہے لہذا اسی لیے میں نے ان مصطلحات کو جو کہ اوپر بیان ہوئے ملاتے ہوئے بیان کیا ہے کیونکہ میں نے ان کے درمیان اختلاف نہیں پایا مگر لفظی یا توجیہ کے طور پر۔

پس توسل:

تو وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں التجاء، امید اور توجہ ہے اس کی نعمتوں میں سے کسی ایک نعمت کے ساتھ اس کی رحمت کو پانے کے لیے تو یہ فعل مشروع کے اذن کی جگہ ہے اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک کے لیے خشوع وخضوع کے اظہار کے لیے اور یہی دین خالص ہے۔

اور وسیلہ یا واسطہ:

تو یہ وہ آلہ ہے کہ جس کی برکت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں داخل ہوا جاتا ہے اور مقبول حقیقت ہے کہ مولی سبحانہ وتعالیٰ کی بارگاہ میں مناجات کے لیے حاضر ہونا اور بندے کا اس کی بارگاہ عالیہ میں التجاء کرنا یا تو اس کی رحمت کی طرف تعرض کرتے ہوئے یا اس کی تقدیس کے شعور کے ساتھ تقرب کے وقت عاجزی اور انکساری کے ساتھ مناجات کرنا اس کی طرف نزع کرنا اور اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں استغاثہ پیش کرنا اس کی نعمت کے پانے یا تنگی کے دور کرنے کے لیے طلب میں صدق اقبال اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ معاملہ درست کرنے کے لیے۔ پس اس کی تلخیص ہم اس طرح کر سکتے ہیں کہ، توسل، استغاثہ، التجاء، توجہ اور تبرک ہے

اور وسیلہ: وہ آلہ یا نعمت ہے کہ جو کہ واسطہ صالحہ مبارکہ مشروعہ ہے یا عمل صالح مبارک ہے یا صالح زمانہ مبارکہ ہے پس جب صدق کی جگہ صدق کا پہنچنا صدق کے پانے کے لیے صدق عطا فرمانے والے سبحانہ وتعالیٰ سے۔ یا حق کا حق کی جگہ پہنچنا حق کے عطا کرنے والے رب جل جلالہ سے۔ اللہ ہی بہتر جانتا ہے اس اپنی مراد کو اپنی عطا اور بخشش میں کیونکہ وہی ولی اور مالک ہے۔

اور اس کو آئمہ دین مثل شیخ الاسلام امام سبکی، امام نووی اور ابن حجر مکی وغیرہ نے برقرار رکھا ہے۔ امام ابن حجر مکی نے ''الجوھر المنظم'' صفحہ ۱۷۵-۱۷۸ میں فرمایا:

آپ ﷺ یا آپ ﷺ کے سوا دیگر انبیاء اور اولیاء کی بارگاہ میں توسل،

استغاثہ، تشفع اور توجہ کے الفاظ میں کوئی فرق نہیں ہے (یہ سب مترادف المعنی ہیں) امام سبکی نے اس سے اتفاق کیا ہے۔ اگرچہ ابن عبد السلام نے منع کیا ہے۔ بلکہ ان سے جو بعض نے نقل کیا ہے تو وہ نبی اکرم ﷺ کے سواسے منع کرتے ہیں کیونکہ اعمال کے ساتھ توسل میں احادیث وارد ہیں جیسا کہ حدیث غار میں ہے تو ذوات فاضلہ سے توسل اولی ہے۔ کیونکہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے استسقاء میں بغیر کسی انکار کے توسل فرمایا تھا۔ اور آپ ﷺ اور آپ کی قبر انور کو چھوڑ کر حضرت عباس رضی اللہ عنہم سے توسل میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا حضرت عباس رضی اللہ عنہم کے لئے انتہائی تواضع اور ان کی حضور ﷺ کے ساتھ قرابت کی رفعتوں کا اظہار ہے۔ پس حضرت عباس رضی اللہ عنہم سے توسل آپ ﷺ سے ہی توسل ہے اور اس میں مزید حضرت عباس رضی اللہ عنہم سے بھی توسل ہے۔

آگے آپ نے مزید فرمایا۔ یہ نہیں کہا جائے گا کہ۔ لفظ توجہ اور استغاثہ سے وہم پیدا ہوتا ہے کہ استغاثہ پیش کرنے والا اور توجہ کرنے والا جس سے توجہ اور استغاثہ پیش کیا جارہا ہے اس سے افضل ہے کیونکہ جاہ سے ہے اور اس کا مطلب علو منزلت ہوتا ہے تو توسل پیش کیا جارہا ہے عزت والے کے ساتھ اس کی طرف کہ جو اس سے منزلت میں اعلی ہے۔

اور استغاثہ: مدد طلب کرنا ہے اور مستغیث مستغاث سے طلب کرتا ہے کہ اس کے غیر سے اس کو مدد مل جائے اگرچہ وہ اس سے اعلی ہو پس آپ ﷺ کی طرف توجہ اور استغاثہ پیش کرنا اور آپ کے سواء دیگر سے مسلمانوں کی عقل میں اس کا معنی اس کے سوا کچھ بھی نہیں ہے کہ اور کوئی ایک شخص بھی اس کے سوا کسی اور چیز کا قصد نہیں کرتا۔

پس جس کا سینہ نہ کھلا ہو تو وہ اپنے آپ پر روئے ہم اللہ تعالیٰ سے عافیت طلب کرتے ہیں اور مستغاث بہ حقیقت میں اللہ تعالیٰ ہے اور نبی ﷺ اللہ تعالیٰ اور مستغیث

کے درمیان واسطہ ہیں اور اللہ تعالیٰ مستغاث بہ ہے اور اس کی مدد خلقا اور ایجادا ہے اور نبی ﷺ مستغاث ہیں اور آپ کی مدد کسبا، سببا اور مستغاثا ہے۔

اور حضرت سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی حدیث اس کے معارض نہیں ہے جس میں آپ رضی اللہ عنہ نے کہا ''اُٹھو ہم منافق سے متعلق رسول اللہ ﷺ سے طلب کی جاتی'' کیونکہ اس روایت میں ابن لھیعہ ہے اور اس میں کلام مشہور ہے اور اگر فرض کرلیا جائے کہ حضور ﷺ نے اپنی مدد کی نفی کی تو بھی حضور ﷺ کا ارشاد گرامی، اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے مطابق ہوگا:

وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى

اور اے محبوب! وہ خاک جو تم نے پھینکی تم نے نہ پھینکی تھی بلکہ اللہ نے پھینکی۔ (1)

''وما انا حملتكم و لكن الله حملكم'' یعنی مجھ سے مدد طلب کیا جانا حقیقت میں اللہ ہی سے مدد کا طلب کرنا ہے اور بہت سی احادیث اسی اسلوب پر آئی ہیں یعنی یعنی جن میں حقیقت امر کا بیان ہے قرآن کریم فعل کی اضافت اس کے مکتسب کی طرف کرتا ہے یہ حضور ﷺ کے اس ارشاد گرامی کی طرح جیسے حضور ﷺ فرماتے ہیں ''لن یدخل احدکم الجنۃ بعملہ'' تم میں سے کوئی بھی اپنے عمل کے بدلے جنت میں نہ جائے گا اس کے باوجود کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ

جنت میں داخل ہو جاؤ اس کے بدلے جو تم عمل کرتے رہے۔

مختصر یہ کہ استغاثہ کے لفظ کا اطلاق کرنا اس شخص کے لئے جس سے مدد حاصل ہو اگرچہ سببا اور کسبا ہو ایک امر معلوم ہے لغۃ اور شرعا اس میں کوئی شک نہیں اور اس لفظ میں اور سوال میں کوئی فرق نہیں اس طرح حدیث مذکورہ کا مفہوم متعین ہو جاتا ہے اور خصوصا اس کی

---

(1) الانفال: ۱۷۔

وضاحت اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جس کو امام بخاری نے نقل فرمایا ہے ''فبینما ھم کذالک استغاثوا بآدم'' ثم بموسیٰ ثم بمحمد ﷺ'' روز قیامت لوگ حضرت آدم علیہ السلام سے استغاثہ کریں گے پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پھر ہمارے آقا و مولا حضرت محمد ﷺ سے استغاثہ کریں گے۔ اور آپ ﷺ سے توسل کا معنی یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ سے دعا کی درخواست کی جائے جبکہ آپ ﷺ زندہ ہیں سوالی کے سوال کو جانتے ہیں اور ابن حجر رحمہ اللہ نے یہاںتک فرمایا کہ آپ ﷺ سے ہر خیر کے کام میں توسل کیا جا سکتا ہے آپ ﷺ کے اس دنیا میں ظہور کے بعد بھی آپ ﷺ کی زندگی مبارک میں اور آپ ﷺ کی وفات کے بعد بھی اور اسی طرح قیامت کے روز بھی آپ ﷺ اپنے رب کی بارگاہ میں شفاعت فرمائیں گے یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس پر اجماع ہے اور متواتر اخبار موجود ہیں۔ انتھی۔

اور اس تمام بات وکلام کا خلاصہ یہ ہے کہ، استغاثہ اور تشفع اور التجاء اور تبرک فعل ہے۔

اور وسیلہ اور واسطہ یہ دونوں متقرب بھا تک پہنچانے والے ہیں یہ دونوں ہم معنی ہیں یعنی ان دونوں کے درمیان خصوص و عموم کی نسبت پائی جاتی ہے اور یہ دونوں مضمون میں متفق ہیں اور وہ ہے ''قربت'' اور نوعیت میں جدا جدا ہیں پس واسطہ اس کی حقیقت ذاتی ہے پس قرب اس کے ساتھ تمام ہوتا ہے بطریق ذوات اور کبھی حاجت دنیوی ہوتی ہے اور کبھی اخروی اور اچھے اور برے اس میں شامل ہوتے ہیں۔

اور وسیلہ: اس کی حقیقت معنوی ہوتی ہے یہ صادقین کے لیے صادقین کے ساتھ اور فاجرین کے لیے فاجرین کے ساتھ تمام ہوتا ہے۔

پس اس کا منکر جاہل ہے حاسد گمراہ اور گمراہ گر ہے اور اس کو قبول کرنے والا عاقل ہے اور ان دونوں اور باطل کو ملانے والا مخلط اور بہکا ہوا ہے اور اگر اس کو ذہن و عقل سے پالیا اور پایا کہ وہ وسیلہ میں واقع ہے تو بلا شک وشبہ وہ شخص شروع ہی غلطی پر ہے۔ پس

گواہی دی کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے تو تو کیا دیکھتا ہے محمد رسول اللہ کے بارے میں۔

پس اللہ تعالیٰ نے اپنی وحدانیت کی معرفت نبی اکرم ﷺ کی عبودیت کی شہادت کے طریق پر رکھی ہے۔ اور آپ ﷺ کو خلق اور خالق کے درمیان واسطہ بنایا ہے اور شریعت میں اللہ تعالیٰ کا سر تمام عبادات وقربات کا سبب بنایا ہے۔

پس جس نے اس کو باطل قربات کو ملا دیا تو اس نے اپنے آپ پر ظلم کیا کیونکہ اس نے اچھائی اور برائی میں اخلاط پیدا کر دیا۔

اور اللہ تعالیٰ نے اس فرمان سے اس کا رد فرما دیا ہے:

مَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً

جو اچھی سفارش کرے۔

یعنی مشروع شفاعت

يَكُنْ لَّهُ نَصِيبٌ مِّنْهَا

اس کے لئے اس میں سے حصہ

یعنی ثواب و اجر و کشادگی کا حصہ

وَمَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً سَيِّئَةً يَّكُنْ لَّهُ كِفْلٌ مِّنْهَا۔

اور جو بری سفارش کرے اس کے لئے اس میں سے حصہ ہے۔

یعنی غم و گناہ اور ناپاکی و بوجھ اور حرج کا حصہ۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان:

فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ وَمَنْ يُّرِدْ أَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا كَاَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِي السَّمَآءِ۔

تو جسے اللہ راہ دکھانا چاہے اس کا سینہ اسلام کے لئے کھول دیتا ہے اور جسے

گمراہ کرنا چاہے اس کا سینہ تنگ خوب رکا ہوا کر دیتا ہے گویا کسی کی زبردستی سے آسمان پر چڑھ رہا ہے۔[1]

سچ فرمایا اللہ تعالیٰ نے اور فرمایا:

فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى

تو جو شیطان کو نہ مانے اور اللہ پر ایمان لائے اس نے بڑی محکم گرہ تھامی۔[2]

اور علامہ محمد مصطفی ددہ نے فرمایا:

''العروۃ الوثقی'' ہمارے نبی ﷺ کے اسماء مبارکہ میں سے ایک اسم مبارک ہے جو کہ قرآن پاک میں وارد ہوا ہے یعنی محبین اور فقہاء متصوفین نے اس کو اختیار فرمایا ہے جیسا کہ ''تذکرۃ المحبین في اسماء سید المرسلین'' میں ہے اور امام عبد الرحمن السلمی نے بعض صوفیاء سے نقل فرمایا کہ ''العروۃ الوثقی '' وہ محمد ﷺ ہیں یعنی جس نے طاغوت کا انکار کیا اور اللہ تعالیٰ پر ایمان لایا تو اس نے حضرت محمد مصطفی حبیب خدا ﷺ کا دامن تھام لیا۔[3]

پس رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تمسک تمام احوال میں اور تمام امیدوں کے لیے آپ ہی کی طرف رجوع کا نتیجہ اللہ تعالیٰ رب العالمین کے ساتھ درجہ یقین تک پہنچنا ہے۔ پس جنتوں پر ایمان کا راسخ ہونا یہ مقام سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کے واسطہ کے ساتھ تعلق پر موقوف ہے۔

---

[1] الانعام:۱۲۵۔

[2] البقرۃ:۲۵۶۔

[3] المدحۃ الکبری صفحہ ۲۳۔

المطلب الاول:

نفی توسل پر منکرین جن آیات سے استدلال کرتے ہیں

یہاں میں پسند کرتا ہوں کہ ان آیات کا ذکر کر دیا جائے کہ جن سے بعض حضرات نفی توسل پر استدلال کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

پہلی آیت:

اللہ تعالیٰ کا فرمان:

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَ اَنْتَ فِيْهِمْ وَ مَاكَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ۔

اللہ تعالیٰ کو یہ زیبا نہیں کہ وہ ان کو عذاب کرے اور آپ ان میں موجود ہوں اور نہ ہی اللہ کو یہ زیبا ہے کہ ان کو عذاب کرے اس حال میں کہ وہ استغفار کر رہے ہوں۔[1]

معترض یہ اعتراض کرتا ہے کہ یہ آیت نبی اکرم ﷺ کے انتقال کے بعد آپ ﷺ سے توسل کے منع ہونے کی دلیل ہے اور آپ ﷺ کی زندگی میں آپ ﷺ سے توسل کرنے کو ثابت کرتی ہے۔

اور اس کی تائید ترمذی شریف کی حدیث کرتی ہے جس میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

---

[1] سورۃ الانفال ۳۳۔

أنزل الله أمانين لأمتي وما كان الله ليعذبهم و أنت فيهم ، و ما كان الله معذبهم وهم يستغفرون فاذا مضيت تركت فيهم الاستغفار الى يوم القيامة۔

اللہ تعالیٰ نے میری امت کے لیے دو امانیں نازل فرمائیں ۔ اللہ تعالیٰ کو یہ پسند نہیں کہ وہ ان کو عذاب دے حالانکہ آپ اے محبوب ﷺ ان میں موجود ہوں اور اللہ تعالیٰ کو یہ بھی پسند نہیں کہ ان کو عذاب دے حالانکہ وہ استغفار کر رہے ہوں جب میں جاؤں گا تو ان میں استغفار باقی چھوڑ جاؤں گا قیامت تک۔[1]

یعنی نبی اکرم ﷺ سے ان کی وفات کے بعد توسل نہیں کیا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ کی توفیق سے میں کہتا ہوں:

یہ شبہ مکڑی کے جالے سے بھی کمزور ہے ہم اس آیت کریمہ کے شان نزول کو دیکھتے ہیں اور اہل علم حضرات کے اقوال و آراء کو پیش کرتے ہیں:

ابن جریر طبری نے اپنی تفسیر میں حضرت سعید بن جبیر سے اس آیت کی تفسیر میں نقل فرمایا کہ:

وَاِذْ قَالُوا اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ۔[2]

اور جب بولے کہ اے اللہ! اگر یہی قران تیری طرف سے حق ہے۔

فرمایا کہ یہ نضر بن حارث کے حق میں نازل ہوئی۔

اور امام بخاری نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کی،

یہ ابوجھل بن ھشام کے بارے میں نازل ہوئی اس نے کہا: اگر یہ تیرے نزدیک حق ہے تو ہم پر آسمان سے پتھروں کی بارش نازل کر یا ہم پر عذاب الیم لے آ۔

---

[1] ترمذی جلد ۵ صفحہ ۲۷۰ (۳۰۸۲)
[2] سورۃ الانفال: ۳۲۔

تو یہ آیت نازل ہوئی:

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَ اَنْتَ فِيْهِمْ ۔۔۔الایۃ۔

اور ابن ابی حاتم نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی انہوں نے فرمایا کہ:

مشرکین بیت اللہ کا طواف کرتے اور کہتے ''غفرانک'' تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَ اَنْتَ فِيْهِمْ ۔۔۔الایۃ۔

اور ابن جریر نے ابن ابزی سے روایت کی کہا:

اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ مکہ میں تھے کہ اللہ تعالیٰ نے آیت نازل فرمائی وَ مَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ یہ وہ بقیہ مسلمان ہیں جو کہ مکہ میں باقی رہ گئے تھے اور استغفار کر رہے تھے جب وہ خارج ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے نازل کیا:

وَمَا لَهُمْ اَلَّا يُعَذِّبَهُمُ اللّٰهُ۔

اور مکہ فتح کرنے کا حکم دیا پس یہ وہ عذاب تھا جس کا ان سے وعدہ کیا گیا تھا۔

اور ابن جریر نے ابن حمید حدثنا يحي بن واضح عن الحسين بن واقد عن يزيد النحوي عن عكرمة والحسن البصري سے روایت کی دونوں نے کہا: وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَ اَنْتَ فِيْهِمْ والی آیت کریمہ وَمَا لَهُمْ اَلَّا يُعَذِّبَهُمُ اللّٰهُ الی قوله فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ۔[1] تو اب عذاب چکھو بدلہ اپنے کفر کا۔ والی آیت سے منسوخ ہوگئی۔

ابن جریر نے فرمایا: ان تمام اقوال سے میرے نزدیک اولی بالصواب قول: وہ ہے جس نے کہا: وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَ اَنْتَ فِيْهِمْ یا محمد ﷺ جب تک آپ ان

---

[1] سورۃ الانفال: ۳۴۔

کے درمیان موجود ہیں یہاں تک کہ آپ کو ان سے میں نکال دوں کیونکہ میں اس بستی کو ہلاک نہیں کرتا کہ جس میں اس کا نبی ہو۔[1]

امام بیضاوی نے کہا: اس آیت میں ڈھیل دیئے جانے کا جو موجب تھا اس کا اور ان کی دعا کی قبولیت میں توقف کا بیان ہے اور اس میں لام تاکید نفی کا ہے اور اس میں دلالت ہے کہ ان کا عذاب ان کے حق میں استیصال تھا اور نبی اکرم ﷺ ان میں موجود تھے ان کی عادت کے خلاف اور وہ آپ کے فضائل میں غیر مستقیم تھے۔

اور ان کے استغفار سے مراد ہے ان لوگوں کا استغفار کہ جو باقی رہ گئے تھے مومنین میں سے یا ان کا ''غفرانک'' کہنا۔[2]

اس تمام کلام کے بعد اے پڑھنے والے میرے بھائی تیرے لیے وہ شبہ زائل ہو گیا ہو گا جو اس پر پیش کیا گیا تھا۔ اور اگر یہ کسی چیز پر دلالت کرتا ہے تو اس قائل کی کمزور سوچ اور اس مصطفی کریم ﷺ کی بارگاہ میں سوء طریقہ پر دلالت کرتا ہے کہ جن کو اللہ تعالیٰ نے نیکوں اور بروں کے جسد و روح کے لیے امان بنایا ہے اور آپ ﷺ کی مدد مسلمانوں سے کبھی منقطع نہیں ہوتی جب تک کہ وہ آپ ﷺ کی شریعت کو تھامے ہوئے اور آپ کی ہدایت کے تابع اور آپ کی سنت کے مطیع ہیں۔

امام بغوی نے حضرت مجاھد اور عکرمہ وغیرھما اہل علم سے روایت کی کہ انہوں یہاں استغفار کی اسلام کے ساتھ تفسیر کی ہے اور پھر معترض کے لیے حدیث متقدم کہ جس کو امام ترمذی نے روایت کیا ہے میں کوئی دلیل نہیں ہے کیونکہ یہ حدیث ضعیف ہے۔ جیسا کہ امام ترمذی نے فرمایا۔ یہ حدیث غریب ہے اور اس کے راوی اسماعیل بن مھاجر کی حدیث میں تضعیف کی گئی ہے۔

---

[1] تفسیر ابن جریر جلد ۹ صفحہ ۲۳۸۔

[2] تفسیر بیضاوی جلد ۵ صفحہ ۱۰۵

ابن کثیر کی اس کو تقویت دینے کے باوجود معترض کے لیے اس میں آپ ﷺ کے انتقال کے بعد آپ ﷺ سے توسل حاصل کرنے کی نفی پر کوئی دلیل کی گنجائش نہیں ہے اور اگر اس سے یہ مراد ہوتا تو یقیناً اہل علم حضرات اس کی صراحت فرماتے اور ابن کثیر اس اثر کی تصحیح کے بعد اس مفہوم کو بیان کرتے اور فی الواقع اس اثر کی شرح آپ ﷺ کے اس فرمان سے ہوتی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

النجوم امان للسماء فاذا ذهبت النجوم أتى السماء ماتوعد وأنا امان لأصحابى فاذا ذهبت اتى اصحابى مايوعدون واصحابى أمان لأمتى فاذا ذهب أصحابى أتى أمتي ماتوعدون۔

ستارے آسمان کے لیے امان ہیں پس جب ستارے چلے گئے تو آسمان پر وہ آئے گا جس کا اس سے وعدہ کیا گیا ہے اور میں اپنے صحابہ کے لیے امان ہوں جب میں گیا تو ان پر ان کا وعدہ آئے گا اور میرے صحابہ میری امت کے لیے امان ہیں جب وہ چلے گئے تو امت کا وعدہ جو ان سے کیا گیا ہے آئے گا۔[1]

پس یہ عظیم الشان حدیث نبی اکرم ﷺ کی ذات کی عظمت کو بیان کر رہی ہے۔ آپ ﷺ کی ذات مبارکہ کے ساتھ تمام موجودات کو شرف بخشا گیا اور اس فضل و شرف سے زیادہ حصہ آپ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پایا کہ وہ آپ ﷺ کی طرف منسوب ہوئے اور آپ ﷺ کی صحبت و نظر سے فیض یاب ہو کر بلندیاں حاصل کیں اور

---

[1] اخرجه الطبراني في الكبير ۱۱/۵۳ اور امام ہیثمی نے مجمع الزوائد ۱/۳۱۳ میں فرمایا کہ اس کے رجال کی توثیق کی گئی ہے، وفي الأوسط ۷/۲۶۸ وفي الصغير ۲/۱۶۶ واخرجه الحاكم في المستدرك ۲/۴۸۶ اور کہا صحیح الاسناد ہے اور اس کو بخاری و مسلم نے تخریج نہیں کی اور یہ الفاظ زائد کیے "وأهل بيتى أمان لامتى فاذا ذهب اهل بيتى أتاهم مايوعدون")

انبیاء و رسل کے بعد تمام مخلوق سے افضل ہو گئے اور اسی طرح وہ لوگ جنہوں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو دیکھا اور وہ فضل و شرف پایا کہ صحابہ کے بعد کسی اور نے نہ پایا اور اس کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس فرمان سے واضح فرمایا:

طوبی لمن رآني أو رأى من رآني۔ [1]

خوشخبری ہو اس کو جس نے مجھے دیکھا یا جس نے مجھے دیکھنے والے کو دیکھا۔

پس اس تقریر نبوی کے بعد عاقل کے لیے کونسا راستہ رہ جاتا ہے کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کی فضیلت اور جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے اس کی فضیلت سے اپنے آپ سے سوال کرے کہ جس کو اللہ تعالیٰ نے تعظیم دی ہے جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تعظیم دی ہے اور جس کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے فضیلت بخشی سے توسل منع کرے۔

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے فرمان ''انا أمان لأمتي ۔۔۔ میں اپنے انتقال کے وقت آپ کی طرف رجوع کرنے کی اور صحابہ اور اہل بیت کے انتقال کے وقت ان کی طرف رجوع کرنے کی اہمیت کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

اس سے مراد یہ ہرگز نہیں کہ آپ کے انتقال کے بعد آپ کی امت سے آپ کی امان اٹھ جائے گی۔ اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آل رضی اللہ عنہم اٹھ گئی تو ان کی امان امت پر سے اٹھ جائے گی اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم کا انتقال ہو جائے گا تو امت پر سے ان کی امان اٹھ جائے گی۔ یہ سوچ تو مخلوق میں سے کسی کی بھی نہیں ہو سکتی چہ جائیکہ صادق و مصدوق صلی اللہ علیہ وسلم کی ہو۔

لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کا مفہوم یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آل رضی اللہ عنہم کے ساتھ تعلق توڑ نہ لیا جائے یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ اس تعلق کو منقطع نہ کر لیا جائے کہ جس کی استغفار کے ساتھ تمثیل دی گئی ہے اور یہ عمیق و گہرا تعلق ہے

[1] المعجم الكبير للطبراني ٢٠/٢٢،٢ (٢٩) والمستدرک للحاکم ٢/٩٦۔

آپ ﷺ کیلیے اور آپ ﷺ کی محبت اور اتباع کے ساتھ آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے انتقال کے بعد گہرا تعلق ہے کیونکہ یہ دین آپ ﷺ کے ساتھ اور آپ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور آپ ﷺ کی آل کے ساتھ ملی ہوئی رسی ہے۔

بہر حال اس سے ثابت یہ ہوتا کہ آپ ﷺ نے اس فرمان سے اس امت کی معاونت فرمائی کہ اس کی امان آپ ﷺ اور آپ ﷺ کی آل و اصحاب رضی اللہ عنہم کے ساتھ قائم و باقی آپ ﷺ کی شریعت کے اتباع کے ساتھ ہے اسی لیے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اے فاطمہ بنت محمد! عمل کر میں تجھے اللہ تعالیٰ سے کسی شیء سے مستغنی نہیں کرسکتا۔

کیونکہ عمل صادق کے بغیر وسیلہ نفع نہیں دیتا اور بے شک آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس دنیا سے تشریف لے جانے سے پہلے ان کا استغفار اپنے ذمہ لیتے تھے چاہے وہ استغفار نہ بھی کریں اور ان کے انتقال کے بعد استغفار کی شرط کے ساتھ جو کہ ان سے عالم برزخ میں طلب کیا جائے گا امان باقی ہے اور اس کو نبی اکرم ﷺ نے اپنی بہت ساری احادیث میں واضح فرمایا ہے ان میں سے ہمارے لیے یہی دلیل کافی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

تركت فيكم ما ان تمسكتم بهما لن تضلوا بعدي، كتاب الله وعترتي أهل بيتي...الحديث

میں تم میں چھوڑ رہا ہوں اگر ان دونوں کو تھام لو گے تو میرے بعد گمراہ نہیں ہو گے اللہ تعالیٰ کی کتاب اور میری اہل بیت میری عترت۔[1]

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان:

وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوٓا أَنفُسَهُمْ جَآءُوكَ...الاية

اور وہ اپنی جانو پر ظلم کرلیں تو آپ کے حضور حاضر ہو جائیں۔

---

[1] تقدم تخریجه۔

اور یہ حکم عام ہے آپ ﷺ کی حیات میں بھی اور آپ ﷺ کے انتقال کے بعد بھی جیسا کہ ابن کثیر وغیرہ نے فرمایا۔ اور آپ ﷺ کا فرمان حدیث صحیح میں کہ جس کو امام بزار نے روایت کیا ہے:

حیاتي خیر لکم و وفاتي خیر لکم تحدثون و یحدث لکم۔

میری زندگی بھی تمہارے لیے بہتر ہے اور میری وفات بھی تمہارے لیے بہتر ہے تم مجھ سے کلام کرتے ہو اور میں تم سے کلام کرتا ہوں۔

جیسا کہ پچھلے صفحات میں اس حدیث کی شرح میں گذر چکا ہے۔

اور دوسری آیت کہ جس سے منکرین توسل کے جواز کی نفی پر استدلال کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا قول مبارک ہے:

وَ اِذَا سَاَلَکَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْب اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ۔

اور جب تم سے میرے بندے میرے بارے میں پوچھیں تو میں قریب ہوں دعا سنتا ہوں جب کوئی دعا کرنے والا دعا کرتا ہے۔[1]

وہ کہتے ہیں کہ دعا میں واسطہ منع ہے جیسا کہ عادت جاری ہے کہ اس جیسے نسق کے جواب میں "قل" کا لفظ ہوتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَيَسْاَلُوْنَکَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ قُلِ الْعَفْوَ۔

تم سے پوچھتے ہیں کیا خرچ کریں تو فرماؤ جو بچ جائے۔[2]

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان:

يَسْاَلُوْنَکَ عَنِ الْاَهِلَّة قُلْ هِيَ مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجّ۔

---

[1] سورۃ البقرۃ: ۱۸۶۔

[2] سورۃ البقرۃ: ۲۱۹۔

آپ سے چاند کے بارے میں پوچھتے ہیں فرمادو یہ لوگوں کے لیے اوقات اور حج کے۔[1]

اور اللہ تعالیٰ کا قول:

وَیَسْأَلُوْنَکَ عَنِ الْمَحِیْضِ قُلْ ھُوَ اَذًی۔

تم سے حیض کے بارے سوال کرتے ہیں تم فرماؤ یہ ناپاکی ہے۔[2]

ان تمام آیات میں جواب ''قل'' کے ساتھ ہے جبکہ دعا میں جواب ''قل'' کے ساتھ نہیں بلکہ بغیر ''قل'' کے ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ دعا میں واسطہ منع ہے۔

فضیلۃ الشیخ سلیمان فرج نے اس کا جواب دیا ہے کہ:

اس بارے میں کتاب اللہ میں کئی سوال ہیں کہ بعض اوقات اس کا جواب ''قل'' کے ساتھ دیا گیا ہے اور بعض اوقات بغیر ''قل'' کے اور یہ اسلوب کے حسب مقتضی ہے اس میں منع توسل کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ نبی اکرم ﷺ سے قیامت کے بارے میں پوچھا گیا جیسا کہ فرمان الٰہی ہے:

یَسْأَلُوْنَکَ عَنِ السَّاعَةِ اَیَّانَ مُرْسَاھَا فِیْمَ اَنْتَ مِنْ ذِکْرَاھَا اِلٰی رَبِّکَ مُنْتَھَاھَا۔

وہ آپ سے قیامت کے بارے میں پوچھتے ہیں کہ کب آئے گی گویا کہ تو نے اس کو یاد کر رکھا ہے اس کی انتہا تیرے رب کے پاس ہے۔[3]

تو اس میں جواب قل کے ساتھ نہیں یا کیونکہ قیامت مغیبات میں سے ہے۔

میں کہتا ہوں کہ اگر اس آیت میں ''قل'' کا لفظ صادر ہوتا تو ضمیر کو اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹنے سے ممتنع ہوتا اور ضمیر رسول اللہ ﷺ کی طرف لوٹتی تو معنی اس طرح ہوتا کہ نبی اکرم ﷺ قریب ہیں اور یہ متعذر ہے کیونکہ اس میں ضمیر کے لوٹنے کا مقصود لفظ جلالت ہے۔

---

[1] سورۃ البقرۃ ۱۸۹۔

[2] سورۃ البقرۃ: ۲۲۲۔ [3] سورۃ النازعات: ۴۲۔۴۴۔

قل کے لفظ کا حذف قبولیت دعا کے لیے نبی اکرم ﷺ کے مقام کے قرب کی شدت کا مقتضی ہے کیونکہ آیت کے سیاق کا اقتضا نبی اکرم ﷺ سے سوال ہے اور اگر واسطہ منع ہوتا تو اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر نبی اکرم ﷺ سے سوال نہ ہوتا اور فطرتاً خالق کے قرب کی معرفت ہونی چاہیے لیکن سوال کو نبی اکرم ﷺ کی طرف پھیرنا یہ رسالت کی شان وعظمت ہے۔

المطلب الثانی:

ابن تیمیہ کی کتاب ''الواسطہ بین الحق والخلق'' کا رد

اتفاقی بات

الوسیلہ: یہ مامول تک پہنچنے کا راستہ ہے۔

اور شریعت میں وسیلہ ایک ایسا پل ہے جو جو مشروع معانی کے لئے وضع کیا گیا ہے یا یہ ایسے ظواہر ہیں جو نفس اور محسوس معانی سے تعلق رکھتے ہیں یا یہ ایسے راستے ہیں جو مخصوص مطالب کے لیے چلائے گئے ہیں اور شریعت میں توسل ایک ڈرنے والے انسان کا جان بوجھ کر اپنے کیے ہوئے اعمال کی طرف توجہ نہ کرنا اور خدا رسیدہ ہستیوں کے مقبول اعمال سے امیدیں وابستہ کرنا۔

الرد:

ابن تیمیہ نے ''الواسطہ'' صفحہ ۲۰ میں رسول نفع نہیں پہنچا سکتے کے عنوان کے تحت لکھا:

واسطہ سے اگر یہ ارادہ کرے کہ واسطہ میں سے ضروری ہے کہ نفع کا حصول اور تکلیف کو دور کرنا مثلاً اگر واسطہ بندوں کے رزق میں ہو یا ان کی مدد اور ان کی ہدایت کے لیے ہو اس سے وہ سوال کریں گے اور اس سلسلہ میں اس کی طرف رجوع کریں تو یہ شرک اکبر ہے مشرکین کو اسی کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے کافر کہا۔ کیونکہ انہوں نے اللہ کے سوا اولیاء اور سفارشی بنا لیے تھے ان

سے نفع طلب کرتے تھے اور تکالیف سے بچتے لیکن شفاعت وہی کر سکے گا جس کو شفاعت کا اللہ تعالیٰ اذن عطا فرمائے گا، انتہی کلامہ۔

میں کہتا ہوں:

شیخ نے اس تقریر میں تناقض سے کام لیا ہے کیونکہ اس نے کہا کہ مگر وہ شفاعت کہ جس کا اذن اللہ تعالیٰ نے دیا ہو۔ اس نص کے بعد اس نے امت پر کام مخلوط کر دیا جو کہ مخفی نہیں ہے شیخ کو چاہیے تھا کہ سبب اور مسبب میں فرق کرتا اور نفع ونقصان مطلق اور مقید میں فرق کرتا اور وسائط مشروعہ کہ جن کی اللہ تعالیٰ نے اجازت دی ہے اور غیر ماذون وسائط میں تفریق کرتا لیکن افسوس کہ اس نے مشروع وممنوع کو خلط ملط کر دیا اور اس کو چاہیے تھا کہ مومن کا عقیدہ واضح کرتا اور اس کے سبب مطلق اور سبب مقید کے ساتھ تعامل کے طریقے کی وضاحت کرتا اور واسطہ اور واسطہ کے خالق میں بھی وضاحت کرتا۔ اور اس سے بھی زیادہ تعجب اس پر ہے جو کہتا ہے کہ بے شک قوت اشیاء میں ودیعت کی گئی ہے جبکہ اہل حق اس سے بری ہیں کیونکہ جب وہ توسل کرتے ہیں حضرات انبیاء کرام، ملائکہ اور اولیاء عظام سے تو یہ نہیں کہتے کہ قوت ان میں تاثیر مطلق سے ودیعت کر دی گئی ہے لیکن وہ ان کے صدق کی برکت سے اللہ تعالیٰ سے امید کرتے ہیں کہ وہ ان کے لیے دنیا وآخرت کے امور میں سے ان کے لیے متحقق فرما دے گا اس صدق اور تقوی کے ساتھ کہ جو ان کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے۔

اور موحدین میں سے کسی پر بھی علی وجہ البسیط کسی بھی عاقل پر یہ گمان نہیں کرنا چاہیے کہ وہ یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ وسائط بالذات نفع ونقصان کے مالک ہیں مگر اس کا عقیدہ تو یہی ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اذن وحکم سے وہ ان اشیاء کا مالک ہے۔

اور وسائل و وسائط، مشروعہ تو یہ مخلوق کے لیے حق کے دلائل ہیں اس کی رسالت پہنچانے میں اور اس کی رحمت اسعاد کے نزول میں اور اس کے بندہ کے لیے اس کی اتباع کے صدق میں اس کی ابتلاء کے مظاہر میں سے مظہر ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کا امتحان لیا جب ان کو آدم علیہ السلام کے لیے سجدہ کا حکم فرمایا یہ جانتے ہوئے کہ اس کے سوا کو سجدہ شرک ہے تو سوائے ابلیس کے کسی نے بھی سجدہ کے حکم سے انکار نہیں کیا اور یہ سجدہ مجرد دعا نہیں بلکہ محسوس حقیقی سجدہ تھا پس وہ (آدم علیہ السلام) ابتلاء کے مظاہر میں سے مظہر تھے اس ایک مشھد کی طرف سے دوسرے مشھد کی طرف پھرنا ہے جس کو ہم اپنی زندگی میں پاتے ہیں یہاں تک کہ اس سے ملیں۔

تحقیق کعبہ کی عظمت ہے کہ ہمیں اس کی طرف سجدہ کا حکم ہے یہ جانتے ہوئے کہ سجدہ حقیقت میں اللہ تعالیٰ کے لئے ہے کیا ہمیں یہ حق پہنچتا ہے کہ ہم یہ اعتقاد رکھیں کہ کعبہ کے لیے سجدہ غیر اللہ کو سجدہ ہے؟

اللہ تعالیٰ نے ہمیں سمت کعبہ کو سجدہ کرنے کا کیوں حکم فرمایا؟

اس میں کئی امور ہیں:

پہلا: اللہ تعالیٰ جہت سے منزہ ہے اور اس کی صورت و شکل بھی نہیں ہے۔

دوسرا: اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرنا تذلل کے انتہائی درجات میں سے ہے اور اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سے ذلیل ترین جمادات ہیں لہذا ہمیں حکم دیا گیا کہ ہم زمین پر سجدہ کریں اور اس پتھر کی طرف زمین سے منہ کریں کہ جو مبارک و مشرف ہے کیونکہ یہی پتھر ہے کہ جس نے خضوع کے انتہائی درجات کے ساتھ شرف پایا جب کہ اس پر حق نے اس قول کے ساتھ تجلی فرمائی:

ثُمَّ اسْتَوٰى اِلَى السَّمَآءِ وَهِيَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَ لِلْاَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا قَالَتَا اَتَيْنَا طَائِعِيْنَ

پھر آسمان کی طرف قصد فرمایا اور وہ دھواں تھا تو اس سے اور زمین سے فرمایا کہ دونوں حاضر ہو خوشی سے چاہے ناخوشی سے دونوں نے عرض کی ہم رغبت کے ساتھ حاضر ہوئے۔[1]

تو یہی وہ جگہ تھی کہ جس کے پتھروں نے رب العالمین کے حکم پر بول کر اس حکم کو قبول کیا تھا۔ کیونکہ اسی جگہ کی مٹی کو آقا ﷺ کے لیے قبول کیا گیا تھا پس آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے انتہائی زیادہ متواضع بندے ہیں جس طرح کعبہ شریف نمازیوں کے ظاہری جسدوں کا قبلہ ہے اسی طرح آقا کریم ﷺ کی روحِ انور تمام ارواح سعیدہ اور قلوب منیبہ صادقہ کا قبلہ ہے۔

اور اسی لیے جب کوئی نمازی نماز پڑھ رہا ہو اور نبی اکرم ﷺ اس کو ندا فرمائیں تو اس پر واجب ہے کہ وہ اپنی نماز کو قطع کرے اور کعبہ کی طرف سے متوجہ ہو آپ ﷺ کی بات سنے اور یہ طے شدہ امر ہے کہ نمازی اپنی نماز نہیں قطع کرے گا مگر اس چیز کے لیے جو اس سے بہتر ہو تو معلوم ہوا کہ آپ ﷺ تمام مخلوقات کا قبلہ ہیں۔ بلکہ رب کے شعائر کی تعظیم کو اس کا تقوی بنایا ہے۔

پس اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ

اور جو اللہ کے نشانوں کی تعظیم کرے تو یہ دلوں کی پرہیز گاری سے ہے۔[2]

پس ہمیں رسول اللہ خاتم النبیین کی تعظیم کا حکم دیا گیا ہے اور آپ ﷺ کی آل و اصحاب رضی اللہ عنہم اور ہر مومن صادق کی تعظیم کا حکم بھی دیا گیا۔

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

---

[1] سورۃ حم السجدۃ: ۱۱۔

[2] سورۃ الحج: ۳۲۔

أذکر کم الله في أهل بیتي، أذکر کم الله في أهل بیتي۔

میں تمہیں اپنے اہل بیت کے متعلق اللہ کو یاد دلاتا ہوں، میں تمہیں اپنے اہل بیت کے متعلق اللہ کو یاد دلاتا ہوں۔[1]

اور فرمایا: ''اللہ اللہ في اصحابي''[2] پھر فرمایا:

ثم الذین یلونهم ثم الذین یلونهم۔[3]

پھر جو ان سے ملے اور پھر جو ان سے ملیں گے۔

تو کیا اس تعظیم میں شرک کا شبہ ہوگا کیونکہ عظیم تو صرف اللہ ہے؟

پس کون ہے جو اس کو اور اس کو ملائے گا اور الزام دے گا؟

پس جو اس کے اور اس کے درمیان اختلاط کرے گا تو لازم ہے کہ وہ سبب سے نفع اور مسبب کے نفع کے درمیان اور سبب کے نقصان اور مسبب کے نقصان کے درمیان اختلاط نہ کرے۔

اور ابن تیمیہ نے اعتبار کیا کہ جو مجرد نفع ونقصان ملائکہ اور انبیاء کے لیے اعتقاد رکھے وہ مشرک ہے یہ اتہام ہے غلط جگہ پر اور غلط بات ہے بغیر تفصیل کے۔

تیسرا: کیونکہ یہی پہلا مبارک بقعہ ہے کہ جس نے اللہ تعالیٰ کی بات پر لبیک کہا تو اس پر کعبہ معظّمہ بنایا گیا تو اس بقعہ مبارکہ کو مسلمانوں کا قبلہ بنا دیا یہاں ان کی دعائیں قبول ہوتی ہیں اس جذب سریان کے طریقہ سے کہ جو اجسام کے لیے ہے جیسا کہ علم ہیئت سے معلوم ہے۔ اور جب اللہ تعالیٰ نے انسان کو متضاد صفات سے مرکب پیدا کیا اس میں صفت خیر بھی ہے اور صفت شر بھی اور ہر صفت کے خاص مشاعر ہیں کہ جو اجابت وقبولیت کے ساتھ لاحق ہوتے ہیں۔

---

[1] رواہ مسلم في الصحیح (۲۴۰۸) في الفضائل۔ واحمد في مسندہ ۴/۳۶۶)

[2] رواہ الترمذي في الجامع (۳۸۶۲) واحمد في مسندہ ۵/۵۴۔

[3] رواہ البخاري في الصحیح (۳۶۵۱) ومسلم في الصحیح (۲۵۳۳)

صفت خیر کہ اس کی اجابت خضوع وخشوع اور تواضع میں ہے اور شر کی خصلت کہ اس کی استجابت تکبر اور بڑائی ہے۔ اسی لیے فرشتوں اور ابلیس کا امتحان حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے سے لیا گیا۔ ملائکہ تو تمام کے تمام نے سجدہ کیا اور ابلیس نے اپنی بڑائی دکھاتے ہوئے انکار کر دیا کہ جو اس کی نظر میں اس سے کم تر اور ادنی تھا کو سجدے کرے۔

اسی لیے کعبہ معظمہ وہ بقعہ مبارکہ ہے کہ جس نے اللہ تعالیٰ کیلیے تواضع کی تو وہ موحدین کا قبلہ بن گیا حتی کہ شیطان ذلیل وخوار ہوا۔

پس ان کی استجابت ذوات مکرمہ ناطقہ کے طریق سے بقعہ متواضعہ مبارکہ تک پہنچتی ہے جس سے بری ضصلت کی تروتازگی ماند پڑ جاتی ہے جو صاحب خصلت کو اقوی اور اعظم یعنی متکبر بننے کی طرف لے جاتی ہے۔

اور باقی قبلہ روحیہ رہ جاتا ہے اور یہ قلب مومن کا سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب کے ساتھ اتصال ہے۔ کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ارواح کا قبلہ ہیں اور کعبہ جسموں کا قبلہ ہے اور اجسام کا تواضع کے ساتھ ملانا روح کو اعلی مراتب کی طرف پہنچانا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ:

من تواضع للہ رفعہ۔

جس نے اللہ تعالیٰ کے لیے تواضع کی اللہ تعالیٰ نے اس کو بلند کیا۔ [1]

اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ جس نے اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنی بڑائی دکھائی اس کو اس نے ذلیل وخوار کر دیا۔

---

[1] رواہ ابن ماجه في السنن برقم ۴۱۷۶ و ابن حبان في صحيحه برقم ۵۶۷۸ بلفظ "من تواضع لله درجة يرفعه الله درجة، حتى يجعله في أعلى عليين، ومن يتكبر على الله درجة، يضعه الله درجة، حتى يجعله في أسفل السافلين۔۔۔الحدیث جس نے اللہ تعالیٰ کے لیے تواضع کی ایک درجہ اللہ تعالیٰ اس کا درجہ بڑھا دیتا ہے حتی کہ اس کو اعلی علیین تک پہنچا دیتا ہے اور جس نے اللہ پر تکبر کیا ایک درجہ اللہ تعالیٰ اس کو ذلیل کرتا ہے حتی کہ اس کو اسفل السافلین تک پہنچا دیتا ہے۔)

ابن تیمیہ نے صفحہ ۲۲ میں کہا:

پس اللہ نے بیان فرمایا کہ انبیاء اور ملائکہ کو رب بنانا کفر ہے اور جس نے انبیاء اور ملائکہ کو وسیلہ یا واسطہ بنایا کہ ان کو پکارتا اور ان پر بھروسہ کرتا ہے اور ان سے نفع کا سوال کرتا اور تکلیف کے دور کرنے کا کہتا ہے مثلاً ان سے گناہوں کی معافی طلب کرتا ہے اور دلوں کی ہدایت مانگتا ہے اور مشکلات کو دور کرنے اور افاقہ کو مٹانے کا کہتا ہے تو وہ باجماع مسلمین کافر ہے۔

الرد:

میں کہتا ہوں کہ: اس عبارت میں ہر قاری کو ابہام میں ڈال دیا ہے کیونکہ کوئی بھی مسلمان ایسا نہیں کہتا کہ جو ایسا کرے گا وہ کافر ہوگا چہ جائیکہ اس پر اجماع ہو۔ ہاں اگر وہ ان کو بالذات استقلالاً نفع ونقصان کا مالک سمجھے تو ایسا امر ہے کہ جس میں کوئی شک نہیں ہے اور امت مرحومہ کے بارے مین ایسا خیال رکھنا جائز نہیں ہے وہ یہ اعتقاد رکھے کہ جس نے یہود ونصاریٰ کو گمراہ کر دیا کیونکہ امت اسلام امت مرحومہ ہے اور ان گمراہیوں سے محفوظ ہے اور اس کے ساتھ اس نے اپنی کتاب اور اپنے نبی کی حفاظت کی پس نبی اکرم ﷺ کی محبت اللہ تعالیٰ کی محبت ہے اور نبی اکرم ﷺ کی اطاعت واتباع اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے لہذا یہ شرک کی غلاظت میں نہیں پڑسکتی۔ کیونکہ اس امت نے اپنے آپ کو نبی اکرم ﷺ کی عبادت سے بچالیا ہے۔

کیونکہ اس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندہ خاص پر درود وسلام کا حکم فرمایا ہے اور آپ ﷺ کی عبودیت کی صراحت اس فرمان میں فرمادی ہے:

سُبْحَانَ الَّذِيْ أَسْرٰى بِعَبْدِهٖ

پاک ہے وہ جس نے اپنے بندہ خاص کو سیر کرائی۔ [1]

---

[1] سورۃ الاسراء: ۱۔

اور یہ بھی معلوم ہے کہ جس آیت سے ابن تیمیہ نے استدلال کیا ہے وہ اس کے مقصد پر دلالت نہیں کرتی۔ کیونکہ حق تعالیٰ نے اپنے انبیاء کرام علیھم السلام کو اس سے بری کر دیا ہے کہ وہ لوگوں سے کہیں کہ ہمارے عبادت گذار بن جاؤ۔ لیکن وہ تو کہتے ہیں کہ ربانی یعنی رب والے بن جاؤ اور ربانی وہ ہوتا ہے کہ جو شریعت میں صدق واخلاص کے ساتھ پرورش پاتا ہے حتی کہ اس صدق کی حقیقت کو پہچانتا ہے اور اپنے علم پر عمل کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو ایسے علم کا وارث بناتا ہے کہ جس کو وہ پہلے نہیں جانتا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے تم کو وسائط کے ساتھ آزمایا اور تم کو ان کی تعظیم وتوقیر پر ابھارا اور اسی پر موقوف نہ رکھا بلکہ تم کو اس پر ابھارا کہ تم واسطہ کے ذریعے اس کی قدر پہچانو اور اس کا حق ادا کرو اور پہنچو اس تک جس کے لیے اس کو پیدا کیا گیا ہے اور اس کی حرکت دی گئی اور تمہیں اس سے ملا دیا یہاں تک کہ تم قوت فعال نہ دیکھو مگر اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے لیے وہاں سوائے خالق کے مخلوق کے لیے کوئی رب نہیں اور تمام واسطے مطلوب تک پہنچنے کے دلائل ہیں۔ پس موسط اور موسوط کے حقوق کے درمیان خلط کرنا جائز نہیں ہے پس کبھی موسط موسوط کے ساتھ کئی امور میں شرکت کرتا ہے اور کئی امور میں افتراق پس موسط کا نفع وضرر ذاتی اور مطلق ہوتا ہے اور وہی غفار ورحمن ہے اور موسوط کا نفع وضرر مقید ہوتا ہے اور اس سے رحمت اور بخشش استقلالاً نہیں بلکہ بطور توجہ الی اللہ کے مانگی جاتی ہے جیسا کہ کہتا ہے:

یا رسول اللہ ﷺ میرے لیے اللہ تعالیٰ سے رحمت مانگیے میرے لیے اللہ تعالیٰ سے بخشش طلب فرمایئے۔

کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَ لَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَلَمُوْا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ، وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا۔

اور حدیث شریف میں وارد ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کا پاؤں سن ہو گیا تو آپ کو عبدالرحمن بن سعد نے کہا لوگوں میں سب سے زیدہ پیارے کا نام لیجیے تو انہوں نے کہا: یا محمد ﷺ گویا کہ ان کی بندھی ہوئی رسی کھل گئی ہو۔ اور وارد ہے کہ مسلمانوں کا جنگ یمامہ میں شعار و نعرہ تھا: وامحمداہ۔

اور ابن تیمیہ نے صفحہ ۲۵ میں کہا کہ:

اور جس نے اللہ تعالیٰ اور اس کی مخلوق کے درمیان واسطے ثابت کیے جیسا کہ حکام اور ان کی رعایہ کے درمیان پردے اور حجاب ہوتے ہیں اس طرح کہ وہ مخلوق کی حاجات اللہ کے حضور پیش کرتے ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ بندوں کو ہدایت اور رزق ان کے توسط سے دیتا ہے۔ پس مخلوق ان سے طلب کرتی ہے اور وہ اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں جیسا کہ بادشاہوں کے پاس واسطے ہوتے ہیں وہ بادشاہوں سے اپنے قرب کی وجہ سے لوگوں کی حاجات کا سوال کرتے ہیں اور لوگ از راہ ادب ان سے سوال کرتے ہیں اور بادشاہ سے ڈائریکٹ سوال نہیں کرتے یا پھر بادشاہ سے مانگنے کی بجائے واسطہ کے ذریعے سوال کرنے سے زیادہ نفع حاصل ہوتا ہے کیونکہ وہ طالب کی بنسبت بادشاہ کے زیادہ قریب ہوتا ہے پس جس نے اس طرح کے واسطے ثابت کیے وہ کافر اور مشرک ہے اس پر توبہ کرنی واجب ہے اگر توبہ کرلے تو فبہا ورنہ اس کو قتل کر دیا جائے کیونکہ یہ لوگ اللہ کے لیے تشبیہ کے قائل ہیں اور مخلوق کو خالق کے ساتھ تشبیہ دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہیں۔ (انتھی)

الرد:

اے محترم قاری! اس عبارت میں گمراہی اور غلطی ہے جو خالق کو مخلوق پر قیاس کرتا ہے وہ لامحالہ کافر ہے اور جو قیاس نہیں کرتا دونوں میں فرق ہے بلکہ اس میں تو صرف ظاہری

طور پر مجرد تشبیہ ہے حقیقت میں تشبیہ نہیں ہے پس جو شخص انبیاء و اولیاء کا قصد قضائے حاجات کرے اس کو کیا نقصان ہے اور اس کے جواز میں بہت ساری صحیح نصوص وارد ہیں اور اگرچہ صرف مجرد زمین کے بادشاہوں کی طرف قصد کرنے پر قیاس کر کے جائے ایسے تو تشبیہات بہت ساری ہیں جیسا کہ ہمیں کعبہ کے لیے سجدہ کا حکم کرنا اور اپنے رسول کی بیعت کو اللہ تعالیٰ کا اپنی بیعت قرار دینا اور رسول اللہ ﷺ کی اتباع کو اپنی اتباع فرمانا اور آپ ﷺ کی محبت کو اپنی محبت قرار دینا اور پھر ملک الموت کو ارواح کے قبض کا حکم دینا اور فرشتوں کراما کاتبین کو مکلفین کے اعمال خیر و شر لکھنے کا حکم فرمانا اور فرشتوں کا اللہ تعالیٰ کے حکم سے بندہ کی حفاظت فرمانا۔

اور یہ صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ حکم فرمائے گا کہ لوگ حضرت آدم علیہ السلام سے شفاعت طلب کریں پھر اس کے دیگر انبیاء سے حتی کہ پھر وہ حضرت محمد ﷺ تک پہنچیں گے تو کیا یہ سب کچھ اللہ کا عجز ہے؟ العیاذ باللہ؟

تو ابن تیمیہ پر لازم ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ پر عجز کا حکم لگائے یا پھر مسلمانوں پر اس نے جو الزام لگایا ہے اس مندرجہ بالا عبارت میں اس سے رجوع کر کے مسلمانوں کو اس الزام سے بری کرے۔

ابن تیمیہ نے قرآن کریم میں مردود واسطوں کا ذکر کرتے ہوئے کہا جیسا کہ اس کا گمان ہے۔

الوجہ الاول: جو یہ کہے کہ اللہ تعالیٰ بندوں کے احوال نہیں جانتا یہاں تک کہ اس کی خبر فرشتے یا انبیاء وغیرھم نہ دیں تو وہ کافر ہے۔۔۔

تو یہ حق ہے لیکن مسلمانوں کے فرقوں میں سے کونسا مسلمان اس کا اعتقاد رکھتا ہے؟

بلکہ ایسا عقیدہ تو بت پرست بھی نہیں رکھتے۔۔۔

تو مسلمانوں پر ایسا باطل گمان کیونکر جائز ہے؟۔

اور ایسے ہی کہا:

الوجہ الثانی: یا بادشاہ رعیت کی تدبیر اور اس کے دشمنوں کو دفع کرنے سے بغیر اپنے مددگاروں کے عاجز ہوتا ہے تو ضروری ہے کہ اس کے عجز اور ذلت کو دور کرنے کے لیے اس کے دوست اور مددگار ہوں اور اللہ تعالیٰ کا کوئی مددگار نہیں اور دوست نہیں ذلت سے۔۔۔

کوئی بھی مسلمان ایسا نہیں کہتا سوائے ابن تیمیہ اور اس کے حواریوں کے۔

ابن تیمیہ نے اپنے فتاوی جلد ۵ صفحہ ۷۰ ۵ میں کہا:

اور فرشتوں میں سے اللہ تعالیٰ کے مددگار۔

اور ابن تیمیہ نے یہ بھی کہا:

تیسری وجہ: کہ بادشاہ اپنی رعایا پر نفع کرنا اور ان پر احسان اور رحمت نہیں کرنا چاہتا مگر خارج سے جب تک کوئی اس کے لیے تحریک نہ دے۔۔۔

اور اللہ تعالیٰ ہی رب ہر شیء کا اور اس کا مالک ہے اور وہ اپنی مخلوق پر ماں کے اولاد پر مہربان و شفیق ہونے سے بھی زیادہ مہربان ہے، اور یہ تمام اشیاء اس کی مشیت سے ہوتی ہیں جو چاہا ہو گیا اور جس کو نہ چاہا وہ نہیں ہوتا اور جب اس نے بعض بندوں سے بعض کو فائدہ پہنچانا چاہا تو اس کے لیے اس کو نیکی کرنے والا بنا دیا وہ اس کے لیے دعا کرتا ہے اور اس کی سفارش کرتا ہے اور اسی طرح دیگر امور۔

پس وہ وہی ذات ہے کہ جس نے یہ سب کچھ پیدا فرمایا ہے اور وہی ہے کہ جس نے داعی و محسن کے دل میں احسان و دعا اور شفاعت کا ارادہ ڈال دیا ہے اور یہ جائز نہیں کہ کائنات میں کوئی اللہ تعالیٰ کو اس کے ارادے کے خلاف کرنے پر مجبور کر سکتا ہے یا اس کو وہ کچھ بتاتا ہے جن کو وہ نہیں جانتا کہ اس کو بتائے کہ کون رب سے امید رکھتا ہے اور اس سے ڈرتا ہے اور شفاعت کرنے والے اس کے اذن کے بغیر شفاعت نہیں کر سکتے پس ظاہر ہو گیا کہ اس کے سوا جس کو بھی بلایا جائے اس کے لیے ملک نہیں اور نہ ہی وہ اللہ کے

ملک میں شریک ہے اور نہ ہی اس کا مددگار اور ان کی شفاعت انہی کو فائدہ دے گی کہ جن کے لیے اذن دیا جائے گا اور یہ ملوک کے برخلاف ہے کیونکہ ان کے سامنے سفارش کرنے والا کبھی ملک کا مالک ہوتا ہے اور کبھی وہ ملک میں شریک ہوتا ہے اور کبھی اس کے ملک کے چلانے کے لیے ان کا معاون ہوتا ہے۔

اور بندوں میں سے بعض کی بعض کے لیے سفارش کرنا تمام کی تمام اس جنس سے ہی ہے پس کسی کی شفاعت کسی کے لیے قبول نہیں کی جاتی مگر رغبت اور رھب میں اور اللہ تعالیٰ کسی سے کچھ نہ خوف رکھتا ہے اور نہ ہی رغبت ہے اور نہ ہی وہ کسی کا محتاج ہے بلکہ وہ غنی ہے اور مشرکین جن کو پوجتے ہیں ان کو اپنا سفارشی بتاتے ہیں۔

الرد:

یہ باتیں قیاسات ہیں جو کہ ابن تیمیہ کے خیال میں آئے ہیں اللہ تعالیٰ اس سے منزہ ہے کہ اس کے مطلق اقتدار کو مخلوق کے عاری اقتدار پر قیاس کیا جائے پس اللہ تعالیٰ کا اپنے بندہ سے شفاعت کا قبول فرمانا سے وہ لازم نہیں آتا جو مخلوق پر لازم آتا ہے۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَلَا يَشْفَعُوْنَ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى۔

وہ شفاعت نہیں کریں گے مگر جس کے لیے وہ پسند فرمائے۔[1]

اس سے اس کے تمام زعم باطل ہو گئے یہ وہ شافعی ہیں کہ جن کو اللہ تعالیٰ نے اذن دیا ہے اور ان کی شفاعت کو برقرار رکھا ہے تو اللہ تعالیٰ کے اذن سے وہ لازم نہیں آئے گا جو مخلوق میں لازم آتا ہے جیسا کہ ابن تیمیہ نے انبیاء و اولیاء کے بارے میں الزام لگایا کہ حق تعالیٰ رغبت یا خوف سے شفاعت قبول فرمائے گا ہم اس کو کہتے ہیں:

---

[1] سورۃ الانبیاء: ۲۸۔

انبیاء کے لیے شفاعت ثابت ہونے کے بعد تو خود ہی اس الزام کا زیادہ
حقدار ہے کیونکہ اہل حق کو تو اس الزام کا کوئی خطرہ نہیں ہے کیونکہ وہ خالق کا
حق بھی جانتے ہیں اور مخلوق کا حق بھی جانتے ہیں۔

اور صفحہ ۳۱ میں اس نے شفاعت کی تفسیر دعا کے ساتھ کی ہے وہ کہتا ہے شفاعت دعا ہے
اور اس میں کوئی شک نہیں کہ مخلوق کی ایک دوسرے کے حق میں دعا نافع ہوتی ہے اور اللہ
تعالیٰ نے اس کا حکم فرمایا ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

صفحہ ۳۳ میں کہا:

ہر دعا کرنے والا شافع ہے وہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہے اور شفاعت کرتا ہے
پس اس کی دعا اور شفاعت اللہ کی تقدیر اور قدرت اور مشیت پر ہی ہوگی
وہی دعا کو اور شفاعت کو قبول فرمانے والا ہے وہی سبب اور مسبب کو پیدا
فرمانے والا ہے اور دعا ان جملہ اسباب میں سے ہے کہ:
جس کو اللہ تعالیٰ نے مقدر کیا ہے۔

الرد:

اس میں کسی دو شخصوں کا بھی اختلاف نہیں کہ شفاعت وہ دعا ہے جو کہ شفیع کے ساتھ
ملی ہوئی ہے یہ مجرد دعا نہیں ہے کیونکہ دعا کا وجود شفیع کے بغیر نہیں ہوتا پس شفیع اصل ہے اور
شفاعت فرع اور ان دونوں کے درمیان فاصلہ کرنا حماقت و جہالت ہے اور اس میں کوئی
شک وشبہ نہیں ہے کیونکہ یہ دونوں لازم وملزوم ہیں اور علیحدہ نہیں ہوتے پس جب بندہ نبی
یا ولی سے توسل کرتا ہے تو وہ اس کی قدر ومنزلت اور اس مقام کے ساتھ توسل کرتا ہے کہ جو
قبولیت دعا کو مستلزم ہوتا ہے۔ لیکن وہ شفیع کون ہے؟ اور اس کو دوسری مخلوق سے خاص
کیوں کرلیا گیا؟

بے شک اللہ تعالیٰ نے مقرب فرشتوں اور انبیاء کرام اور صدیقین کو شفاعت کے

ساتھ مختص فرمایا ہے بلکہ شفاعت عظمیٰ کے ساتھ خاص فرمایا تو آپ کو کیوں مختص فرمایا؟ اور دوسری مخلوق کے بجائے صرف انبیاء واولیاء اور صدیقین کو صرف مختص کیوں فرمایا ہے؟

بے شک اس کی قبولیت تو واضح ہے کیونکہ نبی اکرم ﷺ کا اختصاص دیگر انبیاء کرام کی بجائے آپ ﷺ کی قدر ومنزلت اور اللہ کے ساتھ قرب کی وجہ سے ہے جو آپ ﷺ کو ان کی منزلت سے بلند کرتا ہے اگر یہ قدر ومنزلت نہ ہوتی تو آپ ﷺ سید الشفعاء کیسے ہوتے اور جب آپ ﷺ کی شفاعت جائز ہے اور اسی طرح دیگر انبیاء اور صدیقین میں ہے اگر ان کی قدر ومنزلت اور عالی درجات ان کے رب کے پاس نہ ہوتے تو ان کو شفاعت کے لیے مخصوص نہ فرمایا جاتا۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ''الا باذنہ'' اس آیت سے یہ فائدہ حاصل ہوتا ہے شفاعت کرنے والے کی شفاعت اس کی قبولیت کی مقتضی ہے اور یہاں اذن کا معنی اس کے نفاذ کا اذن ہے شفعاء کو اس کا علم بحسب قدرت اور مشیت ایزدی پر ہے۔

اور اس کا کہنا کہ:

مخلوق میں سے بعض کے لیے نافع ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے ساتھ اس کو مقدر فرمایا۔

الرد:

میں کہتا ہوں: کہ اس طرح لوگوں کا دعا بجاہ النبی ﷺ کرنا بھی نافع ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں اور نبی اکرم ﷺ کی سنت میں اس کا حکم ہے اس کتاب میں اپنی جگہ پر یہ بحث گذر چکی ہے۔

اور اس کا قول: اور اس میں شک نہیں کہ بعض مخلوق بعض مخلوق کے لیے نافع ہے اور اللہ نے اس کا حکم فرمایا ہے۔---------

یہ باطل ہے اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے نہیں فرمایا کیونکہ مخلوق نیک و بد، مسلم و

کافر سب ہیں لہذا یہ ایسی زلت ہے کہ اس سے غافل نہیں ہونا چاہیے پس جس کی دعا قبول کی جاتی ہے وہ مسلم کی مسلمان بھائی کے لیے اس کی پیٹھ پیچھے مانگی ہوئی دعا ہے اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ کفار کی دعا بھی نافع ہے اور اگر ایسا ہوتا تو دین اسلام کی کوئی بڑائی اور رنگت نہ ہوتی۔ پس کیا فرعون کی ھامان کے لیے اور ھامان کی فرعون کے لیے دعا نافع ہے؟

اور میرا یہ عقیدہ نہیں کہ ابن تیمیہ اس طرح کہہ سکتا ہے لیکن یہ ''زینو'' کی زلت ہے کہ جو علم کے ساتھ جہل اور حماقت داخل کر کے اسلاف پر افتراء باندھتا ہے اس کا کہ جو انہوں نے نہیں کہا اور اس کی زبان جھوٹ سے پاک نہیں حتی کہ وہ احمد بن تیمیہ الحرانی پر بھی جھوٹ بولتا ہے وہ اس کی عبارت پکڑتا ہے جو اس کے مطلب کی ہوتی ہے اور جو اس کے خلاف ہوتی ہے اس کو حذف کر دیتا ہے اور ایسی نصوص کو اس پر حمل کرتا ہے کہ جس کی وہ متحمل نہیں ہوسکتیں۔ اس گذری ہوئی عبارت کے بعد میں ذکر کیا۔

لیکن دعا کرنے والے شافع کے لیے جائز نہیں کہ وہ دعا کرے یا شفاعت کرے مگر اس کے اذن کے بعد تو ایسی شفاعت نہ کرے کہ جس سے منع کیا گیا ہو جیسے مشرکین کی شفاعت اور ان کے لیے دعائے مغفرت پس یہ عبارت واضح کر رہی ہے کہ ''زینو'' نے اس رسالہ میں تحریف کی ہے تو جب فتاوی ابن تیمیہ کی طرف گیا تو ہم نے دیکھا اس عبارت میں خطرناک تحریف کی گئی ہے۔ پس ابن تیمیہ جانتا ہے کہ عبارت کس طرح ہونی چاہیے اور لغت میں وہ مبتدعین کی طرح خطا نہیں کرتا میں چاہتا ہوں کہ میں ''زینو'' سے پوچھوں کہ جملہ (الا باذنہ) میں ضمیر کس کی طرف لوٹتی ہے؟ یہ ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹتی ہے یا کہ شفیع کی طرف؟ یہاں فاعل کے بعد ہے۔ بلکہ اس کا تو وجود ہی نہیں تو ضمیر یہاں شافع کی طرف لوٹے گی۔۔۔ پس شفاعت اللہ تعالیٰ کے اذن سے ہے یا شافع کے اذن سے؟

اور میں چاہتا ہوں کہ میں ''زینو'' کو متنبہ کر دوں کہ عقیدہ میں کلام کرنے سے پہلے

عربی لغت تو سیکھ لے۔

پھر اس پر زیادتی یہ کہ معصومین جیسے انبیاء و مرسلین پر اتہام لگایا کہ وہ مشرکین کی شفاعت کریں گے۔۔۔اور شاید یہاں اس شفاعت سے مراد اس کی نبی اکرم ﷺ کی شفاعت اپنے والدین کے لیے ہے کیونکہ وہ ان کو مشرکین سمجھتا ہے جب کہ اہل حق ان کو اہل فترت سے سمجھتے ہوئے اللہ کے حکم سے ناجی سمجھتے ہیں اور اس نے مسلم شریف کی حدیث پر اس کی بنیاد رکھی ہے کہ:

ان أبي و أباک في النار"

میرا باپ (ابوطالب) اور تیرا باپ جہنم میں ہے۔[1]

اس جاہل کو یہ علم ہونا چاہیے کہ اس حدیث میں بعض رواہ کی طرف سے تصحیف ہوئی ہے اور اس پر حفاظ حدیث نے نص فرمائی ہے اور ان میں حضرت امام جلال الدین سیوطی ہیں اور صحیح حدیث اس طرح وارد ہوئی ہے۔

اذا مررت بقبر مشرک فبشره بالنار۔

تو جب کسی مشرک کی قبر پر سے گذرے تو اس کو جہنم کی بشارت سنا دے۔[2]

اور اسی طرح یہ بھی حدیث میں وارد ہے کہ:

خرجت من النكاح، ولم اخرج من سفاح من لدن آدم الى أن ولدني أبي و أمي۔

---

[1] رواه مسلم في الصحيح برقم ۲۰۳ و ابو داؤد في السنن برقم ۴۷۱۸ و احمد في مسنده جلد ۳ صفحه ۱۱۹۔

[2] رواه ابن ماجه برقم ۱۵۷۳، امام ہیثمی نے فرمایا کہ اس کو بزار اور طبرانی نے روایت کیا اور اس کے رجال صحیح کے رجال ہیں۔ و رواه معمر في جامعه ۱۰/۴۵۴ (۱۹۶۸۶) والبزار في مسنده ۳/۲۹۹ (۱۰۸۹) والطبراني في الكبير ۱/۱۴۵ (۳۲۶) والمقدسي في الاحاديث المختارة ۳/۲۰۴ (۱۰۰۵) والبيهقي في السنن الكبرى ۱۹۰/۷

میں نکاح سے پیدا ہوا جاہلت کے گناہ سے نہیں حضرت آدم علیہ السلام سے لیکر حتی کہ مجھے میرے باپ اور ماں نے جنم دیا۔[1]

اور قرآن مجید میں بھی ان دونوں کی نجات کے بارے میں وارد ہے:

وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا۔

اور ہم عذاب کرنے والے نہیں جب تک رسول نہ بھیج لیں۔[2]

اور فرمایا:

وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى۔

اور عنقریب تیرا رب تجھے اتنا دے گا کہ تو راضی ہو جائے گا۔[3]

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان:

لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ وَ اَنْتَ حِلٌّ بِهٰذَا الْبَلَدِ وَوَالِدٍ وَّ مَا وَلَدَ۔

قسم ہے اس شہر کی کہ تو اس میں ہے اور والد اور بیٹے کی قسم۔[4]

اس کے سوا دیگر آیات واحادیث کہ جو اس کے زعم کا رد کرتی ہیں۔

اور امام زبیدی کا اس میں ایک رسالہ ہے اور اسی طرح امام برزنجی وغیرہ کا پس اس کو دیکھ اور اگر بفرض محال اس روایت کو صحیح بھی مان لیا جائے تو ''اب'' کا لفظ لغت عرب میں بالاتفاق اور اہل کتاب کے اجماع کے ساتھ ''چچا'' پر بھی بولا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

---

(1) رواه ابن ابي شيبة في مصنفه ٣٠٣/٦ (٣١٦٤١)، وعبد الرزاق في مصنفه جلد٧/٣٠٣ (١٣٢٧٣) والطبراني في الأوسط ٨٠/٥ (٤٧٢٨)۔

قال الهيثمي: رواه الطبرانيفي الأوسط، وفيه محمد بن جعفر بن محمد بن علي، صحح له الحاكم في المستدرك وقد تكلم فيه، وبقية رجاله ثقات)

(2) سورة الاسراء ١٥۔

(3) سورة الضحى ٥۔ (4) سورة البلد ١-٢۔

أَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ إِذْ حَضَرَ يَعْقُوبَ الْمَوْتُ إِذْ قَالَ لِبَنِيهِ۔

کیا تم اس وقت حاضر تھے جب حضرت یعقوب علیہ السلام کا انتقال ہوا جب کہا اپنے بیٹوں سے۔[1]

پس اس میں حضرت ابراہیم واسحاق اور حضرت اسماعیل جو کہ حضرت یعقوب کے چچا ہیں یہاں ان کو بھی ''اب'' کہا جا رہا ہے۔

اور اسی طرح ہے:

وَرَفَعَ أَبَوَيْهِ عَلَى الْعَرْشِ۔

اور اپنے بات کو تخت پر بیٹھایا۔[2]

کتاب کی قراۃ مؤلف پر ماہ ربیع الانوار کی سات تاریخ بدھ کی صبح ھاشم الحامد اور عمر الباشا کی موجودگی میں مکمل ہوئی۔

اللہ تعالیٰ حضرت احمد صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ میں ہم سب کو داخل فرمائے اور ہمارے سروں پر چمکتے ہوئے نورانی تاج پہنائے اور اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں کو اس پر اور اس کے ساتھ جمع فرمائے حتی کہ ہم حوض کوثر پر وارد ہوں اور ہم اور ہمارے اہل بیت ہمارے مشائخ اور ہمارے تمام محبین کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لوائے حمد کے نیچے جگہ عطا فرمائے۔

والحمد للہ رب العالمین۔

اے اللہ! یہ تیرا فضل ہے کہ ہم نے تیری امانت کو پورا کیا جیسا کہ تو نے مقرر فرمایا اور ارادہ فرمایا اور تیرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا۔

اے اللہ! گواہ رہنا کہ میں نے تیرے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے اشارہ کو پورا کیا جو کہ انہوں نے مجھے خواب میں دیا تھا۔ کہ جس نے مبتدعین کی زبانیں کاٹ دیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنن کے دفاع اور اس پر سے اعتراض اٹھانے میں۔

---

[1] سورۃ البقرۃ:۱۳۲۔ [2] الیوسف:۱۰۰۔

اے اللہ تعالیٰ! اس کتاب پر امت کو جمع فرما اور اگر میرے قلم سے کوئی کلمہ ایسا نکل گیا ہے کہ جس سے تو راضی نہیں یا تیرا محبوب ﷺ راضی نہیں تو مجھے معاف فرما میں نے ہر طرح کوشش کر کے بہت بڑی مقدار میں دلائل جمع کر دیے ہیں جو کہ معنی کی وضاحت کرتے ہیں اور دلالت کو واضح کرتے ہیں اور معمہ کو حل کرتے ہیں پس اگر قاری اس کتاب میں کوئی کمال پائے تو یہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے فضل وکرم میں سے ہے اور اگر اس میں کوئی کمی ونقص پائے تو یہ میری طرف سے کمی وکوتاہی ہوگی۔

جیسا کہ امام شافعی علیہ الرحمہ نے فرمایا:

پس میں نے کوئی کتاب پڑھی اور اس کی تصحیح کی اور اگر میں نے اس میں غلطی پائی تو اس کی اصلاح کردی اور میں اس کو اللہ تعالیٰ کے اس فرمان پر ختم کرتا ہوں۔

وَاِذَا رَاَیْتَ الَّذِیْنَ یَخُوْضُوْنَ فِیْ آیَاتِنَا فَاَعْرِضْ عَنْھُمْ الی قولہ تعالیٰ اِلَیْہِ تُحْشَرُوْنَ۔

میں اس بحث میں پانچ سال تک غور وفکر کرتا رہا اور دو مرتبہ اس کو پڑھا اور اس کا پہلا نام میں نے سیدی شیخ عبدالعزیز بن الصدیق الغماری المحدث پر پیش کیا تو آپ نے اس کو پسند فرمایا اور ہمارے لیے ثواب وبرکت کی دعا فرمائی۔

پس میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ اس کتاب کو آپ کے اعمال کے صحیفہ میں رکھے اور میری طرف سے یہ حضرت سیدہ صدیقہ فاطمہ الزہرہ رضی اللہ عنہا کی بارگاہ میں تحفہ قبول فرمائے۔

آمین بجاہ النبی الکریم الآمین ﷺ

ہماری نئی کتب پروگریسو بکس
کنز الایمان تفسیر خزائن
علامہ ابوتراب محمد ناصر الدین ناصر المدنی عطاری
(2 جلدیں ڈسکاؤنٹ 25%)
شرح جامع ترمذی
ڈاکٹر مفتی محمد حسیب قادری
شرح ابوداؤد
علامہ ابوتراب محمد ناصر الدین ناصر المدنی عطاری
فیوض الزاھی شرح سنن نسائی
تصنیف: ڈاکٹر مفتی کریم خان
شرح ریاض الصالحین
(مکمل سیٹ 4 جلدیں)
علامہ ابوتراب محمد ناصر الدین ناصر المدنی عطاری
شرح قصیدہ بردہ شریف
تالیف: العلامہ عمر بن احمد الخرپوتی مترجم: شاہ محمد چشتی
شرح قصیدہ بردہ شریف
تالیف: الشیخ ابراہیم الباجوری مترجم: حافظ حامد حسین القادری الشاذلی
شرح شمائل ترمذی
علامہ ابوتراب محمد ناصر الدین ناصر المدنی عطاری
شرح درودِ تاج
علامہ ابوتراب محمد ناصر الدین ناصر المدنی عطاری
شرح اربعین نووی
علامہ ابوتراب محمد ناصر الدین ناصر المدنی عطاری
شرح نور الایضاح
علامہ امجد علی قادری
شرح آثار السنن
علامہ ابوتراب محمد ناصر الدین ناصر المدنی عطاری
شرح کلیات اقبال
شارح: الحافظ القادری مولانا غلام حسن قادری
شرح کشف المحجوب
ترجمہ: مفتی غلام معین الدین نعیمی
شرح: علامہ ابوتراب محمد ناصر الدین ناصر المدنی عطاری
پروگریسو بکس
یوسف مارکیٹ ○ غزنی سٹریٹ
اردو بازار ○ لاہور
فون 042-37124354 فیکس 042-37352795